اِزالۃ الشکوک

ردِّ عیسائیت میں سب سے زیادہ مفصّل اور مُدلّل کتاب

جلد اوّل

تصنیف

حضرت علاّمہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی مُہاجر مکیؒ

بانی مدرسہ صولتیہ - مکّہ مکرّمہ

تحقیق و تسہیل

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی

اُستاذِ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مکتبہ معہد الشریعہ، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجعل کلمة الذین کفروا السفلی و کلمة اللہ هی العلیا

ازالة الشکوک

(جلد اول)

تصنیف

مناظر اسلام، حامیٔ دین متین پایۂ حرمین شریفین

حضرت علامہ مولانا شیخ رحمت اللہ کیرانویؒ مہاجر مکی

بانی مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ

تحقیق و تسہیل

(مفتی) مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی

استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوة العلماء، لکھنؤ

ناشر

معہد الشریعہ لکھنو، انڈیا

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: ازالۃ الشکوک
تصنیف: حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ
تحقیق وتسہیل: حضرت مولانا مفتی عتیق احمد قاسمی بستوی مدظلہ
اشاعت: رجب المرجب ۱۴۳۶ھ۔ مئی ۲۱۰۵ء
مجموعی صفحات: ۲۰۴۸
صفحات: ۶۸۸
مجموعی قیمت: (مکمل سیٹ) ۱۲۰۰ روپے
کمپوزنگ: آصف لئیق ندوی، محمد سہیل اختر ندوی، عبدالمغنی ندوی

ناشر
مکتبہ معہد الشریعہ لکھنؤ

ای میل: m.ateeque.bastavi@gmail.com
موبائل نمبر: 0091-9839776083

تقسیم کار

مکتبہ الفرقان نظیر آباد، لکھنؤ

ملنے کے پتے

(۱) مکتبہ احسان، ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ، فون نمبر 9335982413
(۲) مکتبہ ندویہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ (۳) دارین بکڈپو، لکھنؤ
(۴) دارالکتاب دیوبند (۵) مکتبہ نعیمیہ دیوبند (۶) مکتبہ المعارف دیوبند
(۷) کتب خانہ عزیزیہ دہلی (۸) ایفا پبلیکیشنز دہلی (۹) ایجوکیشنل بکڈپو علیگڑھ
(۱۰) حنفیہ کتب خانہ بنگلور (۱۱) شیخ الاسلام بکڈپو، پورنیہ (۱۲) مکتبہ امدادیہ سہارنپور

بسم الله الرحمن الرحیم

عرض ناشر

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات والصلوٰة والسلام على خير خلق الله محمد المصطفى صاحب الشفاعات وعلىٰ آله وأصحابه الذين فازوا بالدرجات العلى في جنات النعيم.

اللہ جل شانہ کا شکر وسپاس ادا کرنے سے زبان قلم عاجز ودرماندہ ہے، جس کی کرم گستری اور توفیق سے حضرت مولانا مجاہد اسلام، علامہ رحمت اللہ کیرانوی کی گرانمایہ تصنیف ازالۃ الشکوک کی تحقیق وتسہیل، کمپوزنگ اور تصحیح وغیرہ سے فراغت ہوئی اور یہ کتاب چار جلدوں میں طباعت کے مرحلے سے گزرنے کے لئے تیار ہے، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو حسن طباعت سے آراستہ فرما کر قبولیت سے سرفراز فرمائیں اور مصنف کتاب اور اس خادمِ کتاب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنادے۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی شخصیت وخدمات سے احقر زمانہ طالب علمی ہی سے کسی حد تک واقف ہو چکا تھا، ردنصاریٰ میں ان کی شہرۂ آفاق کتاب اظہار الحق جزوی طور پر مطالعہ سے گزر چکی تھی لیکن مولانا موصوف کو کچھ تفصیل سے پڑھنے کا موقع اس وقت ملا، جب میں دارالعلوم دیوبند سے فضیلت اور افتاء کرنے کے دوسال بعد مدرسہ امداد یہ مرادآباد میں تدریسی خدمات انجام دینے لگا، اسی زمانہ میں دہلی میں مولانا امداد صابری مرحوم نے حضرت مولانا شمیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ، کی تحریک پر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی پر سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ فرمایا اور اس کی تیاریاں شروع کر دیں، اس زمانہ میں مرادآباد میں ایک بزرگ جناب افتخار فریدی مرحوم رہا کرتے تھے، عالم تو نہیں تھے لیکن بزرگوں کے حالات اور تاریخ وسیرت کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے تبلیغی محنت میں لگے اور کافی سرگرم رہے، جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو تبلیغ سے جوڑنے

میں ان کا اہم رول رہا، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے اساتذہ اور طلبہ کی کافی تعداد ان کی کوششوں سے تبلیغی جماعت سے جڑی اور یونیورسٹی میں دینی ماحول نظر آنے لگا، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں بھی تبلیغ سے وابستہ اور سرگرم رہے، لیکن میں جب مرادآباد پہنچا اس سے پہلے ہی تبلیغی جماعت سے ان کی عملی وابستگی کمزور پڑ چکی تھی، اگرچہ ان کا دعوتی جوش وجذبہ کمزور نہیں پڑا تھا (بلکہ اپنے طور پر وہ اپنی معذوری کے باوجود (ان کا ایک پیر کسی حادثہ کی وجہ سے کاٹ دیا گیا تھا، دعوت کے میدان میں سرگرم تھے، ہندو پاک کے دعوتی دینی اور علمی حلقوں سے ان کے وسیع روابط تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی سے بھی ان کے خصوصی روابط تھے، ان دونوں بزرگوں سے برابر مراسلت رکھتے، اور سال میں کئی بار لکھنؤ کا سفر کر کے کئی کئی روز ان دونوں بزرگوں کے پاس قیام فرماتے اور بے تکلف باتیں کرتے۔

جناب افتخار فریدی مرحوم نے مجھے دہلی میں حضرت مولانا کیرانوی کے بارے میں ہونے والے سمینار کی اطلاع دی اور یہ اصرار فرمایا کہ میں سمینار میں ضرور شرکت کروں، مولانا امداد صابری مرحوم سے رابطہ قائم کر کے اس کا دعوت نامہ میرے نام منگوایا۔

اس وقت نوجوانی تھی، حضرت مولانا کیرانوی پر لکھنے کے لئے جو کچھ دستیاب ہوا تفصیل سے پڑھا جناب افتخار فریدی مرحوم کے پاس جو کتابیں اور رسائل اس موضوع پر تھے وہ انھوں نے فراہم کیے، مدرسہ امدادیہ کے کتب خانہ سے بھی مدد ملی، مرادآباد کے راحت مولائی صاحب کے کتب خانہ سے بھی بعض کتابیں ملیں، یاد پڑتا ہے ایک دو سفر رضا لائبریری رامپور کے کیے، مقالہ مکمل کر کے دہلی بھیج دیا جس کا عنوان تھا ''حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور تحریک مدارس'' میرا یہ مضمون کافی مدت کے بعد ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کے تین شماروں (اپریل، مئی، جون، جولائی ۱۹۹۵ء) میں چھپا اس مضمون کو پڑھ کر حضرت مولانا شمیم صاحب دامت برکاتھم (موجودہ ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ) نے مکتوب گرامی تحریر فرمایا، جس میں انھوں نے مضمون کی تعریف وتحسین کرنے کے ساتھ کچھ مفید مشورے دیے، افسوس ہے کہ وہ مکتوب ان سطروں کی تحریر کے وقت دستیاب نہ ہو سکا کہ اسے بعینہ نقل کیا جا سکے لیکن اس مکتوب کے جواب میں احقر نے مولانا

موصوف کو جو خط لکھا تھا اس کا مسودہ قدیم کاغذات میں نکل آیا، اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے، کیونکہ اس سے مولانا موصوف کے مکتوب کے مشتملات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

باسمہ تعالیٰ

۱۴۱۶/۶/۲۴ھ

مخدوم ومکرم حضرت مولانا محمد حشیم صاحب عثمانی زیدت مکارمکم

امید ہے کہ جناب والا صحت وعافیت کے ساتھ ہوں گے، میں نے آپ کے گرامی نامہ کا مفصل جواب لکھ کر سپرد ڈاک کیا تھا، حضرت مولانا محبوب الرحمٰن صاحب ازہری مدظلہ العالی سے یہ معلوم کرکے بڑا افسوس ہوا کہ میرا خط آپ تک نہیں پہنچ سکا، اس لئے آپ کے گرامی نامہ کے تعلق سے دوبارہ یہ سطریں تحریر کر رہا ہوں، وصولیابی کی رسید سے سرفراز فرمائیں۔

(۱) میرے مضمون ''حضرت کیرانوی اور تحریک مدارس'' (شائع شدہ الفرقان لکھنؤ) کے بارے میں آپ نے جو تاثرات تحریر فرمائے ہیں میں ان سے سو فی صد متفق ہوں وہ مضمون میں نے کم وبیش ۱۷ سال قبل اس وقت لکھا تھا جب میرا قیام مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں تھا اور حضرت مولانا شمیم صاحبؒ اور مولانا امداد صابری مرحوم کی کوششوں سے دہلی میں مولانا کیرانوی رحمتہ اللہ علیہ پر سمینار ہونے والا تھا، مولانا امداد صابری مرحوم کی دعوت پر سمینار کے لئے وہ مقالہ لکھا گیا تھا، مقالہ بھیج دیا گیا تھا لیکن میں خود علالت کی باعث اس میں شرکت نہ کرسکا تھا، وہ مقالہ تو مولانا امداد صابری مرحوم کے بیان کے مطابق مولانا شمیم صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کے ہمراہ حجاز چلا گیا تھا، اس کا نامکمل مسودہ میرے پاس محفوظ تھا وہی الفرقان میں کچھ ترمیم واصلاح کے بعد شائع کیا گیا، مقالہ تیار کرتے وقت میرے پاس بہت محدود مراجع تھے۔ انھیں کی مدد سے انتہائی عجلت میں مقالہ سپرد قلم کیا گیا تھا۔

(۲) آپ کے برجستہ اور قلم برداشتہ خط سے اندازہ ہوا کہ آپ نے حضرت مولانا کیرانوی اور ان کے تلامذہ کی تعلیمی خدمات پر کافی مواد یکجا کیا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو۔ ''صاحب البیت ادری بما فیہ'' لہذا اگر فرصت نکال کر حضرت مولانا کیرانویؒ کی وسیع الجہت خدمات کے اس گوشہ پر کوئی کتاب یا مفصل مضمون تحریر فرمائیں تو یہ ہم سب کے لئے سرمۂ بصیرت ہو۔

اگر اپنی مصروفیات کی باعث آپ اس کی فرصت نہ پاسکیں تو ایک صورت یہ ہے کہ اس سلسلے کی معلومات آپ مجھے فراہم کریں، میں انہیں مرتب کرنے کی کوشش کروں، اس کام کی انجام دہی میرے لئے بڑی سعادت ہوگی۔

(۳) حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی حیات وخدمات پر اچھا خاصا لکھا گیا ہے، لیکن ان کی زندگی اور خدمات کے بہت سے پہلو محتاج بحث وتحقیق ہیں، مولانا امداد صابری کی متعدد کتابوں کے باوجود حضرت مولانا کیرانوی کی ایک جامع سوانح کی کمی برابر محسوس ہوتی ہے، مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی دامت الطافہ کو اللہ تعالیٰ نے سوانح نگاری کا خاص سلیقہ اور ملکہ عطا فرمایا ہے اور تحقیق وتلاش کا خصوصی ذوق عطا فرمایا ہے، اگر آپ کے توجہ دلانے سے وہ اس کام کا آغاز فرمادیں تو یہ بہت بڑا کام ہوجائے۔

(۴) حضرت مولانا کیرانوی ایک فرد نہیں بلکہ ایک فرد فرید اور عہد آفریں شخصیت تھے، ان کی دینی وملی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع اور ہمہ گیر تھا، ان کی زریں خدمات ہماری تاریخ کا انتہائی روشن باب ہیں، ان کا حق ہے کہ ان کے کام اور پیغام کو زندہ رکھا جائے، اور نئی نسل کو ان کی شخصیت اور خدمات سے روشناس کرایا جائے، افسوس ہے کہ ہماری نئی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں اور ان کے مجاہدہ وجہاد سے ناواقف ہوتی جارہی ہیں اور ماضی سے ان کا رشتہ کٹتا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ''نام نیک رفتگاں'' کو زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۵) آپ کے مکتوب خصوصاً آپ کی تعمیری تنقید سے مجھے بے پناہ مسرت ہوئی، آپ کا خط پڑھ کر میں نے محسوس کیا کہ میری محنت ٹھکانے لگی، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، حرم مکی یا حرم مدنی میں مقیم خوش نصیبوں سے ملاقات یا مکاتبت کے وقت یہ تمنا اور خواہش دل میں انگڑائی لینے لگتی ہے کہ کاش یہ خوش نصیب حرم پاک کی دعاؤں میں سیہ کار کو بھی یاد کرلیں، آپ سے بھی دعاؤں کی التجا ہے۔

عتیق احمد قاسمی

خادم تدریس دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اس خط کے سلسلے میں کوئی جوابی مکتوب حضرت مولانا شمیم صاحب دامت برکاتہم کی

طرف سے آنا مجھے یاد نہیں، کچھ مدت کے بعد دسمبر ۱۹۹۹ء میں عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی، مدرسہ صولتیہ جو حرم مکی سے بالکل نزدیک تھا میں قیام رہا، حضرت مولانا حشیم صاحب دامت برکاتہم کی ضیافتوں اور نوازشوں سے شادکام ہوا، اسی سفر میں مولانا موصوف نے ازالۃ الشکوک پر کام کرنے کی تحریک کی اس کا ذکر مولانا موصوف کے نام میرے ایک خط میں کچھ تفصیل سے کیا گیا ہے، اس لئے اس خط کے چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدوم ومکرم حضرت مولانا محمد حشیم عثمانی صاحب زیدت معالیہ مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا

مجھے بڑی شرمندگی ہے کہ بہت تاخیر سے آپ کی خدمت میں کچھ تفصیلی خط روانہ کررہا ہوں، گذشتہ حج کے موقع پر ایک عزیز کے بدست ایک اجمالی خط روانہ کیا تھا، وہ غالباً ملا ہوگا۔

امریکہ کے سفر سے لوٹتے ہوئے گذشتہ رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں مکہ مکرمہ حاضری کے موقع پر مدرسہ صولتیہ میں چند روز قیام کیا تھا اور آپ کی عنایتوں اور ضیافتوں سے خوب خوب بہرہ ور ہوا تھا، آپ نے حضرت مولانا کیرانویؒ کی اور ان سے متعلق بعض کتابیں بھی ہدیہ کی تھیں۔ آپ نے یہ خواہش بھی ظاہر کی تھی کہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی کتاب ''ازالۃ الشکوک'' کی نئی اشاعت نئے انداز پر کی جائے۔

سفر امریکہ وحجاز سے واپسی کے چند روز بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی رحلت کا جانکاہ حادثہ پیش آیا، جس نے دل ودماغ کی دنیا ہی زیروزبر کردی، پھر نئے تعلیمی سال کی ہمہ ہمی اور بعض دوسرے تصنیفی کاموں نے ازالۃ الشکوک والے کام کی منصوبہ سازی اور اس کے عملی آغاز کا موقع ہی نہیں دیا، معاملہ آج کل پر ٹلتا رہا حتی کہ پورا سال گذر گیا۔

اس رمضان المبارک میں طبیعت پر ''ازالۃ الشکوک'' پر کام شروع کرنے کا تقاضا ہوا جلد اول کا مطالعہ کیا، جلد ثانی کے نسخے آپ کے پاس بہت محدود تھے، میں نے آپ سے اس خیال سے جلد ثانی نہیں لی تھی کہ کتب خانہ ندوۃ العلماء میں یہ کتاب ضرور موجود ہوگی، وہاں کے

نسخہ سے کام چلا لیا جائے گا لیکن جب کتب خانہ ندوۃ العلماء میں تلاش کیا تو یہاں ''ازالۃ الشکوک'' کی صرف پہلی جلد موجود ملی، جلد دوم ہے ہی نہیں، اگر سہولت سے ہوسکے تو کسی آنے والے کے بدست جلد دوم روانہ فرمادیں، ورنہ یہاں کسی دوسرے کتب خانہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

جلد اول پر نظر ڈال کر کام کا جو خاکہ میرے ذہن میں آیا ہے اسے مختصراً عرض کرتا ہوں، اگر آپ اتفاق کریں تو اسی نہج پر کام شروع کرایا جائے، کوئی مزید مشورہ آپ کے ذہن میں ہو تو تحریر فرمائیں۔

(۱) پوری کتاب میں پیراگراف قائم کرنا اور جدید اصول کتابت کے اعتبار سے کاما، بین القوسین وغیرہ قائم کرنا بہت ضروری ہے۔

(۲) عناوین وغیرہ عموماً حاشیہ پر ہیں، انہیں اصل کتاب میں شامل کرنا ہوگا، جہاں عناوین کی کمی ہے وہاں نئے ذیلی عناوین قائم کرنے ہوں گے، مولانا کیرانویؒ کے بہت سے افادات بغلی حاشیہ پر ہیں انہیں زیریں حاشیہ پر لانا ہوگا۔

(۳) فارسی کی بہت سی عبارتیں اور عربی کے بعض اقتباسات واشعار بغیر ترجمہ کے ہیں، ان کا اردو میں ترجمہ کرنا ہوگا۔

(۴) پوری کتاب کے زبان واسلوب کو بدلنا تو بہت نازک اور دقت طلب کام ہے اور اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے، حضرت مولانا کیرانویؒ کی زبان واسلوب میں اب بھی تازگی اور سادگی ہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ جن الفاظ کا رسم الخط تبدیل ہوگیا ہے انہیں نئے رسم الخط میں لکھا جائے، جو الفاظ متروک ہوگئے ہیں ان کے بعد بریکٹ میں مستعمل لفظ لکھ دیا جائے۔

(۵) جن غیر مسلم مصنفین کا یا ان کی کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے، بریکٹ میں انگریزی زبان میں بھی ان کا نام لکھ دیا جائے۔

کتاب فی الحال بارہ سو صفحات پر مشتمل ہے، میرے نقشۂ کار کے مطابق مرتب کرنے میں اس کے صفحات تقریباً دو ہزار (۲۰۰۰) ہوجائیں گے اور کتاب دو کے بجائے چار جلدوں میں ہوجائے گی۔۔۔۔

اگر آپ کام کے مذکورہ بالا نہج سے اتفاق کریں جلد تحریر فرمائیں، کام کے نہج میں کسی تبدیلی کا مشورہ ہو تو اسے بھی تحریر فرمائیں، آپ کی منظوری آنے کے بعد کام شروع کرادیا جائے گا۔

حضرت مولانا حسیم صاحب دامت برکاتہم کی رائے بنی کہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کے الفاظ میں جہاں ضرورت محسوس ہو، تبدیلی کردی جائے، چنانچہ کہیں کہیں تبدیلی کی گئی لیکن توریت وانجیل کے ترجموں میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے، اسی طرح حضرت مولانا کیرانوی نے آیات واحادیث کے جو ترجمے کئے ہیں انہیں بعینہ رکھا گیا ہے، ہاں کوئی لفظ متروک ہو چکا ہے تو اس کا متبادل مستعمل لفظ بریکٹ میں لکھ دیا گیا ہے۔

کتاب طویل محنت کے بعد اشاعت کے لئے تیار ہے، اصل کتاب سے پہلے احقر کی اور بعض دیگر بزرگوں کی متعدد مختصر اور طویل تحریریں جلد اول میں شامل کی جارہی ہیں، انہیں مقدمہ کتاب سمجھئے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کتاب کا یہ نیا ایڈیشن عنداللہ اور عندالناس مقبول ہو، اور مصنف کتاب نیز خادم کتاب کے لئے ذخیرہ آخیرہ بنے۔

عتیق احمد قاسمی بستوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۷/۷/۱۴۳۶ھ۔ ۷/۵/۲۰۱۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مقدمہ

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	عرض ناشر	۳
۲	تقریظ حضرت سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم (ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)	۲۹
۳	پیشِ لفظ حضرت مولانا حسیم ماجد مسعود عثمانی (ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ)	۳۱
۴	اظہار الحق اور اس کے مؤلف ''حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ'' از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ	۳۴
۵	حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی ایک معمار مجاہد از: حضرت مولانا محمد سلیم صاحب کیرانویؒ	۴۶
۶	حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور تحریک مدارس از: مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی	۸۷
۷	عیسائی مشنریز کی سرگرمیاں اور مسلمان جائزہ۔ مشورے، گذارشیں مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی	۱۱۲
۸	ردِ عیسائیت میں عربی کی چند اہم کتابیں از: مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی	۱۳۸
۹	جواد ساباط ہندوستان میں تیرہویں صدی ہجری میں عیسائی مشن کا ایک عرب حریف از: حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ	۱۴۷
۱۰	عیسائی مشنریز کے مقابلے میں برصغیر کے علماء اور اہل دانش کی قابلِ قدر کوششیں از: مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی	۱۶۰
۱۱	پادری سی۔ جی۔ فنڈر از: سید غلام محی الدین مرحوم	۱۷۰

۱۲	چند معروضات ''ازالۃ الشکوک'' کے بارے میں (مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی)	۱۷۵
	(۱) مولانا کیرانویؒ کی تصنیفات کی زمانی ترتیب	۱۷۶
	(۲) ازالۃ الشکوک کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر	۱۷۷
	(۳) ازالۃ الشکوک کی اشاعت	۱۷۸
	(۴) ازالۃ الشکوک کی وجہ تصنیف	۱۸۰
	(۵) مرزا فخر الدین اور ازالۃ الشکوک	۱۸۲
	(۶) حضرت مولانا عبدالوہاب ویلوری اور ازالۃ الشکوک کی اشاعت	۱۸۳
	(۷) ازالۃ الشکوک کی تصنیف کے وقت حضرت مولانا کیرانوی کا مقام	۱۸۳
	(۸) مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ڈاکٹر وزیر خاں	۱۸۵
	(۹) بعض خصوصیات	۱۸۷
	(۱۰) ردعیسائیت کے لئے پوری عملی تیاری	۱۸۷
	(۱۱) تحقیق وتصنیف میں پتہ ماری اور صبر وثبات	۱۸۹
	(۱۲) ناموافق حالات میں خدا کی ذات پر اعتماد اور خود اعتمادی	۱۹۰
	(۱۳) ازالۃ الشکوک کے بعض مباحث	۱۹۰
	(۱۴) ردعیسائیت پر کام کرنے والی شخصیات کا اعتراف وتحسین	۱۹۱
	(۱۵) ازالۃ الشکوک کی تصنیف کے زمانے میں مولانا کیرانوی کے جذبات جہاد	۱۹۲
	(۱۶) حضرت مولانا کیرانوی کا اثر بعد کے ادوار پر	۱۹۳
	(۱۷) ازالۃ الشکوک کی قدیم وجدید اشاعتوں کے بارے میں ایک ضروری وضاحت	۱۹۵
	(۱۸) چند باتیں ازالۃ الشکوک کی اس خدمت کے بارے میں	۱۹۶
	(۱۹) فہرست کتاب کے بارے میں ایک وضاحت	۱۹۷
	مولانا کیرانویؒ اور تاریخ گوئی	۱۹۸
	(۲۰) کلماتِ تشکر	۱۹۹
	ازالۃ الشکوک ادبی نقطۂ نظر سے	۲۰۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ازالۃ الشکوک جلد اول کی فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	خدا کی حمد	۲۰۹
۲	رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت	۲۱۰
۳	منقبت آل واصحاب	۲۱۲
۴	سبب تالیف کا بیان	۲۱۳
۵	مقدمہ (چار امور پر مشتمل ہے)	۲۱۷
۶	پہلا امر۔ ہر مذہب کے متبع کا اپنے مخالف کو برا کہنا، اور اس کی نظیریں	۲۱۷
۷	دو حکایتیں (حاشیہ میں)	۲۲۱
۸	دوسرا امر۔ ہر متبع کا اپنے مذہب کی تائید اور طرفداری کرنا	۲۲۲
۹	فرقۂ پروٹسٹنٹ کے سیکڑوں پادریوں کا دانستہ طور پر مسلمانوں کو گمراہ کرنا اور اس کے چار وجوہات	۲۲۸
۱۰	پہلی وجہ	۲۳۰
۱۱	دوسری وجہ	۲۳۱
۱۲	تیسری وجہ	۲۳۱
۱۳	چوتھی وجہ	۲۳۲
۱۴	تیسرا امر۔ دوسروں کی عیب گیری کی وجہ سے پادریوں کی عیب گیری کیا جانا	۲۳۳
۱۵	تین اہم نزاعی مسئلے	۲۳۵
۱۶	نسخ اور تحریف کا اجمالی بیان	۲۳۵

۱۷	میزان الحق کے مؤلف اوران کے شریک مناظرہ کا مجمع عام میں اعلان کہ کلام الٰہی میں نسخ کا امکان ہےاور انجیل میں سات آٹھ آیات میں تحریف اور چالیس ہزار غلطیاں ہیں۔	۲۳۵
۱۸	پادری فرنچ کا انجیل میں چار پانچ آیات میں تحریف کا اقراراوران کے خط سے اس پرثبوت	۲۳۵
۱۹	پہلی بات:۔انجیل کی چار پانچ آیتوں میں تحریف ماننے کے باوجودان سے دست بردار نہ ہونا	۲۳۷
۲۰	دافع البہتان کے مؤلف کی جسارت	۲۳۷
۲۱	دوسری بات:۔مؤلف ''میزان الحق'' کی بے انصافی	۲۳۸
۲۲	تیسری بات: تحریف کی بابت مسلمانوں سے نہ الجھنے کا پادری صاحبان سے التماس اورالجھنے کی صورت میں چار باتوں کالحاظ	۲۳۹
۲۳	مسئلۂ تثلیث کا اجمالی بیان	۲۴۱
۲۴	تثلیثی مذہب کےایک پادری کی حکایت	۲۴۴
۲۵	عشاء ربانی کا عقیدہ	۲۴۶
۲۶	سیل کی وصیتیں	۲۴۷
۲۷	چوتھا امر۔میزان الحق کے مؤلف کا علوم اسلامیہ میں عدم مہارت کے باوجود قرآن کے معنوں میں اصلاح دینا،اوران کی عدم مہارت پرشواہد	۲۴۷
	پہلاشاہد	۲۴۸
۲۸	دوسراشاہد	۲۴۹
۲۹	تیسراشاہد: پادری فنڈر کی عبارت کے غلط ہونے کے وجوہ	۲۵۰
۳۰	پہلی وجہ: روح اللہ کے لفظ سے خدائی کا ثابت نہ ہونا	۲۵۱
۳۱	روح کی خدا کی طرف اضافت کی دس توجیہات	۲۵۳

۳۲	حسب مقام تین حکایات، ایک متن اور دو حاشیہ میں	۲۶۳
۳۳	فائدہ عظیمہ۔ کتب عہد عتیق اور عہد جدید میں روح کے ۱۳ معانی	۲۶۵
۳۴	دوسری وجہ	۲۷۲
۳۵	تیسری وجہ	۲۷۳
۳۶	چوتھی وجہ	۲۷۳
۳۷	پانچویں وجہ	۲۷۴
۳۸	''مفتاح الأسرار'' کی عبارت کا ایک جائزہ	۲۷۷
۳۹	قرآن اور کلام عرب میں لفظ ''کلمہ'' کے اللہ کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں کیا معنی مراد ہوتا ہے؟	۲۷۹
۴۰	کلمہ اللہ کا اطلاق حضرت مسیح پر کیوں ہوا؟	۲۸۲
۴۱	کتب عہد عتیق وعہد جدید میں ''کلمۃ اللہ'' اور ''کلمۃ الرب'' کا کلام خدا یا حکم خدا کے معنی میں آنا۔	۲۸۲
۴۲	اردو ترجموں کی غلطی	۲۸۴
۴۳	ترجمہ کی تحریف	۲۸۶
۴۴	مؤلف ''میزان الحق'' کی خدمت میں چند باتیں	۲۹۱
۴۵	پہلا سوال۔ معجزات محمدی کس طرح ثابت ہوں گے؟	۲۹۵
۴۶	جواب	۲۹۵
۴۷	قرآن میں معجزات محمدی کا ذکر	۲۹۵
۴۸	اول:۔ معراج نبوی	۲۹۵
۴۹	معراج عقلاً محال نہیں	۳۰۰
۵۰	معراج کے حسب حال دو حکایتیں	۳۰۱

۵۱	فائدہ۔ مسلمانوں کے نزدیک مسجد کس کو کہتے ہیں؟ اور بیت المقدس کی تینوں حالتوں کا قرآن میں ذکر	۳۰۳
۵۲	حضرت عمرؓ کے عہد میں یروشلم کی فتح طامس نیوٹن کی تفسیر کے حوالہ سے اور اس پر تین مفید باتیں	۳۰۴
۵۳	پہلی بات	۳۰۵
۵۴	دوسری بات	۳۰۶
۵۵	تیسری بات	۳۰۷
۵۶	تحقیق دین حق کے اعتراض کا جواب	۳۰۷
۵۷	مسیح کی اس پیشین گوئی پر جو مرقس کی انجیل کے تیرہویں باب میں مندرج ہے تین اعتراضوں کا جواب۔	۳۰۸
۵۸	دوسرا معجزہ شق القمر	۳۱۱
۵۹	سورۂ قمر کی پہلی آیت میں ''انشق'' سے زمانہ مستقبل مراد نہ ہونے کے چار وجوہ	۳۱۱
۶۰	پہلی وجہ	۳۱۱
۶۱	دوسری وجہ	۳۱۲
۶۲	تیسری وجہ	۳۱۲
۶۳	تیسری وجہ	
۶۴	چوتھی وجہ	۳۱۵
۶۵	فائدہ۔ واقعۂ انشقاق کا کفار کے نزدیک اپنے عہد میں مسلم ہونا، اور تسلیم کرنے کے باوجود اسے سحر بتلانا۔	۳۱۶
۶۶	معجزۂ شق القمر پر منکرین کے شبہات کا جواب	۳۱۷
۶۷	ابطال کے چھ وجوہ نقلی کا بیان بطور معارضہ	۳۱۷

۶۸	پہلی وجہ	۳۱۷
۶۹	دوسری وجہ	۳۱۸
۷۰	تیسری وجہ	۳۲۰
۷۱	چوتھی وجہ	۳۲۱
۷۲	پانچویں وجہ	۳۲۱
۷۳	چھٹی وجہ	۳۲۱
۷۴	عہد عتیق اور عہد جدید کے چھ حادثوں کی نسبت، دین عیسوی کے منکرین کے اعتراضات	۳۲۲
۷۵	معجزۂ شق القمر پر شبہات کے ابطال کی چھ عقلی وجوہ	۳۳۱
۷۶	تیسرا معجزہ: ایک مشت خاک کا غزوۂ بدر میں شریک تمام کفار کی آنکھوں میں پہنچ جانا	۳۳۶
۷۷	میزان الحق کے مؤلف کے شبہ کا جواب	۳۳۷
۷۸	چوتھا معجزہ:۔دین اسلام کو غالب کرنے کی بشارتِ الٰہی اور اس کا پورا ہونا	۳۴۰
۷۹	اس پیشین گوئی کے کمال قرب کا بیان	۳۴۴
۸۰	عہد فاروقی میں مسلمانوں اور ایران کے مابین آٹھ جنگوں اور لشکر اسلام اور لشکر روم کے درمیان سات لڑائیوں کا بیان (حاشیہ میں)	۳۴۶
۸۱	پانچواں معجزہ: غلبۂ دین کی پیشین گوئی اور اس کا پورا ہونا	۳۴۹
۸۲	چھٹا معجزہ: بیعت رضوان	۳۵۴
۸۳	فتح خیبر کے زمانۂ قرب اور دیگر فتوحات کے وعدے کی قرآنی پیشین گوئی	۳۵۴
۸۴	ساتواں معجزہ: فتح مکہ	۳۵۶
۸۵	آٹھواں معجزہ: کفار کے مغلوب ہونے کی پیشین گوئی	۳۵۸
۸۶	نواں معجزہ: غزوۂ بدر کی پیشین گوئی	۳۵۹
۸۷	دسواں معجزہ: غزوۂ بدر کے بارے میں ایک خاص پیشین گوئی	۳۶۰

۸۸	گیارہواں معجزہ: غزوۂ احزاب میں فتح کی پیشین گوئی	۳۶۲
۸۹	بارہواں معجزہ: فتح مکہ اوراشاعت اسلام کی پیشین گوئی	۳۶۴
۹۰	تیرہواں معجزہ: غلبۂ روم کی پیشین گوئی	۳۶۵
۹۱	ان پیشین گوئیوں کے بارے میں مؤلف ''میزان الحق'' کے شبہات کا جواب	۳۶۷
۹۲	چودہواں معجزہ: حفاظت قرآن کا وعدہ	۳۷۲
۹۳	پندرہواں معجزہ: مکہ مکرمہ واپسی کی بشارت	۳۷۴
۹۴	سولہواں معجزہ: یہود کا موت کی تمنا نہ کرنا	۳۷۵
۹۵	سترہواں معجزہ: یہود کے بارے میں ذلت ومسکنت کی پیشین گوئی	۳۷۹
۹۶	یہود پرابدی ذلت کا مطلب اوراسرائیل کی موجودہ حکومت سے شبہ اوراس کا جواب	۳۸۱
۹۷	اٹھارہواں معجزہ: کفار کے دل میں رعب ڈالنے کی پیشین گوئی	۳۸۵
۹۸	انیسواں معجزہ: غزوۂ احزاب	۳۸۷
۹۹	بیسواں معجزہ: قرآن کریم	۳۸۹
۱۰۰	قرآن کے رسالت محمدی پردلالت کی تین وجوہ	۳۹۲
۱۰۱	اعجاز قرآن کا بیان	۳۹۶
۱۰۲	سیل کا ''قرآن کی انتہائی بلاغت کا اعتراف اوراس بات کا اقرار کہ مشہور شاعر لبید قرآن کی فصاحت دیکھ کر مسلمان ہوگیا تھا۔	۴۰۱
۱۰۳	بڑے بڑے ماہرین عرب کا قرآن کی حددرجہ فصاحت وبلاغت کا اقراراوراسی وجہ سے ان میں سے ایک تعداد کا مسلمان ہوجانے کے بارے میں نو حکایات	۴۰۳
۱۰۴	پہلی حکایت	۴۰۳
۱۰۵	دوسری حکایت	۴۰۴
۱۰۶	تیسری حکایت	۴۰۵

۱۰۷	چوتھی حکایت	۴۰۵
۱۰۸	پانچویں حکایت	۴۰۶
۱۰۹	چھٹی حکایت	۴۰۶
۱۱۰	ساتویں حکایت	۴۰۶
۱۱۱	آٹھویں حکایت	۴۰۷
۱۱۲	نویں حکایت	۴۰۹
۱۱۳	قرآن کے حق میں بعض علماء کے دو بہترین قول	۴۱۰
۱۱۴	تین کارآمد باتیں	۴۱۰
۱۱۵	اعجاز قرآن کی عجیب وعظیم وجوہ	۴۱۳
۱۱۶	فصاحت اور بلاغت کے دس وجوہ	۴۱۳
۱۱۷	فصاحت کی پہلی وجہ	۴۱۳
۱۱۸	فصاحت کی دوسری وجہ	۴۱۴
۱۱۹	فصاحت کی تیسری وجہ	۴۱۴
۱۲۰	فصاحت کی چوتھی وجہ	۴۱۵
۱۲۱	فصاحت کی پانچویں وجہ	۴۱۵
۱۲۲	فصاحت وبلاغت کی شاہکار بعض آیات قرآنی	۴۱۶
۱۲۳	فصاحت کی چھٹی وجہ	۴۱۹
۱۲۴	فصاحت کی ساتویں وجہ	۴۱۹
۱۲۵	دو حکایتیں	۴۱۹
۱۲۶	فصاحت کی آٹھویں وجہ	۴۲۳
۱۲۷	فصاحت کی نویں	۴۲۳

۱۲۸	فصاحت کی دسویں وجہ	۴۲۴
۱۲۹	فصاحت وبلاغت کے علاوہ مزید دس وجوہِ اعجاز	۴۲۵
۱۳۰	پہلی وجہ	۴۲۵
۱۳۱	دوسری وجہ	۴۲۵
۱۳۲	تیسری وجہ	۴۲۵
۱۳۳	چوتھی وجہ	۴۲۵
۱۳۴	پانچویں وجہ	۴۲۶
۱۳۵	چھٹی وجہ	۴۲۶
۱۳۶	ساتویں وجہ: قرآنی آیات کا ان امور پر مشتمل ہونا جو انبیاء کی بعثت کا اصل مقصد ہیں	۴۲۷
۱۳۷	تنبیہ: قرآن کریم میں قصوں کے تکرار کے اسباب	۴۳۱
۱۳۸	آٹھویں وجہ: دلوں پر قرآن کی اثر انگیزی	۴۳۴
۱۳۹	مناسب حال چھ حکایتیں	۴۳۴
۱۴۰	پہلی حکایت	۴۳۴
۱۴۱	دوسری حکایت	۴۳۵
۱۴۲	تیسری حکایت	۴۳۵
۱۴۳	چوتھی حکایت	۴۳۶
۱۴۴	پانچویں حکایت	۴۳۶
۱۴۵	چھٹی حکایت	۴۳۷
۱۴۶	نویں وجہ	۴۳۷
۱۴۷	دسویں وجہ	۴۳۷
۱۴۸	قرآن کے بارے میں پادریوں کے شبہات اور ان کا جواب	۴۳۹

۱۴۹	پادری فنڈر کے شبہات اوران کا جواب	۴۳۹
۱۵۰	پہلا شبہ: بہت سی آیات میں ہے کہ خدا رحمٰن ورحیم ہے جبکہ بعض میں ہے کہ اس نے بہت سے جن اور آدمی کو جہنم کے لئے پیدا کیا۔ اس کا جواب	۴۴۰
۱۵۱	دوسرا شبہ: بعض آیتوں میں خدا کے عادل ہونے کا ذکراور برخلاف دیگر آیتوں میں اس کا ذکر کہ خدا جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے، بعض کی قسمت میں بے ایمانی لکھ دی پھر سزا دیتا ہے، اس کا جواب	۴۴۴
۱۵۲	اللہ کے خالق شر ہونے کے شواہد عہد عتیق وعہد جدید کی کتابوں سے	۴۴۴
۱۵۳	تین قابل غور باتیں	۴۴۸
۱۵۴	طریق الحیاۃ کے قول کا رد	۴۵۰
۱۵۵	کتب عہد عتیق وعہد جدید سے تقدیر کے ثبوت کے شواہد	۴۵۲
۱۵۶	تیسرا شبہ: بعض آیتوں میں دین کی بابت زبردستی نہ کرنے اور بعض آیتوں میں غیر ملت والوں سے جہاداور سختی کرنے اور مرتد کو قتل کردینے کا ذکر، اوراس کا جواب	۴۵۹
۱۵۷	چوتھا شبہ: بعض آیتوں میں قیامت کے دن کا پچاس ہزار برس بعض میں پچاس برس اور بعض میں پلک جھپکنے کے برابر ہونے کا ذکراوراس کا جواب	۴۶۰
۱۵۸	پانچواں شبہ: بعض آیتوں میں مسیح کے آدمی، مخلوق اور نبی سے بڑا ہونے اور دیگر آیتوں میں صرف آدمی اور نبی ہونے کا ذکر	۴۶۳
۱۵۹	چھٹا شبہ: ایک آیت میں مسیح کے مرنے اور دوسری میں اس کے برعکس کا ذکر۔ اس شبہ کا جواب اور لفظ ''متوفیک'' کی نوتوجیہیں	۴۶۳
۱۶۰	اعجاز قرآن پر چار مزید شبہات	۴۶۹
۱۶۱	احتمال اول کی تقریر معجزات عیسویہ اور موسویہ کی نسبت	۴۷۱
۱۶۲	سحر کے زور کا بیان	۴۷۱
۱۶۳	فرقۂ فریمشن کے حالات	۴۷۲

۱۶۴	جنات کے آشناؤں کی قوت بڑھ جانے کا بیان، اہل کتاب کی مقدس کتابوں کے حوالہ سے	۴۷۴
	سلیمان کے بنائے ہوئے منتروں کی تاثیر سے جنات کو نکالا جانا، بیماریوں میں تخفیف ہونا، مورخ یوسفیس کی تحریروں کے حوالہ سے	۴۷۴
۱۶۵	انجیل کے موافق چھوٹے پیغمبروں کو بھی بڑے بڑے معجزات اور کرامات دکھلانے کی طاقت حاصل ہونا۔	۴۷۷
۱۶۶	''اکسیہومو'' کے مؤلف کے قول کی الزاماً نقل	۴۷۹
۱۶۷	دوسرے احتمال کی تقریر معجزات عیسویہ اور موسویہ کی نسبت	۴۸۰
۱۶۸	بارہ حواریوں کا حال کتب مقدسہ سے	۴۸۳
۱۶۹	اول	۴۸۳
۱۷۰	دوم	۴۸۴
۱۷۱	سوم	۴۸۶
۱۷۲	چہارم	۴۸۶
۱۷۳	چند قابل غور باتیں	۴۸۹
۱۷۴	پہلی بات: حضرت مسیح کے سب حواریوں کا ضعیف الایمان اور بے وفا ہونا	۴۸۹
۱۷۵	دوسری بات: حضرت مسیح کی گرفتاری کی رات ان سب کا سوتے رہنا	۴۸۹
۱۷۶	تیسری بات: ایک حواری کا تیس روپے کا لالچ میں حضرت مسیح کو پکڑوا دنیا	۴۹۰
۱۷۷	چوتھی بات: پطرحواری کے چند نامناسب کام	۴۹۰
۱۷۸	پانچویں بات: حضرت عیسیٰ کا عروج آسمانی کے وقت گیارہ حواریوں کو سخت دلی اور بے ایمانی پر ملامت کرنا	۴۹۳
۱۷۹	چھٹی بات: ایک حواری کا چور ہونا	۴۹۴

۱۸۰	ساتویں بات: حضرت عیسیٰ کا پتر حواری کو شیطان کہنا اور اس کے لئے سخت الفاظ بولنا۔	۴۹۴
۱۸۱	آٹھویں بات: جناب پولوس کا پتر حواری، برنباہ اور دوسرے عیسائیوں کو ریا کار اور مکار کہنا	۴۹۵
۱۸۲	نویں بات: حواریوں کا تقیہ کرنا	۴۹۶
۱۸۳	طریق الحیاۃ میں پادری فنڈر کا تقیہ کو بے ایمانی بتلانا، اور اس کے موافق حواریوں اور عیسائیوں کا بے ایمان ہونا	۵۰۲
۱۸۴	حواریوں کا جناب مسیح کا عروج تک ان کی اطاعت میں دنیا کی سلطنت ملنے اور اسی توقع پر ایمان لانے کا بیان	۴۰۳
۱۸۵	حواریوں کا جناب مسیح کے وعدوں سے دھوکے کھانا	۵۰۴
۱۸۶	جناب مسیح کے بعض اقوال سے حواریوں کے دھوکہ کھا کر اور اپنے ہی عہد میں قیامت کے آجانے کی امید رکھنے کی بڑی غلطی میں پڑنے کا بیان	۴۰۶
۱۸۷	یہ سب الزاماً لکھا گیا ورنہ ہم نعوذ باللہ جناب مسیح اور ان کے حواریوں کی نسبت بد اعتقادی نہیں رکھتے اسی طرح دیگر مقامات پر بھی الزام کا بیان	۵۰۹
۱۸۸	اعجاز قرآن پر پادری فنڈر کا دوسرا شبہ	۵۱۲
۱۸۹	عربی کی بعض کتابوں (مقامات حریری، مقامات همدانی) کی عبارتوں کا قرآن کے برابر بلکہ اس سے بھی بہتر ہونے کا شبہ، اور اس کی تردید	۵۱۴
۱۹۰	عیسائیوں کو بلاغت کے درجات میں تمیز نہ کر سکنے کے دو اسباب	۵۱۵
۱۹۱	کتب مقدسہ کے عربی تراجم کی خامیاں	۵۱۵
۱۹۲	انگریزوں کی ایک بری عادت کہ کسی زبان کے چند الفاظ معلوم ہو جانے سے اپنے کو زباں داں سمجھنے لگتے ہیں	۵۱۸
۱۸۳	مزدار اور نظام کی تردید	۵۲۰
۱۹۴	عیسائیوں کے عیسائیت کے مخالف اقوال	۵۲۲

۱۹۵	پادری فنڈر سے چند سوال	۵۲۸
۱۹۶	ذرا انصاف کریں	۵۳۱
۱۹۷	اگر ایک دو کا قول سند ہو تو عیسائی مذہب جڑ سے اکھڑتا ہے	۵۳۵
۱۹۸	اعجاز قرآن پر تیسرا شبہ اور اس کا جواب	۵۳۶
۱۹۹	اعجاز قرآن پر چوتھا شبہ اور اس کا جواب	۵۳۷
۲۰۰	چند گذارشات پادری صاحبان کی خدمت میں	۵۳۷
۲۰۱	قرآن کریم میں چند معجزات نبوی کا اجمالی بیان	۵۳۹
۲۰۲	پہلا مقام	۵۳۹
۲۰۳	دوسرا مقام	۵۴۳
۲۰۴	تیسرا مقام	۵۴۴
۲۰۵	چوتھا مقام	۵۴۵
۲۰۶	پانچواں مقام	۵۴۶
۲۰۷	چھٹا مقام	۵۴۷
۲۰۸	ساتواں مقام	۵۵۰
۲۰۹	آٹھواں مقام	۵۵۱
۲۱۰	نواں مقام	۵۵۲
۲۱۱	دسواں مقام	۵۵۴
۲۱۲	احادیث نبویہ صحیحہ میں معجزات نبوی کا ذکر	۵۵۶
۲۱۳	کھجور میں غیر معمولی برکت کا ہونا	۵۵۶
۲۱۴	ایک پیالے مالیدہ سے تین سو آدمیوں کا کھانا پھر بھی بچ جانا	۵۵۷
۲۱۵	نبی کریم ﷺ کی دعا اور لعاب دہن سے کھانے میں غیر معمولی برکت	۵۵۸

۲۱۶	تکثیر طعام کا معجزہ	۵۵۸
۲۱۷	انگلیوں سے پانی کا چشمہ پھوٹنا اور پانی میں برکت ہونا	۵۵۹
۲۱۸	اسطوانہ حنانہ کا رونا	۵۶۱
۲۱۹	جنون سے شفا دلانا	۵۶۱
۲۲۰	لعاب کا دہن سے آشوب چشم سے شفایابی	۵۶۲
۲۲۱	گہرے زخم کا دم سے ٹھیک ہو جانا	۵۶۲
۲۲۲	زخمی آنکھ کا بالکل تندرست ہو جانا	۵۶۲
۲۲۳	حضرت ﷺ کی دعا سے ذبح کی ہوئی بکری کا زندہ ہو جانا	۵۶۲
۲۲۴	حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے دو مردہ بچوں کا زندہ ہو جانا	۵۶۳
۲۲۵	اندھی بڑھیا کے مردہ بیٹے کا زندہ ہو جانا	۵۶۳
۲۲۶	نابینا کا بینا ہو جانا	۵۶۳
۲۲۷	استسقاء کے مریض کا شفایاب ہو جانا	۵۳۶
۲۲۸	کھارے کنواں کا شیریں ہو جانا	۵۶۴
۲۲۹	لکڑی کا تلوار بن جانا	۵۶۴
۲۳۰	ایک خاص قسم کی آگ ظاہر ہونے کی پیشین گوئی	۵۶۴
۲۳۱	بغداد کی تباہی کی پیشین گوئی	۵۶۵
۲۳۲	بعض پیشین گوئیاں جو ہو بہ ہو پوری ہوئیں	۵۶۶
۲۳۳	شہادت علیؓ کی پیشین گوئی	۵۶۷
۲۳۴	حضرت حسنؓ کے بارے میں ایک پیشین گوئی	۵۶۷
۲۳۵	بعض اور پیشین گوئیاں	۵۶۷
۲۳۶	بادشاہ دومۃ الجندل اکیدر بن عبد الملک کے بارے میں ایک پیشین گوئی	۵۶۸

۲۳۷	خسرو پرویز کی ہلاکت کی خبر دینا	۵۶۹
۲۳۸	کسریٰ کے خزانے مفتوح ہونے کی بشارت	۵۷۰
۲۳۹	کسریٰ کے دونوں کنگنوں کے بارے میں پیشین گوئی	۵۷۰
۲۴۰	(ا) خلفاء بنوعباس کے بارے میں پیشین گوئیاں	۵۷۰
	خلفاء بنوعباس کے نام اور مدت خلافت (حاشیہ میں)	۵۷۰
۲۴۱	ترکوں کے غلبہ کی پیشین گوئی	۵۷۴
۲۴۲	وبا کی پیشین گوئی	۵۷۴
۲۴۳	حضرت انس کے لئے دعا	۵۷۴
۲۴۴	حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے لئے برکت کی دعا	۵۷۵
۲۴۵	عتبہ بن لہب کے لئے بددعا	۵۷۵
۲۴۶	سراقہ بن مالک کا واقعہ	۵۷۶
۲۴۷	افراد امت محمدیہ کی کچھ کرامات کا ذکر	۵۷۷
۲۴۸	حضرت عمرؓ کی چند کرامات	۵۷۷
۲۴۹	حضرت خالد بن ولید کا زہر کھا کر زندہ رہنا	۵۷۸
۲۵۰	قبر کی مٹی کا مشک بن جانا	۵۷۹
۲۵۱	حضرت علیؓ کی بعض کرامات	۵۷۹
۲۵۲	حضرت حسینؓ کی کرامات	۵۸۰
۲۵۳	امام زین العابدین کی کرامت	۵۸۱
۲۵۴	امام محمد باقر کی کرامت	۵۸۲
۲۵۵	امام جعفر صادق کی کرامت	۵۸۳
۲۵۶	امام موسیٰ کاظم کی کرامت	۵۸۳

۲۵۷	امام علی رضا کی کرامت	۵۸۴
۲۵۸	امام احمد بن حنبل کی کرامات	۵۸۵
۲۵۹	امام بخاری کی قبر سے مشک کی خوشبو	۵۸۶
۲۶۰	بوستان سعدی میں مذکور دو کرامتیں	۵۶۸
۲۶۱	اثبات رسالت کے دس وجوہ	۵۸۹
۲۶۲	پہلی وجہ: آپ ﷺ نے بہت سی پیشین گوئیاں کیں جن میں سینکڑوں پوری ہو چکیں اور باقی پوری ہوتی جا رہی ہیں۔	۵۸۹
۲۶۳	دوسری وجہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزاروں معجزے ظاہر ہوئے	۵۸۹
۲۶۴	الکزنڈر پوپ کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب الہام ماننا	۵۹۰
۲۶۵	تیسری وجہ: آپ ﷺ اخلاق عظیمہ اور اوضاع پسندیدہ کے حامل تھے۔	۵۹۰
۲۶۶	حضرت کے اوصاف حمیدہ کا اقرار	۵۹۰
۲۶۷	''میزان الحق'' کے طعن کا جواب	۵۹۲
۲۶۸	چوتھی وجہ: تحریف کے باوجود کتب مقدسہ میں آپ ﷺ کے بارے میں بشارتوں کا پایا جانا	۵۹۴
۲۶۹	ایک بشارت کا بیان (حاشیہ)	۵۹۵
۲۷۰	انجیل سے مسیح کے علاوہ ایک اور نبی کے انتظار ہونے کا ثبوت	۵۹۷
۲۷۱	عہد عتیق و عہد جدید کی بشارتوں کی حالت کا بیان	۵۹۹
۲۷۲	انجیل متی میں مسیح کی پانچ بشارتیں اور ان کا الزامی جواب	۶۰۱
۲۷۳	مسیح کی پہلی بشارت اور اس پر سات اعتراضات	۶۰۲
۲۷۴	پہلا اعتراض	۶۰۳
۲۷۵	دوسرا اعتراض	۶۰۴

۲۷۶	تیسرا اعتراض	۶۰۵
۲۷۷	چوتھا اعتراض	۶۰۵
۲۷۸	پانچواں اعتراض	۶۰۶
۲۷۹	چھٹا اعتراض	۶۱۳
۲۸۰	ساتواں اعتراض	۶۱۴
۲۸۱	مسیح کی دوسری بشارت اور اس پر اعتراضات	
۲۸۲	مسیح کی تیسری بشارت اور اس پر اعتراضات	۶۲۱
۲۸۳	مسیح کی چوتھی بشارت اور اس پر اعتراضات	۶۲۴
۲۸۴	مسیح کی پانچویں بشارت اور اس پر اعتراضات	۶۲۵
۲۸۵	حکایت	۶۲۷
۲۸۶	اثبات رسالت کی پانچویں وجہ: انجیل برنباہ میں نبی ﷺ کے بارے میں واضح پیشین گوئی کا ہونا	۶۳۰
۲۸۷	اثبات رسالت کی چھٹی وجہ: قرآن کے الفاظ ومعانی کے اعتبار سے	۶۳۲
۲۸۸	اثبات رسالت کی ساتویں وجہ: قرآن کا تحریف سے محفوظ رہنا اور لاکھوں حفاظ کرام کا پایا جانا	۶۳۳
۲۸۹	اثبات رسالت کی آٹھویں وجہ: عقیدۂ وایمان پر آپ کی استقامت اور دین کے لئے قربانی	۶۳۳
۲۹۰	اثبات رسالت کی نویں وجہ: طرح طرح کی رکاوٹوں کے باوجود دین اسلام کا مشرق ومغرب میں پھیل جانا	۶۳۴
۲۹۱	پوپ کا تسلط کب سے ہوا اور کہاں تک رہا اور فرقۂ پروٹسٹنٹ کا پوپ کو دجال کے برابر شمار کرنا	۶۳۴

۲۹۲	کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے؟	۶۳۹
۲۹۳	جہاد کی حقیقت اور اس پر طعن کا جواب	۶۴۱
۲۹۴	مشرکین، یہود اور مسلمانوں پر عیسائی سلاطین اور دینداروں کے مظالم کا بیان	۶۴۱
۲۹۵	یہودیوں پر مظالم کی نقل کشف الآثار کے حوالہ سے	۶۴۴
۲۹۶	رومیوں پر مظالم کی نقل سیر المتقدمین کے حوالہ سے	۶۵۵
۲۹۷	کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے ایک دوسرے پر مظالم	۶۵۷
۲۹۸	جہاد سے متعلق مؤلف میزان الحق کے مغالطوں کا بیان	۶۶۱
۲۹۹	انبیاء بنی اسرائیل کے جہاد کے بارے میں پادری فنڈر اور دوسرے پادریوں کی طرف سے عذر اور توجیہ، اور سات طریقوں سے اس کا جواب	۶۶۵
۳۰۰	خلاصۂ کلام: اللہ کا معاملہ کفار کے ساتھ ہر زمانہ میں الگ الگ طور پر رہنا	۶۷۹
۳۰۱	نزول کے بعد حضرت مسیح کا بذات خود دجال کو قتل کرنا	۶۸۰
۳۰۲	اثبات رسالت کی دسویں وجہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں ایسی خصوصیات کا اکٹھا ہونا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ذات صفات کے اعتبار سے کامل اور بارگاہ الٰہی میں بڑی ہی مقرب ہے۔	۶۸۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ سيد المرسلين خاتم النبيين سيدنا محمد، وعلىٰ آله وصحبه الغر الميامين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، ودعا بدعوتهم أجمعين، أما بعد:

مغربی یوپی میں دوآبہ کا علاقہ خدمت علم ودین ودعوتی عمل کا گہوارہ رہا، جس سے خود اس علاقہ کے مسلمانوں کو اور پھر پورے ملک کے مسلمانوں کو فیض پہونچا، یہاں کی فیض رساں شخصیات کی دینی خصوصیات کا نسب حضرت سید احمد شہیدؒ سے جا ملتا ہے، یہاں کی ممتاز شخصیات میں مدافعت دین ودعوت حق کی حامل ایک بڑی شخصیت حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی رہی ہے، ان کے دور میں انگریزوں کے خلاف جدوجہد اور آزادی کی تحریک کو انگریزوں نے پورا کچل دیا تھا، اور ملک پر مذہبی تسلط کی خاطر اپنے مسیحی مذہب کو نمایاں کر کے اس کے تابع بنانے کا بھی دعوتی وعلمی طریقہ اختیار کیا تھا، انگریزوں کا تسلط صرف اسی ملک پر نہیں تھا، بلکہ پورے مشرق وسطیٰ پر بھی ان کا کنٹرول تھا جو عرب مسلمانوں کا علاقہ تھا اور مراکز اسلامیہ پر خاصی حد تک ان کا قبضہ ہو گیا تھا، لہذا مغربی اقتدار کی بالادستی کا اثر مذہبی پہلو پر بھی پڑ رہا تھا، جس کا اہتمام مسیحی پادری بھی کر رہے تھے، اور مناظروں کی حد تک بات پہونچتی تھی، مسلمانوں کی عمومی ناواقفیت جو ان کو اپنے دین کی پر عظمت خصوصیات سے تھی، اور مغربی اقتدار کی دنیاوی ترقی اور مادی طاقت سے جو مرعوبیت کا جو اثر پڑ رہا تھا، اس کی بناء پر مسلمانوں کے ذہنوں کو شک میں مبتلا کرنے کا سبب بننے لگا تھا، ان کو مختلف اسلامی حقیقتوں کے سلسلہ میں شک میں ڈالنے کی کوشش سامنے آ رہی تھی، ایسے میں بڑی ضرورت تھی کہ دین حق کے سلسلہ میں علمی وتاریخی حیثیت پر مبنی تشریحات سامنے لائی

جائیں، اور شکوک وشبہات کا معقول رد کیا جائے، جو اسلامی ذہن عقیدہ وخیال کو متاثر کر سکتا ہو۔

اس وقت کی نمایاں شخصیت حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عیسائیت کے تحریف کے شکار مذہب میں جو تضادات پائے جاتے ہیں، ان کو سامنے لاکر کامیاب مناظروں کے ذریعہ ابطال باطل کیا، اور پھر محققانہ کتاب اظہار حق لکھی، جس نے عیسائیت میں پیدا شدہ انحراف عن الحق کے نمونے پیش کئے، جس کی بناء پر اس کتاب کو پورے عالم اسلام میں غیر معمولی مقبولیت کا درجہ حاصل ہوا، جس کے فوائد اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ انہوں نے عیسائی پادریوں کے اٹھائے جانے والے شکوک وشبہات کے ازالہ پر مشتمل ایک موقر ومفید کتاب ازالۃ الشکوک تیار کی، جس میں وہ امور جن کی عیسائی پادری اسلامی حقائق میں شک پیدا کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، مولانا موصوف نے مدلل وضاحت کے ذریعہ ان کا رد کیا ہے، اس طرح وہ کم علم کے حامل مسلمان بلکہ غیر مسلم حضرات کے علم کے لئے اسلام کی اظہر من الشّمس حقیقتوں پر غبار ڈالنے کا پردہ فاش کیا ہے، اس طرح عیسائی مشنریوں نے اسلام کی خوبیوں کو چھپانے اور اس کی حقیقتوں میں عیب تلاش کرنے کی جو کوشش کی ہیں، مولانا نے اس کا پردہ فاش کیا ہے۔

حضرت مولانا کیرانوی نے یہ کتاب اردو زبان میں لکھی، تقریباً سوا سو سال پہلے ایک بار یہ کتاب دو جلدوں میں شائع ہوئی تھی، اب اس کو نئی تحقیق ومزید وضاحت سے آراستہ کر کے علمی وفقہی دنیا کے ایک نامور عالم مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی صاحب، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اس کو شائع کر رہے ہیں، جو اللہ کی طرف سے احقاق حق کا ایک قابل قدر عمل ہے، اس کتاب کی افادیت تاحال قائم ہے، ان شاء اللہ یہ کتاب اپنا مطلوبہ کام بخوبی انجام دے گی۔

[signature]

محمد رابع حسنی ندوی
ندوۃ العلماء لکھنؤ

۶/۷/۱۴۳۶ھ
۲۶/۴/۲۰۱۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا محمد شمیم ماجد مسعود عثمانی
(ناظم مدرسہ صولتیہ، مکہ معظّمہ)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام علىٰ أشرف الأنبياء والمرسلين سيدنا ومولانا وهادينا وقائدنا وأسوتنا وقدوتنا وشفيعنا وإمامنا وحبيبنا محمد، وعلىٰ آله وأصحابه وأزواجه وذرياته، وأهل بيته، وبارك وسلم تسليماً كثيراً دائماً أبداً إلى يوم الدين۔

آپ کے ہاتھوں میں موجود یہ مشہور معروف قدیم کتاب ''اِزالۃ الشکوک'' دوسری بار طباعت کے بعد منظر عام پر آرہی ہے، اس کتاب کے مؤلف ومصنف، مناظر اسلام مجاہد اعظم پایۂ حرمین شریفین، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی عثمانی، بانی دارالعلوم حرم مدرسہ صولتیہ مکہ معظّمہ، ومدرس مسجد حرام تھے۔ حضرت مولانا کی خدمات، کارناموں اور تعریف وتوصیف میں متعدد کتابیں، مقالات، مضامین کئی زبانوں میں پوری دنیا میں شائع ہوچکے ہیں، یہ سلسلہ جاری وساری اور قائم ودائم ہے۔

حضرت مولانا نے یہ عظیم الشان کتاب ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۴ء میں تصنیف فرمائی تھی، جو دو جلدوں میں مدراس میں چھپی تھی، اس کتاب کی طباعت واشاعت میں، سب سے بڑا حصہ حضرت مولانا مرحوم کے شاگرد رشید شمس العلماء، فاضل جلیل، حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب مرحوم ویلوری بانی ''جامعہ باقیات الصالحات'' ویلور کا ہے، جن کے اہتمام اور صرفہ سے مدارس میں پہلی جلد کی طباعت ہوئی، دوسری جلد کی طباعت، مولانا موصوف کے خلف ارشد، حضرت مولانا ابوالفضل ضیاء الدین محمد مرحوم ویلوری، فارغ التحصیل مدرسہ صولتیہ ومہتمم جامعہ باقیات الصالحات ویلور کی نگرانی میں مدراس میں ہوئی، یہ دونوں جلدیں بہت عام ومشہور ہوئیں، اور ان کے قدیم نسخے دنیا کے متعدد اور کئی قدیم ذاتی وعام کتب خانوں میں موجود ومحفوظ ہیں، تقریباً ایک

سودس (۱۱۰) سال قبل پہلی بار طبع ہوئی تھی، مدرسہ صولتیہ مکہ معظّمہ میں اس قدیم طباعت کے نسخے موجود اور محفوظ تھے، اور جو بھی شخص اس کا نسخہ طلب کرتا تھا، اس کی خدمت میں یا خاص علماء اور شخصیات کو ہدیہ میں پیش کر دیا جاتا تھا۔

آج سے متعدد سال قبل، قابل احترام محترم المقام مکرم ومحترم جناب الحاج حضرت مولانا مفتی عتیق احمد صاحب بستوی زادہ اللہ قدراً وشرفاً، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے، اسی قدیم کتاب کی دوسری مرتبہ طباعت کے لئے ہمت اور استعداد کا اظہار اور اہتمام فرمایا، اور اس کے لئے کتاب پر بہت محنت کی، اور جدید وعصری طریقہ سے اس کی طباعت واشاعت کے لئے تیاری فرمائی، اللہ تعالیٰ نے مولانا موصوف کو اس انعام اور توفیق سے نوازا کہ اسی قدیم کتاب ''ازالۃ الشکوک'' کی نئے طرز اور طریقہ سے کمپوزنگ کروائی اور یہ کتاب طباعت واشاعت کے لئے تصحیح اور تدقیق ومراجعہ کے بعد تیار ہوگئی، فالحمدللہ علی ذلك، اللہ تعالیٰ مولانا کو اس محنت، ہمت، عزیمت اور کوشش پر زیادہ سے زیادہ جزائے خیر عطا فرمائے اور اس محنت کو قبول فرما کر ان کے صحیفہ اعمال وحسنات وباقیات میں شامل فرما کر، باعث قبولیت واجر وثواب اور سبب خیرات وبرکات بنائے، آمین ثم آمین۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی عثمانی۔ نور اللہ مرقدہ۔ کی یہ تالیف وتصنیف، دفاع اسلام اور ردّ عیسائیت پر اردو زبان میں ہے، آپ کی اور بھی تصانیف اردو میں مطبوعہ ہیں، جو کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہیں۔

اس میدان میں ''ازالة الأوهام'' فارسی زبان میں آپ کی سب سے پہلی تصنیف ہے، اس زمانہ میں ہندوستان میں فارسی زبان عام تھی، یہ کتاب بھی پچھلی صدی میں بڑے سائز میں شائع ہو کر عام ہوئی تھی، مگر اس وقت سے اس کی جدید طباعت واشاعت کا اہتمام نہیں ہوا تھا، الحمدللہ اس کتاب کا پاکستان میں اردو ترجمہ ہوا اور ۱۴۳۱ھ میں دو جلدوں میں اس کی طباعت ہوئی، جو پاکستان میں خاص طور پر کراچی میں دستیاب ہے۔

حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی ایک اور مشہور ومعروف کتاب، عربی زبان میں ''إظہار الحق'' کے نام سے رائج اور عام ہے، اظہار الحق کئی ملکوں میں متعدد سرکاری وغیر سرکاری اداروں اور کتب

خانوں کی طرف سے دسیوں مرتبہ ہو چکی ہے اور مفت تقسیم بھی ہوتی ہے، اس کتاب کی طباعت اور تحقیق کے لئے کئی اہل علم نے اس پر محنت کی ہے، اس کا ترجمہ بھی متعدد زبانوں میں ہو چکا ہے، اور رائج الوقت ہے، ترکی، جرمنی، اردو، ہندی، گجراتی، انگریزی، بنگالی، فرانسیسی، انڈونیشی اور کئی زبانوں میں متعدد بار طبع ہو چکی ہے، ''اظہار الحق'' کا کئی اہل علم نے اختصار کیا ہے جو طبع بھی ہوا ہے، خاص طور پر سعودی عرب میں، وزارت مذہبی امور واوقاف ومساجد نے، عربی زبان میں شائع کیا اور تقریباً دس زبانوں میں اس کا ترجمہ کر کے مختلف ملکوں میں مفت تقسیم کیا، جس سے بہت عام فائدہ اور نتیجہ نظر آرہا ہے ''جزاهم الله خيرا وأحسن وأفضل وأعظم الجزاء والثواب'' آمین۔

حضرت مولانا علیہ الرحمہ والرضوان، نے اکبر آباد آگرہ میں ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۴ء میں پادری فنڈر سے جو مناظرہ کیا تھا، وہ بھی فارسی اور اردو میں پچھلی صدی میں طبع ہوا تھا، اس کے دو حصے ''مباحثہ مذہبی'' اور ''مراسلہ مذہبی'' ہیں، ان کی دوبارہ طباعت واشاعت کی فوری ضرورت ہے، جس کو اکثر لوگ طلب کرتے رہتے ہیں، لیکن موجود نہیں، اللہ تعالیٰ اس کی طباعت واشاعت کے لئے آسانیاں اور سہولتیں اور اسباب جلد سے جلد پیدا فرمائے۔ آمین۔

میں حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی کا تمام مسلمانوں کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے یہ بڑا اقدام کیا، اور ''ازالۃ الشکوک'' کی طباعت واشاعت کا اہتمام فرمایا، ''فجزاه الله خيراً''۔ (آمین)

خادم العلم والعلماء بالبلد الحرام
محمد ہشیم رحمت اللہ عثمانی
مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ
ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ - فروری ۲۰۱۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اظہار الحق (عربی) کے ایک ایڈیشن کے لئے عربی زبان میں بیش قیمت مقدمہ تحریر فرمایا، جس میں حضرت مولانا کیرانوی کی شخصیت اور خدمات کا تعارف بڑے البیلے انداز سے کرایا گیا، یہ مقدمہ ''بہ قامت کہتر وبہ قیمت بہتر'' کا مصداق ہے، اس کا اردو ترجمہ حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی مرحوم کے باغ وبہار قلم سے ماہنامہ ذکر وفکر دہلی (ستمبر واکتوبر ۱۹۸۸ء) میں شائع ہوا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا یہ مضمون جو اظہار الحق عربی کے مقدمہ کے طور پر لکھا گیا حضرت مولانا کیرانویؒ پر کسی ضخیم کتاب سے کم اہمیت اور قیمت کا حامل نہیں ہے اور ''دریا بہ کوزہ'' کا مصداق ہے۔

اس کی اہمیت کے پیش نظر ازالۃ الشکوک کے مقدمہ میں اسے شامل اشاعت کیا جارہا ہے، تاکہ ہماری نسل نو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ جیسے عظیم مفکر اور عالم ربانی کی شہادت حضرت مولانا کیرانویؒ کے بارے میں ملاحظہ کرے اور ان کے مقام بلند سے واقف ہو اور دفاع دین میں ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے۔

(مفتی) عتیق احمد قاسمی بستوی

۱۶/۴/۲۰۱۵ء

''اظہار الحق'' اور اس کے مؤلف

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی ندویؒ

میرے لئے یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ چند سطریں ایک ایسے جلیل القدر عالمِ دین کے بارے میں لکھوں جس کو اللہ نے قلعۂ اسلام کا محافظ بنایا تھا، جس کی ذات سے حق وصداقت کو فتح ونصرت حاصل ہوئی جس کی عالمانہ بصیرت سے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو، اور جس نے اسلام کی وکالت وحمایت کا فرض ان نازک حالات میں انجام دیا جس وقت اس طرح کا کام اپنی موت کو دعوت دینے کے مرادف تھا اور بغیر جان کی بازی لگائے کوئی اس میدان میں ایک قدم آگے بڑھ نہیں سکتا تھا۔

میرا اشارہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی طرف ہے (سن پیدائش ۱۲۳۳ھ، وفات ۱۳۰۸ھ، تدفین جنۃ المعلاۃ، مکہ مکرمہ) جنہوں نے اپنے عیسائی حریف کو مناظرہ میں شکست فاش دی اور ایسے دلائل سے کام لیا جن کی طرف عام طور پر ذہن نہیں منتقل ہوتا تھا، تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں ان کی شہرت بام عروج پر تھی، وہ اپنے فن میں امامت کا درجہ رکھتے تھے، جس کا اعتراف ان کے تمام معاصر علماء کو تھا اور آج تک عالم اسلام کا ہر پڑھا لکھا اور باخبر آدمی ان کے کارنامے سے واقف اور ان کی علمی عظمت اور مجاہدانہ کارنامہ کا قائل ہے۔

مولانا کیرانویؒ کا وہ عظیم کارنامہ جس نے ان کو علمائے سلف اور مجاہدین امت کے درمیان ممتاز مقام عطا کیا، یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی مدافعت اس طرح کی کہ حق وباطل کو آئینہ کی طرح روشن کر کے دکھادیا، اسلام کے خلاف غلط بیانیوں، تہمتوں اور شکوک واوہام کا طوفان دشمنوں نے کھڑا کر دیا تھا، مولانا نے نہ صرف یہ کہ ان تہمتوں کی حقیقت واضح کر دی بلکہ مسلمانوں کے اندر دین پر یقین واعتماد کو پختہ سے پختہ تر کر دیا، مسلمانوں کو اپنے دین کی صداقت اور اپنے رسول کی لائی ہدایت پر از سر نو غیر متزلزل ایمان نصیب ہوا۔

حضرت کیرانویؒ نے یہ خدمت ایسے زمانہ میں انجام دی جو مسلمانوں کے لئے انتہائی نازک اور صبر آزما زمانہ تھا، ان کا حریف وہ تھا جس کو اس زمانہ کے سب سے بڑے فاتح گروہ کی پشت پناہی حاصل تھی، اور وہ بڑی دنیاوی طاقت اس کی سرپرست تھی جس کے قلمرو میں آفتاب نہیں غروب ہوتا تھا، اور جس کے تمدن، تہذیب، تعلیم کی پوری دنیا میں دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

دوسری طرف مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اپنے حریف کے برعکس، ایسی قوم کے فرد تھے جو شکست خوردہ بھی تھی اور شکستہ دل بھی، اور آزمائش کے سنگین ترین وقت سے گزر رہی تھی، اس کو اپنے تابناک ماضی کا بھی ہوش نہیں تھا، اس کے نزدیک اسلاف کے مجاہدانہ کارنامے قصۂ پارینہ تھے جو اس کی سیاسی پسپائی اور اقتصادی بدحالی کا مداوا نہیں بن سکتے تھے، اور اس ذہنی پسپائی کے نتیجہ میں خود دین اسلام کی صداقت وحقانیت پر یقین میں کمزوری بلکہ کھوکھلا پن آچکا تھا، انگریز اس کو اپنا حریف اور حقیقی دشمن سمجھتے تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ ایشیا اور افریقہ میں کہیں بھی ان کے دین وتہذیب کو کوئی علمی محاذ پر چیلنج کرسکتا ہے تو وہ صرف مسلمان ہیں، اس لئے ان کا سارا زور مسلمانوں کی حوصلہ مندیوں کو مٹانے اور ان کی معنوی قوت کمزور کرنے پر صرف ہورہا تھا، یورپ کی عیسائی مشنریاں پوری آزادی کے ساتھ حکومت وقت کی سرپرستی اور کفالت میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں اپنے جال بچھائے ہوئے تھیں، ہزاروں کی تعداد میں عیسائی مبلغین ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تھے، سیکڑوں ناخواندہ اور نیم تعلیم یافتہ افراد ''اقبال مند فاتح قوم'' کا مذہب اختیار کررہے تھے، اور ان کی ظاہری شان وشوکت، حکومت وقوت، کمزور وناخواندہ اشخاص کے نزدیک حقانیت کی دلیل تھی۔

عوام اور سادہ لوح لوگ تو الگ رہے، خود علمائے کرام کو عیسائیت کی پوری حقیقت نہیں معلوم تھی، ان کو بائبل کے عہد قدیم، عہد جدید، ان کی شرحوں اور تفسیروں سے واقفیت نہیں تھی، ان کتابوں کی تاریخ اور ان میں جو مختلف زمانوں میں اضافے ہوتے رہے، اور کتر بیونت کی جاتی رہی، بائبل سوسائٹی نے جو تصرفات کئے، عیسائی انجیل مقدس انجمن، نے جس طرح بائبل کو ایڈٹ کیا، ان سب سے سطحی واقفیت بھی پڑھے لکھے مسلمانوں کو نہیں تھی، علمائے کرام کی ذہنی جولانیوں اور علمی تحقیقات کے میدان یا تو فقہی جزئیات تھے یا یونانی منطق وفلسفہ اور علم کلام کی بحثیں، یا کسی

درجہ میں احادیث وتفسیر پر حواشی وتحقیقات، عیسائیوں کے ان ناروا حملوں کا مقابلہ کرنے کی کوئی تیاری انہوں نے نہیں کی تھی، یہ حملے ان کے لئے ایسے تھے جیسے کسی نے اچانک رات کی تاریکی میں ان کے گھر پر شبخون مارا ہو، ان حملوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑے دل گردہ کی ضرورت تھی، ہمت وجرأت کے ساتھ کتب سماویہ پر گہری نظر کی ضرورت تھی، اور اس بات کی ضرورت تھی کہ عیسائیت کا مطالعہ وسیع اور گہرا ہو اور عیسائیت کو عیسائیت کے بنیادی اور علمی مراجع سے سمجھا گیا ہو، ان پر جو تنقیدیں کی گئی ہیں اور ان کے تجزیے جس انداز میں کئے گئے ہیں ان سے واقفیت بھی لازمی تھی، ان سب کے لئے ایک طرف تو بھرپور غیرت ایمانی کی ضرورت تھی، دوسری طرف وسیع مطالعہ اور بصیرت مطلوب تھی، اور خاص مشکل یہ تھی کہ عیسائیت پر تحقیقی کام کرنے والے کے سامنے کوئی روشن شاہراہ نہیں تھی بلکہ ایک سرنگ تھی جو اندر سے تاریک تھی اور اس میں پیچ در پیچ راستے تھے، کھانچے اور کھائیاں تھیں، یعنی اس کے علمی مآخذ نہ ہونے کے قریب تھے، اور جو تھوڑے بہت تھے وہ یورپین زبانوں میں تھے، ان زبانوں میں زیادہ مانوس زبان انگریزی تھی، اہل ہند نے ابھی اس زبان کو سیکھنا شروع ہی کیا تھا اکثر مسلمان اور خاص طور پر علماء اس سے متنفر تھے کیوں کہ یہ ان ظالموں کی زبان تھی جنہوں نے ان سے حکومت چھینی تھی اور ان کی تذلیل کی تھی، دوسری طرف خود عیسائی مشنریاں بھی نہیں چاہتی تھیں کہ ان کی کتاب مقدس پر جو جرح ہوئی ہے اور اس کے جو تجزیے کئے گئے ہیں وہ ہندوستان لائیں، کیوں کہ ان کی مصلحتِ تبلیغ کا تقاضہ یہ تھا کہ لوگوں کو اس سے بے خبر رکھا جائے، لہٰذا وہ یہاں کی لائبریریوں اور علمی مراکز کو ایسی کتابیں کیوں کر فراہم کر سکتے تھے بلکہ ان کی کوشش تھی کہ اس طرح کی کتابیں اس ملک میں آنے نہ پائیں۔

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے لئے یہ صورت حال پریشان کن ضرور تھی مگر ان کی حمیت وغیرت کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ اور ان کے وہ رفقاء جو اسلام کی مدافعت اور اسلام پر عائد کردہ تہمتوں کی حقیقت واضح کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کر چکے تھے، اپنے مورچہ پر جم کر مقابلہ کریں، عیسائی مبلغوں نے جو اپنے آپ کو مُبَشّر (جنت کا مژدہ سنانے والے) کہلانا پسند کرتے ہیں، مسلمانوں کو دفاعی پوزیشن میں ڈال دیا۔ اور تجربہ کار وسیاسی بازی گروں اور امور جنگ کے ماہرین کا خیال ہے کہ مقابلہ کرنے کے لئے بہترین پوزیشن حملہ آور کی ہوتی ہے، اپنے حریف کو

دفاعی پوزیشن میں ڈال دینا بڑی مہارت کا کام ہے، یہی سیاست عیسائی مبلغوں نے اپنی طاقت کے زور پر اختیار کی تھی، مگر مولانا کیرانوی نے اپنی دینی بصیرت سے محسوس فرمایا کہ عیسائیوں سے دو بدو مقابلہ ضروری ہے ورنہ نہ صرف ہندوستانی (۱) مسلمان ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہو جائیں گے بلکہ عرب ممالک کو بھی انہی خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا، لہٰذا ہندوستان میں عیسائیوں سے مقابلہ صرف یہاں کے مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ تمام عرب اور اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے لئے ضروری ہے، اگر یہاں کے مسلمان جو سیاسی لحاظ سے پسپا ہیں اور اپنی سلطنت کھو کر شکستہ دل ہیں، اگر اس مورچہ پر بھی شکست کھا گئے اور اس زبانی مناظرہ میں اپنے حریف کا کھوکھلا پن ثابت نہ کر سکے تو عیسائیت کا سیلاب پورے عرب اور مشرقی ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا، اور اگر یہ زخم خوردہ اور شکستہ دل مسلمان اس مناظرہ سے سربلند و سرخ رو ہو کر نکلتے ہیں تو یہ سیلاب بلا نہ صرف ہندوستان سے بلکہ تمام مشرقی مسلم ممالک سے رک جائے گا۔

مولانا کیرانویؒ نے اللہ کا نام لے کر اس مہم کو سر کرنے کا عزم کر لیا، اور یہ طے کر لیا کہ عیسائیت کو عیسائیت کے اصلی مراجع و مآخذ سے سمجھیں گے، ان کا تجزیہ کر کے تحقیق کریں گے، ان کے اس عزم کو اور پختہ اس بات نے کر دیا کہ اس زمانہ میں ایک مشہور عیسائی پادری، عیسائیت کا مبلغ اعظم فنڈر (Pfander) ہندوستان آیا اور علمائے دین کو للکارا، اور اعلانیہ مناظرہ کی دعوت دینے لگا، اور ملک کے ہر صوبہ اور ہر ضلع میں دورے کرنے لگا، بڑے بڑے جلسے کرتا اور اس میں تقریر کرتا، اپنے مذہب کی پیروی کی دعوت دیتا تھا، حضرت کیرانویؒ کو ایک اور مشکل کا سامنا تھا، وہ انگریزی زبان نہیں جانتے تھے، اور دوسری زبانوں کے سیکھنے کی ایک خاص عمر ہوتی ہے اس سے وہ تجاوز کر چکے تھے، زندگی بھر ان کا مشغلہ علوم دینیہ پڑھنا پڑھانا رہا، قرآن وحدیث سے سابقہ رہا، یا علوم عقلیہ سے، دوسری طرف فنڈر صرف اپنی ہی زبان (انگریزی) جانتا تھا، تھوڑی بہت عربی فارسی زبان سمجھ لیتا تھا، اب ضرورت تھی کہ کوئی ایسا شخص ہوتا جو ان دونوں کے درمیان واسطہ بنتا، اور ایسے شخص کی ضرورت تھی جو دوسری یورپین زبانوں کے مراجع سے واقف ہوتا اور عیسائی وثائق کو پڑھ کر توجہ کر سکتا۔

---

(۱) مشترکہ غیر منقسم ہند

اللہ کی مصلحت وحکمت نے حضرت مولانا کیرانویؒ کے لئے ایک ایسے شخص کو سامنے لاکر کھڑا کردیا جس کی ضرورت تھی، اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وللہ جنود السماوات والأرض'' (یعنی اللہ کے کارندے سپاہی زمین وآسمان میں پھیلے ہوئے ہیں) وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت کیرانویؒ کی مدد کے لئے غیب سے کھڑا کیا وہ ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی تھے، جو ۱۸۳۲ء میں لندن جاکر ڈاکٹری کی اعلیٰ سند حاصل کر چکے تھے اور انگریزی کے علاوہ یونانی زبان بھی بڑھ چکے تھے، انہوں نے عیسائیت کا اچھا مطالعہ کیا تھا اور اس کے مراجع خرید لئے تھے اور یہ کتابیں اپنے ساتھ ہندوستان لے آئے تھے، حضرت کیرانویؒ کے لئے یہ قوت بازو اور بہترین معاون ثابت ہوئے، اور وقت کا تقاضا جس جہاد کے لئے تھا اس میں وہ مولانا کے شریک ومددگار بن گئے۔

حضرت کیرانویؒ نے اس طرح پوری تیاری کرلی، اور معرکۂ حق وباطل کے لئے کمر بستہ ہوگئے، دوسری طرف فنڈر کی جولانیاں بھی شباب پر تھیں، ایک شتر بے مہار کی طرح پوری بے حیائی اور جرأت کے ساتھ اسلام پر ناروا حملے کر رہا تھا، حضرت کیرانویؒ نے محسوس کیا کہ سب سے پہلے اس شخص کا دہانہ توڑنا چاہئے اور اس کے ساتھ ہی دوسرے عیسائی مبلغوں کو بھی سبق سکھادئے جانے کی ضرورت ہے، اس طرح مسلمانوں کے اندر سے احساس کمتری کا ازالہ ہوگا اور ان کو اپنے دین کی حقانیت کا یقین حاصل ہوگا۔

حضرت کیرانویؒ نے محسوس فرمایا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ فنڈر سے مناظرہ کیا جائے، اور اعلانیہ جلسے میں یہ مناظرہ ہو جس میں مسلمان اور اہل وطن، یورپین حکام، عیسائی اور عیسائیت قبول کرنے والے ہندوستانی سب موجود ہوں، فنڈر کو اپنی کتاب ''میزان الحق'' پر بڑا ناز تھا اور اکثر اسی سے وہ استدلال کرتا تھا، اور اس کو وہم تھا کہ مسلمان اور ان کے علماء ان دلائل کا رد نہیں کرسکتے، مولانا کیرانویؒ نے اس پادری (فنڈر) سے مناظرہ کرنے کا تہیہ کرلیا، اس سے خط وکتابت کی اور دعوت دی کہ وہ سب کے سامنے آئے، جس میں مسلمان اور غیر مسلم سب ہوں، جب پادری فنڈر پر بہت زور پڑا، اور اس نے دیکھ لیا کہ اب بغیر مناظرہ کئے کوئی چارہ کار نہیں ہے تو اس دعوت کو چاروناچار قبول ہی کرلیا، اگر اس کو اس مناظرہ کے نتائج کا اندازہ ہوتا تو شاید وہ کبھی

سامنے آنا قبول نہ کرتا، بہر حال ۱۱ر رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰راپریل ۱۸۵۴ء اکبر آباد (آگرہ) میں یہ مناظرہ طے پایا، یہ مقام عیسائیت کے فروغ کا مرکز تھا اور اس کے ایک محلّہ کا نام ''محلۂ عبدالمسیح'' ہی پڑگیا تھا کیوں کہ وہاں عیسائیت قبول کرنے والے ہندوستانی کافی تعداد میں تھے۔

متعینہ تاریخ میں جلسہ شروع ہوا، ضلع کے حکام، عدالت کے جج، اور انگریزی چھاؤنی کے بہت سے عہدہ دار موجود تھے، پادری فنڈر اور پادری ولیم کلین (William Clean) اور شہر کے اعیان وسر برآوردہ اشخاص، ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب ہی موجود تھے، ڈاکٹر محمد وزیر خاں حضرت کیرانویؒ کے مترجم کی حیثیت سے شریک تھے، مناظرہ کے پانچ موضوع تھے۔

۱۔ بائبل عہد قدیم (اولڈ ٹیسٹامنٹ) اور عہد جدید (نیو ٹیسٹامنٹ) میں تحریف ہوئی۔

۲۔ بائبل میں کچھ احکام منسوخ قرار دئے گئے۔

۳۔ عقیدۂ تثلیث۔

۴۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت۔

۵۔ قرآن کی صداقت وصحت۔

۶۔ اس مناظرہ میں شرط یہ تھی کہ اگر مولانا کیرانویؒ نے اس مناظرہ میں بازی جیت لی تو فنڈر اسلام قبول کرلے گا، اور اگر اس کے برعکس ہوا تو مولانا کیرانویؒ عیسائیت کو تسلیم کرلیں گے، اس شرط کی وجہ سے اس مناظرہ کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی تھی، پہلے روز کا مناظرہ ختم ہوا تو ہر جگہ اس کا چرچا ہونے لگا، ہر مجلس میں یہی موضوع تھا جس پر تبصرے ہو رہے تھے، کیوں مناظرہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ پادری فنڈر نے یہ اعتراف کرلیا کہ آٹھ مقامات میں بائبل کے اندر تحریف موجود ہے۔

دوسرے روز جلسۂ عام میں عیسائی، سکھ، ہندو، اور مسلمانوں کی بڑی تعداد مناظرہ میں شریک ہونے کے لئے آئی، فنڈر نے کہا کہ انجیل میں جو غلطیاں ہیں وہ کتابت کی غلطیاں ہیں، لیکن وہ عبارتیں جن میں عقیدۂ تثلیث، حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت، فداء اور شفاعت کا ذکر ہے وہ تحریف سے محفوظ ہیں، پادری فنڈر کے ترکش کا یہ آخری تیر تھا جس کو اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ استعمال کیا، حضرت کیرانویؒ نے جواب دیا:

''جب تم انجیل میں تحریف کو تسلیم کرتے ہو، تو پوری کتاب مشکوک ہوگئی''۔

اس پر بحث ختم ہوئی اور پادری فنڈر تیسرے روز مناظرہ کے لئے آیا ہی نہیں، اس کے بھاگ کھڑے ہونے سے واضح ہو گیا کہ وہ مناظرہ کے میدان میں شکست کھا گیا، اور مسلمانوں کی یہ بڑی کامیابی تھی جس سے ایمانی قوت میں اضافہ ہوا، اور پادریوں کا منہ توڑ جواب دینے کی صلاحیت عام مسلمانوں نے اپنے اندر محسوس کی، عیسائیت کے عقلی وعلمی دبدبہ اور بلند بانگ دعووں اور اسلام پر تہمتوں کی حقیقت سب کے سمجھ میں آ گئی۔

اس مناظرہ کے دو سال بعد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا واقعہ پیش آیا جو ایک طرح سے مسلمانوں کی آخری کوشش تھی کہ انگریزوں کے بچھائے ہوئے جال سے نکل آئیں، لیکن اس جنگ میں مسلمان ناکام رہے، اور ان کی ناکامی کے بعد انگریز غضبناک، طاقتور اور انتقام کے جذبہ سے بھرے ہوئے دشمن کی طرح پیش آئے، اور وہ جانتے تھے کہ اس جنگ کی قیادت مسلمان کر رہے تھے اور انہی کا یہ پلان تھا اور وہی اس کی ہمت کر سکتے تھے، اور دوسرے ہم وطن ان کے ساتھ ہو لئے تھے، اس لئے مسلمانوں کے علماء ان کے جذبۂ انتقام اور غصہ کا سب سے زیادہ شکار تھے، اور آئندہ بھی انگریز کو خطرہ انہی مسلمانوں اور ان کے علماء سے تھا، عوام میں انہیں کی مقبولیت تھی لہذا انگریزوں نے ایک ایک عالم کو پکڑ پکڑ کر قتل کرنا شروع کیا، ان کو پھانسی دیتے، سولی پر چڑھاتے، ان کی گردنیں درختوں سے لٹکاتے اور طرح طرح کی تذلیل واہانت کا سلوک کرتے، اور تلاش کر کے ایسے افراد کو ڈھونڈتے جن کی مسلمانوں کے درمیان عزت وتوقیر ہوتی، اور لوگ جن کی بات سنتے، انگریزوں کو جن افراد کی تلاش تھی ان میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ صف اول کے لوگوں میں تھے، کیوں کہ مذہبی مناظرہ میں وہ ان کو شکست دے چکے تھے اور ان کے خلاف جو جہاد کیا گیا اس میں شریک تھے، مصلحت وقت کا تقاضا تھا کہ مولانا کچھ عرصہ کے لئے ایک گاؤں میں روپوش ہو جائیں، جب انگریز ان کی تلاش میں اس گاؤں میں بھی پہنچ گئے تو مولانا نے کلہاڑی لے کر کسانوں کے بھیس میں کھیت میں کٹائی کا کام شروع کر دیا، اور اس طرح اللہ نے ان کو بچا لیا اور انہوں نے کسی طرح سورت کی بندرگاہ سے روانہ ہو کر بلاد مقدسہ کی طرف ہجرت کر لی، یہ ۱۸۶۲ء کا واقعہ ہے یعنی جنگِ آزادی کے پانچ سال بعد، ان کی جائدادیں سب کی سب ضبط کر لی گئیں جو خاصی بڑی تھیں، اور ان کو نیلام کر دیا گیا، یہ زمانہ وہ تھا جب

مسلمانوں کے خلیفہ سلطان عبدالعزیز تھے، اور مکہ مکرمہ میں ان کے گورنر شریف عبداللہ بن عون تھے، جب ان کی علمی منزلت کا پتہ چلا تو حرم شریف میں ان کو درس دینے کی اجازت مل گئی، اور اس وقت کے سربرآوردہ علماء سے ان کے تعلقات ہوئے جن میں مکہ مکرمہ کے سب سے بڑے عالم شیخ احمد زینی دحلانؒ تھے جو مولانا کیرانوی کے خاص احباب میں تھے اور انہوں نے ہی مولانا کیرانوی کو شریف مکہ سے ملایا اور علمائے مکہ سے ان کا تعارف کرایا۔

ایک اتفاقی بات پیش آئی کہ پادری فنڈر ایک عرصہ تک یوروپ کے مختلف ملکوں جرمنی، سوئزرلینڈ، انگلینڈ میں رہا اس کے بعد اس کو لندن کی تبلیغی انجمن (مشینری) نے قسطنطنیہ بھیجا کہ مسلمانوں کے مرکزی مقام، خلافت کے پایۂ تخت میں جاکر عیسائیت کی تبلیغ کی مہم چلائے، اس نے سلطان عبدالعزیز سے ملاقات کی اور ہندوستان کے اس مناظرہ کا قصہ بیان کیا اور کہا کہ عیسائیت کو اسلام پر فتح حاصل ہوگئی، سلطان عبدالعزیز خلیفۃ المسلمین تھے ان کو اس بیان سے سخت حیرت ہوئی، انہوں نے شریف مکہ کو لکھا کہ ہندوستان سے آنے والے حاجیوں سے معلوم کریں کہ اصل واقعہ کیا ہے اور کس طرح پیش آیا؟ اور اس مناظرہ اور انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی بغاوت (۱۸۵۷ء) کی صحیح نوعیت سے مطلع کریں، شریف مکہ کو شیخ العلماء سید احمد دحلان سے پورا واقعہ معلوم ہو چکا تھا، انہوں نے دارالخلافہ کو مطلع کیا کہ اصل واقعہ کیا ہے اور یہ کہ اس مناظرہ کے ''بطل'' (ہیرو) جو عالم دین ہیں وہ حسن اتفاق سے مکہ مکرمہ میں موجود ہیں، سلطان عبدالعزیز نے حضرت مولانا کیرانویؒ کو دارالخلافہ آنے کی دعوت دی، چنانچہ مولانا وہاں (۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں) تشریف لے گئے، جب پادری فنڈر کو معلوم ہوا کہ شیخ (مولانا کیرانویؒ) قسطنطنیہ آرہے ہیں، اسی وقت وہاں سے فرار ہوگیا، سلطان عبدالعزیز نے وہاں کے علماء کو جمع کیا، جس میں وزراء اور اعیان ملک شریک تھے، مولانا کیرانوی سے اس مناظرہ کا حال سنا کہ کس طرح اسلام کو انہوں نے عیسائیت پر فتح یاب کیا، پھر ۱۸۵۷ء کی بغاوت کی داستان سنی، سلطان نے اسی وقت عیسائی مبلغوں پر پابندی لگادی اور اس سلسلہ میں سخت قوانین نافذ کیے، سلطان اکثر و بیشتر نماز عشاء کے بعد مولانا کیرانویؒ سے ملا کرتا اور آپ کے نصائح و ارشادات سنا کرتا، اس مجلس میں حکومت کے صدر اعظم خیرالدین پاشا تیونسی بھی شریک رہتے، وہاں کے شیخ الاسلام اور بڑے

سربرآوردہ علماء بھی اس مجلس میں آیا کرتے تھے۔

مولانا سے جب صدر اعظم اور خلیفہ عبدالعزیز نے مناظرہ کا قصہ سنا اور ان کی علمی عظمت، وسعت مطالعہ اور مسیحیت پر ان کی ناقدانہ بصیرت کا اندازہ کیا تو یہ درخواست کی کہ وہ عربی زبان میں ایک مبسوط کتاب لکھ دیں جس میں ان پانچوں عناوین پر سیر حاصل بحث ہو جو مناظرہ کے لئے موضوع بحث قرار پائے تھے، مولانا نے اس تجویز کو قبول فرمایا، اور ''اظہار الحق'' کی تالیف وہیں قسطنطنیہ میں شروع کر دی، رجب ۱۲۸۰ھ میں یہ تالیف شروع کی اور ذی الحجہ میں مکمل کر لی، یعنی صرف چھ ماہ میں یہ ضخیم دستاویز تیار ہوگئی، سلطان کی خدمت میں یہ ہدیہ پیش کیا اور مقدمہ میں تحریر فرمایا کہ یہ کتاب شیخ العلماء علامہ زینی دحلان ؒ کی تجویز پر لکھی ہے، صدر اعظم خیر الدین پاشا نے مولانا سے عرض کیا کہ آپ نے تو یہ کام امیر المومنین کی فرمائش پر کیا ہے، مناسب یہ تھا کہ امیر المومنین کا نام آپ لکھتے، خلیفۃ المسلمین کا اکرام اور حق وانصاف سے قریب تر بات یہی ہے، مولانا نے فرمایا یہ خدمت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے میں نے انجام دی ہے اس میں کوئی دنیاوی غرض شامل نہیں ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ شیخ العلماء زینی دحلان نے مجھ سے پہلے اس کی فرمائش کی تھی اور کہا تھا کہ اس مناظرہ کی روداد قلم بند کروں، اور مکہ مکرمہ میں میں نے اس کتاب کے مواد جمع کرنا شروع کر دئے تھے، اور شیخ دحلان ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے مجھے شریف مکہ سے متعارف کرایا اور آج دربار خلافت تک میری رسائی کا سبب وہی ہیں، لہٰذا ان کے فضل وکرم کا اعتراف ضروری ہے۔

اس طرح یہ کتاب معرض وجود میں آئی، اس کی اہم خصوصیات یہ ہیں:

ا۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے دفاعی موقف کے بجائے حملہ آور ہونے کا موقف اختیار کیا ہے، اور یہ موقف بہت ہی کارآمد ہوتا ہے کہ حریف کو دفاعی پوزیشن میں ڈال دیا جائے، اور اس کو مجبور کیا جائے کہ وہ ملزم کے کٹہرے میں کھڑا ہو، اور وہ اپنی صفائی پیش کرے، پہلے علماء نے اس بات کو محسوس نہیں کیا تھا اور تورات وانجیل اور قرآن کو ہم پلہ سمجھ کر گفتگو کرتے تھے، اس طرح ان قدیم صحیفوں کو وہ اہمیت حاصل ہو جاتی جس کے حقیقتاً وہ مستحق نہ تھے، حالاں کہ خود حاملین تورات وانجیل یہ تسلیم نہیں کرتے کہ قرآن کی طرح بغیر کسی تغیر وتبدل کے آسمانی صحیفوں کا امتیاز ان

میں پایا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بہت مناسب قدم اٹھایا تھا کہ اپنی کتاب ''الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح'' میں جارحانہ موقف اختیار کیا تھا، کیوں کہ اہل تحقیق علماء کے نزدیک تورات وانجیل کی حیثیت دوسرے تیسرے درجہ کی احادیث وسیرت کی کتابوں سے زیادہ نہیں ہے، اور نہ ان صحیفوں کی ثابت شدہ سند ہے، ان صحیفوں کو حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد مختلف مرحلوں میں مرتب کیا گیا ہے، ان میں کچھ حضرت مسیح کے اقوال ہیں اور کچھ ان کے معجزات کا بیان ہے اور کچھ ان کے اخلاق واعمال کا ذکر ہے، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے بہت گہرائی کے ساتھ ان صحیفوں کا مطالعہ کیا تھا اور اس کی تہ کو پہنچ گئے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے اندازِ گفتگو سے مناظرہ کی نوعیت بدل گئی اور حریفوں کو جو پہلے بالادستی ہوجایا کرتی تھی وہ ختم ہوگئی۔

۲۔ اس کتاب کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ مولانا کیرانویؒ نے زیادہ جزئیات سے بحث نہیں کی ہے، کیوں کہ اس میں بحث ومناظرہ اور چوں چرا کی گنجائش رہتی ہے، مولانا نے صاف نظر آنے والے اور آسانی سے سمجھ میں آنے والی باتیں ذکر کی ہیں، جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہوسکتی، انہوں نے بائبل میں ایک دوسرے سے متضاد باتوں کو نکال دکھایا ہے کہ کوئی الہامی کتاب جس میں تحریف نہیں ہوئی ہو، اس طرح متضاد باتوں کا مجموعہ نہیں ہوسکتی، اس طرح کی ایک سو آٹھ کھلی ہوئی غلطیوں کو انہوں نے دکھایا ہے، یہ باتیں ایسی ہیں جیسے ریاضی کے فارمولے ہوتے ہیں، دو اور دو چار کی طرح جس کے نتائج سب کے سامنے ہیں، دوسرے کھلی ہوئی تحریف کے نمونے ہیں جہاں الفاظ کے اضافے ہیں، کہیں کمی ہے، کہیں تشریحی جملے ہیں، اس طرح یہ کتاب ایک آسمانی صحیفہ کا درجہ حاصل ہی نہیں کرسکتی۔

۳۔ عیسائیوں نے انجیل کو وحی منزل ثابت کرنے کے لئے جو عبارت آرائی کی ہے اور مغالطے میں ڈالنے کی کوششیں کی ہیں ان کو نقل کرنے کے بعد انتہائی آسان اور قابلِ قبول اسلوب بیان میں ان کا رد کیا ہے۔

۴۔ حضرت کیرانویؒ نے عقیدۂ تثلیث کو عقل کی کسوٹی پر رکھ کر اور اس کا علمی تجزیہ کرکے

دکھایا ہے کہ کوئی بھی صاحبِ عقل وذوق اس کو تسلیم نہیں کرسکتا۔

۵۔ حضرت کیرانویؒ نے صرف یہی نہیں کیا کہ عیسائیت کے عقائد اوران کے صحیفوں کی حقیقت کھول کر دکھادی بلکہ قرآن کریم پر جوان کے اعتراضات رہے ہیں اس کا بھی تشفی بخش جواب دیا اور دکھایا کہ قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے، اس سلسلہ میں عیسائیوں کے پیدا کردہ شبہات کا جواب دیا اوراسی سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ، معجزات کو بیان کیا اور آپؐ کے حق میں انبیائے سابقین نے جو بشارتیں دی ہیں ان میں سے اٹھارہ بشارتوں کا ذکر کیا۔

ان اسباب کی بنا پر کتاب کی اہمیت بڑھ گئی اور ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لی جانے لگی، ایک ترکی عالم نے اس کا ترجمہ کیا اوراس کا نام ''ابراز الحق'' رکھا، ایک صاحبِ قلم نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا جو ہندوپاکستان کے کتب خانوں میں موجود ہے۔

مولوی غلام محمد راندھیری نے اس کا گجراتی زبان میں ترجمہ کیا تھا، اردو میں مولانا اکبر علی سہارن پوری مرحوم نے تین جلدوں میں اس کا ترجمہ کیا تھا، جس کا نام ''بائبل سے قرآن تک'' ہے اس پر مولانا تقی عثمانی نے مفصل مقدمہ لکھا ہے وہ فاضلانہ اور محققانہ ہے اوراس لائق ہے کہ علیٰحدہ سے شائع ہو۔

عیسائیوں کے پادریوں کا یہ معمول رہا کہ جہاں یہ کتاب بازار میں آئی اس کے تمام نسخے خرید کر جلادئے تاکہ لوگ پڑھ نہ سکیں، اس لئے بار بار اس کی طباعت ہوتی رہی، مراکش کی وزارت اوقاف وامور مذہبی نے اس کو بہت آب وتاب سے شائع کیا ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن بک باجہ جی زادہ نے اپنی کتاب ''الفارق بين الخالق والمخلوق'' میں اس کتاب کا بلند الفاظ میں اعتراف کیا ہے، علامہ رشید رضا نے ''انجیل برناباس'' کے عربی ترجمہ کے مقدمہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

عیسائیوں کے حلقے میں اس کتاب کے بارے میں کیا تاثر ہے وہ صرف ایک جملہ سے واضح ہوجاتا ہے، جو برطانیہ کے ایک اہم اخبار نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

''اگر لوگ اس کتاب کو پڑھتے رہے تو دنیا میں عیسائیت کو کبھی فروغ نہیں ہوسکتا''۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا محمد سلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۱۳۹۷ھ) حضرت مولانا محمد سعید صاحبؒ کے فرزندار جمند تھے اور حضرت مولانا سعید صاحب (متوفی:۱۳۵۸ھ) حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے بھائی کے پوتے تھے جن کی تعلیم وتربیت حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی نگرانی اور سرپرستی میں ہوئی اور حضرت مولانا سعید صاحبؒ ہی حضرت مولانا کیرانوی کے جانشین اور مدرسہ صولتیہ کے ناظم ہوئے، حضرت مولانا سعیدؒ صاحب کے بعد ان کی جانشینی اور مدرسہ صولتیہ کی نظامت ان کے صاحبزادے حضرت مولانا سلیم صاحبؒ کے حصہ میں آئی، موصوف طویل مدت تک اس مسند پر رونق افروز رہے اور مدرسہ صولتیہ کو غیر معمولی ترقی ہوئی، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی حیات وخدمات سے ان سے زیادہ کون واقف ہوسکتا تھا، انہوں نے سنہ ۱۳۷۰ھ میں ''ایک معمار مجاہد۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی'' کے عنوان سے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی شخصیت اور خدمات پر ایک ولولہ انگیز فاضلانہ مضمون لکھا جو متعدد بار شائع ہوا۔

حضرت مولانا سلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ کا مذکورہ بالا مضمون زبان وبیان اور مندرجات دونوں اعتبار سے حضرت مولانا کیرانوی کے بارے میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے، اس مضمون کے بغیر حضرت مولانا کیرانویؒ کا تعارف ادھورا محسوس ہوتا ہے، اس لئے ازالۃ الشکوک کے مقدمہ میں معمولی اختصار کے ساتھ اس مضمون کو شامل کیا جارہا ہے، ۶۶ رسال پہلے لکھی گئی یہ تحریر اب بھی زندہ وتابندہ ہے اور اپنی انفرادیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

(مفتی) عتیق احمد قاسمی بستوی

۱۶/۴/۲۰۱۵ء

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ ایک معمار مجاہد

از: حضرت مولانا محمد سلیم صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

گذشتہ صدی کا ماہ رجب ۱۲۷۰ھ مسلمانانِ ہندوپاکستان کی مذہبی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے جس میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے مغربی قوت واقتدار اور عیسائیت کے غلبۂ تسلط کے باوجود عظیم الشان فتح ونصرت عطا فرمائی۔

زمانہ بدل چکا، خیالات ورجحانات میں غیر معمولی انقلاب رونما ہے، سیاسی پیچیدگیاں اور ہنگامہ آرائی، معاشی مشکلات، باہمی تفریق واختلاف کے اس دور میں یہ فرسودہ بیانی بظاہر بے وقت کی راگنی ہے، دماغی بے اعتدالی اور برق رفتاری کے ساتھ دنیا ایک نامعلوم سمت کی طرف جارہی ہے، اس بھاگ دوڑ میں کسے فرصت ہے کہ وہ مڑکر پیچھے دیکھے اور موجودہ نسل کسی ذکر کہن کو سننے کے لئے تیار ہو۔ مگر تاریخ کا نام جب تک دنیا میں زندہ ہے اور زندہ قومیں اپنی مذہبی اور قومی تاریخ اور شاندار کارناموں کو جب تک اپنا سرمایۂ حیات سمجھتی رہیں گی اس وقت تک ہر پرانی یاد اور پرانا تذکرہ، گزرے ہوئے حالات اور واقعات منصۂ شہود پر کسی نہ کسی عنوان سے ضرور آتے رہیں گے۔

دنیا گہوارۂ انقلاب ہے، ہندوستان قدیم میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کے ہمدوش مذہب عیسوی نے بھی فروغ حاصل کیا اور ہر ممکن صورت سے اس مغلوب ملک کو مذہبی حیثیت سے بھی فتح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی، کمپنی کی تائید واعانت سے مذہب مسیحی کی تنظیم اور ترقی عمل میں آتی رہی، ملک کے طول وعرض میں ہر جگہ اس تنظیم کے آثار قائم کئے گئے چرچ مشن سوسائٹی، بائبل سوسائٹی، مشن فنڈ، اسپتال، مشن کالج اور مدارس جا بجا قائم ہوئے، مذہبی کتابوں اور اخبارات ورسائل کی اشاعت کے ذریعہ عوام کے رجحانات وعقائد کو بدلنے کی مہم جاری کی گئی، یہ صرف مذہبی جدوجہد نہ تھی بلکہ خود حکومت (کمپنی) کی ملکی سیاست اور عملی تائید بھی شریک تھی، مشنریوں کو مالی امداد دی جاتی تھی اور ممتاز حکام ان کی ہر ممکن سرپرستی کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے

حکامِ وقت کا اثر ورسوخ کوئی معمولی چیز نہیں، اس لئے مسیحی تحریک کو یہاں تک تقویت پہنچ چکی تھی کہ جب دہلی میں ۱۸۵۷ء میں ''عہدۂ بشپ'' قائم کرنے کا سوال پیش ہوا تو اس وقت یہ تجویز بھی مدنظر تھی کہ جامع مسجد دہلی کو گرجا بنا دیا جائے، اس صورتِ حال کا ناگزیر اثر تھا کہ ہند قدیم میں خاص طور پر مسلمانوں کو انگریزی حکومت سے تنفر پیدا ہوا اور مسیحیت کی اشاعت میں قوت وسیاسی اقتدار اعلیٰ سے کام لینے کی بنا پر مذہبی مدافعت کی اہم ضرورت پیش آئی، اسلام کی صداقت وحقانیت کے خلاف جو سازش کی جا رہی تھی اس پر ربانی علماء کب صبر وسکوت کر سکتے تھے، اس دور کے وہ مجاہد علماء جنہوں نے جرأت وہمت سے کام لے کر ہندوستان قدیم کے مسلمانوں کو فتنہ مسیحیت کی مصیبت اور بلا سے نجات دلائی، ان کے متعلق مولانا حالی مرحوم فرماتے ہیں:

''ہندوستان میں اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا، ایک طرف مشنری گھات میں لگے ہوئے تھے، اگرچہ قحط کے دوران میں ان کو دبلا پتلا شکار پیٹ بھرا مل جاتا تھا مگر وہ اس پر قانع نہ تھے اور ہمیشہ صید فربہ کی تلاش میں رہتے تھے، ہندوستان میں سب سے زیادہ دانت ان کا مسلمانوں پر تھا اس لئے ان کی منادیوں میں، ان کے اخباروں میں، ان کے رسالوں میں زیادہ تر بوچھار اسلام پر ہوتی تھی، اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے، بانی اسلام کے اخلاق وعادات پر انواع واقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے، بہت سے مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر افلاس کے سبب ان کے دام میں آگئے، اس خطرہ سے بلاشبہ علمائے اسلام جیسے مولانا آل حسن، مولانا رحمت اللہ صاحب مرحوم اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ متنبہ ہوئے، انہوں نے متعدد کتابیں عیسائیوں کے مقابلہ میں لکھیں اور ان سے بالمشافہ مناظرہ کئے جس سے یقیناً مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا، رد نصاریٰ میں تالیف وتصنیف اور پادریوں سے مقابلہ ومناظرہ کا سلسلہ ایک جماعتی نہ سہی لیکن انتظامی شکل میں شروع ہو گیا تھا، قدرتی طور پر ہر جگہ مسجدیں تھیں، علمائے کرام کے وہ گڑھ تھے، اس انقلابی تحریک کے چلنے میں کوئی دشواری پیدا نہیں ہوئی، رہنما کی ضرورت تھی، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ سے بہتر کون ثابت ہو سکتا تھا، انہوں نے اس کی بنیاد ڈالی اور اس کام کے لئے دہلی، آگرہ کو مرکز قرار دیا، یہاں بھی مولانا نے تصنیف وتالیف کا کام کیا، ان کی جماعت میں ہندوستان کے انتہا پسند اور حضرت اسماعیل شہیدؒ کے فدائی مسلمان تھے جن کی تعداد کافی تھی''۔

اس تحریک کا ذکر پادری فنڈر اس طرح تعلّی کے ساتھ کرتا ہے:

''یہاں (آگرہ) کے علماء اسلام دہلی کے علماء کے ساتھ مل کر گزشتہ دو تین سال سے

کتاب مقدس کا اور ہماری کتابوں اور مغربی علماء کی تنقیدی کتب اور تفاسیر کا مطالعہ کر رہے تھے تا کہ وہ کتابِ مقدس کو غلط اور باطل کر سکیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی کے عالم مولوی رحمت اللہ (کیرانوی) نے دو کتابیں تصنیف کیں، جنوری ۱۸۵۴ء میں جب میں یہاں نہیں تھا وہ آگرہ آیا تھا کہ اپنے احباب کے ساتھ ان کتب کو چھپوانے کا انتظام کرے، مباحثہ ہوا، تقریباً ایک سو مسلمان علماء مولوی رحمت اللہ کی مدد کے لئے جمع تھے، اور دوسرے روز اس کی دوگنی تعداد تھی"۔

یہ علماء بلا کسی معاوضہ کے ردِ نصاریٰ میں اپنا وقت صرف کرتے رہے، اور ہر صوبہ اور ہر ضلع میں ان کے شاگرد ردِ نصاریٰ کا فرض ادا کرتے تھے، اگر کوئی خاص معاملہ یا مناظرہ ہوتا تھا تو مرکز سے علمائے کرام ان کا مقابلہ کرنے کے لئے جاتے جس سے پادریوں اور عوام پر خاطر خواہ اثر ہوتا تھا، جو ان کی رپورٹوں میں موجود ہے، اگرچہ وہ مخالفانہ ومعاندانہ انداز میں ہے، لیکن واقعات کے ڈھنگ اور عیسائیوں کے طرز سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ علمائے کرام ہر ضلع میں ان کے مدِ مقابل تھے اور ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے، چنانچہ "پادری فرنچ، انچارج ضلع ملتان" کی رپورٹ میں ہے:

"ملتان کے مُلا سید اور مخدوم سب اس بات کے لئے کوشش کر رہے تھے کہ خدا کی روشنی کو داخل نہ ہونے دیں، یہ دو مشہور شخصوں یعنی مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خاں کے جنہوں نے اسلام کا طرفدار ہو کر ڈاکٹر فنڈر سے مباحثہ کیا تھا، دوست تھے"۔

حیاتِ شبلی کے دیباچہ میں علامہ سید سلیمان ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"انگریزوں کے برسرِ عروج آتے ہی تین طرف سے حملوں کا آغاز ہوا، عیسائی مشنریوں نے اپنی نئی سیاسی طاقت کے بل بوتے پر اسلام کے قلعۂ روئیں پر حملے شروع کر دئے، دوسری طرف ہندوؤں میں آریہ تحریک نے اپنے سابق مسلمان حکمرانوں سے نجات پا کر ان پر حملہ کی جرأت پائی اور سب سے آخر میں یورپین علوم وفنون اور تمدن کی ظاہری چمک دمک مسلمانوں کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی، خدا نے عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی، ڈاکٹر وزیر خاں صاحب (آگرہ) اور اس کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولانا رحم علی صاحب منگلوری، مولانا عنایت رسول صاحب چریاکوٹی، مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری، وغیرہ اشخاص پیدا کئے، جنہوں نے عیسائیوں کے تمام اعتراضات کے پرزے اڑا دئے اور خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خاں صاحب اور مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کا وجود تو ردِ عیسائیت کے باب میں تائیدِ غیبی سے کم

نہیں، اور کون باور کرسکتا تھا کہ اس وقت میں پادری فنڈر کے مقابلہ کے لئے ڈاکٹر وزیر خاں جیسا آدمی پیدا ہوگا جو عیسائیوں کے تمام اسرار کا واقف اور ان کی مذہبی تصنیفات کا ماہر کامل، اور عبرانی ویونانی کا ایسا واقف ہوگا جو عیسائیوں کو خود انہی کی تصنیفات سے ملزم ٹھہرائے گا اور مولانا رحمت اللہ صاحب کے ساتھ مل کر اسلام کی حفاظت کا ناقابلِ شکست قلعہ دم کے دم میں کھڑا کر دے گا۔

آریوں کے دیانند سرسوتی کے مقابلہ کے لئے خاص طور پر مولانا محمد قاسم صاحب کا ظہور بھی تائید غیبی ہی کا نشان ہے، اور پھر جس طرح عقائد حقہ کی اشاعت اور رد بدعات کا اہم کام مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور اس جماعت کے دیگر مقدس افراد کے ذریعہ پایا اس کے آثار باقیہ اب بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں''۔

۱۲۷۰ھ کے ماہِ رجب میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ اور پادری فنڈر کے درمیان آگرہ میں یادگار زمانہ مناظرہ منعقد ہوا، جس میں حق کو فتح وکامیابی اور باطل کو ہزیمت وشکست ہوئی، یہ حالات آئندہ سطور میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے، بالعموم حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کو پاکستان وہند کی موجودہ دنیا ''بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ'' کی حیثیت سے جانتی ہے مگر حضرت مولانا رحمت اللہ علیہ کے مجاہدانہ کارناموں اور مدافعت اسلام کی عظیم الشان خدمت سے واقف نہیں، باخبر خواص یقیناً واقفِ حال ہیں اسلام کی اس قابل فخر نصرت وکامیابی کے صد سالہ یادگاری ذکر خیر کے ساتھ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کے مختصر حالات زندگی ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحبؒ محلّہ دربار کلاں، قصبہ کیرانہ، ضلع مظفر نگر میں ماہ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے، بعض قلمی یادداشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قصبہ کیرانہ قدیم زمانہ میں چوہان راجپوتوں کی راجدھانی رہ چکا ہے، جونڈلہ اور بانسہ ضلع کرنال میں جو چوہان آباد تھے ان کے مورثِ اعلیٰ رانا ہرہ کی اولاد میں سے رانا کلسہ کیرانہ کا حکمراں تھا، جس کی وجہ سے قصبہ اور نواح کے چوراسی گاؤں ''کلیسان گوجر'' کہلاتے ہیں، رانا کلسہ چوہان راجپوت تھا مگر کیرانہ اور اس کے نواح میں گوجر قوم آباد تھی اس لئے رانا نے اسی قوم میں شادی کی، رانا کلسہ سلطان محمود غزنوی کا معاصر تھا، سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں سلطان کی اجازت سے سید سالار مسعود غازیؒ مجاہدین کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ ہندوستان پر حملہ آور ہوئے اور جھنجانہ ہوکر کیرانہ پر حملہ

کیا، شہر کے شمالی اور غربی نواح میں آج تک مزار شہداء موجود ہیں، ایک قبر چند گز طویل شہر کے شمالی جانب میں ہے جو عرب شہداء کی قبر بتائی جاتی ہے، اس میں بہت سے شہداء کو ایک جگہ دفن کر دیا گیا ہے، سید سالار مسعود غازی کے کیرانہ پر حملہ کی یادگار آج تک سالاری قوم قصبہ میں موجود ہے، یہ عرب نژاد قوم قصبہ میں شتر بانی کا کام کرتی ہے اور اونٹ ان کا ذریعۂ معاش ہیں، کیرانہ میں سب سے پہلے یہی سالاری قوم آباد ہوئی سلاطین تغلق کے زمانہ میں شیخ علاء الدین انصاری اس نواح کے منصب قضا پر مقرر ہوئے، اس وقت سے انصار کیرانہ میں آباد ہیں، شیر شاہ کے زمانہ میں ''کاکڑزئی'' افغان آباد ہوئے جن کی اولاد اب تک موجود ہے۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کا نسب نامہ:

رحمت اللہ بن خلیل اللہ المعروف بہ خلیل الرحمٰن بن حکیم نجیب اللہ بن حکیم حبیب اللہ بن حکیم عبدالرحیم بن حکیم قطب الدین بن شیخ حکیم فضیل بن حکیم دیوان عبدالرحیم (برادر نواب مقرب خاں) بن حکیم عبدالکریم المعروف بہ حکیم بینا المقلب بہ ''شیخ الزماں'' بن حکیم حسن بن عبدالصمد بن ابوعلی بن محمد یوسف بن عبدالقادر بن کبیر الاولیاء حضرت مخدوم جلال الدین محمدؒ بن محمود بن یعقوب بن عیسیٰ بن اسماعیل بن محمد تقی بن ابی بکر بن علی نقی بن عثمان بن عبداللہ بن شہاب الدین بن شیخ عبدالرحمٰن گازرونی بن عبدالعزیز سرخسی بن خالد بن ولید بن عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کبیر مدنی بن عبداللہ الثانی بن عبدالعزیز کبیر بن عبداللہ کبیر بن عمرو بن امیر المومنین ذوالنورین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔

ہندوستان میں عثمانیوں کا نسب نامہ نسلاً اس قدیم تاریخی طومار میں محفوظ ہے جو حضرت کبیر الاولیاء مخدوم جلال الدینؒ کی درگاہ پانی پت میں موجود ہے اور جس کی متعدد نقول بعض عثمانی النسب اہل پانی پت کے پاس ہیں اصلی طومار میں ہر عثمانی جلالی کے نام کا اندراج کم از کم بیس جلالی النسب اشخاص کی موجودگی میں ہوتا تھا، مگر افسوس ہے کہ آں قدح بشکست۔

حضرت مخدوم کبیر الاولیاءؒ حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندرؒ سے ہمیشہ استدعائے بیعت کیا کرتے تھے اور قلندر صاحب ہمیشہ یہ جواب دیتے کہ ''تمہارا مرشد آنے والا ہے ابھی صبر کرو، ہم بتادیں گے''۔ جب حضرت خواجہ شمس الدین صاحب ترکؒ وارد پانی پت ہوئے

تو قلندر صاحب نے مخدوم صاحب سے فرمایا کہ جاؤ تمہارے پیر آتے ہیں ان کا استقبال کرو، آپ گھوڑے پر سوار شہر سے باہر نکلے دیکھا کہ ایک فقیر چلے آتے ہیں، سلام کے بعد خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ''میاں جوان! ذرا اپنے گھوڑے کی چال تو دکھاؤ''۔ آپ نے باگ اٹھائی اور گھوڑے کو دوڑایا، خواجہ صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ''زہے اسپ وزہے سوار''، مخدوم صاحب پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اور آپ گھوڑے پر سے گرے، خواجہ صاحب نے سینے سے لگایا اور جو کچھ دینا تھا دیا اور بیعت کر کے خلافت عطا فرمائی، حضرت مخدوم صاحبؒ کو مطالعہ قلندر صاحبؒ کرا چکے تھے لیکن تعلیم خواجہ شمس الدین صاحب ترک پانی پتیؒ پر منحصر وموقوف تھی جو پایۂ تکمیل کو پہنچی، مخدوم صاحب کا وصال پانی پت میں ۱۳؍ربیع الاول ۷۶۵ھ کو ہوا، پانی پت میں محلہ مخدوم زادگان میں آپ کی اولاد موجود اور آباد تھی جو انقلاب ۱۹۴۷ء میں منتشر ہوگئی مگر درگاہ مخدوم صاحب اور مسجد وغیرہ باقی ہے۔

ہندوستان میں عثمانیوں کی آمد:

سلطان محمود غزنوی (متوفی ۲۳؍ربیع الاول ۴۲۱ھ مطابق ۲۹؍اپریل ۱۰۳۰ء) کا جس ماحول میں نشوونما ہوا اس کا اثر ہے کہ وہ ابتدا سے اہل علم اور ارباب کمال کا دلدادہ تھا، اس کی زندگی پر اس واقعہ کا گہرا اثر ہے کہ اس نے اپنے خوشنما باغ میں ایک دلکش مکان تعمیر کیا جس کے جشن میں اس نے دوسرے امراء اور اعیان مملکت کے ساتھ اپنے باپ امیر سبکتگین کو بھی مدعو کیا، باپ نے باغ اور مکان کے دل فریب ماحول کو بے حد پسند کرتے ہوئے اپنے ہونہار لائق ولی عہد کو جو قیمتی نصیحت کی وہ یہ تھی:

> ''ایسے باغ اور مکان تو دوسرے امیر بھی بنوا سکتے ہیں تم کو وہ عمارت تعمیر کرنی چاہئے کہ جس کی برابری کوئی دوسرا نہ کر سکے''، محمود نے پوچھا: ''ایسی عمارت کون سی ہے؟'' باپ نے جواب دیا کہ وہ اہل علم وفضل کے دلوں کی تعمیر ہے جو کوئی نہال احسان ان کی زمین دل میں لگائے اس کا ثمرہ پائے''۔

اس قسم کی مشفقانہ نصائح وہدایات اور اس زمانہ کے قدر شناس ماحول میں مذہبی اور دینی تربیت کا نتیجہ تھا کہ سلطان محمود غزنوی علماء اور اہل کمال کا ہمیشہ قدر دان رہا، اس کو علوم وفنون سے

طبعی لگاؤ تھا، ہر کام میں کفایت شعاری مدنظر رہتی مگر ہنر پروری میں اس کا فیض عام تھا، علماء کے لئے وظائف اور تنخواہیں مقرر تھیں، دارالعلوم، کتب خانے، عجائب خانے وغیرہ اس کی علم نوازی کا ثبوت تھے، اس کے دربار میں علماء، ادباء اور شعراء جمع رہتے، عصائری، رازی، اسدی، طوسی، منوچہر بلخی، حکیم عنصری، عسجدی، فرخی، دقیقی، علامہ ابوریحان جیسے یگانۂ عصر شعراء اور علماء اس کے عہد میں پائے گئے۔

یہی پہلا مسلمان حکمراں ہے جو سلطان کے لقب سے موسوم ہوا، سلطان محمود غزنوی کی دین پروری اور علماء نوازی سے سلطنت کے اکثر و بیشتر عہدوں پر قابل اور لائق دینی حکام مقرر تھے، فوج کی تنظیم کا بھی خاص اہتمام تھا، فوجی عہدوں میں بھی علماء کو امتیازی حیثیت حاصل تھی، حضرت مولاناؒ کے جد اعلیٰ شیخ عبدالرحمٰن گاذرونی، سلطان محمود غزنوی کی فوج میں شرعی حاکم تھے، یہ عہدہ ''قاضی عسکر'' کے نام سے خلفائے آلِ عثمان رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں بھی ہمیشہ رہا اور آخری خلیفہ سلطان محمد رشاد خاں خامس مرحوم کے زمانہ تک اس عہدہ پر ممتاز اور متدین علماء مقرر کئے جاتے تھے جو فوج کے تمام شرعی معاملات و مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے، شیخ عبدالرحمٰن گاذرونیؒ (گاذرون یا گاذران توابعات شیراز میں مشہور مقام تھا) سلطان محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ ''قاضی عسکر'' کی حیثیت سے ہندوستان آئے جب سلطان محمود غزنوی نے سومنات کے مندر پر حملہ کیا تو یہ فوج کے ساتھ شریک جہاد تھے، فتح پانی پت کے بعد یہیں مقیم ہوئے، پانی پت میں زیر قلعہ فون ہیں، آپ کی قبر پانی پت میں ایک چھوٹے سے احاطہ کے اندر مشہور و معروف ہے۔

حضرت مولاناؒ حکیم محمد حسن و حکیم عبدالرحیم ابناء حکیم عبدالکریم المعروف بہ ''حکیم بینا'' طبیب دربار اکبری کے خیر الخلف تھے، کشمیر سے واپسی کے بعد لاہور کے قریب چاندی رات میں بادشاہ اکبر ہرنوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا، اتفاق سے ایک ہرن اپنے حریف کو چھوڑ کر اکبر کی طرف جھپٹا اور اس کی دونوں ران کے بیچ میں سینگ مارا، زخم ہوگیا، ورم اور تکلیف بڑھتی گئی، علاج سے کوئی افاقہ نہ ہوا تو ابوالفضل کی رائے سے حکیم بینا کو پانی پت سے معالجہ کے لئے بلایا گیا، ایک ماہ سات روز کے بعد صحت ہوگئی، شہنشاہ اکبر نے حکیم بینا صاحب کو ''شیخ الزماں'' کا شاہی خطاب عطا کیا، حکیم محمد حسن بھی اپنے والد کے ساتھ بادشاہ کے علاج میں ہمہ تن مصروف خدمت رہے

اس لئے موردِ الطاف شاہی ہوئے اور کیرانہ بطور جاگیر عطا ہوا، فرمان کی نقل درج ذیل ہے:

''فرمان جلال الدین محمد اکبر بادشاہ بضمن معافی وعطائے جاگیر کیرانہ مع علاقہ خوانین رفیع مقدار وسلاطین وامرائے باوقار وصدور وزراء کفایت شعار وعمال ممالکِ ہندوستان صانہا اللہ عن آفات الزماں، چوں فضائل مآب کمالات اکتساب حکمت شعار، مسیحا آثار، شیخ حسن درازالہ امراض واعراض انسان بقدر الوسع والامکان بساط احسان وامتنان بظہور رسانیدہ ومی رساند، بنابراں عنایات والتفاتِ بے غایات شامل حال وکافل آمال آن فضائل مآب گردانیدہ۔

فرمان واجب الاتباع شرف نفاذ یافت کہ موازی پانصد بیگہ زمین مزروع از موضع ڈوما کھیڑی، کھندراوَلی پرگنہ کیرانہ من اعمال میان دوآب حضرتِ دہلی بعوض مبلغ دہ ہزار تنکہ وادیکہ ازاں موضع بموجب فرمان عالی شان حضرت ودوقلبہ زمین از سواد قصبہ پرگنہ مذکور متعلق بمشار الیہ مفوض ومتعلق بمشار الیہ بودہ باشد، کہ واجبی آنرا سال بسال کسو یحال افزوندومعاش خود کند وازالۂ امراض زمرۂ انام بغایت اہتمام بظہور رساند وداروغہا وعمال آں پرگنہ رامی باید کہ زمین ہائے مذکور را بتصرف اوگذارند واخراجات وکل تکالیف حبوبی مزاحمت نسازند، ومضاف ومسلم دانستہ ہیچ وجہ پرامون نگردند وہر سال بفرمان محتاج ندارند۔ تحریر ہذا فی شہر ذیقعدہ ۹۱۵ھ''

حکیم محمد حسن شاہزادہ سلیم کے طبیب خاص تھے، شاہزادہ نے ''مقرب خاں'' خطاب دیا، جہانگیر نے تخت نشینی کے بعد ''مقرب الخاقان'' اور ''نائب السلطان'' کے خطابات سے نواب مقرب خاں کو معزز کیا اور پنج ہزاری کا منصب دیا، تخت نشینی کے کچھ عرصہ کے بعد جہانگیر نے نواب مقرب خاں کو صوبہ دکن وگجرات کا گورنر مقرر کیا، ۱۶۱۸ء میں شہزادۂ شاہ جہاں جب وہاں بھیجے گئے تو نواب مقرب خاں کو صوبہ بہار کا گورنر معین کیا، مسٹر ہوجز (Hodjes) انگریزی سیاح ومصوران کی صوبہ داریٔ بہار کے زمانہ میں جولائی ۱۶۲۰ء میں پٹنہ آیا تھا اور نواب مقرب خاں کا مہمان رہا، حسن سلوک سے اس کے ساتھ پیش آئے، مسٹر ہوجز کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر نواب مقرب خاں کا رعب بہت غالب تھا اور یہ خطوط شکریہ کے جذبات سے لبریز نظر آتے ہیں جن میں نواب صاحب کے بہت سے حالات لکھے گئے ہیں، ۱۶۲۱ء میں صوبہ دہلی وآگرہ کی حکومت پر سرفراز ہوئے، شاہ جہاں جب تخت نشین ہوئے تو نواب مقرب خاں کو مزید انعام واکرام کے ساتھ مضافات کیرانہ کے پرگنے جاگیر میں عطا ہوئے، نواب مقرب خاں کے

لڑکے حکیم رزق اللہ شاہ جہاں کے طبیب دربار اور ہشت صدی منصب دار تھے، حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ نے حکیم رزق اللہ کو خطاب ''خانی'' مرحمت فرمایا، ۱۶۶۸ء میں حکیم رزق اللہ صاحب نے وفات پائی۔

دیوان عبدالرحیم اور دیوان عبدالحکیم نواب مقرب خاں کے دونوں چھوٹے بھائی بھی اصحابِ مناصب وجاہ تھے، دیوان عبدالرحیم نواب مقرب خاں کی گورنریٔ دکن وگجرات وغیرہ کے زمانہ میں طبیب دربار جہانگیری رہے، ان کی اولاد میں آج تک طب کا سلسلہ اور خدمتِ خلق کا جذبہ باقی ہے، دیوان حکیم عبدالرحیم کی اولاد میں ہر ایک اپنے وقت کا کاملِ فن طبیب تھا۔

حکیم وجیہ الدین صاحب مصنف کتاب ''مخزن حکمت'' طب ویدک جو ۱۱۹۶ھ میں لکھی گئی اور حکیم علی اکبر صاحب مرحوم برادر حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۹۱۵ھ میں فرمان اکبری کے مطابق کیرانہ ومضافات کیرانہ نواب مقرب خاں کو بطور جاگیر عطا ہوا تو عثمانی النسب جلالی خاندان کا یہ حصہ پانی پت کی سکونت ترک کر کے کیرانہ میں آباد ہوا، اس معمولی قصبہ کی توسیع وتنظیم کی گئی، قصبہ سے باہر نواب مقرب خاں اور دیوان عبدالرحیم نے اپنے محلات، کچہریاں اور متعلقین ریاست کے مکانات وغیرہ بنائے جو اب قصبہ کی آبادی کا ایک جزو ہیں، نواب مقرب نے کیرانہ میں آموں اور دیگر اقسام کے پھلوں کا باغ لگایا جس میں گجرات دکن اور دور دست ممالک سے آموں کے درخت منگا کر لگائے، ایک سو چالیس بیگہ اس باغ کا رقبہ تھا، باغ کے وسط میں دو سو بیس گز لمبا دو سو گز چوڑا حوض بنوایا، حوض کے اندر ماہتابی وغیرہ بیس (۲۰) گز مربع میں بنوائی، اس حوض میں جمنا کا پانی ایک طرف سے آتا اور دوسری طرف سے نکلتا تھا، سرد اور گرم ملکوں کے درخت نصب کرائے، سولہویں جلوس میں جہانگیر خود کیرانہ آیا، اس باغ کی تفصیلات ''تزک جہانگیری'' میں موجود ہیں، جہانگیر لکھتے ہیں:

''مخلص ومحب خاص، یار وفادار مقرب خاں متمنی تھا کہ میں اس کے یہاں آؤں میں نے اس کے گھر کو قدوم میمنت لزوم سے قابل رشک بنا دیا اور اس خیر خواہ قدیم کو بیش قیمت سامان، قیمتی جواہرات تین لاکھ روپے، ایک باغ اور ایک وسیع مکان دیا''۔

نواب مقرب خاں کے لگائے باغ کے آم حسب روایت ''تاج المآثر'' مدتوں تک دہلی میں مشہور و مرغوب رہے، وہ پرانی دنیا اگر چہ انقلاب ۱۸۵۷ء میں اجڑ چکی مگر یہ یادگارِ زمانہ باغ جس زمین پر قائم تھا وہ اب بھی ''نولاکھا زمین'' کے نام سے معروف ہے، مشہور ہے کہ اس باغ میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے نولاکھ درخت تھے، باغ میں نواب مقرب خاں کی بنائی ہوئی بارہ دری بھی موجود ہے، جس زمانہ میں نواب مقرب خاں گجرات کے گورنر تھے اور بندرگاہ سورت بھی ان کے زیر اثر تھی، اس وقت انہوں نے اپنی حکمت عملی سے سات جہاز جو مدت سے غرقاب تھے سمندر سے نکلوائے، علاوہ دیگر اشیاء کے کسوٹی (سنگ سماق) کے چند ستون نادرالوجود بھی برآمد ہوئے، ان اشیاء کی اطلاع شہنشاہ جہانگیر کو دی گئی شاہی حکم سے یہ تمام سامان نواب مقرب خاں کو عطا ہوا، مذکورہ بالا تالاب کے وسط میں چبوترہ پر جو بنگلہ تعمیر کیا گیا تھا اس میں کسوٹی کے یہ ستون لگوائے گئے جو اب حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کی درگاہ پانی پت میں نصب ہیں، نواب مقرب خاں کے اس باغ کے مشرقی جانب سنگین عمارات کا سلسلہ تھا جو ''دربار'' کے نام سے معروف تھا، یہاں عدالتیں، فیل خانے اور ریاست کے دفاتر وغیرہ تھے، باغ کے دوسری جانب سکونتی محلات وغیرہ تھے، جو ''نواب دروازہ'' کے نام سے اب تک موسوم ہے، یہ پرانی عمارتیں زمانے کے ناسازگار حالات اور پھر انقلاب ۱۸۵۷ء کی تباہ کاری میں برباد ہوگئیں مگر دربار اور نواب دروازہ کے سربہ فلک اور عالی شان پھاٹک، نقار خانے اور کچھ عمارتیں پرانی شان وشوکت کی یاد کو زندہ اور باقی رکھنے کے لئے اب تک موجود ہیں، الدوام للہ ، نواب صاحب کا مزار پانی پت میں حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کے احاطہ میں موجود ہے، قبر کا تعویذ اصلی زہر مہرہ کے ایک ٹکڑے کا ہے، جس کا وزن ۲۷ من کا بیان کیا جاتا ہے، دیوان عبدالرحیم کے مزار کا افسوس ہے کہ پتہ نہ چل سکا۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کی ولادت باسعادت اسی ''محلۂ دربار'' میں اپنے آباء واجداد کے ان تاریخی مکانات میں ہوئی، بارہ برس کی عمر میں قرآن ختم کرنے کے ساتھ دینیات اور فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے بزرگوں سے پڑھیں اس کے بعد دہلی بغرض تعلیم تشریف لے گئے اور مولانا محمد حیات صاحبؒ کے مدرسہ میں داخل ہوئے، قیام بھی مدرسہ میں رہا، ۱۲۵۰ھ میں حضرت مولانا مرحوم کے والد مولوی خلیل اللہ صاحب مرحوم دہلی میں مہاراجہ ہندوراؤ بہادر کے میر

منشی مقرر ہوئے اور دھیرج پہاڑی کے قریب ان کا قیام ہوا تو مولانا اپنے والد ماجد کے پاس تشریف لے آئے، دن میں مدرسہ مولانا محمد حیات میں تعلیم حاصل کرتے اور رات کو مہاراجہ کو اکبر نامہ سناتے تھے، کچھ عرصہ تک حضرت مولانا مرحوم نے بھی مہاراجہ ہندوراؤ کے یہاں بحیثیت میر منشی کام کیا ہے، تحصیل علم کا شوق مولانا کو لکھنؤ لے گیا، چند رفقاء کے ساتھ آپ لکھنؤ پہنچے اور مفتی سعد اللہ صاحب مرحوم سے شرف تلمذ حاصل کیا، حضرت مولاناؒ کے اساتذہ کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ مولانا محمد حیات صاحبؒ۔

۲۔ مولانا مفتی سعد اللہ صاحبؒ۔

۳۔ مولانا احمد علی صاحبؒ، بڈولی ضلع مظفرنگر، جو آخر میں وزیر ریاست پٹیالہ ہو گئے تھے۔

۴۔ عارف باللہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب چشتیؒ، یہ استاد شاہِ وقت تھے، تمام علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، ان سے استفادہ کے زمانے میں حضرت مولانا کے رفقاء میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب پنجابی اور مولانا سید محمد علی صاحب بھی تھے جو اپنے وقت کے فاضل اور صاحب فیض بزرگ مانے جاتے تھے، مولانا شاہ عبدالرحمٰن صاحب چشتی اور ان کے استاد مولانا محمد حیات صاحبؒ مرحوم بستی نظام الدین اولیاء دہلی میں مدفون ہیں۔

۵۔ مولوی امام بخش صہبائی صاحب۔

۶۔ حکیم فیض الحق صاحب، حکیم صاحب اپنے زمانے کے مشہور باکمال طبیب تھے، خاندانی روایات کے مطابق حضرت مولانا مرحوم نے حکیم صاحب سے علم طب کی تکمیل کی۔

۷۔ مصنف لوکارثم سے ریاضی حاصل کی۔

ہندوستان میں حضرت مولانا کے درس وتدریس کا زمانہ بہت محدود ہے، زمانے کے ناسازگار حالات اور خاص طور پر ہندوستان میں نصاریٰ کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے کی فکر نے آپ کو اس کا موقع نہ دیا کہ اطمینان کے ساتھ تعلیم وتدریس کا فیض عام جاری کرتے، تکمیل تعلیم اور اکبر آباد آگرہ کے یادگار زمانہ مناظرہ کے درمیانی عرصہ میں چند سال تک دربار کیرانہ کی مسجد میں حضرت مولانا نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا، اس مدرسہ کے فیضیاب طلبہ میں سے چند

خاص نام درج ذیل ہیں، جو ہندوستان میں حضرت مولانا کے خاص تلامذہ تھے، ان میں سے بعض اصحاب نے مکہ معظمہ بھی پہنچ کر حضرت مولانا سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

۱۔ مولانا عبدالسمیع صاحب رام پوری، مصنف حمد باری۔

۲۔ مولانا احمد احمد الدین صاحب چکوالی۔

۳۔ مولانا نور احمد صاحب امرتسری۔

۴۔ مولانا شاہ ابوالخیر صاحب۔

۵۔ مولانا شاہ شرف الحق صاحب صدیقی۔

۶۔ مولوی قاری شہاب الدین صاحب عثمانی کیرانوی۔

۷۔ مولانا حافظ الدین صاحب دجانوی۔

۸۔ مولانا امام علی صاحب عثمانی کیرانوی۔

۹۔ مولانا عبدالوہاب صاحب ویلوری بانی مدرسۂ باقیات الصالحات مدراس۔

۱۰۔ مولانا بدرالاسلام صاحب عثمانی کیرانوی مہتمم حمیدیہ کتب خانہ شاہی قسطنطنیہ۔

۱۲۵۶ھ ہجری میں حضرت مولانا مرحوم کی اپنی خالہ کی لڑکی سے شادی ہوئی، ۱۲۷۵ھ میں پھر مہاراجہ ہندوراؤ نے آپ کو اور آپ کے والد ماجد کو اپنے پاس دہلی باڑہ ہندوراؤ میں بلالیا اور حضرت مولانا مرحوم کو اپنا میر منشی مقرر کیا اور ان کے والد ماجد کے ذمہ جائداد کی نگرانی اور دیکھ بھال کا کام سپرد ہوا، کچھ عرصہ کے بعد مولوی خلیل اللہ صاحب (عرف خلیل الرحمٰن) کا انتقال ہوگیا اور بعض خانگی مجبوریوں کی بنا پر حضرت مولانا مرحوم نے مہاراجہ ہندوراؤ کے یہاں اپنی جگہ پر اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد جلیل صاحب کو ملازم رکھ کر علیحدگی اختیار کی اور کیرانہ پہنچ کر درس وتدریس کے ساتھ ردنصاریٰ کی مذہبی خدمت میں مصروف ہوئے اور ازالۃ الاوہام لکھنی شروع کی۔

"ازالۃ الاوہام" زیر ترتیب تھی کہ حضرت مولانا مرحوم سخت علیل ہوئے، اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے، اشارہ سے نماز ادا ہوتی تھی، اقرباء واعزاء، تلامذہ اور تیماردار بڑھتی ہوئے کمزوری اور شدت مرض سے پریشان تھے، ایک روز نماز فجر کے بعد آپ رونے لگے، تیماردار سمجھے کہ زندگی سے مایوسی ہے، اعزا نے تسلی وتشفی کرنی چاہی، آپ نے فرمایا: "بخدا صحت کی کوئی

علامت نہیں، لیکن انشاء اللہ صحت ہوگی، رونے کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں، اے جوان! تیرے لئے رسول اللہ ﷺ کی یہ خوش خبری ہے کہ اگر تالیف ازالۃ الاوہام مرض کی وجہ ہے تو وہی باعث شفا ہوگی''۔

حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ اس خوش خبری کے بعد مجھے کوئی رنج وملال نہیں، بلکہ مسرور اور خوش ہوں اور فرطِ مسرت سے یہ آنسو نکل آئے، الحمدللہ کہ اس کے بعد صحت وعافیت ہوگئی اور ازالۃ الاوہم کی ترتیب وتالیف کا کام شروع کردیا، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ عیسائیوں نے ہندوستان میں اسلام کے خلاف زبردست مہم جاری کر رکھی تھی، پادری فنڈر (Fonder Revd.C.G.P.) اور اس کی جماعت نے دل شکن تقریروں کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا، پادری فنڈر کی کتاب ''میزان الحق'' نے عوام میں خوف وہراس پیدا کردیا تھا، خاص طور پر علمائے کرام کی خاموشی سے مشنری کا جہلاء پر کافی اثر ہونے لگا تھا اور پادری علماء کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھانے لگے، علمائے اسلام نے تیاری شروع کی، مقابلہ کے لئے مواد فراہم کیا گیا اور اسلام کی حقانیت وصداقت اور اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے ردنصاریٰ کی مذہبی جنگ کے قائدِ اول حضرت مولانا مرحوم نے اعلان کیا:

> ''میں نے ہندوستان کے سب سے بڑے پادری جو علمائے مسیحین میں ممتاز حیثیت کا مالک اور میزان الحق کا مصنف تھا اس سے خواہش ظاہر کی کہ وہ میرے ساتھ مجمع عام میں مناظرہ کرے تاکہ حق واضح ہوجائے اور یہ معلوم ہوجائے کہ علمائے اسلام نے ان رسائل کی تردید اس لئے نہیں کی کہ وہ عاجز تھے بلکہ جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے''۔(اظہار الحق، ص:۳)

حضرت مولانا مرحوم اپنے شفیق دوست مولوی محمد امیر اللہ صاحب میر مختار راجہ صاحب بنارس (جو پادری فنڈر سے بھی واقف تھے) کے ساتھ پادری فنڈر کے مکان پر گئے تاکہ مناظرہ کے لئے گفتگو کریں، پادری اپنے مکان پر نہ ملے چنانچہ ۲۳/مارچ ۱۸۵۴ء سے حضرت مولانا مرحوم نے پادری فنڈر سے خط وکتابت شروع کی، اس مذہبی مراسلت کا سلسلہ حضرت مولانا مرحوم کے آخری خط مورخہ ۷/اپریل ۵۴ء پر ختم ہوا، عنوان مناظرہ، مقام اور تاریخ مناظرہ طے ہوئے،

طرفین کے اتفاق سے ابتدائی مراحل مکمل ہونے کے بعد پیر کے روز ۱۱؍رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰؍اپریل ۱۸۵۴ء کو علی الصباح کٹرہ عبدالمسیح اکبرآباد آگرہ میں مناظرہ کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کے ساتھ ڈاکٹر محمد وزیر خاں مرحوم اور پادری فنڈر کے ساتھ پادری فرنچ تھے، مجلس مناظرہ میں مسٹر اسمتھ حاکم صدر دیوانی مسٹر کرسچن سکنڈ صدر صوبہ بورڈ، مسٹر ولیم مجسٹریٹ علاقۂ فوج، مسٹر لیڈلی ترجمان حکومت، پادری ولیم گلبن، مفتی ریاض الدین صاحب، مولوی فیض احمد صاحب سرشتہ دار صدر بورڈ، مولوی حضور احمد صاحب، مولوی امیر اللہ صاحب مختار راجہ صاحب بنارس، مولوی قمر الاسلام امام جامع مسجد آگرہ، منشی خادم علی صاحب مہتمم مطلع الاخبار و منشی سراج الحق صاحب حاضرین میں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، عوام کو اس مناظرہ سے بے حد دلچسپی تھی، سب سے پہلے پادری فنڈر نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

> ''یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ مناظرہ کیوں کر منعقد ہوا، یہ مولانا رحمت اللہ کی سعی و کوشش اور خواہش کا نتیجہ ہے، اس سے فائدہ کی صورت میرے نزدیک نظر نہیں آتی، میری تمنا یہ ہے کہ دین عیسوی کی حقیقت مسلمانوں کے سامنے رکھوں، مباحثہ کے عنوان: نسخ و تحریف اناجیل، الوہیت مسیح، تثلیث اور رسالت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) طے ہوئے ہیں''۔

پادری فنڈر کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کھڑے ہوئے اور نسخ و تحریف انجیل پر فاضلانہ بحث کی اور خود عیسائیوں کی مطبوعات سے نسخ و تحریف ثابت کردیا، بالآخر پادری فنڈر نے ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب کے جواب میں کہا کہ سات آٹھ جگہ تحریف و تبدیلی ہوئی ہے، مولوی قمر الاسلام صاحب امام جامع مسجد آگرہ نے منشی خادم علی خاں صاحب سے فرمایا کہ ''لکھو کہ پادری صاحب آٹھ جگہ تحریف ہونے کے اقراری ہیں، پادری فنڈر نے کہا کہ ''ہاں بہت اچھا ہے، لکھئے اور اس حد تک تحریف ضرور ہوئی ہے، لیکن کتب مقدسہ میں اس سے نقصان نہیں ہوا، حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ ''جس وثیقہ میں ایک جگہ تحریف ثابت ہوجائے تو وہ قابلِ اعتبار نہیں رہتا اور جب کہ سات آٹھ جگہ کا اعتراف خود پادری صاحب کرتے ہیں''، وقت کافی ہوچکا تھا، پادری فنڈر کے ایماء پر مناظرہ دوسرے دن کے لئے ملتوی کیا گیا۔

دوسرے روز ۱۲؍رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۱؍اپریل ۱۸۵۴ء منگل کے دن صبح کو جلسۂ

مناظرہ پھر منعقد ہوا، جس میں مسٹر اسمتھ صدر دیوانی، مسٹر ریڈ صدر بورڈ، مسٹر ولیم مجسٹریٹ علاقۂ فوج، پادری ولیم گلبن، پادری ہارلی، مفتی ریاض الدین صاحب، مفتی اسد اللہ صاحب صدر الصدور و مولوی فیض احمد صاحب سرشتہ دار صدر بورڈ، مولوی حضور احمد صاحب، مولوی امیر اللہ صاحب مختار راجہ صاحب بنارس، مولوی قمر الاسلام صاحب امام جامع مسجد آگرہ، مولوی امجد علی صاحب وکیل، مولوی سراج الحق صاحب، منشی خادم علی صاحب مہتمم ''مطلع الاخبار'' مولوی امیر علی شاہ صاحب، مولوی قمر الدین خاں صاحب مہتمم اسعد الاخبار، مولانا مظفر علی شاہ صاحب جعفری قادری، سید صفدر علی صاحب شکوہ آبادی، پنڈت جگل کشور، مولوی فیض احمد صاحب بدایونی، مولوی امیر اللہ صاحب وکیل، مولوی معین الدین صاحب، سید باقر علی صاحب ناظم محکمہ دیوانی، مولوی کریم اللہ خاں صاحب بچھڑایوانی، سید حافظ حسین صاحب، حافظ خدا بخش صاحب، ڈاکٹر الہام اللہ صاحب گوپاموی، مفتی افہام اللہ صاحب ساحرؔ، قاضی باقر علی خاں صاحب ہمدانی، راجہ بلوان سنگھ کاشی، مولوی سید مدد علی صاحب تپشؔ، مرزا زین العابدین صاحب عابد، ڈاکٹر مکند لال، حکیم فرحت علی گوپاموی، سید فضل حسین صاحب، ڈاکٹر وزیر الدین صاحب فرخ آبادی، حکیم جواہر لال صاحب، غلام محمد خاں صاحب، خلیفہ گلزار علی صاحب اسیر، غلام قطب الدین خاں صاحب باطن، مولوی سراج الاسلام صاحب اور دوسرے علماء و روسائے شہر موجود تھے۔

پہلے دن کے مناظرہ کی شہرت عام ہو چکی تھی اس لئے دوسرے دن ایک ہزار سے زیادہ حاضرین کی تعداد تھی، اس اجلاس میں بھی تحریف انجیل کی بقیہ بحث جاری رہی، پادری صاحبان ہر موقع پر گریز کرتے رہے، شکست خوردہ کی برافروختگی طبعی امر ہے، اس لئے پادری فرنچ ترش روئی کا اظہار کرنے لگے، یہ مناظرہ بھی بلا اختتام بحث ختم ہوا مگر پادری فنڈر نے عام مناظرہ اور مجمع عام میں گفتگو سے پہلے تہی کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد وزیر خاں سے مراسلت جاری کی، یہ خط و کتابت یکم مئی ۱۸۵۴ء سے شروع ہوئی اور ۱۶/ اگست ۱۸۵۴ء کو ختم ہوئی، پادری فنڈر لا جواب ہو چکے تھے اس لئے ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب اپنے پہلے خط میں پادری فنڈر کو لکھتے ہیں:

---

(۱) اظہار الحق کا یہ اردو ترجمہ حضرت مولانا تقی عثمانی دامت برکاتہ کے مفصل مقدمہ اور حواشی کے ساتھ کراچی پاکستان سے تین جلدوں میں طبع ہوا۔ عتیق احمد

''پہلے آپ مولانا رحمۃ اللہ صاحب کی باتوں کا جواب دیجئے اس کے بعد اگر مباحثہ کرنا ضروری ہے تو اپنی کتب دینیہ سے ہاتھ دھوکر اور ان کو موافق اصلاح اہل اسلام کے منسوخ ومحرف مان کر تثلیث کے میدان میں قدم رکھئے، جب یہ مسئلہ طے ہوجائے گا تو حضرت خاتم المرسلین کی نبوت کے عنوان پر گفتگو کی جائے گی''۔

حضرت مولانا مرحوم کا دعویٰ تھا کہ جس مذہب کی طرف تم دنیا کو بلا رہے ہو اس کی آسمانی کتاب اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے اور جس کتاب کو تم مذہبی کتاب کہتے ہو وہ ناقابلِ اعتبار ہے، پیشوایانِ مذہب عیسوی نے انجیل میں بہت کچھ تحریف کردی ہے، اس لئے آج دنیا میں دین عیسوی کی بنیاد کھوکھلی ہے۔

مناظرۂ اکبر آباد میں یہ شرط خاص اہمیت رکھتی تھی کہ اگر حضرت مولانا مرحوم پادری فنڈر کے اعتراضات کا جواب نہ دے سکے تو مذہب عیسوی اختیار کرلیں گے، اسی طرح پادری فنڈر اگر مولانا مرحوم کے سوالات کا جواب نہ دے سکے تو وہ مسلمان ہوجائیں گے، اس مناظرہ میں حضرت مولانا مرحوم کے ذمہ رسول مقبول کی رسالت کو ثابت کرنا، کلام پاک کا آج تک بلاتحریف اور تغییر کے بالکل محفوظ آسمانی کتاب ہونا اور ابطال تثلیث کے ساتھ تحریف انجیل کا مدلل ثبوت پیش کرنا تھا اس کے مقابلہ میں پادری فنڈر کو اثبات تثلیث کے ساتھ موجودہ انجیلوں کو وہی صحائف آسمانی ثابت کرنا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئیں اور ان میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی، حضرت مولانا مرحوم نے اپنی خداداد قابلیت اور تائید غیبی سے دو روز کے مناظرہ میں اس امر کو ثابت کردیا کہ موجودہ انجیل جس پر عیسائیوں اور پادریوں کو ناز ہے تحریف شدہ ہے جس کا اقرار پادری فنڈر نے جلسۂ عام میں کرلیا۔

تیسرے دن مناظرہ نہ ہوا اور پادری فنڈر نے عام مجمع کے سامنے آنے کے بجائے اپنی خفت مٹانے کے لئے حضرت مولانا مرحوم کو خط لکھا کہ: ''آپ نے مناظرہ میں جن عبارتوں کے حوالے دئے ہیں، ۔آپ کے کہنے پر میں نے سمجھ لیا کہ ایسا ہی ہوگا، لیکن میں ''حل الاشکال'' بھیج رہا ہوں اس میں ملاحظہ کیجئے وہ مقصد نہیں ہے جو جناب نے بیان کیا ہے''۔

---

(۱) اس کتاب کا اردو ترجمہ کراچی سے دو جلدوں میں شائع ہوچکا ہے۔ عتیق احمد

حضرت مولانا مرحوم نے اس گریز کا مدلل اور معقول جواب دیا، یہ خط وکتابت مولانا مرحوم اور پادری فنڈر کے درمیان ۲۳/اپریل ۱۸۵۴ء تک جاری رہی، اس مناظرہ کی پوری کیفیت ''البحث الشريف في إثبات النسخ والتحريف'' کے نام سے وزیرالدین صاحب نے مرتب کی جو حافظ عبداللہ صاحب کے اہتمام سے ۱۲۷۰ھ میں ''فخر المطابع'' شاہجہاں آباد دہلی میں کتاب کی شکل میں چھپی اور ولی عہد مرزا فخرالدین بن سراج الدین بہادر بادشاہ دہلی کے حکم سے چھپ کر اور انہی کے حکم سے ہندوستان کے اطراف واکناف میں اشاعت پذیر ہوئی، یہ کتاب صرف مناظرہ اکبرآباد آگرہ اور حضرت مولانا مرحوم و پادری فنڈر کے آخری خطوط کا مجموعہ ہے۔

مناظرۂ اکبرآباد کو چھوٹی تقطیع پر حصہ اول ''مباحثۂ مذہبی'' اور دوسرا حصہ ''مراسلات مذہبی'' کے نام سے سید عبداللہ صاحب اکبرآبادی نے منشی محمد امیر صاحب کے اہتمام سے ''مطبعۂ منعمیہ'' اکبرآباد ۱۲۷۱ھ میں چھپوایا، پہلا حصہ فارسی میں تقریری مناظرہ کی روئیداد ہے، دوسرے حصے میں ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب اور پادری فنڈر کا تحریری مناظرہ اردو میں ہے، اس کتاب کا عربی ترجمۂ اظہار الحق، کے حاشیہ پر مطبوع ہے جو مطبعۂ محمودیہ قاہرہ میں ۱۳۱۷ھ میں طبع ہوا۔

حضرت مولانا مرحوم نے فتنۂ مسیحیت کے استیصال اور روک تھام کی غرض سے جو کتابیں ردنصاریٰ میں تصنیف و تالیف کیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اظہار الحق:

خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالعزیز خاں اور خیرالدین پاشا تونسی صدر اعظم کی تحریک پر پادری فنڈر سے اکبرآباد آگرہ میں مناظرہ کی مفصل کیفیت اور تمام مسائل کا نہایت بسط وشرح کے ساتھ بیان ہے، ۱۶/رجب ۱۲۸۰ھ میں قسطنطنیہ میں اس کتاب کی تالیف شروع کی اور آخری ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ میں ختم ہوئی اور ۱۲۸۱ھ میں سب سے پہلے قسطنطنیہ میں چھپی، صدر اعظم موصوف کے حکم سے ایک ترک عالم نے عربی سے ترکی میں اس کا ترجمہ کیا اور ''ابراز الحق'' کے نام سے مکمل ترکی ترجمہ شائع ہوا، نیز یورپ کی متعدد زبانوں میں حکومت عثمانیہ کی طرف سے اس کے ترجمے شائع کئے گئے جن کو پادریوں نے خاص اہتمام اور کوشش سے تلف کیا، مصر میں متعدد بار طبع ہو چکی ہے، مولوی سلیم اللہ صاحب مرحوم نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا تھا جس کے چھپنے کی نوبت

نہ آئی، (۱) مولوی غلام محمد صاحب بہانجار اندیری نے بڑی محنت وجانکاہی سے گجراتی میں ترجمہ کیا جوشائع ہو چکا ہے، اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کے بعد ''ٹائمنز آف لندن'' نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

''لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی''۔

نواب حاجی اسماعیل خاں صاحب مرحوم رئیس وتاؤلی ضلع علی گڑھ نے مکہ معظمہ میں حضرت مولانا مرحوم کو ٹائمنز کا یہ تراشا اور اظہار الحق کے متعلق اس کا مذکورۂ بالا ریویو خاص طور پر دیا تھا، رد نصاریٰ میں صرف یہی ایک کتاب ایسی ہے جس کا جواب یارَ دآج تک مسیحی دنیا نہ دے سکی۔

''تائید الحق برحمۃ اللہ'' اس کا تاریخی نام ہے۔''اظہار الحق'' ایک مقدمہ اور چھ ابواب پر مشتمل ہے، ابواب کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو:

۱۔ باب اول: بیان وتفصیل کتب عہد قدیم وجدید۔

۲۔ باب دوم: بیان وتفصیل اثبات تحریف انجیل۔

۳۔ باب سوم: بیان وتفصیل اثبات نسخ انجیل۔

۴۔ باب چہارم: بیان وتفصیل ابطال تثلیث۔

۵۔ باب پنجم: قرآن کا کلام اللہ ہونا۔

۶۔ باب ششم: اثبات نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور پادریوں کے اعتراضات کی تردید۔

۲۔ ازالۃ الاوہام:

یہ کتاب ۵۶۴ صفحات پر سید المطابع کوچہ بلاقی بیگم دہلی میں سید قوام الدین صاحب کے زیر اہتمام فارسی میں ۱۲۶۹ھ میں بڑی تقطیع پر چھپی۔ رد نصاریٰ کے اکثر مباحث کا مسکت جواب ہے، اس میں پادری فنڈر کے ''میزان الحق'' میں اعتراضات کے دنداں شکن جوابات بھی ہیں۔(۱)

۳۔ ازالۃ الشکوک:

یہ کتاب عیسائیوں کے انتالیس سوالوں کا جواب ہے، ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۴ء میں تصنیف ہوئی اور دو جلدوں میں شائع ہوئی، اس میں نبوت محمدی اور تحریف بائبل کے مدلل ثبوت

ہیں، دونوں جلدیں ۱۱۱۶ صفحات پر مشتمل ہیں، اس کتاب کی سبب تالیف کے متعلق حضرت مولانا مرحوم دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''۱۲۶۹ھ دو امر باعث ہوئے کہ ان (پادریوں کے سوالات) کا جواب لکھوں، ایک یہ کہ بعض عیسائیوں نے ان سوالوں میں اصلاح دے کر اور چھ سوال اور بڑھا کر ان کو جناب مستطاب مرزا محمد فخرالدین ولی عہد بہادر دام اجلالہٗ کی خدمت بابرکت میں بھیجا اور جناب مفخم الیہ نے مجھ سے درخواست کی کہ ان کو جواب لکھوں اور ان کا امر ماننا پڑا''۔

حضرت مولانا مرحوم کے شاگرد شمس العلماء فاضل جلیل مولانا عبدالوہاب صاحب مرحوم ویلوری بانی مدرسہ ''باقیات الصالحات'' مدارس نے اپنے اہتمام اور صرفہ سے مدراس میں پہلی جلد چھپوائی تھی، دوسری جلد مولانا موصوف کے خلف ارشد مولانا ابوالفضل ضیاء الدین محمد صاحب مرحوم مہتمم مدرسۂ مذکور نے اپنی نگرانی میں طبع کرائی، جلد اول اور جلد دوم کی تصحیح وغیرہ خود شمس العلماء مولانا عبدالوہاب صاحب نے ماہِ شعبان ۱۲۸۸ھ میں مکمل فرمائی جس کے مطابق یہ دونوں جلدیں طبع ہوئیں۔

۴۔ اعجاز عیسوی:

اس کتاب میں حضرت مولانا مرحوم نے کامل طور پر بائبل کا غیر معتبر اور محرف ہونا ثابت کیا ہے، یہ کتاب ۱۲۶۹ھ میں آگرہ میں لکھی گئی، پہلی بار آگرہ میں اور دوسری مرتبہ مطبعۂ رضوی دہلی میں طبع ہوئی، دوسو صفحات پر مشتمل ہے۔

۵۔ احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث:

دلائل عقلیہ ونقلیہ سے تثلیث کو باطل کیا ہے، ۱۲۷۱ھ میں تصنیف ہوئی اور مطبعۂ رضوی دہلی میں ۱۲۹۲ھ میں چھپی۔

۶۔ بروق لامعہ:

رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کا مدلل اثبات اور خاتم المرسلین پر ختم رسالت کو ثابت کیا ہے، غیر مطبوعہ۔

۷۔البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف:

۱۲۷۰ھ میں لکھی گئی، تحریف انجیل پر محققانہ بحث ہے، ۵۶ صفحات اور متوسط تقطیع پر فخر المطابع دہلی میں چھپی ہے۔

۸۔مُعدِّل اعوجاج المیزان:

یہ کتاب میزان الحق مولفہ پادری فنڈر کا جواب ہے، رسالہ ''نور افشاں نمبر ۳۰ جلد ۱۲ مطبوعہ ۲۴؍جولائی ۱۸۸۴ء میں پادری صفدر علی صاحب کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا قلمی نسخہ ان کے پاس ہے۔

۹۔تقلیب المطاعن:

یہ کتاب ''تحقیقِ دینِ حق'' مولفہ پادری لاسمند کا رداور جواب ہے، غیر مطبوعہ۔

۱۰۔معیار التحقیق:

کتاب ''تحقیق الایمان'' مولفہ پادری صفدر علی کا دنداں شکن جواب ہے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء:

گردش زمانہ سے سلطنت مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہوا، انقلاب ۱۸۵۷ء نے ہندوستان میں انگریزوں کے اقتدار کو تکمیل تک پہنچایا اور کمپنی کا مقصد تجارت پورا ہوا، سیاسی دنیا میں کسی قوی اور غالب نے آج تک کمزور اور زیردست کے ساتھ رحم وشفقت کا برتاؤ نہیں کیا، رونا صرف اپنی غفلت اور بداقبالی کا ہے، اس زمانہ کے علماء کی ایک عملی جماعت اپنے فرض سے غافل نہ تھی، اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت کے مذہبی جذبہ اور دینی فریضہ کی ادائیگی کے لئے یہ جماعت میدان میں آئی، اپنی بساط اور ہمت کے مطابق خدمت کا حق ادا کیا۔

بنا کر دند خوش رسمے بخون وخاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

پرگنۂ کیرانہ وشاملی میں زمینداره شیوخ اور مسلمان گوجروں کے ہاتھ میں تھا جن میں دینداری کے ساتھ جوش بھی موجود تھا، تھانہ بھون اور کیرانہ کا ایک محاذ قائم کیا گیا، مجاہدین کی

جماعت مدافعت اور مقابلہ کرتی رہی، شاملی کی تحصیل پر حملہ کیا گیا، پرگنہ کے چاروں طرف اس مجاہدانہ تحریک کا اثر عام ہو چکا تھا، تھانہ بھون میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور مولوی عبدالحکیم صاحب تھانوی مع رفقاء اور نواح کیرانہ میں حضرت مولانا مرحوم گورہ فوج کا مقابلہ کرر ہے تھے، مجاہدینِ کیرانہ میں چونکہ مسلمان گوجر زیادہ تھے اس لئے ان کی قیادت چودھری عظیم الدین حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ کر رہے تھے، (انقلاب کے بعد چودھری عظیم الدین مکہ معظمہ حضرت مولانا مرحوم کے پاس آ گئے تھے اور یہیں ان کا انتقال ہوا) اس زمانہ میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم وتربیت کے لئے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ کی آواز پر لوگوں کو جمع کیا جاتا اور اعلان ہوتا تھا:

''ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا''

اس جملہ کے بعد جو کچھ ہوتا تھا وہ عوام کو سنایا جاتا، اس پرانی آواز کو سننے والوں میں سے اب کوئی نہیں رہا مگر جنہوں نے اپنے بزرگوں سے اس کی صدائے بازگشت سنی ہے وہ اب تک موجود ہیں، کیرانہ کے محاذ پر بظاہر شکست کا امکان نہ تھا، مگر بعض ابنائے وطن کی زمانہ سازی اور مخبروں کی سازش نے حالات کا رخ بدل دیا، کیرانہ میں گورہ فوج اور توپ خانہ داخل ہوا، محلّہ دربار کے دروازے کے سامنے توپ خانہ نصب کیا گیا اور گورہ فوج نے محلّہ دربار کا محاصرہ کیا، ہر گھر کی تلاشی لی گئی، عورتوں بچوں اور ہر شخص کو فرداً فرداً دربار سے باہر نکالا گیا، اس لئے کہ مخبر نے اطلاع دی تھی کہ مولانا دربار میں روپوش ہیں، کیرانہ کے قریب ''پنجیٹھ'' مسلمان گوجروں کا ایک گاؤں ہے جہاں حضرت مولانا مرحوم اپنی باقی ماندہ جماعت کے ساتھ پہنچے، خود ''پنجیٹھ'' کے لوگ بھی مجاہدین میں شریک تھے، اسی دوران ان میں گورہ فوج کے ایک گھوڑے سوار دستہ نے ''پنجیٹھ'' کا رخ کیا، کیرانہ اور قرب وجوار کے تمام حالات کی اطلاع حضرت مولانا مرحوم کو ملتی رہتی تھی، پنجیٹھ کے مکھیا کو جب فوج کا آنا معلوم ہوا تو اس نے جماعت کو منتشر کر دیا اور حضرت مولانا مرحوم سے خواہش کی کہ کھرپا لے کر کھیت میں گھاس کاٹنے چلے جائیں، گورہ فوج اسی کھیت کی پگڈنڈی سے گزری، حضرت مولانا مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ ''میں گھاس کاٹ رہا تھا اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کنکریاں اڑتی تھیں وہ میرے جسم پر لگ رہی تھیں اور میں ان کو اپنے

پاس سے گزرتا ہوا دیکھ رہا تھا‘‘۔

گورہ فوج نے گاؤں کا محاصرہ کیا، مکھیا کو گرفتار کرلیا گیا، پورے گاؤں کی تلاشی لی گئی مگر حضرت مولانا مرحوم کا پتہ نہ چلا، مجبوراً یہ فوجی دستہ کیرانہ واپس ہوا، حالات پر قابو پالیا گیا اور حضرت مولانا مرحوم کے خلاف فوجداری مقدمہ چلایا گیا، وارنٹ جاری ہوا، آپ کو مفرور و باغی قرار دے کر گرفتاری کے لئے ایک ہزار روپیہ کے انعام کا اعلان ہوا، حضرت مولانا مرحوم اپنا نام ’’مصلح الدین‘‘ بدل کر پیدل دہلی روانہ ہوئے، آپ کے لئے یہ بہت سخت آزمائش کا وقت تھا، ایمانی عزم وہمت اور صبر واستقلال کے ساتھ جے پور اور جودھ پور کے مہیب ریگستانی جنگلوں اور خطرناک راستوں کو پاپیادہ طے کرتے ہوئے سورت پہنچے، بندرگاہ سورت سے بھی جہاز کا سفر آسان نہ تھا، بادبانی جہاز چلا کرتے تھے، سال بھر میں صرف ایک جہاز ہوا کی موافقت کے زمانے میں سورت سے روانہ ہوتا اور اسی طرح جدہ سے آیا کرتا تھا، ایک خط کا محصول چار روپیہ تھا، جولوگ ہجرت کے ارادہ سے ترکِ وطن کرتے وہ ساتھ ہی دنیاوی تعلقات اور باہمی علائق کو زندگی ہی میں ختم کردیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا مرحوم کی روانگی اور فوجداری مقدمہ کے بعد آپ کی اور آپ کے خاندان کی جائیداد ضبط ہوکر نیلام ہوئی، خاص طور پر پانی پت میں مخبر ’’کمال الدین‘‘ کی شناخت پر جو جائیداد قرق کر کے نیلام کی گئی اس کا مختصر بیان درج ذیل ہے، جائداد کے نیلام کا فیصلہ ڈپٹی کمشنر کرنال نے ۳۰ رجنوری ۱۸۶۲ء میں کیا۔

سب سرائیں اور وسیع قطعات زمین اور مکانات ایک ہزار چار سو بیس روپیہ میں نیلام ہوئے، جن کی لاکھوں روپیہ قیمت تھی، مزروعہ علاقے اور زراعتی زمینیں اس سکنائی جائیداد کے علاوہ ہیں جو بحقِ سرکار ضبط ہوئیں۔

کاغذات جائیداد نیلام شدہ میں انڈکس مشمولہ کا یہ عنوان ہے:

’’انڈکس مشمولہ مثل فوجداری مقدمہ عرضی کمال الدین ساکن کیرانہ حال پانی پت مولوی رحمۃ اللہ باغی‘‘۔

رحمت اللہ بیت اللہ میں:

طویل سفر کے آلام ومصائب کو برداشت کرتا ہوا یہ سر بکف مجاہد اسلام، مرکزِ اسلام میں پہنچا تا کہ کعبہ کے زیر سایہ خدمت اسلام کا کوئی پہلو نکال سکے، ہندوستان میں اس عملی جماعت کے اکثر افراد نے مکہ معظمہ کا رخ کیا، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مرحوم، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ پہلے مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے، اور رباطِ داؤدیہ (جو باب العمرہ سے متصل ہے) کے ایک حجرہ میں مقیم تھے، صبح صادق کے قریب حضرت مولانا مرحوم مکہ معظمہ پہنچے، مطاف میں حضرت حاجی صاحب مرحوم سے ملاقات ہوئی، طواف قدوم اور سعی میں حضرت حاجی صاحب مرحوم ساتھ رہے، اس کے بعد دونوں رباط داؤدیہ میں آئے، اس زمانہ میں سید احمد دحلان ''شیخ العلماء'' تھے اور مسجد حرم میں آپ کا حلقۂ درس مرجع عام تھا، شریف عبداللہ بن عون بن محمد ''امیر مکہ'' تھے، سلطان عبدالعزیز خاں کا دورِ خلافت تھا، حضرت مولانا مرحوم نے حالات کا جائزہ لیا اور علمائے مسجد حرم سے تعلقات پیدا ہوئے، سید احمد دحلان کے درس کو اکثر سننے کا موقع ملتا، موصوف چونکہ شافعی المذہب تھے اس لئے ایک روز دورانِ تقریر میں کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اپنے مذہب کی ترجیح کے ساتھ احناف کے دلائل کو کمزور ثابت کرنے کی کوشش کی، درس ختم ہونے کے بعد حضرت مولانا مرحوم نے سید احمد دحلان سے پہلی مرتبہ ملاقات کی اور اس مسئلہ کے متعلق ایک طالب علم کی حیثیت سے اپنی تشفی چاہی، تھوڑی دیر کے سوال وجواب اور علمی گفتگو سے سید احمد دحلان کو اس کا اندازہ ہوگیا کہ یہ شخص طالب علم نہیں، حقیقت حال دریافت کی، حضرت مولانا مرحوم نے اختصار کے ساتھ کچھ حالات بیان کئے، دوسرے دن اپنے گھر میں دعوت کے لئے حضرت مولانا مرحوم سے فرمایا، آپ اپنے رفیق عزیز حضرت حاجی صاحب مرحوم کے ساتھ سید صاحب کے دولت خانہ پر تشریف لے گئے، اس مجلس میں حضرت مولانا مرحوم نے انقلاب ۵۷ء کے تمام حالات اور خاص طور پر نصاریٰ کی مذہبی کوششوں اور رد نصاریٰ میں مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابی کی تفصیل بیان کی جس سے بے حد مسرت کا اظہار فرمایا اور حضرت مولانا مرحوم سے دیر تک بغل گیر ہوئے، اسی مجلس میں حضرت مولانا مرحوم کو مسجد حرم میں درس کی باقاعدہ اجازت دی اور علمائے مسجد حرم کے دفتر میں آپ کا نام درج کرا دیا۔

قسطنطنیہ سے سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم کا فرمان امیر مکہ شریف عبداللہ پاشا کے نام

آیا کہ ''حج کے زمانے میں ہندوستان سے جو علماء اور باخبر اصحاب آئیں ان سے پادری فنڈر کے مناظرہ اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے خاص حالات معلوم کر کے بابِ خلافت کو مطلع کیا جائے''، امیر مکہ نے شیخ العلماء سید احمد دحلان سے اس فرمان کا تذکرہ کیا، موصوف نے فرمایا کہ ''جس عالم سے یہ مناظرہ ہوا ہے وہ خود یہاں موجود ہے''۔ امیر مکہ کے حکم سے دوسرے دن حضرت مولاناؒ شیخ العلماء کے ساتھ امیر مکہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سلطان کو حالات سے مطلع کیا گیا اور قسطنطنیہ سے سلطان کی طلبی اور حکم پر امیر مکہ نے حضرت مولانا مرحوم کو ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں شاہی مہمان کی حیثیت سے روانہ کیا۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد پادری فنڈر جرمنی اور سوئٹزر لینڈ اور انگلستان میں رہا چرچ مشنری سوسائٹی لندن نے اس کو قسطنطنیہ بھیجا تا کہ وہاں کام کرے، پادری فنڈر اپنی شرانگیز طبیعت سے مجبور تھا، دولت عثمانیہ میں فنڈر اور اس کی جماعت نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ ہندوستان میں عیسائیت کی فتح اور اسلام کو شکست ہو چکی ہے اور علمائے اسلام لاجواب ہو چکے ہیں، ہندوستان کے مسلمان مسیحیت کو قبول کر رہے ہیں، اس خبر سے بھی سلطان بہت متشوش تھے، حضرت مولانا مرحوم کی آمدِ قسطنطنیہ کی خبر سن کر پادری فنڈر قسطنطنیہ سے روپوش ہوا، سلطان نے ایک مجلس علماء منعقد کی جس میں وزرائے سلطنت کے علاوہ اہل علم اصحاب کو مدعو کیا گیا اور حضرت مولانا مرحوم سے ہندوستان میں مذہب عیسوی کی شکست اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے حالات سنے، دولتِ عثمانیہ میں اس فتنہ وفساد کو روکنے کے لئے حکومت نے مسیحی مبلغین کو قید کیا، ان کی کتابوں پر پابندیاں لگائی گئیں اور سخت احکامات جاری کئے گئے۔

اکثر نماز عشاء کے بعد سلطان بکمال التفات شاہانہ حضرت مولانا مرحوم کو شرف باریابی عطا فرماتے تھے، اس وقت خیر الدین پاشا تونسی صدر اعظم اور شیخ الاسلام وغیرہ بھی شریک مجلس ہوتے، سلطان عبد العزیز خاں مرحوم نے حضرت مولانا مرحوم کی جلیل القدر دینی مجاہدانہ خدمات کی قدر افزائی فرمائی، زریں خلعت کے ساتھ تمغۂ مجیدی درجہ دوم اور گراں قدر وظیفۂ ماہانہ سے سرفراز فرمایا۔

سلطان کی خواہش اور خیر الدین پاشا کی تحریک پر ماہِ رجب ۱۲۸۰ھ میں حضرت مولانا

مرحوم نے ''اظہار الحق'' لکھنی شروع کی، اور آخر ذی الحجہ سنۂ مذکور میں چھ ماہ کے اندر تیار کر کے سلطان کی خدمت میں پیش کی، خیر الدین پاشا نے حضرت مولانا مرحوم سے فرمایا کہ امیر المومنین کی خواہش پر آپ نے یہ کتاب لکھی مگر اس کے مقدمہ میں آپ نے مکہ معظمہ کے شیخ العلماء کا ذکر کیا ہے حالاں کہ امیر المؤمنین کا نام آنا چاہئے تھا، حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ:

''اس خالص مذہبی خدمت میں کسی دنیاوی غرض ومقصد کا کوئی شائبہ نہ آنا چاہئے، اس کے علاوہ مکہ معظمہ میں خود شیخ العلماء مجھ سے ان حالات کے قلمبند کرنے کی خواہش کر چکے تھے، اور ابتدائی مواد کی ترتیب کا کام بھی شروع کر دیا تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا اصل سبب شیخ العلماء ہیں، کسی وجہ سے اگر وہ مجھے امیر مکہ تک نہ پہنچاتے تو میری رسائی یہاں تک نہ ہوتی اور اس خدمت کا موقع نہ ملتا''۔

حضرت مولانا مرحوم کے عرصۂ قیام قسطنطنیہ میں اکثر علماء اور مختلف مذاق اور خیال کے اہل علم وغیرہ اصحاب شاہی مہمان خانہ میں آتے تھے، مختلف مذہبی مسائل پر تبصرہ اور تبادلۂ خیال ہوتا تھا، یورپ کی تعلیم اور نئی روشنی کا اثر یہاں تک پہنچ چکا تھا اس لئے حضرت مولانا مرحوم نے ضرورت کا احساس کرتے ہوئے بعثت ونبوت اور حشر ونشر، نزول وحی وغیرہ امور کو عقلی دلائل سے ثابت کیا اور ''تنبیہات'' کے نام سے ان امور پر ایک رسالہ لکھا جس کی تالیف سے جمادی الثانیہ ۱۲۸۱ھ میں فارغ ہوئے، یہ رسالہ خیر الدین پاشا تونسی صدر اعظم کے حکم سے طبع ہوا، مصر میں اظہار الحق کے بعض مطبوعہ نسخوں کے حاشیہ پر یہ رسالہ چھپا ہوا ہے۔

قسطنطنیہ سے واپسی کے بعد مسجد حرم میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا، سب سے پہلے حضرت مولانا مرحوم نے معقول سے طلبہ کو روشناس کرایا اور خاص طور پر ریاضی میں علم ہیئت کی تدریس شروع کی، جو حجاز میں تعلیمی حیثیت سے غیر معروف تھا، علم صرف مستقل طور پر داخل درس نہ تھا بلکہ نحو کے ساتھ علم صرف کی ابتدائی معلومات پڑھائی جاتی تھیں، حضرت مولانا مرحوم نے صرف کی تعلیم کو نحو سے الگ کیا، اسی کے ساتھ یہاں کے طریقۂ درس وتدریس اور مقامی اہم ضرورتوں پر کافی غور کے بعد یہ رائے قائم کی کہ یہاں ایک ایسے دار العلوم کا سنگ بنیاد رکھا جائے جو مرکزیت کے شایان شان ہو، دنیا کی مختلف زبانیں جاننے والے علماء مدرس ہوں اور ایسا

نصاب تعلیم رائج کیا جائے جو دینی اور دنیوی ضروریات کا متکفل ہو، اگرچہ سلطنت عثمانیہ ان علمائے حرم اور باکمال افراد کی حوصلہ افزائی میں لاکھوں روپیہ بے دریغ صرف کر رہی تھی جو مسجد حرم میں درس وتدریس میں مشغول تھے مگر اس میں جو نقائص پائے جاتے تھے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ وہ علماء اپنے درس وتدریس کو کسی نظام اور کام کو ضابطہ کی ماتحتی میں انجام نہیں دے رہے تھے۔

۲۔ کوئی مخصوص نصاب تعلیم رائج ومقرر نہ تھا اور جو کچھ پڑھایا جاتا تھا وہ طلباء میں کسی قسم کی قابلیت واستعداد پیدا نہیں کرسکتا تھا۔

۳۔ طریقۂ تعلیم نہایت ابتر حالت میں تھا اور سب سے بڑا نقص یہ تھا کہ کتاب کی عبارت کو خود استاد پڑھتا اور خود ہی مطلب بیان کرتا، شاگرد اسے استاد کا ایک وعظ سمجھتے اور اپنے دماغ پر زور ڈالنے کے عادی نہ تھے، استاد سے سوال کرنا یا نفس مسئلہ پر اعتراض پیدا کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا، سمجھنے یا توضیح کے لئے استفسار بے ادبی میں داخل تھا۔

۴۔ جو علوم پڑھائے جاتے تھے ان میں نحو، فقہ، تفسیر، حدیث پر تمام عمر ختم ہونے کے باوجود تکمیل یا اعلیٰ قابلیت پیدا نہیں ہوتی تھی، تفسیر جلالین جو عام طور پر ہندوستان میں سال بھر میں پڑھائی جاتی تھی اس وقت سات سال میں ختم ہوا کرتی تھی، باقی علوم کے پڑھنے فنون کے حاصل کرنے کا نہ رجحان وشوق تھا اور نہ تبحر واستعداد کے ساتھ پڑھانے کی ہمت تھی۔

۵۔ ان مہاجرین کی اولاد کے لئے جو ممالک اسلامیہ سے ہجرت کر کے آتے ہیں کسی قسم کی تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام نہ تھا، ان کی اولاد غیر تربیت یافتہ اور جہالت وبداخلاقی کا شکار تھی نہ وہ دنیا کے کسی کام کی تھی اور نہ دین کے۔

۶۔ مکہ معظمہ کو سرچشمۂ دین اور مرکز اسلام خیال کر کے ہر سال اسلامی دنیا کے دور دراز مقامات سے بڑی تعداد میں متلاشیان علوم دینیہ اس شوق میں آتے تھے کہ اس چشمہ سے سیراب ہوں، مگر اس زمانہ میں یہاں ان طلبہ کی تعلیم کا کوئی انتظام تھا اور نہ قیام وطعام ودیگر ضروریات تعلیم کی کوئی صورت تھی۔

ان تمام حالات اور گردوپیش کی ضرورتوں پر کافی غور کرنے کے بعد یہ پہلا شخص تھا جس

نے اہل حرم اور شائقین علوم دینیہ کی ضرورت کا احساس کیا اور اپنے حکیمانہ دماغ سے یہ بات پیدا کی کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مٹی ہوئی درس گاہ کا زمینِ حرم پر احیاء کیا جائے، مہاجرین کی اولاد اور اہل عرب کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے انتظام کے ساتھ صنعت و دست کاری سکھانے کے لئے ایک باقاعدہ صنعتی اسکول بھی اعلیٰ پیمانہ پر قائم کیا جائے تا کہ اہل حجاز اور ان مہاجرین حرم کی اولاد ضروری اور ابتدائی تعلیم کے بعد گداگری اور افلاس کا شکار ہو کر ننگِ اسلام نہ بنیں۔

حضرت مولانا مرحوم مکہ معظمہ کے ہندوستان مہاجرین اور اہل خیر اصحاب کو اس اہم ضرورت کی طرف متوجہ فرماتے رہے، اس سلسلہ میں متعدد اجتماعات ہوئے اور یہ طے پایا کہ نواب فیض احمد خانصاحب مرحوم رئیس ضلع علی گڑھ جو اس زمانہ کے طبقۂ مہاجرین میں دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے ممتاز تھے ان کے ذاتی اور مسکونہ مکان کے ایک حصہ میں مدرسہ کی ابتداء کی جائے اور ممتاز ہندوستانی مہاجرین کی ہمدردی اور عملی شرکت اس کارخیر کو حاصل رہے، مکہ معظمہ کے اس سب سے پہلے مدرسہ کی سب سے پہلی تاریخی اور بنیادی اپیل درج ذیل ہے:

''حمد و نعت کے بعد عرض یہ ہے کہ اکثر ہندیوں اہل توفیق کی ہمت سے حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً میں بعضے بعضے خیر کے کام جیسے رباطیں اور سبیلیں تیار ہوگئی ہیں، پر اب تک کوئی مدرسہ ان کی طرف سے یہاں نہیں ہے، حالانکہ اور کاموں سے یہ کام بھی بڑا خیر کا کام ہے، اس لئے یہ عرض ہے کہ جو اس امر میں شریک ہوں وہ اپنا نام مع اس رقم کے جو انہیں ماہانہ دینا منظور ہو لکھ دیں اور تھوڑے بہت کا خیال نہ کریں کہ تھوڑا تھوڑا اکٹھا ہو کے بہت ہو جاتا ہے، اور اس مدرسہ کے تدریس کے اور خرچ کے قواعد ان لوگوں کی رائے سے مقرر ہوں گے جو اس امر کے لئے بمشورہ مقرر کئے جائیں گے، فقط۔

الرقوم یکم ماہ رمضان المبارک ۱۲۹۰ھ قدسی۔

صولت النساء بیگم:

موسم حج ۱۲۹۰ھ میں کلکتہ کی ایک اولوالعزم اور مخیّر خاتون ''صولت النساء بیگم صاحبہ'' اپنی لڑکی اور داماد کے ساتھ حج کے لئے آئیں، ہر نیک دل اور صاحب استطاعت مسلمان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ حرمین شریفین میں کوئی نیک کام اور صدقۂ جاریہ قائم کر جائے، صولت

النساء صاحبہ مرحومہ بھی مکہ معظمہ میں ایک رباط (مسافر خانہ) بنانے کا بہتر جذبہ اپنے ساتھ لائیں، موصوفہ کے داماد اکثر مسجد حرم میں حضرت مولانا مرحوم کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے، مشورہ کے طور پر انہوں نے اپنی خوشدامن کے مبارک ارادہ کا ذکر کیا، حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ ''مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں رباطوں اور مسافر خانوں کی کمی نہیں، سب سے زیادہ ضرورت ایک مدرسہ کی ہے، مکہ معظّمہ میں کوئی مستقل مدرسہ نہیں''، صولت النساء بیگم صاحبہ دوسرے دن حضرت مولانا مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس رائے کو انتہائی مسرت کے ساتھ پسند کرتے ہوئے مدرسہ کے لئے زمین کی خرید وغیرہ کے متعلق گفتگو کی، اللہ تعالیٰ کو یہ عظیم الشان کارخیر اس بلند ہمت خاتون سے لینا تھا، محلّہ خندریسہ میں جگہ خریدی گئی اور مدرسہ کی تعمیر شروع ہوگئی، اکثر صولت النساء صاحبہ مرحومہ خود تعمیر کا کام دیکھنے کے لئے تشریف لاتیں اور اپنی خوش قسمتی اور اس توفیقِ خدمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتیں، مدرسہ کے سب سے پہلے رجسٹر کی ابتدائی عبارت جو حضرت مولانا مرحوم کے قلم مبارک کی ہے نقل ذیل ہے:

''حمد اور نعت کے بعد یہ ہے کہ اگرچہ مدرسہ ہندیہ حضرات اہل ہند کی ہمت اور توجہ سے مکہ معظّمہ ادام اللہ شرفہا میں سنہ بارہ سونوے (۱۲۹۰) رمضان کے مہینے میں قائم ہوا تھا، پر اسباب چند در چند سے جو اس سنہ کے چار مہینوں میں کئی طرح کے ہرج پیش آئے، سو اس لحاظ سے ہم ان چار مہینوں کو نظر سے گرا کے اس مدرسہ کے قیام کو محرم الحرام بارہ سو اکانوے (۱۲۹۱) گنتے ہیں اور سب امور متعلقہ اس مدرسہ کو اسی سال سے لیتے ہیں، اللہ خیر سے ان امور کو انجام دیجو، بمنہ وکرمہ۔

۱۲/شعبان ۱۲۹۱ھ روز چہار شنبہ میں مدرسہ صولتیہ جدیدہ میں سب مدرسوں اور طالب علموں کو لایا گیا، یکم شعبان ۱۲۹۲ھ سے نواب محمود علی خاں بہادر والی چھتاری نے سو روپیہ ماہوار اس مدرسہ کے مقرر کر دیئے''۔

ازل سے علمِ الٰہی میں یہ سعادت اور فخر اس بیوہ خاتون کے حصہ میں تھا اس لئے حضرت مولانا مرحوم نے ان کے اس ایثار کی بہتر یادگار کے طور پر مرکز اسلام کے اس اولین علمی بناء کا نام مدرسہ صولتیہ رکھا جو قیامت تک اس کے نام کو عزت اور سچی ناموری کے ساتھ زندہ رکھے گا۔

حضرت بانی مدرسہ صولتیہ کو ابتدا میں علاوہ ان مشکلات کے جو اس قسم کے کاموں میں ہر ایک کام کرنے والے کو پیش آتی ہیں، دو نئے امر سدراہ ہوئے جن کا وہم وگمان بھی حضرت بانی

مدرسہ کو نہ تھا۔

ا۔ انگریزی کونسل متعینہ جدہ کو یہ خیال اور وہم پریشان کرتا رہا کہ حضرت مولانا مرحوم اس درس گاہ کے پس پردہ انگریزوں کے خلاف پروپیگنڈہ اور کوئی باغیانہ سازش نہ کرتے ہوں، اس لئے کہ حضرت مولانا مرحوم پر ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں غیر وفاداری کا الزام لگایا گیا تھا، اس وجہ سے مدرسہ کے قیام میں اس نے ہر ممکن رکاوٹ پیدا کرنے میں دریغ نہ کیا۔

۲۔ حجاز کے مقامی ترک حکام کو یہ اندیشہ دامن گیر رہا کہ زمینِ حرم پر مدرسہ کی ابتداء ہندوستان کے مسلمانوں کی کوشش سے ہو رہی ہے، ایسا نہ ہو کہ یہ درسگاہ آئندہ بیرونی اقتدار اور اغیار کی مداخلت کا کسی وقت میں ذریعہ بن جائے۔

اس میں شک نہیں کہ ترکوں کی بدگمانی ایک حد تک درست تھی کیوں کہ وہ اپنے ملک میں مشن اور پادریوں کے خیراتی اور رفاہِ عام کے کاموں کا تلخ تجربہ اٹھا چکے تھے، باوجود ان تمام مشکلات اور زبردست مخالفت کے بانیٔ مدرسہ نے ہمت و پامردی کو ہاتھ سے نہ دیا اور ان کا مقابلہ کیا۔

تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

کچھ زمانے کے بعد حقیقت حال اور اصلیت کی روشنی میں تمام شک وشبہات کے بادل چھٹ گئے اور مولانا مرحوم نے اپنے خلوص وللّٰہیت اور استقلال کی بدولت آئندہ کے لئے راستہ صاف کرلیا۔

مدرسہ کے اغراض ومقاصد:

سطور بالا سے معلوم ہو چکا ہے آج سے اسّی (۸۰) سال قبل مکہ معظّمہ کی تعلیمی حالت اور درس وتدریس کی رفتار کس قدر محدود تھی، حضرت مولانا مرحوم نے اپنی خداداد دور اندیشی اور حساس دل ودماغ سے مدرسہ کے قیام کے بعد جو لائحہ عمل مرتب فرمایا اس میں ان تین اہم اغراض کو مقصدِ اولین بتایا ہے۔

ا۔ اسلامی دنیا سے مکہ معظّمہ میں ہر سال شائقین علوم دینیہ کی ایک جماعت اس جذبہ اور

ولولہ کے ساتھ آتی ہے کہ اسلام کے دینی مرکز میں تعلیم حاصل کرے اور اسلامی تہذیب ومعاشرت کا گہرا مطالعہ کرنے کا قریب سے موقع ملے، ان آفاقی طلبہ کی تعلیم اور قیام وطعام کا اہتمام اور حتی الامکان ان کی ضروریات کا لحاظ رکھنا مدرسہ کا اہم فرض ہے۔

۲۔ مہاجرین حرم کی اولاد کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا تا کہ آوارہ گردی جہالت وبداخلاقی کے شکار نہ ہوں اور تعلیم وتربیت کے ساتھ ان کو شریف پیشے سکھائے جائیں تا کہ گداگری اور فقر وتنگدستی کی مصیبت سے ان کو نجات ملے اور خدا کے گھر میں دوسروں کے دست نگر نہ رہیں۔

۳۔ ہندوستان (قدیم) میں قرآن پاک کی صحیح قرأت کی اشاعت اور اس اعتراض کو اٹھانا کہ ہندوستانی حفاظ کلام اللہ کو غلط پڑھتے ہیں، مصر وحجاز وغیرہ ممالک اسلامیہ کے قراء اور حفاظ کی ہندوستانیوں پر یہ نکتہ چینی بیجا نہیں، اس کے ازالہ کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا۔

مدرسہ صولتیہ کا مسلک:

اغراض ومقاصد کے ساتھ حضرت بانی مدرسہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایمانی فراست اور گردوپیش کے تمام حالات کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اس عرفانی مرکز کے لئے کچھ ضروری اور اہم ہدایات مرتب فرمائیں، ان میں بالخصوص ان تین امور پر زیادہ اصرار کے ساتھ پابندی کی تاکید فرمائی۔

۱۔ قطعی طور پر سیاسیات اور سیاسی دل چسپیوں سے ہر کارکن ومدرس اور طالب علم کو بے تعلق رہنا ضروری ہے۔

۲۔ اختلافی امور اور مختلف فیہ مسائل سے کلی طور پر احتراز کیا جائے۔

۳۔ تفریق اور گروہ بندی سے ہر طرح بچنا چاہئے۔

حضرت مولانا مرحوم نے جس حکمت اور بالغ نظری سے ان امور کی پابندی کو لازمی قرار دیا اور ان کو مدرسہ کا مستقل مسلک معین فرمایا، حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت بانی مدرسہ رحمۃ اللہ علیہ کو یقیناً خداداد بصیرت حاصل تھی، پچاس سال پہلے حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم بانی دار العلوم ندوۃ العلماء مدرسہ صولتیہ کی اس خصوصیت کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

''مدرسہ کی خوش نصیبی اور مولانا مرحوم کی نیک نیتی کا ایک عمدہ ثمر یہ ہے کہ اس کے تمام مدرسین اور طلباء اس وقت کی آفتوں سے علیحدہ ہیں، ان کے خیالات میں نہ افراط وتفریط ہے اور نہ جدال ونزاع کا انہیں شوق ہے اور نہ کسی مسلمان کی تکفیر وتفسیق کا انہیں خیال ہے، الحمدللہ اس نازک اور پرفتنہ وقت میں اس بَلا سے بچنا ہی خدا کا بڑا فضل ہے، وہ اس مدرسہ پر ہے''۔

قسطنطنیہ کا دوسرا سفر:

۱۲۹۹ھ میں عثمان نوری پاشا دولت عثمانیہ کی طرف سے حجاز کے گورنر (والی) مقرر کئے گئے، موصوف چونکہ فوجی آدمی تھے اس لئے حکمت عملی اور دور اندیشی ان میں نہ تھی، بعض خودغرض اور فتنہ انگیز لوگوں کی ریشہ دوانی سے وہ مدرسہ صولتیہ سے بدظن ہوئے اور اسے اجنبی ملک کی ایک تحریک سمجھ کر مخالفت پر آمادہ ہوگئے، حضرت مولانا مرحوم سے تعلقات کی کشیدگی نے معاملہ کو قسطنطنیہ تک پہنچا دیا، اور طرفین کے معروضات سلطان عبدالحمید خاں کی بارگاہ میں پیش ہوئے، یہ حضرت مولانا مرحوم کے دوسرے سفر قسطنطنیہ کی قدرتی تمہید تھی، عثمان نوری پاشا کے ارادوں اور خیالات کے برعکس قسطنطنیہ سے حضرت مولانا مرحوم کی طلبی کا حکم پہنچا اور حضرت مولانا شاہی مہمان کی حیثیت سے دارالخلافہ تشریف لے گئے۔

اثنائے قیام قسطنطنیہ میں متعدد بار حضرت مولانا مرحوم کو سلطان نے شرف باریابی بخشا اور مختلف مسائل ومعاملات پر گفتگو ہوتی تھی، سلطان نے مدرسہ صولتیہ کے لئے معقول ماہانہ امداد مقرر کرنے کے متعلق خیال ظاہر فرمایا جس کے جواب میں شکریہ اور دعا کے بعد حضرت مولانا مرحوم نے سلطان کی خدمت میں عرض کیا کہ:

''حرمین شریفین امیر المؤمنین کے بہت سے جاری کردہ امور خیر ہیں اور بہت سے نیک کام تشنۂ تکمیل، مدرسہ صولتیہ چوں کہ ہندوستان (ہند اور پاکستان) کے دین دار اور نیک خیال مسلمانوں کی امداد سے چل رہا ہے اور قائم ہے ان کو اس کارِخیر میں شرکت وسرپرستی کی سعادت سے محروم نہ فرمایا جائے جو یقیناً امیر المؤمنین کے الطاف شاہانہ سے بعید نہیں''۔

ایک ملاقات میں مولانا بدرالاسلام صاحب (حضرت مولانا مرحوم کے بھتیجے) بھی ساتھ تھے، ان کے لئے سلطان نے حکم فرمایا کہ یہ میرے پاس رہیں گے اور کتب خانہ حمیدیہ (سلطان عبدالحمید خاں کا شاہی دارالکتب جو دنیا کے خاص کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے اور جس

میں سلاطین آل عثمان کی تمام کتابوں کو جمع کیا گیا ہے، قصر یلدز کا ان کو مہتمم بناتا ہوں، حضرت مولانا مرحوم نے اس قدر افزائی کا شکریہ ادا کیا، اور مولانا بدرالاسلام صاحب اس خاص علمی خدمت پر مامور ہوئے، آخر وقت تک سلطان کے معتمد علیہ رہے، محاصرۂ قصر یلدز اور سلطان عبدالحمید کی معزولی کے پرخطر وقت میں صرف تین اشخاص سلطان کی خدمت میں باقی رہے جن میں مولانا بدرالاسلام بھی تھے۔

سلطان سے الوداعی ملاقات کے بعد دوسرے دن مصطفیٰ وہبی بے یاور اور خیرالدین پاشا اور نسیم بے اور سید احمد اسعد مدنی یہ چاروں اصحاب تشریف لائے اور سلطان کی طرف سے ذاتی ہدیہ ایک مرصع تلوار حضرت مولانا مرحوم کو دی اور سلطان کے یہ الفاظ نقل کئے کہ:

''ہتھیار ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی زینت ہے''۔

قسطنطنیہ سے حضرت مولانا مرحوم مکہ معظمہ پہنچے، مدرسہ صولتیہ کے لئے یہ مسرت اور خوش کا دن تھا، یہ امر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ استقبال کرنے والوں میں حجاز کے گورنر ''عثمان نوری پاشا'' بھی تھے جو سب سے پہلے حضرت مولانا مرحوم سے بغل گیر ہوئے اور اپنی غلط فہمی کی معافی چاہی۔

نہرِ زبیدہ:

ملکہ بغداد خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ خاتون کا دائمی صدقۂ جاریہ نہرِ زبیدہ امتدادِ زمانہ سے بہت زیادہ قابل مرمت واصلاح تھی اور پانی کے لئے ساکنانِ حرم کو کافی دقت وزحمت پیش آتی تھی، اسی زمانہ میں سیٹھ عبدالواحد عرف ''واحد سیٹھ'' مکہ معظمہ آئے اور اس سلسلہ میں ایک مشورتی اجتماع مدرسہ صولتیہ میں منعقد ہوا، سیٹھ عبدالواحد صاحب باتوفیق صاحب ہمت دولت مند تھے، حضرت مولانا مرحوم نے نہر زبیدہ کی از سرنو اصلاح ومرمت کا بیڑا اٹھایا، اور اس کے لئے حکومت کی اجازت وحالات کے لحاظ سے ایک مستقل مجلس قائم کی گئی جس میں مہاجرین مکہ معظمہ کے ہر طبقہ میں سے ہر قوم کے ممتاز افراد مجلس میں ممبر بنائے گئے، اس مجلس کی صدارت کے لئے حضرت مولانا مرحوم کو منتخب کیا گیا مگر آپ نے اپنے شاگرد رشید فضیلت مآب مولانا شیخ عبدالرحمٰن سراج صاحب مرحوم مفتی احناف وشیخ العلماء مکہ معظمہ کو اس کے لئے موزوں سمجھا اور

خود نائب صدر کی حیثیت سے اس عظیم الشان کام کی ذمہ داری اٹھائی، سیٹھ عبدالواحد صاحب نہرِ زبیدہ کے خزانچی اور تحویل دار مقرر ہوئے، خدا کا شکر و احسان ہے کہ یہ صدقۂ جاریہ ان بزرگوں کی ہمت سے دوبارہ زندہ ہوا۔

قسطنطنیہ کا تیسرا سفر:

دوسرے سفر سے واپسی کے بعد دیگر مشاغل و مصروفیات کے ساتھ خیرالدین پاشا، علی بے اور شیخ الاسلام وغیرہ مقربین سلطان و اعیان دولت سے حضرت مولانا مرحوم کی خط و کتابت کا سلسلہ رہا، اور اکثر براہِ راست سلطان معظم کو بھی بعض اہم امور کے متعلق خطوط تحریر فرماتے رہے، کبر سنی اور کثرت مشاغل کے سبب آپ کو ضعف بصر کی شکایت ہوگئی اور ۱۳۰۳ھ میں حضرت مولانا مرحوم نزول الماء (موتیابند) کی وجہ سے لکھنے پڑھنے سے مجبور ہوگئے، سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فوراً حضرت مولانا مرحوم کو قسطنطنیہ طلب کیا، اس حالت میں یہ طویل سفر آپ کے لئے ناقابلِ برداشت تھا مگر سلطان کے حکم سے آپ نے عزمِ سفر کیا، رفقاء میں مولوی عبداللہ صاحب (عرف عبداللہ جی شاگرد و خادم، حضرت مولانا مرحوم) نے اس سفر کے جو ابتدائی حالات قلم بند کئے وہ درج ذیل ہیں:

''پورٹ سعید میں روز شنبہ ۲۷رشعبان ۱۳۰۴ھ استنبول کو دو تار روانہ کئے، ایک بنام میاں بدرالاسلام صاحب کے اور ایک بنام علی بے کے۔ اور اس تار میں ایک گنی عثمانی الا دو فرنک (دو فرنک کم) خرچ ہوئے اور اسی روز شنبہ بعد عصر آگبوٹ (جہاز) پورٹ سعید سے روانہ ہوا اور چہار شنبہ کی رات کو چاند رمضان شریف کا نظر آیا اور روز چہار شنبہ پہلی رمضان مبارک بحساب ہماری رویت کے، صبح کے وقت تین بجے ''چناق قلعہ'' میں پہنچے اور وہاں کمندار (فوجی افسر اعلیٰ) تمام قلعوں چناق قلعہ کا آگبوٹ پر آیا اور مولوی صاحب سے ملا اور کہا کہ: ''سرائے (محل شاہی) سے حکم آیا ہے کہ مولوی رحمت اللہ صاحب چناق قلعہ میں پہنچے یا نہیں، اس سے اطلاع دو، تو میں اس بات کے واسطے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا''، اور بعد ایک ساعت کے پھر آگبوٹ چلا اور روز پنج شنبہ ۲ر رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ استنبول میں پہنچے اور سرائے یلدیز (قصر یلدز) میں ''چادر کشک'' میں اترے اور بعد ایک ساعت کے جناب سید احمد اسعد آفندی مدنی تشریف لائے اور کہا کہ: ''حضرت سلطان آپ کو بلاتے ہیں''، تھوڑی دیر کے بعد پھر ایک آغا (خواجہ سرا) آیا تو جناب مولوی صاحب حضرت سلطان کے پاس

تشریف لے گئے، حضرت سلطان بڑی تعظیم سے پیش آئے اور بعد دو ساعت کے پھر جناب مولوی صاحب رخصت لے کے مکان (چادر کشک) میں تشریف لائے، پھر قریب مغرب اسی روز پھر سید احمد اسعد آفندی مدنی تشریف لائے اور کہا کہ: ''حضرت سلطان بلاتے ہیں''، تو مولوی صاحب تشریف لے گئے اور وہیں افطار کیا اور تراویح بھی وہیں پڑھی، حضرت سلطان نے اس وقت فرمایا کہ آپ کی آنکھوں کے علاج کے واسطے کل میں ڈاکٹروں کو جمع کروں گا''، پھر وہاں سے مولوی صاحب مکان پر تشریف لائے اور روز جمعہ بعد عصر حضرت سلطان نے اپنے ایک مصاحب کے ساتھ پانچ ڈاکٹروں عمدہ کو بھیجا، انہوں نے آ کے مولوی صاحب کی آنکھوں کو خوب تحقیق سے دیکھا اور کہا کہ: ''انشاء اللہ تعالیٰ آنکھیں اچھی ہو جاویں گی پر علاج دو مہینہ کے بعد کریں گے، کیوں کہ اب تک پانی آنکھوں میں کامل نہیں اترا''، اور روز پنج شنبہ میں حاجی علی بے قرنائے ثانی بھی بعد ظہر تشریف لائے اور انہوں نے مولوی صاحب سے ملاقات کر کے مولوی بدر الاسلام سے کہا کہ مولوی صاحب کے واسطے کپڑے بازار سے لے آویں اور جا کے کپڑے بازار سے خریدے اور لیتے آئے، اور روز جمعہ نماز جمعہ جامع حمیدیہ میں پڑھی اور روز شنبہ ۵؍رمضان مبارک بعد ظہر جناب عبداللہ پاشا نجدی واسطے ملاقات جناب مولوی صاحب کے آئے اور روز دوشنبہ ۷؍رمضان مبارک شیخ محمد ظافر مع اپنے بڑے بیٹے کے واسطے ملاقات کے تشریف لائے اور بعد اس کے اور چند بار حضرت سلطان نے بلایا اور ۱۵؍رمضان روز سہ شنبہ زیارت چادر شریف میں جانے کے واسطے بگی عمدہ بھیجی اور سید احمد اسعد افندی کو بہ سبب ضعفِ بصر کے ساتھ کیا اور وہاں جائے زیارت میں اسحاق افندی اور اکثر قضاۃ عسکر ملے، اور ۳۰؍رمضان کو جناب سید احمد اسعد کو حضرت سلطان نے مولوی صاحب کی خیریت دریافت کرنے کو بھیجا اور پہلی شوال روز چہار شنبہ کو ہوئی اور نماز عید کی جامع حمیدیہ میں پڑھی''۔

سلطان کی خواہش تھی کہ حضرت مولانا مرحوم قسطنطنیہ میں ان کے پاس رہیں، ایک صحبت میں سلطان نے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کیا جس کے جواب میں حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ:

''اعزاء اور اقارب کو چھوڑ کر ترک وطن کر کے خدا کی پناہ میں اس کے دروازے پر آ کر پڑا ہوں، وہی لاج رکھنے والا ہے، آخری وقت میں امیر المومنین کے دروازے پر مروں تو قیامت کے دن

---

(۱) حضرت مولانا محمد سلیم صاحبؒ نے ذیل کی سطروں میں مدرسہ صولتیہ کی جن عمارتوں کا تذکرہ فرمایا ہے، سب قصہ ماضی بن چکی ہیں، حرم مکی کی توسیع جدید میں وہ پورا علاقہ حرم اور مضافات حرم میں شامل ہو چکا ہے، مدرسہ صولتیہ فی الحال محلہ کعکیہ مکہ مکرمہ میں ایک کرایہ کی عمارت میں ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے وسیع تر شایان شان عمارت کا نظم فرمائے۔ عتیق احمد

کیا منہ دکھاؤں گا"۔

حضرت مولانا مرحوم کو قیام قسطنطنیہ بہت گراں اور شاق گزر رہا تھا اور عمر کے اس آخری دور کے ہر لمحہ کو وہ خدا کے گھر میں گزارنے کے خواہش مند تھے، اس زمانہ میں (ستر سال پہلے) آپریشن ایک ہیبت ناک چیز تھی، اس لئے حضرت مولانا مرحوم شاہی اطباء سے آنکھ کے آپریشن کے لئے تیار نہ ہوئے، سلطان کو آپ کی از حد دلداری مقصود تھی اس لئے مرضی کے خلاف اصرار نہیں کیا اور سلطان سے اجازت لے کر ذی قعدہ میں مکہ معظمہ تشریف لے آئے، ۱۳۰۵ھ میں ایک مقامی معالج سے نزول الماء کا آپریشن مکہ معظمہ میں کرایا جو افسوس ہے کہ کامیاب ثابت نہ ہوا۔

حضرت مولانا مرحوم چوں کہ لاولد تھے اس لئے آپ نے اپنے بڑے بھائی مولانا حکیم علی اکبر صاحب مرحوم کے پوتے محمد سعید صاحب مرحوم کو وطن سے بلایا، ان کے والد مولوی محمد صدیق صاحب انبالہ میں سرشتہ دار تھے اور مکان کے قریب ایک مشن اسکول تھا جس میں منشی نہال الدین صاحب فارسی کے مدرس تھے، منشی نہال الدین صاحب اور مولوی محمد صدیق صاحب میں دوستانہ تعلقات کی بنا پر مولوی محمد صدیق صاحب نے اپنے لڑکے کو مشن اسکول میں داخل کر دیا تھا، اس کی اطلاع جب حضرت مولانا مرحوم کو ہوئی تو آپ نے رنج وملال کا اظہار فرمایا اور سختی کے ساتھ لکھا کہ "محمد سعید کو مشن اسکول سے نکال کر فوراً مکہ معظمہ بھیج دیا جائے"، چنانچہ بارہ برس کی عمر میں مکہ معظمہ پہنچے اور حضرت مولانا مرحوم نے اپنے اہتمام ونگرانی میں ان کی تعلیم وتربیت کا نظم فرمایا، ضعفِ بصارت کے بعد خطوط کی تحریر کا کام ان کے ذمہ ہوا، دوسری طرف حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی خواہش پر بالعموم مغرب اور عشاء کے درمیان مولانا محمد سعید صاحب مرحوم حضرت حاجی صاحب کے خطوط وغیرہ سنانے اور ان کا جواب لکھنے کے لئے جاتے تھے اور اس طرح ان دونوں بزرگوں نے اپنی خاص نگرانی اور تربیت سے مرکزِ اسلام کی خدمت کے لئے آپ کو تیار کیا۔

عماراتِ مدرسہ:

سرزمین حرم پر حضرت مولانا مرحوم نے مدرسہ صولتیہ کی شکل میں جو دائمی کارِ خیر چھوڑا

اس کی متعدد خصوصیات میں یہ امتیاز قابلِ ذکر ہے کہ اس کے پاس اپنی ذاتی متعدد عمارتیں ہیں اور مدرسہ کے تمام شعبے ان وسیع عمارتوں میں ہیں جو اسی مقصد کے لئے حضرت بانی علیہ الرحمہ نے بنائی تھیں، آپ کے عہد مبارک میں مدرسہ کی اکثر عمارتیں مکمل اور تیار ہوئیں۔(۱)

۱۔ مدرسہ کی سب سے پہلی عمارت:

صولت النساء بیگم صاحبہ مرحومہ، رئیسہ کلکتہ کی اعانت و مالی امداد سے ۱۲۹۱ھ میں پہلی عمارت تیار ہوئی اور اس محسن خاتون کے نام سے اس عمارت کو موسوم کیا، اس اولین وسیع عمارت میں پانچ بڑے کمرے اور تین چھوٹے کمرے، وسیع صحن اور دیگر ضروریات ہیں۔

۲۔ مدرسہ کا دارالاقامہ (بورڈنگ):

دوسری مستقل عمارت ہے جو صوبہ بہار کے ایک عالی ہمت رئیس میر واجد حسین صاحب رئیس پٹنہ کی یادگار ہے، اس عمارت کی ابتدا ۱۲۹۳ھ میں ہوئی، مدرسہ کے اس دارالاقامہ میں پچاس طلبہ کے رہنے اور قیام کی گنجائش ہے جس کا کوئی معاوضہ وغیرہ کسی سے نہیں لیا جاتا۔

۳۔ مسجدِ مدرسہ:

مدرسہ کی مسجد تاریخی حیثیت کے علاوہ ہندوستانی طرزِ تعمیر کا واحد نمونہ ہے، صحن حرم میں زمزم کے قریب ''سلطان کتب خانہ'' کی عمارت تھی، صحنِ حرم میں اس عمارت کی وجہ سے نماز کے اوقات میں حجاج کو خاص طور پر تکلیف اور زحمت ہوتی تھی، حجاز کے گورنر عثمان نوری پاشا نے وزارتِ اوقاف قسطنطنیہ کو اس طرف توجہ دلائی کہ کتب خانہ کی عمارت اگر صحن حرم سے اٹھادی جائے تو زائرین اور حجاج کی آسانی اور سہولت کا باعث ہوگا، یہ درخواست سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کے حضور میں منظور ہوئی، کتابیں اور عمارت کا تمام سامان مسجد حرم سے ایک ملحقہ عمارت میں منتقل کیا گیا اور کتب خانہ کی عمارت گرادی گئی، منہدم عمارت کے سامان وغیرہ کے نیلام کا اعلان ہوا، اس خبر کو سن کر حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ بے چین ہوئے کہ جو پتھر اور سامان عمارت جوارِ کعبہ اور صحن حرم میں رہا ہو نیلام کے بعد نہ معلوم کس جگہ اور کس مقام پر خریدنے والے استعمال کریں، حضرت مولانا مرحوم نے عثمان نوری پاشا سے اپنا خیال ظاہر کیا کہ اس سامان سے

مدرسہ صولتیہ سے متعلق ایک مسجد بنوادی جائے جس کی ضرورت بھی ہے، اس تجویز سے حجاز کے گورنر نے اتفاق ظاہر کیا، ملبہ کی قیمت پندرہ سو روپیہ طے ہوئی اور یہ صحن حرم سے مدرسہ میں منتقل ہوا، ۱۳۰۱ھ میں اس یادگار زمانہ مسجد کی تعمیر شروع ہوئی، مکہ مکرمہ کے معمار گنبدوں کے بنانے میں مہارت نہیں رکھتے تھے، مسجد کے تینوں گنبد پانی پت ضلع کرنال کے معماروں کی یادگار ہیں جو اس زمانہ میں فریضۂ حج ادا کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ آئے تھے، مسجد کی عمارت ۱۳۰۴ھ میں مکمل ہوئی، ہرات کے ایک ذی علم اور خوش قلم وخوش کلام مہاجر جن کو حضرت مولانا مرحوم سے خلوص اور دلی تعلق تھا انہوں نے مسجد کا مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ لکھ کر اپنے ہاتھ سے محراب کی پیشانی پر کندہ کیا:

بسکہ خوش منظر است ایں مسجد　　ما رأی العین مثلہ الثانی

گشت تاریخ ''خانۂ رحمت''　　رحمۃ اللہ قل علی البانی

مکہ معظمہ میں حضرت مولانا مرحوم کے تلامذہ:

مسجد حرم میں حضرت مولانا مرحوم کا حلقۂ درس مرجع خواص وعوام تھا، مسجد حرم کی تدریس کے زمانہ میں اور مدرسہ صولتیہ کے ابتدائی دور میں آپ سے جن اصحاب کو شرف تلمذ حاصل ہوا، اس طویل فہرست میں سے چند ممتاز علمائے حرم کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ شریف حسین بن علی، سابق امیر مکہ وبانی حکومت ہاشمیہ
۲۔ شیخ احمد عبداللہ مرداد، شیخ الائمہ والخطباء مسجد حرم
۳۔ شیخ عبدالرحمٰن سراج، مفتی احناف وشیخ العلماء مکہ معظمہ
۴۔ شیخ امین محمد مرداد، نائب قاضی مکہ معظمہ
۵۔ شیخ عبدالرحمٰن حسن عجیمی
۶۔ شیخ عبداللہ الغمری، مدرس مسجد حرم
۷۔ شیخ حسن عبدالقادر طیب، مدرس مسجد حرم
۸۔ اسعد احمد دہان، قاضی مکہ معظمہ
۹۔ شیخ عبدالرحمٰن احمد دہان، مدرس مسجد حرم وصدر مدرس مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ
۱۰۔ شیخ حسن کاظم، مدرس مسجد حرم
۱۱۔ مولوی عبدالستار صاحب دہلوی، مدرس مسجد حرم

۱۲۔ شیخ عبداللہ احمد ابوالخیر، قاضی مکہ و مدرس مسجد حرم

۱۳۔ شیخ عبدالحمید بخش فلکی

۱۴۔ سید حسن دحلان، مدرس مسجد حرم

۱۵۔ شیخ عبدالرحمٰن شیبی، کلید بردار خانہ کعبہ

۱۶۔ شیخ محمد حسین خیاط، بانی مدرسہ خیریہ مکہ معظّمہ

۱۷۔ شیخ عابد حسین مالکی، مفتی مالکیہ مکہ معظّمہ

۱۸۔ احمد نجار مرحوم، قاضی طائف

۱۹۔ شیخ محمد حامد مرحوم، قاضی جدہ

۲۰۔ شیخ محمد سعید بابصیل، مدرس مسجد حرم

۲۱۔ مولانا بدرالاسلام صاحب، مدرس صولتیہ و مہتمم کتب خانہ حمیدیہ قصر یلدز قسطنطنیہ

۲۲۔ شیخ عبداللہ زواوی مرحوم، مفتی شافعیہ، مکہ مکرمہ

۲۳۔ شیخ حسب اللہ مرحوم، مدرس مسجد حرم

۲۴۔ شیخ محمد علی زین العابدین مرحوم، مسجد حرم

۲۵۔ شیخ صالح کمال مرحوم، مدرس مسجد حرم

۲۶۔ شیخ محمد علی کمال مرحوم، مدرسہ بمکہ معظّمہ

۲۷۔ شیخ درویش عجیمی مرحوم، مدرس بمکہ معظّمہ

۲۸۔ شیخ بکر رفیع مرحوم، مدرس مسجد حرم

۲۹۔ مولوی نذیر احمد صاحب بنگالی، مہاجر مکہ معظّمہ

۳۰۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مہاجر مکہ معظّمہ۔

۳۱۔ مولوی ضیاء الدین عبدالوہاب صاحب مرحوم مہتمم مدرسہ باقیات الصالحات مدراس

۳۲۔ مولانا قاری عبداللہ صاحب صدر مدرس شعبۂ تجوید قرآن مدرسہ صولتیہ مکہ معظّمہ

۳۳۔ شیخ القراء مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب الہ آبادی

۳۴۔ مولانا عبداللہ غازی صاحب مرحوم، مورخ مکہ معظّمہ و مہتمم کتب خانہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظّمہ

۳۵۔ مولانا حکیم محمد اسماعیل نواب صاحب مرحوم، مکہ معظمہ کے مشہور طبیب و عالم

۳۶۔ مولانا محمد سعید صاحب مرحوم، سابق ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

۳۷۔ مولانا عبداللہ سراج مرحوم، مفتی احناف وقاضی القضاۃ ووزیر اعظم حکومت ہاشمیہ (حجاز)

۳۸۔ مولانا سلیمان حسب اللہ مرحوم، مدرس مسجد حرم

۳۹۔ مولوی عبدالخالق اسلام آبادی، بانی مدرسہ اسلامیہ دارالفائزین مکہ معظمہ

۴۰۔ شیخ محمد صالح میمنی مرحوم، مورخ مکہ واز مقربین شریف عون امیر مکہ۔

حضرت مولانا مرحوم کے عہدِ مبارک کے بعد بھی آپ کی اس مرکزی درسگاہ سے الحمدللہ علمی فیض اور دینی خدمت کا سلسلہ جاری ہے، آج سے اسی (۸۰) سال قبل فنِ تجوید وقرأت پر بہت کم توجہ کی جاتی تھی اور اسی لئے یہ قابل قدر فن برائے نام تھا یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان (پاکستان وہند) کے طول وعرض میں جہاں کہیں فن تجوید کا سلسلہ اور قرأت سبعہ کا چرچا دکھائی دیتا ہے، یقیناً بالواسطہ یا بلا واسطہ وہ مدرسہ صولتیہ کا فیض ہے، مدرسہ صولتیہ کے تعلیم یافتہ طلباء جنہوں نے ہندوستان (قدیم) میں تجوید وقرأت کی ترقی وتعلیم میں خاص حصہ لیا ان میں خصوصیت کے ساتھ قرائے ذیل قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ مولوی قاری محمد سلیمان صاحب مرحوم بھوپال

۲۔ قاری سید حسن صاحب دجانہ ضلع رہتک

۳۔ قاری عبدالرحمٰن صاحب مرحوم احیاء العلوم الہ آباد

۴۔ قاری عبدالخالق صاحب مدرسہ تجوید القرآن سہارن پور

۵۔ قاری ابراہیم رشید صاحب خطیب مکہ مسجد حیدر آباد

۶۔ قاری عبدالوحید خاں صاحب مرحوم دارالعلوم دیوبند

۷۔ قاری عبدالمالک صاحب مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ

۸۔ قاری فیض عالم صاحب، گولڑا، راولپنڈی

۹۔ قاری محمود یار صاحب، بھوپال

۱۰۔ قاری مطیع اللہ صاحب ملتان

۱۱۔ قاری میران شاہ صاحب مرحوم معلم تجوید دارالعلوم ندوہ لکھنؤ

۱۲۔ مولانا قاری ضیاء الدین صاحب مہتمم مدرسہ باقیات الصالحات مدراس

۱۳۔ قاری حمید الدین صاحب بانی مدرسہ تجوید سنبھل ضلع مراد آباد

۱۴۔ مولوی قاری سید مرتضیٰ حسینی صاحب بمبئی

ان مشاہیر قراء کے علاوہ ''رحمت اللہ'' کے اس فیض عام سے جو عظیم الشان دینی اور علمی فوائد حاصل ہوئے ان کے اسّی (۸۰) سالہ مفصل تذکرہ کی ان محدود صفحات میں گنجائش نہیں''، دارالعلوم حرم صولتیہ'' کے ابنائے قدیم کی فہرست بے حد طویل ہے۔

وفات حسرت آیات:

اسلام اور مسلمانوں کی دینی اور علمی ہر ممکن خدمت کے بعد اس مجاہد فی سبیل اللہ نے ۷۵ سال کی عمر میں جمعہ کے روز ۲۲ ر رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اسلام کا یہ سچا خادم اپنی تمنا اور آرزو کے مطابق پیوندز مین حرم محترم ہوا، جنت المعلاۃ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار اور صدیقین وشہداء کے زمرہ میں مدفون ہوئے۔

رحمۃ اللہ علی رحمۃ اللہ

اس چھوٹے سے احاطہ میں صرف چند قبریں ہیں جن میں اکثر وبیشتر اسی طبقہ کے خاصانِ خدا، عالم آخرت میں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، محض تاریخی معلومات کے لئے ان بزرگوں کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب (۲) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب (۳) نواب عبدالعلی خاں صاحب رئیس چھتاری ضلع بلند شہر (۴) شمس العلماء مولانا محمد حسین صاحب الہ آباد کے والد (۵) مولانا عبدالحق صاحب شیخ الدلائل مصنف ''اکلیل شرح مدارک التنزیل'' (۶) مولوی عزیز بخش صاحب مرحوم بدایونی (۷) مولانا حضرت نور صاحب صدر مدرس مدرسہ صولتیہ (۸) مولوی عبداللہ غازی صاحب سابق مہتمم کتب خانہ مدرسہ صولتیہ وشاگرد (حضرت مولانا مرحوم (۹) شیخ عبدالحکیم صاحب سابق خزانچی مدرسہ (۱۰) مولانا حبیب اللہ صاحب لاہوری فرزند حضرت مولانا احمد علی صاحب شیخ التفسیر، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور تحریک مدارس

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور تحریک مدارس

مغلیہ سلطنت کا زوال

اورنگ زیب عالمگیر کے زریں دور کے بعد اسلامی ہند میں امت مسلمہ کا جو الم انگیز اور عبرت خیز زوال شروع ہوا اس کی رفتار روز بروز تیز تر ہوتی رہی، علمی، فکری، سیاسی ہر محاذ پر مسلمان برابر پسپا ہوتے رہے، خانوادۂ ولی اللٰہی نے بلا شبہ بلندی نظر، خونِ جگر اور ہمت واولو العزمی، اخلاص ولگن کے ساتھ مسلمانوں کو سنبھالنے کی کامیاب کوشش کی، دین ومذہب علم وتحقیق، فکر ونظر کے میدانوں میں ان کی کوششیں بار آور ہوئیں، لیکن میدانِ سیاست میں پسپائی برابر جاری رہی، شاہ ولی اللہؒ نے حکومت کے ایوانوں اور لال قلعہ کی دیواروں تک اپنا ناصحانہ، پرسوز پیغام پہنچایا، بادشاہوں، امیروں، وزیروں اور حکومت کے اہل کاروں کو ان کی خامیوں پر ٹوکتے اور مفید مشورے دیتے رہے، مگر سلطنت مغلیہ کو جو گھن لگ گیا تھا اس نے اس عظیم الشان تناور حکومت کو بالکل کھوکھلا کر دیا، انگریزوں سے پہلے مرہٹوں نے ہندوستان اور اس کے اطرف میں قتل وغارت گری کا بازار گرم کر رکھا تھا، ان کا اصل نشانہ مسلمان تھے، مسلمانوں کی جان ومال، دین وایمان، عزت وآبرو کوئی چیز محفوظ نہیں تھی، مرہٹوں کا سیلاب ہندوستان سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹانے کے درپے تھا، اس موقع پر شاہ ولی اللہؒ نے اپنا فرض بڑی خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کیا، مرہٹوں کا قلع قمع کرنے کے لئے احمد شاہ ابدالی کی دعوت دی، اب تاریخی حیثیت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے، کہ احمد شاہ ابدالیؒ کو بلانے میں شاہ صاحب کا بہت ہاتھ ہے، انہوں نے احمد شاہ ابدالی کے نام جو طویل بصیرت افروز خط لکھا اس سے شاہ صاحب کی سیاسی بصیرت، دیدہ وری، ژرف نگاہی کا اندازہ ہوتا ہے، انگریزوں سے جو خطرہ ہندوستان اور ممالک اسلامیہ کو درپیش تھا شاہ صاحب نے اس کا بھی تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا، پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا، خدانخواستہ اگر یہ تاریخی معرکہ پیش نہ آتا تو ہندوستان میں اسپین کی تاریخ دہرائی جاتی۔ (۱)

شاہ صاحبؒ کے بعد ان کے جانشینوں اور شاگردوں نے بھی اپنی انتھک تعلیمی تبلیغی،

اصلاحی اور سیاسی کوششیں جاری رکھیں، سید احمد شہیدؒ نے جہاد کا علم بلند کیا، سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء نے حالات کی نزاکت اور انتہائی بے سروسامانی کے باوجود اللہ کی راہ میں سر کا سودا کیا، تن من دھن اللہ کی راہ میں قربان کیا، اپنے خون سے ہندوستان کی سرزمین کو سیراب کیا، اتنی جانبازی، فداکاری اور جاں سپاری کے باوجود ان کے دل ایک کلمۂ تحسین وستائش کی آرزو سے کبھی ملوث نہیں ہوئے، ہندوستان کے عہد زوال کی یہ داستان عہد عروج کی شوکت آرائیوں کو پیغام خجالت دے رہی ہے، لیکن یہ پرخلوص، طویل جدوجہد بھی اغیار کی عیاریوں اور مکاریوں سے زیادہ اپنوں کی غداریوں، خودغرضیوں کی وجہ سے بہ ظاہر ناکام ہوگئی، بالاکوٹ کے مجاہدین اور شہداء اپنے خون کا آخری قطرہ قربان کر کے بھی ہماری ملی حمیت اور اسلامی غیرت کو بیدار نہ کر سکے، آخر کار مسلمانوں کا سیاسی زوال نقطۂ عروج تک پہنچ گیا اور غلامی کا پھندا ان کے گلے کا ہار بن گیا، وہ مالک سے غلام، حاکم سے محکوم، عزیز سے ذلیل ہو گئے۔ (۲)

انگریزی تسلط کے بعد

انگریزوں نے حکومت پر قبضہ جمانے اور سلطنت مغلیہ کو بے دست و پا بنانے کے بعد مذہب عیسوی کو فروغ دینے کے لئے ہمہ گیر جدوجہد شروع کردی، مسلمان مال و دولت، منصب وحکومت کے چھن جانے کے بعد متاعِ ایمان کو متاعِ جان سے زیادہ عزیز سمجھ کر سینہ سے لگائے بیٹھے تھے، وہ ہر قیمت پر اس گرانمایہ دولت کی حفاظت کرنا چاہتے تھے، انہیں اپنی تہذیب وثقافت، اقدار وروایات، مذہب وایمان سے حقیقی عشق تھا، لیکن امن وامان کے علم بردار، رواداری اور مساوات کے حدی خواں انگریزوں نے دولت ایمان پر چھاپے مارنے اور غارت گری کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، ان کا واحد مقصد یہ تھا کہ جلد سے جلد ہندوستان کے تمام باشندوں کو عیسائی بنا دیا جائے، برطانیہ کے عزائم کو واشگاف کرنے کے لئے ایک اقتباس کافی ہے، برطانیہ کی پارلیمنٹ کے ایک ممتاز ممبر مسٹر مینگلس نے دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے کہا ''خداوند تعالیٰ نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ ہندوستان کی سلطنت انگلستان کے زیر نگیں ہے تاکہ عیسیٰ مسیح (علیہ السلام) کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے، ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت، تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہئے اور اس میں کسی طرح تساہل نہ کرنا چاہئے''۔ (۳)

ہندوستان کے باشندوں کو عیسائی بنانے کے لئے کیا کیا حربے استعمال کئے جارہے تھے اس کا دھندلا نقشہ ایک ہندو اہل قلم بابو جمنا داس بسواس نے اخبار نسیم آگرہ کے مورخہ ۶ رجنوری ۱۸۸۸ء کے شمارہ میں کھینچا ہے۔ ''اب تو حد سے گذر گئی کہ ہر طرح کے افعال واسطے ورغلانے اور گمراہ کرنے اور ناپاک کرنے کے پیدا کرتے جاتے ہیں، انجیل کی تقسیم اور منادی سے پیٹ نہ بھرا تو اسکول جاری کئے، اتوار سے انجیل کی پڑھائی روزمرہ کی گئی، پھر بھجن بنائے تب مستورات میں میم لوگ بھجن سنانے بحیلۂ دستکاری جانے لگیں، پھر بازاروں اور میلوں میں کرسچن بھجن گانے لگے پھر باجا لے کر لوگوں کو متوجہ کیا، پھر گیروا کپڑا پہننے اور فقیر بننے شروع ہوئے، اور مدرسوں سے جب کام خاطر خواہ نہ نکلا تو اب ہسپتال ہوگئے ہیں مردانہ بھی زنانہ بھی، وہاں کی کارسازسنئے کہ اول جب مریض جمع ہوتے ہیں تو ان کا حال دریافت کرکے نسخے تیار کئے جاتے ہیں، اور پھر سب کو بھجن سنائے جاتے ہیں، مسیحی عظمتیں سمجھائی جاتی ہیں کہ مسیح نے فلاں مردہ زندہ کیا، فلاں معجزہ ایسا کیا، اس کے بعد ان کو دوا دی جاتی ہے، گرجا میں منہ دھونے کلی وغیرہ کا پانی جسے پلاکر کرسچن بناتے ہیں وہ پانی بھی دوا سے علیحدہ دیا جاتا ہے اس کا نام برکت کا پانی رکھا گیا ہے''۔(۴)

برطانیہ نے پادریوں کی فوج بھیج کر مسلمانوں کے دین وایمان پر حملہ بول دیا، پادریوں کی پشت پر مال وزر کی طاقت کے ساتھ حکومت کا بڑا سہارا بھی تھا، انہیں کھلی چھوٹ دے دی گئی تھی کہ جس طرح چاہیں دوسرے مذاہب پر رکیک اور بے بنیاد حملے کریں، دلآزاریاں کریں، ڈرا دھمکا کر اور لالچ دلاکر اپنے دام میں لائیں، اپنے اقتدار کے بل بوتے پر تھکے ہارے ہوئے ناتواں اور کچلے ہوئے ہندوستانیوں کو چیلنج کرتے پھریں، عیسائیت کی اشاعت وفروغ میں ان کے دو حربے زیادہ موثر اور کارآمد تھے، اسکول اور کالج دوم چیلنج، تقریریں اور لٹریچر، ہندوستان کے اس تاریک ترین دور میں کچھ مجاہدین اور سرفروش پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کے ٹمٹاتے چراغ کو برابر روشن رکھا بلکہ اس کی لو تیز کی، برطانیہ کی قہر آلود آنکھوں سے آنکھیں ملائیں، نتائج وعواقب سے بے پرواہو کر اور انگریزوں کی دشمنی مول لے کر اسلام کا جھنڈا سرنگوں نہیں ہونے دیا، اسی طبقہ کے ایک ممتاز فرد اور شب تاریک کے لعل شب چراغ المجاہد الکبیر العلامہ رحمت اللہ کیرانوی ہیں جن کا تذکرہ اس مقالہ کا موضوع ہے۔

ابتدائی حالات اور تعلیم وتربیت

مولانا رحمت اللہ صاحب قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر کے ممتاز عثمانی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، جمادی الاول ۱۲۳۲ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی، والد ماجد کا نام خلیل اللہ اور دادا کا نام نجیب اللہ تھا، ابتدا سے آپ پر شرافت و نجابت، ذہانت اور عبقریت کے آثار نمایاں تھے، ۱۲ سال کی عمر میں آپ فارسی کی متداول کتابوں سے فارغ ہو کر عربی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دہلی حاضر ہوئے، جو اس وقت بغداد و شیراز کی ہمسری کر رہا تھا، دہلی میں آپ نے اس دور کے یگانۂ روزگار عالم و مدرس مولانا محمد حیات صاحب پنجابی کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کیا، عرصۂ دراز تک ان سے کسب فیض کرنے کے بعد موصوف تحصیل علم کے لئے لکھنؤ تشریف لے گئے، لکھنؤ میں اس وقت مولانا مفتی سعد اللہ صاحب مراد آبادی کا طوطی بول رہا تھا کچھ دنوں ان کے میخانۂ علم و معرفت میں جرعہ نوشی کے بعد اپنے وطن کیرانہ واپس آئے، ابھی ان کی تشنہ لبی باقی تھی اس لئے دوبارہ رخت سفر باندھا اور ان اساتذہ کے علمی حلقوں میں شریک ہوئے، مولانا علی احمد بڈولی ضلع مظفر نگر، مولانا حافظ عبدالرحمٰن چشتی، مولانا امام بخش صاحب صہبائی، حکیم فیض محمد صاحب تمام علوم مروجہ کی تکمیل کے بعد علم حدیث حاصل کرنے کے لئے شاہ عبدالغنی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شاہ عبدالغنی صاحب، شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے جانشین اور خانوادۂ ولی اللہی کے علوم کے وارث اور امین تھے، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور اس دور کے اکثر عہد آفریں تاریخ ساز علماء و مشائخ نے ان سے کسب فیض کیا۔(۵)

علمی اور دینی سرگرمیاں

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ کچھ دنوں مہاراجہ ہندو وراؤ کے یہاں دہلی باڑھ ہندو وراؤ میں میر مفتی کے فرائض انجام دیتے رہے، لیکن کام ان کے ذوق و مزاج کے مطابق نہیں تھا چنانچہ اپنے والد کی وفات کے بعد آپ نے اپنی جگہ پر چھوٹے بھائی محمد جلیل صاحب کو ملازم رکھ کر کیرانہ میں قیام کیا اور کیرانہ کی مسجد میں ایک دینی مدرسہ قائم کر کے درس و تدریس کا بازار گرم کیا، درس و تدریس کے لئے مولانا کو بہت مختصر عرصہ ملا کیونکہ ہندوستان کے حالات انتہائی نازک اور ناگفتہ بہ ہوگئے، پادریوں کی چیرہ دستیوں، دشنام طرازیوں نے مسلمانوں کی ناک میں دم کر دیا، پادریوں نے تقریر و تحریر کے ذریعہ مسلمانوں کی دلآزاری، مذہب و ایمان پر غارت گری میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی، سر بازار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیچڑ اچھالے جاتے، قرآن و سنت پر

دلخراش انداز میں بے بنیاد الزامات لگائے جاتے، تاریخ اسلام کی مقدس ہستیوں کے بارے میں ہرزہ سرائی کی جاتی مسلمانوں کو چیلنج کیا جاتا، گمراہ کن پُرفریب لٹریچر تقسیم کئے جاتے۔

پادریوں کا مقابلہ

عیسائیوں کی پیہم دست درازیوں سے مسلمان تنگ آ گئے، ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا، انہوں نے طے کرلیا کہ ہر قیمت پر متاع دین وایمان کی حفاظت کریں گے خواہ انہیں متاع جان سے ہاتھ دھونا پڑے، اس وقت ہندوستان کے شہر اور قصبات ارباب علم وفضل سے معمور تھے، پادریوں کے بودے اور پھسپھسے اعتراضات کے پرخچے اڑانا علماء ومشائخ کے لئے مشکل نہیں تھا، ان کے پاس زبان تھی اور تاب سخن بھی، علم تھا اور زور قلم بھی، لیکن پادریوں سے بحث مباحثہ حکومت جابرہ سے اعلانِ جنگ کے مرادف تھا، حکومت کی خشمگیں نگاہوں اور منتقمانہ کارروائیوں کے ڈر سے مسلمانوں کی طرف سے کچھ دنوں خاموشی رہی آخر کار مسلمان بھی تنگ آ کر آمادۂ جنگ ہو گئے، علم وفضل کے کچھار سے چند شیر دہاڑتے ہوئے نکلے، اور روباہ صفت پادریوں کو ہندوستان سے نکال کر دم لیا۔ اس جماعت کے سرخیل اور امیر جناب علامہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحبؒ تھے، انہوں نے پادریوں کے سردار فنڈر کو اکبر آباد میں شکست فاش دے کر عیسائیوں کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا، ہندوستان میں عیسائیت کی پیش قدمی بالکل رک گئی، پادریوں کی زبانیں بند ہو گئیں، مولانا نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عیسائیت کے رد میں بے نظیر کتابیں لکھ کر اس کے فلک بوس قلعے کو بالکل مسمار کر دیا، موصوف نے تقریر وتحریر دونوں میں اسلام کا دفاع کرنے سے زیادہ دور حاضر کی عیسائیت کی بنیادوں پر تیشے چلائے، پادریوں کے بنیادی عقائد وافکار پر ایسے خطرناک حوصلہ شکن حملے کئے کہ عیسائی اسلام پر ہونے والے بے بنیاد اعتراضات کو بھول کر اپنے مذہب کی خیر منانے لگے، پادریوں کے قلم وزبان کی توانائیاں اپنے مذہب کا دفاع کرنے میں خرچ ہونے لگیں، مولانا رحمت اللہ صاحب اس حقیقت سے واقف تھے کہ زندگی کا راز دفاع میں نہیں بلکہ اقدام میں ہے۔

ردنصاریٰ کے بارے میں مولانا مرحوم کی تصنیفات نے عیسائی دنیا میں صفِ ماتم بچھا دی، ان کی شہرۂ آفاق تصنیف اظہار الحق کے بارے میں محققین کا تاثر یہ ہے کہ ردعیسائیت کے موضوع پر اب تک اس سے بہتر کوئی کتاب تصنیف نہیں لکھی جا سکی، مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے

ہیں، راقم الحروف نے عیسائیت کے موضوع پر علامہ ابن حزمؒ، علامہ عبدالکریم شہرستانی اور علامہ ابن قیم جوزی کی تصانیف پڑھی ہیں، امام رازیؒ اور علامہ قرطبی کی تحریروں کا مطالعہ کرنے کا بھی موقع ملا ہے لیکن ''اظہار الحق'' کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر یہ مصرعہ آجاتا ہے۔ ع

کم ترک الاول للآخر (۶)

دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کتاب کا ترجمہ ہو چکا ہے اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کے بعد ''ٹائمز آف لندن'' نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ''لوگ اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی'' موصوف کی چند دوسری تصنیفات کے نام یہ ہیں (۱) ازالۃ الاوہام (۲) ازالۃ الشکوک (۳) اعجاز عیسوی (۴) احسن الاحادیث فی التثلیث (۵) البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف (۶) بروق لامعہ (۷) معدل اعوجاج المیزان (۸) تقلیب المطاعن (۹) معیار التحقیق (۱۰) آداب المریدین (۷)

پادری فنڈر سے مناظرہ

پادری فنڈر سے مناظرہ مولانا کی زندگی اور تاریخ ہند کا بہت اہم اور انقلاب انگیز واقعہ ہے، اس لئے مختصراً اس کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے ''ہندوستان میں اسلامی شوکت وسلطنت کا آفتاب غروب ہو رہا تھا اور شاہانِ مغلیہ کی آخری یادگار بہادر شاہ مرحوم زوال سلطنت کا پُر حسرت منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، اس پر خطر زمانہ میں جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر عصر ومغرب کے درمیان ایک فاضل مسیحی پادری ''فنڈر'' عوام الناس کے سامنے دین عیسوی کی خوبیوں اور بزعم خود اسلام کی کمزوریوں پر تقریر کرتا تھا۔ پادری فنڈر تنہا نہ تھا بلکہ لندن سے اس کے ساتھ مسیحی مبلغین اور پادریوں کی ایک کافی جماعت بھی جو اس امر کا بیڑا اٹھا کر ہندوستان آئی تھی کہ مسیحیت کی تبلیغ واشاعت یہاں اس طرح کرے کہ اسلامی سلطنت کے زوال کے ساتھ اسلام بھی مغلوب ہوا۔ اور مسیحیوں کے غلبہ اور اقتدار کے ہمدوش مذہب عیسوی بھی ہندوستان کی نرم اور اثر پذیر زمین میں جڑیں پھیلا دے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے پادری فنڈر سے خط وکتابت کر کے اس کی علمی قابلیت کا اندازہ کیا اور پھر اس کو مناظرہ کا چیلنج دیا، معزز ہندو مسلمان اور انگریز مناظرہ کے حکم اور پنچ قرار

دیئے گئے، تمام ابتدائی مراحل طے ہو جانے کے بعد آگرہ میں مناظر قرار پایا جو ماہ رجب ۱۲۷۰ھ میں (یعنی ۱۸۵۷ء سے تقریباً چار برس پیشتر) اسلام وعیسائیت کی صداقت کے درمیان فیصلہ کن اور تاریخ ہندوستان میں ان دونوں کے تصادم کا پہلا واقعہ اور عظیم الشان مناظرہ تھا، مولانا رحمت اللہ صاحبؒ نے غیبی امداد اور تائید الٰہی کے ساتھ اپنی خداداد قابلیت اور تبحر علمی دو (۲) سے روز کے متواتر جلسوں میں اس امر کو ثابت کر دیا کہ موجودہ انجیل جس پر آج عیسائیوں اور پادریوں کو نازہے تحریف شدہ ہے۔ فاضل مسیحی سے اس عام جلسہ میں بجز تسلیم کے کچھ نہ بن پڑا، اس مناظرہ کی پوری تفصیل خود مولانا کیرانوی نے ازالۃ الشکوک میں لکھی ہے'' (۸)

۱۸۵۷ء کی جہاد آزادی میں شرکت

پادری فنڈر کو شکست فاش دینے کے بعد مولانا موصوف زبان وقلم کے ذریعہ جہاد میں مصروف تھے کہ شمشیر وسنان کے ذریعہ جہاد کا وقت آ گیا، ہندوستان کے باشندوں نے انگریزوں کے مظالم سے تنگ آ کر غلامی کا جُوا کندھے سے اتار پھینکا، جہاد آزادی کا بگل بج گیا، ہندوستان کے چپہ چپہ پر انگریزوں کے خلاف بغاوت اور نفرت کی آگ بھڑک اٹھی، ظالم حکمرانوں کو ہندوستان کی زمین تنگ نظر آنے لگی، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے قدم کسی سے پیچھے نہ رہے، انہوں نے کیرانہ کے علاقہ میں آزادی کا پھریرا لہرایا، جہاد آزادی کی قیادت کی، اس جنگ کے دوران جو انقلابی فتویٰ علماء دہلی کے دستخطوں کے ساتھ شائع ہوا اس کی مرتب کرنے میں مولانا موصوف بھی پیش پیش تھے، آثار رحمت میں مولانا امداد صابری صاحب نے بہت تفصیل اور تحقیق کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ مولانا کیرانوی اول سے آخر تک اس جنگ میں شریک رہے وہ لکھتے ہیں: جب میرٹھ کے مجاہدین نے دہلی میں جنگ آزادی کا بگل بجایا، چونکہ مولانا رحمت اللہ صاحب کا دہلی کے علمی طبقے اور لال قلعہ کے شہزادوں پر اثر تھا اور ان سے تعلقات بھی تھے، اس وقت بہادر شاہ ظفر اور دوسرے مجاہدین کے ساتھ مولانا رحمت اللہ صاحب نے بھی جنگ آزادی کا نقشہ بنانے میں حصہ لیا اور جنگ میں شمولیت فرمائی اور ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب اور مولانا فیض احمد بدایونی کے ساتھ دہلی کی جنگ آزادی میں شریک ہوئے، اور شاملی اور کیرانہ کا معرکہ بھی مولانا رحمت اللہ صاحب، اور حاجی امداد اللہ صاحب نے باہمی مشوروں سے سر کیا اور ان میں سے ہر شخص نے حتی الامکان جنگ آزادی کو کامیاب کرنے کی کوشش کی۔۔۔

مولانا رحمت اللہ صاحب کے نبیرہ اور مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کے ناظم مولانا محمد سلیم صاحب کے پاس حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کے دہلی کی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے زمانے کے تحریر کردہ وہ کاغذ ہیں، جس میں دہلی کے فوجی سپاہیوں، جمعداروں اور رسالوں کی تعداد اور ان کی تنخواہ کا ذکر ہے جو آپ کے ساتھ معرکۂ آزادی میں شریک تھے"۔(۹)

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں "مولانا رحمت اللہ کرانوی مشہور مناظر تھے، ڈاکٹر وزیر خاں کے ساتھ پادری فنڈر کے خلاف مناظرہ میں حصہ لیا تھا، کیرانہ ضلع مظفر نگر وطن تھا" والد کا نام مولوی نجیب اللہ تھا، (۱۰) ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں نمایاں حصہ لیا، نواح کیرانہ میں مجاہدین کے سردار تھے، جب ہنگامہ دارو گیر شروع ہوا تو مولانا کسی صورت سے نکل کر حجاز پہنچ گئے اور وہیں ۲؍ مئی ۱۸۹۱ء کو وصال"۔(۱۱)

قسمت نے یاوری نہ کی جہاد آزادی کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، اپنی نااتفاقی، بے ترتیبی اور باہمی آویزشوں نے انگریزوں کی چالوں کو کامیاب بنادیا، غلامی کی گرفت مضبوط تر ہوگئی، ہندوستان کے چپہ چپہ پر ہنگامۂ دارو گیر بپا ہوا، ملک کا گوشہ گوشہ مظلوموں کے خون سے لالہ زار ہوگیا، یتیموں، بیواؤں کی آہ وفغاں فرش سے عرش تک گونجنے لگیں، چہل پہل کی جگہ خوف وہراس نے لی، عشرت کدہ ماتم کدہ بن گیا، جن لوگوں پر جہاد وآزادی میں شرکت کا شبہ تھا انہیں بھی نہیں بخشا گیا۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ تو جہاد آزادی کے قائد اور تحریک حریت کے ہراول دستہ میں شامل تھے، کیرانہ، شاملی سے لے کر دارالسلطنت دلی تک ان کی تگ وتاز کے نقوش ثبت تھے، انگریز حکام مولانا کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے بخوبی واقف تھے، موصوف تو اسی وقت سے دل افرنگ کا کانٹا ثابت ہوئے جب انہوں نے فنڈر کو شکست فاش دے کر عیسائیت کی فلک بوس عمارت کو مسمار کیا، چنانچہ مولانا کے نام وارنٹ جاری ہوا، ان کی گرفتاری پر ہزار روپیہ انعام کا اعلان کیا گیا لیکن "جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے" موصوف کچھ دنوں ہندوستان میں روپوش رہے آخر کار دشوار گذار راستوں، مہیب خطرناک ریگستانوں سے گذرتے ہوئے بیت اللہ کے سائے میں جا پہنچے، مولانا مرحوم کے ہجرت کرنے کے بعد انہیں مفرور باغی قرار دے کر ان کی لاکھوں روپئے کی خاندانی جائدادیں، مکانات، آراضی اور سرائیں صرف ایک ہزار چار سو بیس روپئے میں نیلام کردی گئیں۔

مولانا کیرانوی کے تعلیمی نظریات

مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب سے پہلے ۱۲۷۶ھ ۱۸۵۹ء میں (۱۲) حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب ہجرت کر کے مکہ مکرمہ پہنچ گئے تھے، ان دونوں حضرات میں گہرے مراسم تھے، مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد مولانا رحمت اللہ صاحب حضرت حاجی صاحب کے ساتھ رباط داؤدیہ میں قیام پذیر ہوئے دونوں اکابر کے خوشگوار تعلقات اور مخلصانہ رشتے زندگی کے آخری لمحہ تک قائم رہے، الفت ومحبت، تعلق ویگانگت میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا، مکہ پہنچتے ہی مولانا نے اپنی لیاقت وصلاحیت، خداداد ذکاوت وذہانت، فضل وتقویٰ کی وجہ سے حجاز کے علمی حلقوں میں ممتاز مقام پیدا کرلیا، ان کی شہرت کا آوازہ حجاز سے قسطنطنیہ اور ایشیا سے یورپ تک بلند ہوا، خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالعزیز نے قسطنطنیہ آنے کی دعوت دی، غیر معمولی اعزاز واکرام سے نوازا، دوبار سلطان عبدالحمید ثانی (۱۳) کی دعوت پر قسطنطنیہ تشریف لے گئے، بیت اللہ کے جوار رحمت میں مولانا کیرانوی کو برسہا برس یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ تعلیمی، تدریسی اور تبلیغی خدمات انجام دینے کا شرف حاصل ہوا، حجاز مقدس میں مولانا مرحوم کی خدمات کا دائرہ تعلیم وتربیت پر محدود نہیں تھا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ حجاز میں قیام کے بعد مولانا کی توجہات زیادہ تر تعلیم وتربیت پر مرکوز رہیں، (۱۴) انہوں نے مدرسہ صولتیہ قائم کر کے ممالک اسلامیہ کی تعلیمی تحریک کو بہت فروغ دیا، اب تک زیادہ تر موصوف کو ایک مناظر اور مصنف کی حیثیت سے پیش کیا گیا حالانکہ وہ عالم اسلام کی تعلیمی واصلاحی تحریک کے ایک رہنما اور مایۂ ناز ماہر تعلیم بھی تھے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تعلیمی افکار وخیالات اور خدمات پر کچھ تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔

مدرسہ صولتیہ کے قیام کا پس منظر

مولانا رحمت اللہ صاحب نے عالم اسلامی اور ممالک عربیہ کے حالات کا قریب سے مطالعہ کیا، حجاز کے اونچے علمی حلقے جو علوم کا سرچشمہ مانے جاتے ہیں، مولانا اس کے ممتاز فرد تھے، قسطنطنیہ کا سفر کرنے کے بعد انہیں دارالسلطنت کے علماء مشائخ، حکام سے ملاقات اور تبادلۂ خیالات کا زریں موقع ملا، انہیں حالات کا بہ غور جائزہ لینے کے بعد بہت دکھ ہوا، ان کے دل درد مند کو یہ احساس ستانے لگا کہ تمام ممالک اسلامیہ میں علوم اسلامیہ کے سوتے خشک ہو رہے ہیں، اگر یہی تعلیمی زوال جاری رہا تو مسلم سماج باصلاحیت علماء باکردار مشائخ اور دانشوروں سے خالی

ہو جائے گا، حجاز جو ممالک اسلامیہ کا دھڑکتا دل اور بجلی گھر ہے وہیں بجلی کی قلت محسوس کی جارہی ہے، اس نازک صورت حال نے مولانا کو تڑپایا، رلایا اور سرگرداں و پریشاں رکھا، ان کا احساس بالکل درست اور بجا تھا، مؤرخین کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، عرب ممالک نے علم حدیث کی خدمت کو ہمشیہ سرمایۂ سعادت وافتخار سمجھا، ممالک عربیہ کے علماء نے دوسرے علوم اسلامیہ کے مقابلہ میں علم حدیث کی خدمت کہیں زیادہ کی، کتب حدیث اب بھی ان کی بے پناہ جدوجہد، محنت ولگن، دقت نظری، ژرف نگاہی، دماغ سوزی اور جگر کاوی کی شہادت دیتی ہیں، لیکن صدیوں سے انہیں عرب ممالک میں علم حدیث کی کس مپرسی اور اس کی طرف سے بے اعتنائی کا حال علامہ رشید رضا مرحوم کے قلم سے پڑھئے، علامہ رشید رضا لکھتے ہیں:

''اگر ہمارے ہندوستانی علماء کی توجہ اس زمانے میں علم حدیث کی طرف مبذول نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا، کیونکہ مصر وشام، عراق اور حجاز میں دسویں صدی ہجری سے چودھویں صدی کے اوائل تک یہ علم ضعف کی آخری منزل پر پہنچ گیا تھا''۔ (۱۵)

سعودی عرب کے مشہور مؤرخ وصحافی نے اپنی مشہور کتاب ''من تاریخنا'' میں خاص سعودیہ عربیہ کی صحافت کا تذکرہ کرتے ہوئے تعلیمی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے، ''اگر اس زمانہ میں ہمارے ملک کی صحافت اس قدر ابتدائی حالت میں اور نہ ہونے کے برابر ہو تو اس پر تعجب نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ جب ملک میں مدارس ناپید ہوں تو صحافت کا کیا ذکر، صرف ایک سرکاری ابتدائی مدرسہ تھا، جس میں طلباء صرف ابتدائی معلومات ترکی زبان میں حاصل کرتے تھے، البتہ اس دور میں صرف باقاعدہ پبلک کا دینی مدرسہ صولیتہ تھا۔ (۱۶)

مدرسہ صولتیہ کا قیام

ان حالات کو دیکھتے ہوئے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے مکہ مکرمہ میں ایک مرکزی مدرسہ قائم کرنے کا پروگرام بنایا، وہ چاہتے تھے کہ حجاز اور ممالک اسلامیہ میں عوامی دینی مدارس قائم کئے جائیں جو حکومت کی پابندیوں سے آزاد رہ کر علوم اسلامیہ کی نشر واشاعت اور اسلامی عقائد واعمال، اقدار وروایات کی ترویج میں بھرپور حصہ لے سکیں زمانہ کے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر اس قسم کے مدارس کی زیادہ سے زیادہ ضرورت تھی۔

۱۸۵۷ء کے خونی حادثہ کے بعد تحریک مدارس زوروں پر تھی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی

کے دست راست اور ہمدم ودمساز حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے ممتاز خلفاء مولانا محمد قاسم صاحب، مولانا رشید احمد صاحب، حاجی محمد عابد صاحب وغیرہم اس تحریک کے روح رواں تھے، ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۶ء (۱۷) میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا، اس کے مفید نتائج اور شیریں پھل قائم ہوتے ہی ملک وملت کے سامنے آنے لگے، دارالعلوم کے حالات وخدمات کی اطلاع برابران دونوں اکابر کے پاس پہنچی، دارالعلوم دیوبند کے کامیاب تجربہ نے مولانا کے عزم میں مزید پختگی پیدا کردی، آخرکار مبارک وقت آپہنچا انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں ۱۲۹۰ھ میں مولانا نے ایک مدرسہ کی داغ بیل ڈال دی، کرایہ کے مکان میں تعلیم جاری ہوئی، چار مہینے میں مدرسہ کے لئے تین مکان بدلے گئے، ۱۲۹۱ھ میں کلکتہ کی ایک بیوہ عالی ہمت اور مخیر خاتون صولت بیگم اپنے داماد اور بھائی کے ساتھ حج کے لئے مکہ حاضر ہوئیں، انہیں مولانا کے تعمیر مدرسہ کے نیک ارادہ کا علم ہوا تو انہوں نے تیس ہزار روپے مدرسہ کی تعمیر کے لئے مولانا کی خدمت میں پیش کئے، اس خاتون کی یادگار کے طور پر اس ادارہ کا نام مدرسہ صولتیہ ہندیہ رکھا گیا۔ (۱۸)

مولانا کیرانوی کے خصوصی شاگرد وجانشین مدرسہ صولتیہ کے قیام کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں ''قسطنطنیہ سے مکہ معظمہ واپسی کے بعد مولانا نے اسلام کے اس دینی مرکز اور سرزمین مقدس کی مقامی اہم ضرورتوں پر کافی غور کے بعد یہ رائے قائم کی کہ یہاں ایک ایسے دارالعلوم کا سنگ بنیاد رکھا جائے جو مرکزیت کے شایان شان ہو، دنیا کی مختلف زبانیں جاننے والا علماء مدرس ہوں اور ایسا نصاب تعلیم رائج کیا جائے جو دینی اور دنیوی ضروریات کا متکفل ہو، اگرچہ سلطنت عثمانیہ ان علمائے حرم اور باکمال افراد کی حوصلہ افزائی میں لاکھوں روپیہ بے دریغ خرچ کررہی تھی جو مسجد حرم میں درس وتدریس میں مشغول تھے مگر اس میں جو نقائص پائے جاتے تھے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ وہ علماء اپنے درس وتدریس کو کسی نظام اور کام کو ضابطہ کی ماتحتی میں انجام نہیں دے رہے تھے۔

۲۔ کوئی مخصوص نصاب تعلیم رائج ومقرر نہ تھا اور جو کچھ پڑھا جاتا تھا وہ طلباء میں کسی قسم کی قابلیت واستعداد پیدا نہیں کرسکتا تھا۔

۳۔ طریقۂ تعلیم نہایت ابتر حالت میں تھا اور سب سے بڑا نقص یہ تھا کہ کتاب کی عبارت کو خود استاد پڑھتا اور خود ہی مطلب بیان کرتا، شاگرد اسے استاد کا ایک وعظ سمجھتے اور اپنے

دماغ پر زور ڈالنے کے عادی نہ تھے، استاذ سے سوال کرنا یا نفس مسئلہ پر اعتراض پیدا کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا، سمجھنے یا توضیح کے لئے استفسار بے ادبی میں داخل تھا۔

۴۔ جو علوم پڑھائے جاتے تھے ان میں نحو، فقہ، تفسیر، حدیث پر تمام عمر ختم ہونے کے باوجود تکمیل یا اعلیٰ قابلیت پیدا نہیں ہوتی تھی، تفسیر جلالین جو عام طور پر ہندوستان میں سال بھر میں پڑھائی جاتی ہے، اس وقت سات سال میں ختم ہوا کرتی تھی، باقی علوم کے پڑھنے اور فنون کے حاصل کرنے کا نہ رجحان وشوق تھا اور نہ تبحر واستعداد کے ساتھ پڑھانے کی ہمت تھی۔

۵۔ ان مہاجرین کی اولاد کا جو ممالک اسلامیہ سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ آتے ہیں کسی قسم کی تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام نہ تھا، ان کی اولاد ناتربیت یافتہ، جہالت اور بداخلاقی کا شکار تھی، نہ وہ دنیا کے کسی کام کی تھی نہ دین کے۔

۶۔ مکہ معظمہ کو سرچشمۂ دین اور مرکز اسلام خیال کر کے ہر سال اسلامی دنیا کے دور دراز مقامات سے بڑی تعداد میں شائقین علوم دینیہ اس شوق میں آتے تھے کہ سرچشمہ سے سیراب ہوں مگر اس زمانہ میں یہاں ان طلباء کی تعلیم کا کوئی انتظام تھا اور نہ قیام وطعام اور دیگر ضروریات تعلیم کی کوئی صورت تھی''۔ (۱۹)

حکومت کی امداد قبول کرنے سے انکار

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ مدرسہ صولتیہ کو حکومت کے دباؤ سے آزاد رکھنا چاہتے تھے، سلطنت عثمانیہ کی طرف سے بار بار امداد کی پیشکش کی گئی لیکن مولانا نے ہمیشہ شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے قبول کرنے سے معذرت کردی، وہ چاہتے تھے کہ امت مسلمہ کے دو دو چار چار پیسوں اور قلبی دعاؤں سے اس ادارہ کا کاروبار چلے تاکہ عوام سے رابطہ قائم رہے، کسی بادشاہ امیر وزیر کی امداد پر تکیہ نہ ہو جائے اور مدرسہ ہر طرح کے دباؤ سے آزاد رہ کر اپنی تعلیمی، تبلیغی اصلاحی پالیسیوں پر عمل کر سکے، مولانا موصوف مدرسہ صولتیہ کو سرزمین حرم میں ہندوستان باشندوں کی ایک عظیم یادگار اور دینی خدمت تصور فرماتے تھے آخر لمحے تک ان کی کوشش رہی کہ اہل ہند کا اس ادارہ سے زیادہ سے زیادہ ربط ہو اور ہر طرح کی امداد قربانی پیش کر کے ادارہ کی آبیاری ہوگی''(۲۰)

۱۲۹۹ھ میں خلیفہ عبد الحمید ثانی کی دعوت پر مولانا قسطنطنیہ تشریف لے گئے سلطان نے

آپ کا بڑا اعزاز واکرام کیا، خصوصی تمغہ سے نوازا، معقول رقم ہدیۃً پیش کی، اس موقع پر سلطان نے مدرسہ صولتیہ کے لئے معقول ماہانہ امداد مقرر کرنے کا خیال ظاہر کیا، اس کے جواب میں مولانا نے شکریہ اور دعا کے بعد فرمایا: ''حرمین شریفین میں امیر المؤمنین کے بہت سے جاری کردہ امور خیر ہیں، اور بہت سے نیک کام تشنہ تکمیل، مدرسہ صولتیہ چونکہ ہندوستان کے دیندار اور نیک خیال مسلمانوں کی امداد سے چل رہا ہے اور قائم ہے، ان کو اس کار خیر میں شرکت وسرپرستی کی سعادت سے محروم نہ فرمایا جائے جو یقیناً امیر المؤمنین کے الطاف شاہانہ سے بعید نہیں''۔(۲۱)

اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا محمد سعید صاحب مرحوم رقمطراز ہیں ''سلطنت عثمانیہ کی معقول اور گراں قدر امداد مدرسہ کے واسطے قبول نہ کرنے پر مولانا کے اس انکار کا پسندیدگی کی نظر سے بعض ان لوگوں نے جن کی نگاہ ہمیشہ سطحی امور پر ہوا کرتی ہے نہیں دیکھا تھا، مگر واقعات اور تجربہ نے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچادیا کہ مولانا صرف ایک عالم اور مسلمانوں کے سچے ہمدرد اور زمانہ کی ضرورتوں سے باخبر بزرگ اور مخلص قوم نہ تھے بلکہ وہ ایک دور اندیش اور عواقب ونتائج پر حقیقت شناسی کی صاف روشنی میں ہر چیز کو دیکھنے کا خاص ملکہ رکھتے تھے''۔(۲۲)

مولانا کیرانوی کے بعد ان کے جانشین مولانا کی پالیسی اور اصول پر عمل پیرا رہے سلطنت عثمانیہ کے اقتدار کے خاتمہ کے بعد حجاز کے مختلف حکمرانوں نے مدرسہ صولتیہ کی مالی امداد کی پیشکش کی، لیکن مولانا کیرانوی کے دور اندیش جانشینوں نے بانی مدرسہ کے اصول پر عمل کرتے ہوئے امداد لینے سے انکار کردیا ان کے اس طرز عمل کی وجہ سے ارباب اقتدار کی پیشانیوں پر شکن بھی آئی، مدرسہ کے منتظمین کو صبر آزما مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن انہوں نے اصولوں کا سودا کرنا گوارا نہیں کیا۔

مولانا محمد سعید صاحب مدرسہ کی روداد ۱۳۲۶ھ میں لکھتے ہیں: ''ہماری مشکلات کا اندازہ ایک ادنیٰ بات سے ہوسکتا ہے کہ حکماً مجبور کیا گیا کہ کوئی سالانہ جلسہ یا اہل علم کا کوئی اجتماع مدرسہ میں نہ ہوسکے، اس قسم کے لغو اور بیکار احکامات اور سختیوں سے اس زمانہ کے حکام کا دلی منشا ومقصود یہ تھا کہ ارکان مدرسہ کی ہمتیں پست ہوں اور حامیان مدرسہ آخر مجبور ہوکر اپنی توجہ اس کام سے ہٹالیں اور یہ بنا بنایا کام جو روز بروز ترقی پر ہے کسی طرح برباد ہوجائے، بانی مدرسہ مولانا رحمت اللہ کی تمنا اور آرزو تھی کہ وہ اس مستعار اور محدود زندگی سے جب ابدی حیات اور دائمی مستقر کی طرف سفر کریں تو ان کا مرقد مدرسہ کے احاطہ میں ہو، جس کو انہوں نے اپنی زندگی میں بڑی

شوق سے خود تیار کرایا تھا، آہ یہ خیال کس قدر درد انگیز ہے کہ مولانا کی دلی تمنا اور مدت العمر کی وہ دیرینہ آرزو دورِ سابق کے حکام کی بدولت ہمیشہ کے لئے پائمال ہوگئی اور اپنی بنائی ہوئی قبر میں جو مدرسہ کے احاطہ میں خاص اسی دن کے لئے تیار کی تھی دفن نہ ہوسکے"۔ (۲۳)

مدرسہ صولتیہ کا نصاب و نظام تعلیم

مدرسہ صولتیہ میں جو نصاب و نظام تعلیم رائج کیا گیا وہ مولانا رحمت اللہ صاحب کے تعلیمی افکار و خیالات کا آئینہ دار ہے، مدرسہ صولتیہ نے زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات، زندگی کی جدید ضروریات سے کبھی چشم پوشی نہیں کی، مدرسہ کے ارباب حل وعقد نے دینی ضروریات اور جدید عصری تقاضوں کے پیش نظر برابر نصاب و نظام تعلیم میں تبدیلیاں کیں، مولانا محمد سعید صاحب مرحوم حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے ممتاز ترین شاگرد اور تربیت یافتہ ہیں اپنی نواسی سے مولانا سعید صاحب کا عقد نکاح کرنے کے بعد مولانا کیرانوی نے شرکاء نکاح علماء حرمین کو خطاب کرتے ہوئے مولانا محمد سعید صاحب کے بارے میں فرمایا: "میں نے اس بچہ کی اس طرح تربیت کی ہے جس طرح سنار سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپاتا ہے اور کھوٹ کو نکھار کر پھینک دیتا ہے، اس طرح میں نے اس کو بھٹی میں تپا کر نکھارا ہے،" موصوف حاجی امداد اللہؒ صاحب سے بیعت تھے، حاجی صاحب کی ان پر خصوصی توجہات تھیں اس تمہید کے بعد قارئین کی خدمت میں مدرسہ صولتیہ کے نصاب و نظام تعلیم سے متعلق مولانا محمد سعید صاحب مرحوم کی تحریر کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے: بلاشبہ ان کی تحریر مولانا کیرانوی کی تعلیمی نظریات کی عکاسی کرتی ہے۔

مدرسہ صولتیہ کو اپنی طویل زندگی کے ہر دور میں مختلف حالات سے دوچار ہونا پڑا، ہر زمانہ کی ضرورتیں علیحدہ ہیں اور ان کا معیار عمل میں لحاظ نہ رکھنا پسپائی اور رجعت کے مرادف ہے، مدرسہ کا موجودہ نظام عمل مسلسل جدوجہد اور پیہم کوششوں کا نتیجہ ہے، دو چیزیں ہمیشہ ملک کی جغرافی اور طبعی حیثیت اور مقامی ضرورتوں کے لحاظ سے بنائی جاتی ہیں، ایک ملکی قانون اور دوسرا نظام تعلیم، مگر کارکنان مدرسہ صولتیہ کو حدود مدرسہ میں جن دقتوں اور تعلیمی دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے، ایک نظام عام و نصاب تعلیم اور متحدہ ضابطوں کے اندر ہندوستانی، بخاری، یمانی، صومالی، جاویک، فارسی، حجازی، چینی، سوڈانی، مغربی وغیرہ مختلف المذاہب، مختلف الخیال مختلف اللغات طلبہ کی بیک وقت تعلیم و تربیت کی بے پناہ دشواریوں نے

کبھی کارکنان مدرسہ کو اس طرف سے بے نیاز نہیں رکھا۔

مذکورہ بالا چاروں تعلیمی شعبوں میں نصاب تعلیم کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنے حقیقی معنوں میں درس نظامیہ ہے، مدرسہ کا نصاب مرکزی ضروریات کے لحاظ سے اصلاح شدہ نصاب ہے جس میں شام مصر، عراق وغیرہ ممالک اسلامیہ کے اعلیٰ عربی مدارس کے کارآمد طریقے اور ردوبدل کے بعد مفید کتابیں داخل ہیں، دینی اعلیٰ تعلیم میں مقامی حیثیت سے یہ امتیاز مدرسہ صولتیہ ہی کو حاصل ہے کہ اس کے نصاب میں علم حدیث کی صحاح ستہ اوران کی متعلقہ کتابیں بانی مدرسہ کے زمانہ سے آج تک نہایت پابندی کے ساتھ داخل درس ہیں۔

ادب میں زیر درس ومطالعہ کتابیں ہندوستان میں اپنے ناموافق انتخاب یا بیکار طریقۂ تعلیم کی وجہ سے ادبی لیاقت یا عربی زبان میں مہارت وقابلیت پیدا کرنے سے قاصر ہیں، یہ کتابیں مدرسہ صولتیہ کے نصاب سے خارج کردی گئی ہیں اور مفید طریقۂ تعلیم کے مطابق ادب عربی کی تعلیم میں فن انشاء، محفوظات ادبیہ، فن خطابۃ، اور تلقین وتطبیق سے مدد لی جاتی ہے، ماحول کا اثر اور ان فنون کی باقاعدہ تعلیم طالب علم میں ادبی مہارت اور عربی زبان میں اچھی استعداد وقابلیت پیدا کرنے کا سہل اور مفید ترین طریقہ ہے"۔ (۲۴)

مدارس دینیہ اور صنعت وحرفت

عرصۂ دراز سے مدارس دینیہ اور ملکی دانشوروں کے حلقوں میں زور وشور کے ساتھ یہ بحث جاری ہے کہ مدارس دینیہ میں تعلیم وتربیت کے ساتھ صنعت وحرفت اور دستکاری کا پیوند لگانا مفید ہے یا مضر؟ ذمہ داران مدارس اور دانشوران ملت دو گروہ میں بٹے ہوئے ہیں ایک طبقہ صنعت وحرفت کی پیوند کاری کا شدید حامی ہے دوسرا طبقہ شدید مخالف، اس طرح کے مسائل پر رائے زنی سے پہلے ضروری ہے کہ ماضی کا بہت غور سے مطالعہ کیا جائے، ماضی سے ہمیں روشنی ملی ہے اور آئندہ بھی دور ماضی کے اکابر وعلماء کے افکار وخیالات لائحہ عمل کو مفید اور جامع بنانے میں ہماری مدد کریں گے، صنعت وحرفت کے بارے میں حضرت مولانا کیرانوی کا نظریہ پیش کیا جاتا ہے، یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر ایک کو مولانا کے نظریہ سے پورا اتفاق ہو، ہوسکتا ہے کہ حجاز کے مخصوص حالات کے پیش نظر کوئی طریقۂ کار اپنایا گیا ہو جو ہندوستان کے لئے مناسب نہ ہو لیکن مولانا کے نظریہ کو سمجھنے کے بعد ہمیں اس مسئلہ میں کسی متفقہ نظریہ اور طریقۂ کار تک پہنچنے

میں سہولت ضرور ہوگی۔

مولانا رحمت اللہ صاحبؒ اس بات کو ضروری سمجھتے تھے کہ تعلیم وتربیت کے ساتھ طلبہ کو بقدر ضرورت صنعت وحرفت بھی سکھائی جائے، تاکہ وہ پڑھنے کے بعد قوم کے لئے بار نہ بنیں بلکہ اپنی مدد آپ کرسکیں، محنت ومشقت کرکے حلال روزی حاصل کرسکیں، جناب مولانا محمد سعید صاحب وکیل امرتسر مؤرخہ ۲۴ر اپریل ۱۸۹۹ء میں لکھتے ہیں ''مدرسہ صولتیہ کے قائم کرنے کے دو سال بعد ایک صنعت وحرفت کے مدرسہ کی بھی بنیاد رکھی گئی تھی کہ ہماری اولاد اور آئندہ نسلیں تعلیم دینیات کے ساتھ کسب معاش اور رزق حلال کے ذرائع بھی سیکھ لیا کریں کہ وہ مدرسہ سے جب فارغ التحصیل وعالم ہوکر نکلیں تو اپنی مدد آپ کر لینے کا مادہ اور استعداد ان میں موجود ہو، مولانا نے صنعت وحرفت کے مدرسہ کا بنیادی پتھر بھی رکھ دیا مگر مدرسہ کی عمارت ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ غیر متوقع موانعات پیش آجانے اور روپیہ کی کمی نے صنعت ودستکاری کے مدرسہ کا کام پورا نہ ہونے دیا، ابھی مولانا کو بہت سے ادھورے کام پورے کرنے تھے کہ قضاء الٰہی نے ان کو ہمیشہ کے لئے ہم سے علیحدہ کردیا''۔ (۲۵)

مولانا مرحوم کی اس دیرینہ خواہش کی تکمیل ہمیشہ مدرسہ صولتیہ کے ذمہ داروں کے پیش نظر رہی، چنانچہ عرصۂ دارز کے بعد اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آگیا، ۱۳۶۶ھ کا ''دارالعلوم حرم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ، عرض حال'' ہمارے پیش نظر ہے، مولانا محمد سلیم صاحب نے اسے مرتب کیا اور اپنے دور نظامت میں اسے شائع فرمایا، اس کتابچہ میں مدرسہ کے شعبہ جات کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں ''۵۔ شعبہ صنعت وحرفت، رجب ۶۵ھ میں اس شعبہ کی ابتدا کی گئی جس میں فی الحال پچاس طلباء حسب ذیل صنعتوں کی تعلیم حاصل کررہے ہیں (۱) پارچہ بافی (۲) تسبیح سازی (۳) چمڑہ کی مصنوعات (۴) فنون جمیلہ (۵) خیاطی وغیرہ۔

۶۔ شعبۂ زراعت، دارالعلوم حرم نے اس سال اس شعبہ کے لئے جو زمین خریدی ہے، اس کی تیاری اور ضروری سامان کی فراہمی کا سلسلہ جاری ہے، انشاء اللہ آئندہ سال تک اس وسیع قطعہ زمین میں زراعتی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوجائے گا۔

۷۔ صولتیہ دارالشفا۔ ماہ جمادی الثانیہ ۶۵ھ سے رجب ۶۶ھ تک تیرہ ماہ میں ۲۳۹۹۵ بیمار صولتیہ دارالشفا میں زیر علاج رہے'' (۲۶)

اسی کتابچہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ دکن کا معائنہ درج ہے وہ

لکھتے ہیں، ''مرکز اسلام میں مجھے متعدد اداروں کے دیکھنے کا موقع ملا اور بے جھجک یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''مدرسہ صولتیہ'' ان میں سب سے زیادہ امید افزا ہے، یہاں نہ صرف پانچ براعظموں کے طلبا ملتے ہیں بلکہ اب خالص دینی تعلیم کے ساتھ ایک شعبہ تعلیم صنعت بھی روز فزوں ترقی پر ہے، مدرسہ زراعت کا بھی آغاز ایک بڑی زمین لے کر ہو گیا ہے، مدرسہ کی اب محلہ وار شاخیں بھی کھل رہی ہیں، تکرد سوں (حبشیوں) کا مدرسہ سب سے زیادہ قابل تعریف اقدام ہے کہ یہی سب سے غریب اور قابل امداد قوم ہے، شفاخانہ بھی قابل ستائش ہے۔ (۲۷)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پروفیسر جامعہ عثمانیہ وسالار قافلہ حیدر آباد دکن)

۲۲/ربیع الاول ۱۳۶۶ھ، ۱۵/مارچ ۴۷ء۔

مشن اسکولوں سے نفرت

انگریزوں کو جہاں بالادستی حاصل ہوئی انہوں نے عیسائیت کو فروغ دینے اور اپنے اقتدار کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے اپنی تعلیمی پالیسی نافذ کی، ہندوستان پر تسلط جمانے کے بعد انہوں نے پہلے مسلمانوں کے نظام تعلیم کو تہس نہس کیا، مدارس، تعلیم گاہوں اور اہل علم وفضل کے لئے ہر صوبہ میں کروڑوں کی جائدادیں وقف تھیں، انہیں اوقاف کی آمدنی سے گاؤں گاؤں، محلہ محلہ مدارس قائم تھے، علم وفن کی گرم بازاری تھی، انگریزوں نے رفتہ رفتہ ایسے تمام اوقاف اور جائدادیں ضبط کر لیں، آخر کار علوم وفنون کا سارا کارخانہ ٹھپ ہو گیا، ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر لکھتا ہے'' مسلمانوں کے تعلیمی ادارے ۱۸ سال کی لوٹ کھسوٹ کے بعد یک قلم مٹ گئے'' (۲۸) دوسری جگہ یہی مصنف رقمطراز ہے ''مسلمانوں کے اس الزام کا جواب نہیں دیا جا سکتا کہ ہم نے ان کے تعلیمی اوقاف کا ناجائز استعمال کیا، اس حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ؟ مسلمانوں کے نزدیک اگر ہم اس جائداد کو جو اس مصرف کے لئے ہمارے قبضہ میں دی گئی تھی، ٹھیک ٹھیک استعمال کرتے تو بنگال میں آج بھی ان کے پاس اعلیٰ اور شاندار ادارے موجود ہوتے'' (۲۹) مسلمانوں کے تعلیمی نظام کو حرف غلط کی طرح مٹانے کے بعد اپنا تیار کردہ نظام تعلیم رائج کیا اس نظام تعلیم کا بنیادی مقصد لارڈ میکالے کی زبانی سنئے جو ۱۸۳۵ء کی تعلیمی کمیٹی کا صدر تھا ''ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو رنگ ونسل کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہو مگر فکر وعمل کے اعتبار سے عیسائیت کے سانچے میں ڈھلی ہو (۳۰) غرض یہ کہ سرکاری اسکول کالج ایسے کارخانے تھے، جس میں الحاد

عیسائیت اور لادینیت کے سانچے میں ڈھل کر قوم کے نونہال نکلتے تھے۔

برطانیہ کی اس تعلیمی پالیسی کو ناکام کرنے کے لئے غیور خوددار اور دوراندیش علماء نے چندہ والے عوامی مدارس ومکاتب کی تحریک شروع کی اور اپنی بے سروسامانی کے باوجود جم کر مقابلہ کیا، عام اسکولوں اور کالجوں سے زیادہ مضر اور خطرناک مشنری اسکول تھے جو خالص عیسائیت کی تبلیغ واشاعت کے لئے قائم کئے گئے، سرسید مرحوم جو ہمیشہ انگریزوں کے وفادار رہے وہ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے۔

''مشنری اسکول بہت جاری ہوئے اور ان میں مذہبی تعلیم شروع ہوئی، سب لوگ کہتے تھے کہ سرکار کی طرف سے بعض اضلاع میں بہت بڑے بڑے عالی قدر حکام متعہد ان اسکولوں میں جاتے تھے کہ اور لوگوں کو اس میں داخل ہونے کی ترغیب دیتے تھے، امتحان مذہبی کتابوں میں لیا جاتا تھا اور طالب علموں میں سے جولڑکے کم عمر ہوتے تھے پوچھا جاتا تھا کہ تمہارا خدا کون؟ تمہارا نجات دینے والا کون؟ اور وہ عیسائی مذہب کے مطابق جواب دیتے تھے، اس پر ان کو انعام ملتا تھا، ان سب باتوں سے رعایا کا دل ہماری گورنمنٹ سے پھرتا جاتا تھا۔ (۳۱)

علماء امت نے مشنری اسکولوں کی شدت سے مخالف کی، قوم کو اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا، شرعی نقطۂ نگاہ سے ایسے اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کی حرمت کا فتویٰ شائع کیا اور ہزاروں لاکھوں قوم کے ہونہار بچوں کو آگ کے اس الاؤ سے بچالیا، جس میں کودنے سے ایمان واسلام کی متاع گرانمایہ خاکستر ہوجاتی ہے، تحریک مدارس کے دوسرے علمبرداروں کی طرح حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی بھی مشنری اسکولوں کو قوم وملت کے لئے زہر قاتل سمجھتے تھے، ان اسکولوں سے مولانا کی بے پناہ نفرت کا اندازہ ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے، مولانا محمد سعید صاحب مولانا کیرانوی کے بڑے بھائی حکیم علی اکبر صاحب کے پوتے تھے اور جناب محمد صدیق کے بیٹے، جناب محمد صدیق صاحب نے مولانا محمد سعید صاحب کو ایک مشن اسکول میں داخل کردیا تھا، اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا امداد صابری لکھتے ہیں: ''جب اس بات کا علم مولانا رحمت اللہ صاحب کو ہوا تو ان کو بہت رنج اور افسوس ہوا کہ مسلمانوں کے جن دشمنوں کے خلاف میں نے آواز اٹھائی اور ان کی شیطنت ومکاری سے مسلمانوں کو آگاہ کیا اور ان کے زہریلے جراثیم سے بچنے کی تلقین کی اور جس کی بدولت مجھ کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا، آج میرے ہی خاندان کا بچہ ان سے تعلق جوڑے ہوئے ہے اور ان کی خطرناک ومہلک تعلیم پا رہا ہے''۔

چنانچہ مولانا رحمت اللہ صاحب نے فوراً اپنے خاندان کے ہر ایک بزرگ کو علیحدہ علیحدہ چٹھیاں روانہ کیں اور سختی کے ساتھ تحریر فرمایا کہ فوراً محمد سعید کو مشن اسکول سے نکال کر مکہ معظمہ روانہ کیا جائے، آپ کے والد محمد صدیق صاحب تو جھجکے لیکن ان کی والدہ مولانا کے حکم کی تعمیل پر تیار ہوگئیں، انہوں نے کہا کہ ''ایسے بزرگ کی شفقت اور ایسا مقدس مقام لوگوں کو کہاں نصیب ہوتا ہے، میں محمد سعید کو مولانا کی خدمت میں ضرور بھیجوں گی''، چنانچہ اس وقت مولانا محمد سعید صاحب کی عمر بارہ سال تھی جب آپ کو مکہ معظمہ روانہ کیا گیا تھا''۔

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے تلامذہ میں بھی سرکاری مدارس، کالج خصوصاً مشنری اسکولوں کے خلاف بے پناہ نفرت کا جذبہ موجود تھا، صرف مولانا شرف الحق صدیقی دہلوی کو لے لیجئے انہوں نے اپنی پوری زندگی پادریوں سے مناظرہ، ان کے فریب کی پردہ دری اور مسلمانوں کو ان کے مضر اثرات سے بچانے میں صرف کردی، جو مسلمان بچے مشن اسکولوں میں داخل ہوجاتے مولانا اشرف الحق صاحب انہیں پادریوں کے چنگل سے دلانے کی پوری کوشش کرتے، اپنے روزنامچے میں ایک جگہ لکھتے ہیں، ''۱۸؍جون، آج ہی لڑکوں کو مدرسے سے جدا کرنے کی کوشش کی گئی جو مدرسہ مشن میں شریک ہیں، بفضلہ کئی لڑکے جدا ہوگئے، بعد نماز عصر وعظ رد نصاری ہوا، عصر کی نماز کے بعد سموئل میری شکل دیکھ کر بھاگ گیا، عیسائی تعلیم سے نفرت دلائی گئی، سب نے اقرار کیا کہ ہرگز مدد نہ دیں گے''۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ آزادی کے بعد بھی ملک میں عیسائیوں کے مشن اسکول قائم ہیں، بلکہ ان کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے، اور مقبولیت میں بھی، اصحاب دولت وثروت بہت ذوق شوق کے ساتھ بڑی بڑی فیس دے کر مشن اسکولوں اور کالجوں میں اپنے جگر گوشوں کو داخل کررہے ہیں، انہیں اس کی کوئی فکر نہیں کہ ان کی متاع ایمان نذر کلیسا ہورہی ہے، ایسا کیوں ہورہا ہے کچھ تو مسلم اسکولوں کالجوں کے ناقص نصاب ونظام کی وجہ سے اور کچھ اپنی احساس کمتری سے ہندوستان ہی تک یہ بات محدود نہیں، بہت سے مسلم ممالک کا ہندوستان سے بدتر حال ہے، یہ صورت حال بڑی دلگداز اور المناک ہے اور مسلم دانشوروں کے لئے لمحہ فکریہ۔

مدرسہ صولتیہ کی شاخیں

ہندوستان میں اکابر دیوبند تحریک مدارس کی داغ بیل ڈال کر ملک کے چپہ چپہ پر

مدارس دینیہ، مکاتب اسلامیہ قائم کرنے میں مصروف تھے، تقریباً یہی تحریک مرکز اسلام مکہ مکرمہ میں مجاہد اعظم علامہ رحمت اللہ کیرانوی کے ہاتھوں پروان چڑھی، مولانا کیرانویؒ نے سوچا کہ اس وقت چونکہ تمام اسلامی ممالک یکساں مشکلات ومصائب سے دوچار ہےاور تحریک مدارس اس دور کا بڑی حد تک مداوا ہےس لئے مرکز اسلام میں اس تحریک کوفروغ دیا جائے، کیونکہ جڑ کوسیراب کرنے سے شاخیں خود بہ خود شاداب ہوتی ہیں، مرکز اسلام میں اگراس تحریک کی جڑیں مضبوط ہوگئیں تو اس کی شعاعیں ممالک اسلامیہ کے گوشے گوشے کومنور کردیں گی، مدرسہ صولتیہ قائم کرنے کے بعداپنے شاگردوں اور متعلقین کے ذریعہ دوسرے مدارس قائم کرنے کی کوشش کی۔

مدرسہ صولتیہ کی ایک شاخ کا تذکرہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے حضرت حکیم الامت تھانوی کے نام پر اپنے ایک مکتوب میں کیا ہے، وہ لکھتے ہیں ''اکثر احباب یہ دریافت فرماتے ہیں کہ عزیزم مولوی قاری احمد مکی صاحب کا مدرسہ کس قسم کا ہے، اس لئے واسطے اطلاع لوگوں کے یہ تحریر لکھی گئی، یہ مدرسہ۔۔۔۔ جناب مولوی رحمت اللہ صاحب کی شاخ ہے، جناب مولانا مرحوم کی ہمت وتوجہ سے یہ مدرسہ قائم ہوا اور اس کا اہتمام قاری حافظ احمد مکی صاحب موصوف کے ذمہ ہوا، اس میں علوم دینیات پڑھائی جاتی ہیں، لیکن مدرسہ میں مولانا مرحوم کی زیادہ تر توجہ تجوید وحفظ قرآن کی طرف ہے، کیونکہ علم تجوید کا رواج بہت کم ہوگیا ہے۔۔۔۔قاری حافظ احمد مکی کا مدرسہ محلہ جہاد میں ہے، پینسٹھ طلبہ بالفعل عرب، ترک، ہندی وغیرہ مختلف قوموں کے پڑھتے ہیں۔

مولانا کیرانویؒ کے شاگردرشید مولاعبدالخالق صاحب مرحوم اسلام آبادی مہاجر مکہ معظمہ نے ۱۳۰۴ھ میں مکہ کے محلہ مسفلہ میں دارالفائزین کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا اوراسے تاحیات خوش اسلوبی سے چلاتے رہے، مولانا محمد سلیم صاحب کے دور نظامت میں یہ مدرسہ باضابطہ مدرسہ صولتیہ سے متعلق ہوگیا، حضرت مولانا محمد سعید صاحب، مولانا محمد سلیم صاحب رحمہا اللہ نے اپنے اپنے دور میں مکہ معظمہ میں بہت سے مدارس قائم کئے، حجاز سے باہر دوسرے ممالک میں بھی مدرسہ صولتیہ کے اثر سے مدارس قائم ہوتے رہے، صرف جاوا، سماترا میں مدرسہ صولتیہ کے فضلاء نے جو قابل تحسین تعلیمی خدمات انجام دیں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا محمد سعید صاحب لکھتے ہیں: ''مدرسہ کے قدیم طلباء نے ملک جاوا کے مختلف حصص میں پہنچ کر مسلمانان جاواوسماترا کے جمود میں خاص حرکت پیدا کردی، آج ان کی ہمت سے مختلف علمی تحریکیں اور متعدد

مدارس اعلیٰ پیمانہ پر جاری اور قائم ہوگئے، جن میں دینی اور دنیوی تعلیم کا بہترین انتظام ہے، مدارس کے علاوہ کئی مفید اور کارآمد جماعتیں، انجمنیں ملک میں قائم ہیں''۔

مدرسہ صولتیہ اور دارالعلوم دیوبند

ہندوستان میں حریک مدارس کی باگ ڈور جن بزرگوں کے ہاتھوں مین تھی ان سب سے مولانا کیرانوی کے خوشگوار مخلصانہ تعلقات تھے۔ مولانا کیرانوی کی طرح مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی (قدس اسرارھم) بھی میخانۂ شاہ عبدالغنی کے جرعہ نوش تھے جہاد آزادی کے لئے جو منصوبہ تیار ہوا اس میں حاجی امداداللہ صاحب، مولانا نانوتوی صاحب وغیرہ کے علاوہ مولانا کیرانوی برابر کے شریک رہے۔ بانیان دارالعلوم دیوبند کے روحانی پیشوا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور مولانا کیرانوی میں عزیزانہ، دوستانہ تعلقات تھے مکہ پہنچنے کے بعد دونوں یک جان دو قالب ہوگئے۔ مولانا امداد صابری لکھتے ہیں۔''مدرسہ صولتیہ کو ترقی دینے میں یقیناً مولانا رحمت اللہ صاحب کا بہت بڑا ہاتھ تھا اور وہی اسکے بانی تھے، لیکن اس کے بعد حاجی امداداللہ صاحب کا دوسرا درجہ تھا۔ مولانا رحمت اللہ صاحب ان سے مدرسہ کے ہر کام میں مشورہ لیتے تھے اور حضرت حاجی امداداللہ صاحب بھی مدرسہ کی کامیابی کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اور چاہتے تھے جو بھی ہندوستان سے آئے وہ اس مدرسہ میں داخل ہو اور ہندوستان کے علمی طبقہ سے رجوع کرتے تھے کہ وہ بھی اس مدرسہ مین ہندوستان کے لوگوں کو تعلیم کیلئے روانہ کریں۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب کی وفات کے بعد حاجی صاحب قدس سرہ کی خواہش ہوئی کہ ان کے صاحبزادے مولانا محمد احمد صاحب کو مکہ بلا کر تعلیم کی غرض سے مولانا رحمت اللہ صاحب کی خدمت میں رکھیں۔ چنانچہ حاجی صاحب مولانا رفیع الدین صاحب کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں ''فقیر چاہتا ہے کہ برخوردار احمد کو یعنی فرزند عزیز مرحوم کو اپنے پاس بلا کر رکھوں اور یہاں مدرسہ مین مولانا مولوی رحمت اللہ کی خدمت میں تحصیل علم کرے اور جب تک فقیر جئے اس سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھے، مگر اس کی والدہ شاید جدائی گوارا نہ رکھیں۔ فقیر کو اس کی خاطر بھی منظور ہے اس واسطے اس امر میں سکوت کیا۔''

خلیفۃ المسلمین کی دعوت پر جب مولانا کیرانوی قسطنطنیہ کے لئے روانہ ہوئے تو انہوں نے حاجی صاحب سے کہا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں سلطان کی خدمت میں باریابی کے وقت آپ کا تذکرہ کروں، آپ نے فرمایا اس سے کیا ہوگا؟ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ مجھے

استانبول میں طلب کرلیں گے، بیت اللہ سے دور ہونا اور قصر سلطانی سے قریب ہونا مجھے منظور نہیں، البتہ روایات میں آیا ہے کہ سلطان عادل کی دعا قبول ہوتی ہے اور آپ ان کی تعریف میں کہتے ہیں کہ وہ عادل ہیں تو یہ ہوسکتا کہ آپ میرے لئے ان سے دعا کریں، مگر ایک عظیم المرتبت شہنشاہ سے یہ کہنا کہ ایک فقیر بے نوا کے لئے دعا کردے آداب شاہی کے خلاف ہے، اس لئے آپ ان سے میرا سلام کہدیں، وہ جواب میں ''وعلیکم السلام'' ضرور کہیں گے بس یہ دعا ہو جائے گی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو مولانا کیرانوی علیہ الرحمہ کس نگاہ سے دیکھتے تھے اس کا اندازہ اس سند کے چند جملوں سے ہو جائے گا جو مولانا کیرانوی کی طرف سے مولانا شرف الحق صدیقی کو دی گئی، مولانا شرف الحق صاحب نے تمام علوم وفنون کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی، دورۂ حدیث کی کتابیں گنگوہ حاضر ہوکر حضرت گنگوہی سے پڑھیں، اس کے بعد فن مناظرہ میں کمال حاصل کرنے کے لئے حضرت مولانا کیرانوی کی خدمت میں مکہ میں تین ماہ شب وروز حاضر رہے، مولانا کیرانوی نے انہیں کتب ردنصاریٰ اور مناظرہ کی تحریری اجازت مرحمت فرمائی، اس کے چند جملے یہ ہیں''۔

''مجھ جیسا شخص اہل عرفان کی موجودگی میں اس قابل نہیں کہ اس سے اجازت کا سوال کیا جائے، پھر یہ کہ وہ علماء اور مشاہیر وفضلاء کی اجازت سے پہلے ہی آراستہ پیراستہ ہیں اور ان کے علوم کے سائے میں پناہ گزیں، اور ان کے لطائف کے پھولوں کو چنے ہوئے ہیں، خاص کر دو صاحبان علم وفضل اور موجزن سمندر ہیں اور علم ظاہر وباطن کے جامع ہیں، اور جن کی شہرت نیکنامی کے ساتھ ہر ملک میں ضرب المثل ہے یعنی حضرت فقیہ ومحدث قاری ومولیٰ عبدالرحمٰن اور حضرت فقیہ ومحدث مولوی رشید احمد''(۳۲)

وفات

اسلام ومسلمانوں کی گوناگوں علمی وعملی خدمات کے بعد اس مجاہد فی سبیل اللہ نے پچھتر سال کی عمر میں جمعہ کے دن ۲۲/رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ کو وفات پائی اور حرم محترم کی مقدس سرزمین میں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جنت المعلی میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار میں صدیقین وشہداء کے قریب آپ کا مزار ہے، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے علاوہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اور مولانا عبدالحق صاحب شیخ الدلائل، مصنف اکلیل شرح مدارک التنزیل بطور خاص قابل ذکر ہیں۔(۳۳)

حواشی

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات'' مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

(۲) تفصیل حسب ذیل کتابوں میں دیکھیں سید احمد شہید، جماعت مجاہدین، سرگزشت مجاہدین مرتبہ غلام رسول مہر سیرت سید احمد شہید مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

(۳) بانی دار العلوم مرتبہ مولانا محمد سرفراز، ص:۱۹۔۲۰ علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ص:۲۶۔۲۷، ج:۱ مرتبہ مولانا محمد میاں صاحب۔

(۴) تاریخ صحافت اردو جلد سوم ص:۳۹۔۱۳۸ مرتبہ مولانا امداد صابری۔

(۵) یہ حالات آثار رحمت سے لئے گئے ہیں۔

(۶) مقدمہ ''بائیبل سے قرآن تک'' جلد اول ۲۳۔۲۴ مرتبہ مولانا تقی عثمانی۔

(۷) نداء عام ۷ ۱۳۵ھ ص:۱۸ مرتبہ مولانا محمد سعید صاحب، آثار رحمت ص:۳۸۳ مرتبہ مولانا امداد صابری۔

(۸) مناظرہ کی یہ کیفیت علماء حق حصہ اول اور نداء عام ۷ ۱۳۵ھ سے نقل کی گئی ہے کہ مناظرہ صرف دو روز ہو سکا، تیسرے روز پادری فنڈر غائب تھا، اس شکست کے بعد بھی کچھ دنوں ہندوستان میں رہا، مولانا رحمت اللہ صاحب اور ڈاکٹر وزیر خاں سے اس کی خط وکتابت بھی ہوئی ملاحظہ ہو۔ آثار رحمت ص:۱۴۱ تا ۱۶۱ اور مقدمہ بائبل سے قرآن تک ص:۱۸۶ تا ۱۹۶

(۹) اثار رحمت، س:۲۱۸ تا ۲۲۱

(۱۰) نظامی صاحب سے سہو ہو گیا ہے مولانا کے والد کا نام خلیل اللہ تھا، دادا کا نام نجیب اللہ تھا۔ ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ص:۱۴۵، ج:۸ مرتبہ مولانا سید عبدالحی الحسنی۔

(۱۱) ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ص:۱۹۲ ترجمہ وتحقیق پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

(۱۲) آثار رحمت، ص:۲۵۱۔

(۱۳) بیس بڑے مسلمان، ص:۹۵ مرتبہ عبدالرشید ارشد۔

(۱۴) نداء عام ۷ ۱۳۵ھ ص:۴۴۔

(۱۵) تاریخ دار العلوم، ص:۱۴۷، ج:۱ مرتبہ سید محبوب رضوی
(۱۶) آثار رحمت، ص:۳۳۳
(۱۷) تاریخ دار العلوم، ص:۱۵۵، ج:۱۔
(۱۸) آثار رحمت، ص:۱۲۹۰ اقوال الصالحین ص:۱
(۱۹) ندائے عام ۱۳۵۷ھ، ص:۲۲ تا ۲۴
(۲۰) ماہنامہ ندائے حرم محرم الحرام ۱۳۷۱ھ، ص:۷۔
(۲۱) ندائے عام ۱۳۵۷ھ، ص:۴۴۔۴۵
(۲۲) آثار رحمت، ص:۱۰۸
(۲۳) آثار رحمت، ص:۱۰۶۔
(۲۴) نداء عام ۱۳۵۷ھ، ص:۴۵ تا ۴۸
(۲۵) تاریخ صحافت اردو، ص:۶۷۴۔۶۷۵، ج:۳
(۲۶) ''مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ، عرض حال'' مرتبہ مولانا محمد سلیم صاحب، ص:۹۔۱۰
(۲۷) مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ، عرض حال، ص:۲۱
(۲۸) الرشید دار العلوم نمبر، ص:۳۵۶۔
(۲۹) الرشید دار العلوم نمبر ص:۳۵۶
(۳۰) اسباب بغاوت ہند، سر سید احمد خان، ص:۱۰۶
(۳۱) اسباب بغاوت ہند، سر سید احمد خاں، ص:۱۰۶
(۳۲) آثار رحمت، ص:۱۰۵
(۳۳) دہلی کی یادگار ہستیاں، ص:۲۷۰، مرتبہ مولانا امداد صابری

عیسائی مشنریز کی سرگرمیاں
اور مسلمان
جائزہ - مشورے - گذارشیں

عتیق احمد قاسمی بستوی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمان الرحیم

عیسائی مشنریز کی سرگرمیاں اور مسلمان

جائزہ-مشورے-گذارشیں

کشمیر کے ایک معروف عالم دین ایک روز دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف لائے، انھوں نے میرے گھر آنے کی زحمت کی، تھوڑی دیر ساتھ رہے، انہوں نے بتایا کہ کشمیر میں عیسائی مشنریز بہت سرگرم ہیں، رفاہ عام اور خدمت خلق کے ذریعہ مشنریز مسلم نوجوانوں کو اپنا شکار بنارہی ہیں اور انہیں باقاعدہ عیسائیت میں داخل کررہی ہیں۔

لیپ ٹاپ ان کے ساتھ تھا انہوں نے اپنا لیپ ٹاپ کھول کر یہ ایمان سوز منظر دکھایا کہ کشمیر کے ایک گرجا میں اتوار کے روز دو پادری مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کو بپتسمہ کی رسم ادا کرا کے عیسائیت میں داخل کررہے ہیں ایک چھوٹی سی حوض نما جگہ میں انہیں ڈبکی دلوائی جاتی ہے۔ اور یسوع مسیح سے وفاداری کا حلف دلایا جاتا ہے، موصوف کی رپورٹ کے مطابق کشمیر کے مختلف گرجا گھروں میں اتوار کو اس طرح کے پروگرام ہوتے ہیں۔ لیپ ٹاپ سے جو منظر انہوں نے دکھایا اس میں دس سے زیادہ افراد کو داخل مسیحیت کیا گیا۔

عیسائی مشنریز اور مغربی استعمار

عیسائی مشنریز کی دعوتی سرگرمیاں کئی صدیوں سے جاری ہیں، ایشیا اور افریقہ میں ان کی آمد مغربی سامراج کے ساتھ ہوئی ہے۔ یورپ کے جن عیسائی ممالک نے ایشیا اور افریقہ کے مختلف ممالک کو فتح کیا، انہیں اپنی نوآبادیوں میں شامل کیا انہوں نے اپنی سرپرستی اور بھرپور مدد سے عیسائی مشنریز کو دعوتی کاموں کے زبردست مواقع فراہم کیے، ان کے لئے موافق ماحول پیدا کیا اور ان کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کیا، اس سلسلے میں کسی عیسائی ملک کا استثناء نہیں کیا جاسکتا۔

برطانیہ، فرانس، جرمنی، روس، ہالینڈ، پرتگال، اسپین، ہنگری وغیرہ تمام استعماری ممالک نے اپنے مفتوحہ ممالک اور نوآبادیات میں عیسائی مشنریز کو ہر طرح کے مالی اور افرادی وسائل فراہم کئے، ان کی ہمت افزائی کی اور پوری سخاوت کے ساتھ ان کے لئے بجٹ فراہم کئے۔

تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ استعمار اور استبشار (مسیحی دعوتی سرگرمیاں) میں چولی دامن کا ساتھ رہا ہے، ہر ایک نے دوسرے کو سہارا دیا ہے اور ایک دوسرے کو پھلنے اور پنپنے میں زبردست مدد کی ہے، مغرب کی قیادت امریکہ کے ہاتھ میں آنے کے بعد امریکہ بھی عیسائی مشنریز کی حمایت میں کسی سے پیچھے نہیں رہا۔

یورپ کے فاتح سلاطین اور حکمراں ملکی فتوحات کے ساتھ مذہبی فتوحات کا بھی غیر معمولی جذبہ رکھتے تھے، اسی لئے عسکری افواج کے ساتھ مشنری فوجیں بھی ان کے جلو میں آتی تھیں، عیسائی پادری ان کے مفتوحہ ملکوں میں کھلم کھلا عیسائیت کی دعوت دیتے تھے، اور دوسرے مذاہب خصوصاً اسلام پر اعتراضات کرتے۔ مسلمان علماء اور عوام کو مناظرے کا چیلنج کرتے۔

ہندوستان اور مشنری سرگرمیاں

ہندوستان میں انگریزوں کے دور اقتدار میں پادری فنڈر اور اس کے ساتھیوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ میزان الحق اور اس طرح کی دوسری کتابیں لکھ کر ان لوگوں نے برملا مسلمانوں کو مناظرے کا چیلنج دے رکھا تھا اور یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی تھی کہ مسلمان علماء ہمارے سوالات اور اعتراضات کا جواب دینے سے قاصر ہیں، لہذا مذہب حق اسلام نہیں بلکہ عیسائیت ہے، اس وقت اللہ تعالی نے اسلام کی نصرت کے لئے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ان کے رفقاء (خصوصاً ڈاکٹر وزیر خاں) کو کھڑا کیا، مولانا نے اکبر آباد کے دو مناظروں میں پادری فنڈر کو شکست فاش دی۔ اور اپنی گراں قدر تصنیفات (ازالۃ الشکوک، ازالۃ الاوھام، اظہار الحق، اعجاز عیسوی وغیرہ) کے ذریعہ علم واستدلال کی سطح پر اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کے بطلان کو اس طرح ثابت کیا کہ عیسائی پادری علم واستدلال کے میدان میں کھڑے رہنے کے لائق نہیں رہ گئے، مولانا حالیؒ حیات جاوید میں لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں اسلام تین خطروں میں گھیرا ہوا تھا، ایک طرف مشنری اس کی گھات

میں لگے ہوئے تھے، اگر چہ قحط کے دوروں میں ان کو دبلا پتلا شکار پیٹ بھراؤ مل جاتا تھا، مگر وہ اس پر قانع نہ تھے، اور ہمیشہ صید فربہ کی تلاش میں رہتے تھے۔

پہلا خطرہ: ہندوستان میں سب سے زیادہ ان کا دانت مسلمانوں پر تھا، اور اس لئے ان کی منادیوں میں، ان کے اخباروں میں اور ان کے رسالوں میں زیادہ تر بوچھاڑ اسلام پر ہوتی تھی، اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے، بانی اسلام کے اخلاق وعادات پر انواع واقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے، چنانچہ بہت سے مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر افلاس کے سبب ان کے دام میں آگئے، اس خطرہ سے بلاشبہ بعض علماء اسلام (شکر اللہ مساعیہم) جیسے مولانا رحمت اللہ مرحوم اور مولوی حسن اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ متنبہ ہوئے، انہوں نے متعدد کتابیں عیسائیوں کے مقابلہ میں لکھیں، اور ان سے بالمشافہ مناظرے کئے جس سے یقیناً مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا، لیکن اس کا اثر مسلمانوں ہی تک محدود رہا، عیسائیوں کی غلط فہمیاں جو اسلام کی نسبت قدیم سے چلی آتی تھیں، وہ بدستور قائم رہیں"۔

(حیات جاوید، ص:۴۱۴۔ ترقی اردو بیورو نئی دہلی۔ دوسرا ایڈیشن: ۱۹۸۲ء)

علامہ سید سلیمانؒ ندوی حیات شبلی میں لکھتے ہیں:

"انگریزوں کے برسرِ عروج آتے ہی تین طرف سے حملوں کا آغاز ہوا، عیسائی مشنریز نے اپنی نئی سیاسی طاقت کے بل بوتے پر اسلام کے قلعہ رو پر حملے شروع کردئے، دوسری طرف ہندوؤں میں آریہ تحریک نے اپنے سابق مسلمان حکمرانوں سے نجات پاکر ان پر حملہ کی جرأت پائی، اور سب سے آخر میں یوروپین علوم وفنون وتمدن کی ظاہری چمک دمک مسلمانوں کی آنکھ کو خیرہ کرنے لگی خدا نے عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی، ڈاکٹر وزیر خاں صاحب (آگرہ) اور اس کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (بانی دارالعلوم دیوبند)، مولانا رحم علی صاحب منگلوری، مولانا عنایت رسول صاحب چریاکوٹی، مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری (سابق ناظم ندوۃ العلماء) وغیرہ اشخاص پیدا کئے جنہوں نے عیسائیوں کے تمام اعتراضات کے پرزے اڑادئے، اور خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خان صاحب اور مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کا وجود تو ردّ عیسائیت کے باب میں تائید غیبی سے کم

نہیں، اور کون باور کرسکتا تھا کہ اس وقت میں پادری فنڈر کے مقابلہ کے لئے ڈاکٹر وزیر خان جیسا آدمی پیدا ہوگا، جو عیسائیوں کے تمام اسرار کا واقف اور ان کی مذہبی تصنیفات کا ماہر کامل، اور عبرانی ویونانی کا ایسا واقف ہوگا، جو عیسائیوں کو خود انہی کی تصنیفات سے ملزم ٹھہرائے گا، اور مولانا رحمت اللہ صاحب کے ساتھ مل کر اسلام کی حفاظت کا ناقابل شکست قلعہ دم کے دم میں کھڑا کردے گا۔ (حیات شبلی ص:۱۵)

عیسائی مشنریز کا نیا طریقہ کار

عیسائی مشنریز کے ذمہ داران کو بہت پہلے سے اس بات کا احساس ہوگیا کہ مناظروں کے ذریعہ انہیں زیادہ کامیابی نہیں مل رہی ہے بلکہ مناظرے ان کے کاز کیلئے نقصان دہ ثابت ہورہے ہیں، اس لئے انہوں نے طے کیا کہ مناظرہ اور بحث واستدلال سے گریز کیا جائے اور اپنے تمام وسائل اور توانائیاں تعلیم، رفاہی، سماجی اور طبی خدمات پر صرف کی جائیں۔

تعلیم کی راہ سے عیسائیت کا فروغ

تعلیم ذہن سازی کا بنیادی ذریعہ ہے، تعلیم کے ذریعہ ذہنوں کو بنایا اور بگاڑا جاتا ہے، خصوصاً ابتدائی بنیادی تعلیم بچوں کا ذہنی سانچہ تیار کرتی ہے اور نسل نو کی تعمیر یا تخریب میں بنیادی رول ادا کرتی ہے۔

اکبرالہ آبادی مرحوم نے اپنے مخصوص انداز میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا　　افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

علامہ اقبال مرحوم نے دوسرے انداز میں تعلیم کی اس اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر　　لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم　　کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما　　لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ
سینے میں رہے راز ملوکانہ تو بہتر　　کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو　　ہوجائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب　　سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

مشنری اسکول

عیسائی مشنریز اور گرجاؤں نے پوری دنیا میں تعلیمی اداروں کا جال پھیلا دیا اور اپنے تعلیمی اداروں میں معیار تعلیم بلند کرنے پر خصوصی توجہ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر مذہب اور قوم کے لوگ مسیحی تعلیم اداروں میں اپنے بچوں اور بچیوں کو داخل کرانا کامیابی کی کنجی سمجھنے لگے، اور یہ ادارے سو فیصد کامیاب سمجھے جانے لگے، مشنریز اسکولوں میں بڑی خاموشی اور حکمت سے یسوع مسیح اور عیسائی مذہب کی عظمت اور حقانیت معصوم بچوں کے دل و دماغ میں پلا دی جاتی ہے، ان اسکولوں کے ذریعہ عیسائیت کے فروغ واشاعت کا کام بڑے پیانے پر انجام پا رہا ہے، بلا مبالغہ ان اسکولوں کے ذریعہ سالانہ ہر ملک میں ہزاروں بچے بچیاں عیسائیت کی گود میں جا رہے ہیں اور عیسائیوں کی مردم شماری بڑھ رہی ہے، خصوصاً افریقہ اور ایشیا میں۔

پسماندہ علاقوں میں عیسائیوں کے تعلیمی ادارے

عیسائیوں کے مشنری اسکول اور کالجز ایسے دور افتادہ، پسماندہ علاقوں میں بھی ہیں جہاں تعلیمی ادارے قائم کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پہاڑی اور قبائلی علاقوں میں بھی ان کے تعلیمی ادارے اپنا کام کر رہے ہیں۔ غریب اور پسماندہ علاقوں میں جہاں بچوں کی تعلیم پر مال خرچ کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی یا تعلیم کا رجحان مفقود ہوتا ہے۔ مشنری اسکولس مفت تعلیم کا بھی بندوبست کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات تعلیم کا رجحان پیدا کرنے کیلئے تعلیمی وظائف کا بھی نظم کرتے ہیں۔

رفاہی اور طبی خدمات اور عیسائی مشنریز

عیسائی مشنریز اور کلیساؤں نے سماجی، رفاہی اور طبی خدمات کو بھی اپنے مذہب کی اشاعت کا بڑا ذریعہ بنایا ہے، آسمانی آفات (سیلاب، زلزلہ، وغیرہ) کے موقع پر ان کی سماجی اور رفاہی تنظیمیں بڑی دریادلی سے آفت رسیدہ لوگوں کی مدد کرتی ہیں، ان کی ضروریات مہیا کرنے اور ان کی آبادکاری پر بے دریغ صرف کرتی ہیں۔ مختلف ممالک کے درمیان جنگوں کے موقع پر ترک وطن کرنے والوں کی راحت رسانی، آبادکاری نیز زخمیوں کے علاج و معالجہ میں عیسائی مشنریز اور ان کی ذیلی تنظیمیں پیش پیش رہتی ہیں۔ اکثر ممالک اور علاقوں میں مشنریز کے اسپتال اور طبی مراکز موجود ہیں

جہاں بلا تفریق مذہب وملت مریضوں کا علاج ہوتا ہے، اور غریب مریضوں کا مفت علاج ہوتا ہے، ان سماجی رفاہی اور طبی خدمات کے ذریعہ عیسائی مشنریز لاکھوں انسانوں کا دل جیت لیتی ہیں، اور جو لوگ ان کی رفاہی اور طبی خدمات سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں وہ ان کے اسیر ہو جاتے ہیں، ان میں ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی بھی ہوتی ہے، بہت سے جاہل اور مفلوک الحال مسلمان جنہیں دین وایمان کی خبر نہیں ہوتی ایمان واسلام کی بیش بہا دولت گنوا کر عیسائیت کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور متاع ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں (اعاذ نا اللہ من ذلک)

ایک نا قابل فراموش واقعہ

اس سلسلے میں میں اس واقعہ کو کبھی نہیں بھول پاتا جو میرے ساتھ ۲۰۰۸ء میں امریکہ میں پیش آیا، امریکہ کے ایک سفر میں عیسائیوں کے کچھ کلیساؤں، عیسائی مشنریز کی رفاہی اور سماجی تنظیموں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، امریکہ کے مشہور شہر ڈنور میں ایک رفاہی تنظیم کے آفس میں گئے، ان لوگوں نے ایک مختصر پروگرام کر کے اپنی فلاحی اور رفاہی سرگرمیوں سے واقف کرایا، انہوں نے اپنا ایک اہم کام یہ بھی ذکر کیا کہ ہم لوگوں نے صومالیہ کے بہت سے لوگوں کو جو وہاں کی خانہ جنگی کی وجہ سے اجڑ گئے تھے اور اسباب معاش سے محروم تھے صومالیہ سے نکال کر امریکہ پہنچایا ہے اور انھیں امریکہ میں آباد کر دیا ہے، انھیں امریکی شہریت دلانے کی کوشش ہو رہی ہے، چند صومالیوں سے اس پروگرام میں مختصراً بیان بھی کروایا کہ ہم لوگ صومالیہ میں کتنے خطرناک حالات کے شکار تھے، اور مشنریز کے لوگوں نے کس طرح ہماری مدد کی اور ہمیں موت کے منہ سے نکالا۔

پروگرام ختم ہونے کے بعد چائے کا دور چل رہا تھا اور حاضرین ایک دوسرے سے متعارف ہو رہے تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے، اسی اثناء میں ایک صومالی نوجوان میرے پاس آیا اس نے مجھے سلام کیا اور فصیح عربی میں بات کرنی شروع کی، اس کی گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ واقعی خانہ جنگی کی وجہ سے ہمارے ملک کے حالات ایسے بر تر ہو گئے تھے کہ وہاں رہنا ہمارے لئے ممکن نہ رہا تھا اور اس رفاہی تنظیم نے بر وقت ہماری مدد کر کے ہمیں امریکہ پہنچایا اور یہاں ہمیں آباد کرنے کی پوری فکر کر رہے ہیں، بلا شبہ ان لوگوں کا ہم پر بڑا احسان ہے۔

پھر اس نوجوان نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ: شیخ میں جامعۃ الازھر کی کلیۃ الشریعۃ کا فارغ ہوں، مجھے ایمان کی قدر و قیمت معلوم ہے، اس لئے مجھے اپنے بارے میں خطرہ نہیں ہے لیکن ہمارے ساتھ جو دوسرے نوجوان امریکہ آئے ہیں ان میں سے بہت سے لوگ دین و ایمان سے بڑی حد تک ناواقف ہیں، وہ لوگ عیسائیوں کے اس کردار سے حد درجہ متاثر ہیں ، مجھے ان کے ایمان کے بارے میں خطرہ ہے، آپ دعا فرمائیں کہ ان کا ایمان محفوظ رہے۔

ان جملوں کو ادا کرتے وقت نوجوان کی آنکھیں اشک آلود تھیں، اس کے چہرے سے فکر و تشویش کی لکیریں واضح تھیں، میں نے اس نوجوان کو تسلی دی اور کہا کہ اللہ تعالی سے مجھے پوری امید ہے کہ آپ کی اس فکر مندی کی برکت سے انشاء اللہ آپ کے ساتھیوں کا ایمان محفوظ رہے گا اور میں ان کے ایمان کی حفاظت کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔

اس واقعہ نے میرے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا اور میں سوچنے لگا کہ خدا جانے کہ حالات کے مارے ہوئے فقر و فاقہ کے شکار کتنے مسلمان پوری دنیا میں عیسائی مشنریوں کے ہاتھوں اپنا سرمایہ ایمان گنوا رہے ہونگے اور مسلمان علماء، زعماء اور اغنیاء حالات سے بے خبر اپنی اپنی دنیا میں مگن ہیں۔

مسلمانوں میں مشنریز کی چراگاہیں

مسلمانوں میں عیسائی مشنریز اور دوسری غیر مسلم مشنریز کی چراگاہیں دو طبقے ہیں ایک تو فقر و فاقہ کی مار کھارہے پسماندہ مسلمان جن کی خبر گیری اور اعانت سے مسلمان اہل ثروت بالکل غافل ہیں اور انہیں حالات کے رحم و کرم پر یکا و تنہا چھوڑ دیا گیا ہے، ان تک غیر مسلم مشنریز پہنچتی ہیں، ان کے گھاؤ پر مرہم رکھتی ہیں، ان کے لئے ضروریات زندگی اور سہولیات فراہم کرتی ہیں اور ان کا دل جیت لیتی ہیں، اور انتہائی ذہانت اور حکمت سے انہیں اپنے مذہب اور مشن سے قریب کر لیتی ہیں۔ اس طبقہ کی اکثریت عموماً دین و ایمان سے بھی ناواقف ہوتی ہے۔ ایمان کی قدر و قیمت ان کے دل و دماغ میں پیوست نہیں ہوتی بلکہ یہ لوگ عموماً دین کی بنیادی باتوں اور ایمانیات سے بھی نابلد ہوتے ہیں اس لئے غیر مسلم مشنریز کا آسانی کے ساتھ شکار ہو جاتے ہیں اور ایمان کی عظیم دولت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

عیسائی مشنریز کی مسلمانوں میں دوسری چراگاہ ہماری ملت کا وہ طبقہ ہے جو دین وایمان اوران کی قدر و قیمت سے بالکل آشنا ہے، اسے کلمہ طیبہ تک یاد نہیں۔ ایمان کی حقیقت اور تقاضوں سے بے خبر ہے، جن گھروں میں دینی اور ایمانی ماحول نہیں ہے، دین وشریعت کا نہ علم ہے، نہ احترام، ایسے گھروں کے بچے جب مشنری اسکولوں یا لادینی ماحول والے اسکول وکالجز میں تعلیم پاتے ہیں اور اسی ماحول میں پروان چڑھتے ہیں تو کوئی مشن انہیں اپنا شکار بنالیتا ہے، عیسائی مشنریز کو اس سلسلے میں خصوصی تجربہ، مہارت اور چابکدستی حاصل ہے، مشنری اسکولوں کا نصاب ونظام ایسی مہارت اور ذہانت سے ترتیب دیا گیا ہے کہ عیسائی مذہب کی تعلیم وترویج کو اس کا اہم جز بنائے بغیر یسوع مسیح اور عیسائیت کی عظمت وتوقیر وہاں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کے دل ودماغ میں پیوست ہوجاتی ہے اور غیر عیسائی بچے اپنے آبائی مذہب سے دور اور نفور ہوجاتے ہیں، بہت سے بچے اور بچیاں اپنے شوق سے یا ترقیات کی لالچ میں باقاعدہ عیسائی مذہب قبول کرلیتے ہیں۔

اصل کوتاہی ہماری ہے کہ تعلیم اور خدمت خلق جیسے اہم میدانوں کو ہم نے دوسروں کے لئے چھوڑ دیا ہے اور ہماری کوششیں اور کاوشیں چند محدود میدانوں میں سمٹ کر رہ گئی ہیں۔

شیخ الازہر عبدالحلیم محمودؒ کا ایک بصیرت افروز تجزیہ

۱۹۹۹ء میں امریکہ کے ایک سفر میں وہاں کے مشہور شہر نیوجرسی میں ایک مصری عالم شیخ محمد الحائک سے ملاقات ہوئی، وہ نیوجرسی کے ایک بڑے اسلامک سنٹر میں امام وخطیب تھے، ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو رہی، عیسائی مشنریز کی دعوتی سرگرمیوں کا موضوع زیر گفتگو آیا تو انہوں نے ایک عجیب وغریب بات سنائی جس کا یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

شیخ محمد الحائک نے فرمایا کہ ایک دن میرے استاذ شیخ عبدالحلیم محمود (جو بعد میں شیخ الازہر بنے، امام غزالیؒ کے علوم کے بڑے ماہر تھے، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے جشن تعلیمی میں شرکت فرمائی تھی) نے دوران درس ہم طلبہ سے سوال کیا، عزیز طلبہ آج کل تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اخبارات میں اس طرح کی خبریں آتی رہتی کہ اسلام افریقہ میں اپنی کشش اور کمال کی وجہ سے پھیل رہا ہے، اس طرح کی خبریں پڑھ کر آپ لوگوں پر کیا تاثر ہوتا ہے؟ طلبہ نے عرض کیا: ہم

لوگوں کوغیر معمولی خوشی ہوتی ہے،ایسی خبریں پڑھ کرہم لوگ بے پناہ مسرور ہوتے ہیں۔

شیخ نے فرمایا: عزیزو اس طرح کی خبریں مسلمانوں کو سلانے اور انہیں غافل کرنے کیلئے دی جاتی ہیں تا کہ مسلمانوں کا یہ ذہن بنے کہ ہمیں اسلام کی دعوت واشاعت کے لئے کسی خاص محنت اور کوشش کی ضرورت نہیں ہے، اسلام تو خود اپنی خوبیوں کی وجہ سے تیزی سے پھیل رہا ہے، اس طرح کی خبریں چھاپ کر ہمیں سلایا جا رہا ہے اور عیسائی مشنریاں بڑی خاموشی اور تیزی کے ساتھ افریقی ممالک میں اپنا دعوتی اور رفاہی کام کر رہی ہیں، لوگ کثرت سے عیسائیت کی گود میں جا رہے ہیں، اگر ہماری غفلت اور ان کی چابکدستی کا یہی حال رہا تو مجھے خطرہ ہے کہ بہت سے افریقی ممالک میں آبادی کا تناسب بدل جائے گا، جن ممالک میں عیسائی بڑی اقلیت ہیں وہاں وہ اکثریت میں آجائیں گے اور جہاں برائے نام اقلیت ہیں وہاں طاقتور اقلیت بن جائیں گے۔

شیخ محمد الحائک نے فرمایا: کہ اس وقت تو شیخ عبدالحلیم محمود رحمۃ اللہ علیہ کا انتباہ ہم میں سے کئی لوگوں کے سمجھ میں نہیں آیا لیکن چند ہی سال کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ آبادی کا تناسب تیزی سے تبدیل ہوا ہے اور عیسائیوں کی آبادی اکثر افریقی ملکوں میں بڑھ رہی ہے۔

دنیا دارالاسباب ہے

یہ دنیا دارالاسباب ہے، یہاں نتائج کوشش اور محنت سے جوڑ دئے گیے ہیں۔کوئی مذہب اور فلسفہ خواہ باطل اور انتہائی بودا اور کمزور ہو اگر اس کے لئے پوری محنت اور کوشش کی جائے تو اسے قبول کرنے والے اور اپنانے والے مل جاتے ہیں، اس کے برخلاف کوئی مذہب اور نظریہ خواہ کتنا ہی سچا اور مبنی برحق ہو اگر اس کے لئے دعوت واشاعت کی محنت نہ کی جائے تو اس کو فروغ نہیں ملتا۔

عیسائی مشنریاں کئی سو سال سے انتھک محنت کر رہی ہیں اور عیسائیت کو پھیلانے کیلئے منصوبہ بندی اور تسلسل کے ساتھ تمام ممکنہ ذرائع کا استعمال کر رہی ہیں، ان کی کوششوں کے نتائج ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں، بہت سے ممالک اور علاقوں میں ان کی اکثریت ہو چکی ہے، اور بہت سے وہ ممالک جہاں عیسائیوں کی آبادی بالکل نہیں تھی وہاں بھی عیسائیوں کی اچھی خاصی تعداد ہو چکی ہے۔خود ہندوستان کے مختلف علاقے (مثلاً گوا۔سکم، میزروم، ناگالینڈ) عیسائی اکثریت کے علاقے بن چکے ہیں۔

عیسائیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی دعوتی کوششیں سواں حصہ بھی نہیں ہیں، اس لئے ہماری دعوتی فتوحات کا دائرہ سمٹتا ہی جارہا ہے، دعوت کے میدان میں ہم نئے میدان فتح کرنے کے بجائے اپنے مفتوحہ علاقوں کو بھی گنواتے جارہے ہیں، اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ خالص مسلم ممالک میں عیسائی مشنریز خوب سرگرم عمل ہیں مثلا بلاد عربیہ، ترکی، افغانستان، پاکستان، بنگلہ دیش، انڈونیشیا وغیرہ، اور اپنے مقصد میں کافی حد تک کامیاب ہیں، ان ممالک کے بہت سے مرد اور عورتیں عیسائیت کی گود میں جاچکے ہیں ہمارے ملک کا مسلم اکثریتی صوبہ کشمیر بھی عیسائی مشنریز کا ایک بڑا مرکز ہے، اور وہاں بھی مسلمانوں کے عیسائیت قبول کرنے کے واقعات کثرت سے پیش آرہے ہیں۔

مسلمانوں کی دعوتی کوششیں

مختلف ملکوں میں اللہ کے کچھ بندوں اور بعض تنظیموں کی طرف سے بلاشبہ غیر مسلموں میں دعوت کا کام ہورہا ہے، اور اس کے اچھے ثمرات ظاہر ہورہے ہیں لیکن یہ کوشش مربوط، منظم اور منصوبہ بند نہیں ہیں اور ان کا حجم بھی بہت مختصر ہے، عیسائی مشنریز کے کاموں کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

پھر اس میدان میں کام کا دعویٰ کرنے والے بعض افراد اور تنظیموں کا کام بڑی حد تک کاغذی ہوتا ہے، اسلام قبول کرنے والوں کے بڑے بڑے اعداد وشمار شائع کئے جاتے ہیں اور اپنا کارنامہ بنا کر انہیں میڈیا میں شائع کیا جاتا ہے، حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہوتا، یکا دکا واقعات کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے، یہ صورت حال بڑی افسوسناک اور غیر دانشمندانہ ہے، قبول اسلام کے واقعات کا زیادہ چرچا کرنا اور انہیں ہائی لائٹ کرنا بڑی بے دانشی ہے، اعداء اسلام اس سے چوکنا ہوجاتے ہیں اور اپنی سرگرمیوں کو زیادہ تیز کردیتے ہیں۔

چند دہائیوں پہلے جنوبی ہند کے ایک گاؤں میناکشی پورم کے چند گھروں کے قبول اسلام کے واقعہ کو قومی پریس نے بہت نمایاں کیا اور اس کے بعد ہندوؤں میں مذہبی احیا پسندی جاگ اٹھی، متعدد تنظیمیں ہندگیر پیانے پر سرگرم ہوگئیں، اس لئے دعوتی میدان میں کام کرنے والے مسلمانوں کو بہت محتاط رہنا چاہئے اور اپنی دعوتی کامرانیوں کو زیادہ نمایاں نہیں کرنا چاہئے۔

اس سلسلے میں بھی عیسائی مشنریز سے سبق لینے کی ضرورت ہے۔

مغربی ممالک اور اسلحہ سازی نیز جنگیں

مغرب کے عیسائی ممالک جو اپنے کو انصاف ، انسانیت اور امن وامان کا نقیب اور علمبردار قرار دیتے ہیں انہوں نے اسلحہ سازی اور جنگوں کو اپنی اقتصادیات کا اہم ترین ستون قرار دے رکھا ہے۔

بھاری اسلحہ سازی پر ان کی اجارہ داری ہے، جہاز سازی خصوصاً جنگی جہاز سازی کی صنعت ان کے ہاتھوں میں ہے، ایٹمی تجربات کرنے اور ایٹمی ذخائر جمع کرنے کا حق ان کا پیدائشی حق ہے، اگر کسی ترقی پذیر ملک کے بارے میں ایٹمی تجربہ کی تیاری کا شبہ بھی ہو جائے تو تمام ایٹمی طاقتیں اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ اس پر ٹوٹ پڑتی ہیں اور اسے کھنڈر بنا کر اور زبردست تباہی مچا کر دم لیتی ہیں۔

امریکہ، روس، فرانس، برطانیہ، جرمنی وغیرہ کی ملکی آمدنی کا بڑا حصہ اسلحہ کی تجارت سے حاصل ہوتا ہے، اسلحہ سازی کی صنعت میں نفع کی کوئی حد نہیں ہے، اس لئے یہ ممالک اندرونی طور پر اس پر متفق ہیں کہ اسلحہ سازی کی مخصوص ٹکنالوجی دوسرے ممالک کو حاصل نہ ہو سکے۔

اسلحہ سازی کی صنعت کو فروغ دینے کیلئے ضروری ہے کہ مختلف ملکوں کے درمیان جنگیں برپا ہوتی رہیں اور پڑوسی ممالک کے درمیان بے اعتمادی کی فضا قائم رہے بلکہ اس میں اضافہ ہوتا رہے، تاکہ وہ ممالک خوف ونفرت کی نفسیات میں گرفتار ہو کر اپنے تحفظ کیلئے منہ مانگے داموں پر اسلحہ ساز ممالک سے ان کی شرائط پر قیمتی اسلحہ کی خریداری کریں، اسی لئے دنیا میں امن وامان قائم نہیں ہو پا رہا ہے، ماضی قریب میں عراق ایران کی جنگ، کویت اور عراق کی جنگ، افغانستان اور عراق پر امریکہ اور اس کے حلیفوں کی فوج کشی مغربی ممالک کی جنگ جویانہ سیاست کی بدترین مثالیں ہیں۔

جنگوں اور قدرتی آفات کی آڑ میں فروغ عیسائیت

جنگیں بھڑکانے کا ایک بڑا فائدہ تو اسلحہ کی تجارت کا فروغ ہے اور دوسرا فائدہ ان

ممالک کا یہ ہوتا ہے کہ ان ممالک کی رفاہی اور خیراتی تنظیمیں جو عیسائی مشنریز ہی کا حصہ ہوتی ہیں جنگ زدہ ممالک میں اپنا جال پھیلا دیتی ہیں اور مقتولین اور زخمیوں کی امداد، رفیوجیوں کی راحت رسانی وغیرہ کے عنوان سے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیتی ہیں اور انہیں ان ممالک میں اپنے اثرات پھیلانے کا موقع مل جاتا ہے، جہاں عام حالات میں ان کیلئے رسائی آسان نہیں تھی، افغانستان، پاکستان، عراق، بنگلہ دیش وغیرہ میں اسی راستے سے مشنریز کو اپنے اثرات بڑھانے اور ارتداد کی کاشت کرنے کا موقع ملا۔

عیسائیت کی نشرواشاعت کے لئے اور اس کی طویل المیعاد منصوبہ بندی کیلئے عیسائی مشنریز کی خفیہ کانفرنس وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہیں، جن میں پچھلے چند سالوں کے کاموں اور کامیابیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے اور آئندہ سالوں کے لئے دعوتی کاموں کی منصوبہ بندی ہوتی ہیں، ان کانفرنسوں کی تفصیلی روداد اور فیصلے خفیہ رکھے جاتے ہیں اور متعلقہ لوگوں ہی کو ان سے باخبر کیا جاتا ہے، لیکن کبھی کبھی بعض کانفرنسوں کی خبریں اور قراردادیں لیک ہو جاتی ہیں اور عام لوگوں کو بھی ان کی خبر ہو جاتی ہے۔

اسی طرح کی ایک کانفرنس اکتوبر 1978ء میں شمالی امریکہ کے شہر کولوراڈو میں اس عنوان پر ہوئی ’’مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے شمالی امریکہ کی کانفرنس‘‘ یہ کانفرنس 15 اکتوبر سے دو ہفتہ تک چلی اور اس کی کارروائی بند کمرے میں خفیہ ہوئی، پوری دنیا کے ڈیڑھ سو سرگرم ترین مشنری نمائندوں نے اس میں شرکت کی، بہت بحث و تمحیص اور غور و خوض کے بعد منصوبہ تیار کیا گیا جس کو ہر طرح خفیہ رکھا گیا، اس کو بروئے کار لانے کیلئے ایک ارب ڈالر کا بجٹ مختص کیا گیا۔

اس کانفرنس کی ایک قرارداد یہ تھی کہ ’’متعین بحران پیدا کئے جائیں تا کہ عالم اسلام توازن واعتدال سے باہر رہے، فقر و فاقہ، امراض اور جنگوں میں مبتلا رہے‘‘۔

(اطلس انتشار الاسلام ص ۱۸)

رفاہی خدمات پر اجارہ داری

قدرتی آفات (زلزلہ، سونامی، قحط سالی وغیرہ) اور جنگی تباہ کاریوں کے موقع پر

انسانی، رفاہی اور طبی خدمات کو ریڈ کراس اور عیسائی مشنریز نے اپنی اجارہ داری سمجھ لیا ہے، اور اس مخصوص میدان میں دوسرے تنظیموں کی مداخلت انہیں برداشت نہیں ہے، مسلم تنظیمیں ان میدانوں میں نہ ہونے کے برابر ہیں اور اگر کچھ رفاہی تنظیمیں ان میدانوں میں سرگرم عمل ہونا چاہتی ہیں، تو ان کے لئے ناقابل عبور دشواریاں کھڑی کردی جاتی ہیں، یا ان پر دہشت گردوں کی امداد وغیرہ کی فرد جرم عائد کرکے پابندیاں لگادی جاتی ہیں تاکہ اس میدان میں ریڈ کراس اور عیسائی مشنریز کی اجارہ داری باقی رہے اور ان نازک حالات کا فائدہ اٹھا کر عیسائیت کے پرچار اور تبلیغ کا کام جاری رہے۔

شرمناک بات

ہمارے لئے شرمناک بات یہ ہے کہ مسلم ممالک کے تبرعات اور امدادیں بھی انہیں عیسائی تنظیموں کے ذریعہ جنگ زدہ اور مصیبت زدہ لوگوں تک پہنچتی ہیں اور مسلم قوم اپنے تمام وسائل اور بے پناہ دولت کے باوجود اپنے آفت رسیدہ اور جنگ زدہ بھائیوں کی امداد اور راحت رسانی سے بھی قاصر ہے۔

پس چہ باید کرد-چند عملی مشورے

عیسائی مشنریز کے ذریعہ پوری دنیا کے مسلمانوں میں ارتداد کی جو کاشت کی جارہی ہے اگر اسے روکنا ہے اور مسلمانوں کے ایمان کو بچانا ہے تو ہمیں حالات کا گہرائی سے جائزہ لے کر کچھ سنجیدہ اقدامات اور فیصلے کرنے ہوں گے۔

۱-نصاب ونظام تعلیم کی اصلاح

سب سے پہلے ہمیں اپنے نصاب ونظام تعلیم کو اس طرح مرتب کرنا ہوگا کہ ہمارا ہر بچہ اور بچی دین کی بنیادی باتوں سے واقف ہو، ایمان ان کے دل میں رچ بس گیا ہو اور ضروریات دین کا اسے پورا علم ہو، اگر بچپن ہی میں بچوں کے دلوں میں ایمان کی محبت اور قدر وقیمت بٹھا نہیں دی گئی تو زندگی کے ہر مرحلہ میں ان کا دین وایمان خطرے میں رہے گا، اور مخالف ہوائیں ان کے ایمان کے شجر کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکیں گیں۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی شان وخصوصیت اور دین وایمان سے ان کی گہرائی وابستگی کو اس آیت میں واضح فرمایا ہے۔

واعلموا أن فيكم رسول الله لو يطيعكم في كثير من الأمر لعنتم ولكن الله حبب إليكم الإيمان وزينه في قلوبكم وكره إليكم الكفر والفسوق والعصيان، أولئك هم الراشدون. (حجرات:۷)

اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ۔ لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا۔ اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی۔ اور وہی لوگ نیک راہ پر ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے۔

اللهم حبب الينا الايمان وزينه فى قلوبنا وكره الينا الكفر والفسوق والعصيان واجعلنا من الراشدين، اللهم توفنا مسلمين واحينا مسلمين، والحقنا بالصلحين، غير خزايا ولا مفتو نين.

اے اللہ ایمان کو ہمارے نزدیک محبوب بنا دیجئے اور اسے ہمارے دلوں میں آراستہ فرما دیجئے، اور کفر، گناہ، نافرمانی کی نفرت ہمارے دل میں ڈال دیجئے، اور ہمیں صحیح راہ پر چلنے والا بنا دیجئے، اے اللہ مسلمان ہونے کی حالت میں ہمیں وفات دیجئے اور اسلام پر ہمیں زندہ رکھئے، اور ہمیں نیکوکاروں کے ساتھ شامل فرمائیے۔ اس حال میں کہ نہ رسوا ہوں نہ فتنوں میں پڑیں۔

(الادب المفرد للبخاری باب دعوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جزء ۱ ص ۲۴۳)

نونہالوں کے دل ودماغ میں ایمان کی آبیاری

بچوں کو محض کلمہ طیبہ رٹا دینا کافی نہیں بلکہ ان کے دل میں ایمان بسا دینا ضروری ہے، انکی تعلیم وتربیت اس طرح کی جائے کہ ایمان کو وہ اپنا سب سے قیمتی سرمایہ سمجھیں اور کسی حال میں اس سے دستبردار ہونے کا تصور بھی ان کے حاشیۂ خیال میں نہ آئے، اور کفر وشرک سے انہیں گھن آنے کی حد تک نفرت ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الایمان ان یکون الله ورسوله احب إلیه مماسواهما، أن یحب المرء لا یحبه الا لله وأن یکره ان یعود فی الکفر کما یکره أن یقذف فی النار (صحیح بخاری، کتاب الایمان ، باب حلاوة الایمان)

(تین چیزیں جس میں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت پالیگا، اللہ اوراس کے رسول اسے ان دونوں کے علاوہ سے زیادہ محبوب ہوں، انسان سے اللہ ہی کے لئے محبت کرے، کفر میں واپس جانا اسے اسی طرح ناپسند ہو جس طرح آگ میں پھینک دیا جانا ناپسند ہو)

نونہالوں کے دل و دماغ میں جب ایمان راسخ کردیا جائے گا تو کفر والحاد کی آندھیاں بھی ان کے شجر ایمان کو نہیں اکھاڑ سکتیں، وہ ہر آزمائش اور تکلیف کو برداشت کرلیں گے، لیکن ایمان سے محرومی کو برداشت نہیں کرسکیں گے، بچپن ہی میں صحابہ کرام کے قبول اسلام کے واقعات، ایمان کے لئے ان کی قربانیوں کے واقعات سنائے جائیں اسی طرح انبیاء کرام نے کلمۂ توحید کو پھیلانے کے لئے جو آزمائشیں اور سختیاں جھیلیں، ان کے ایمان پرور واقعات بھی ذہن نشین کرائے جائیں۔

موجودہ صورت حال کا جائزہ

موجودہ ماحول تو یہ ہے کہ مسلم بچے، بچیوں اور نوجوانوں کی بڑی اکثریت دینی وایمانی تعلیم وتربیت سے محروم ہے، مسلمانوں میں ناخواندگی کا تناسب دوسری قوموں سے کہیں زیادہ ہے، ہماری قوم کے بہت سے بچے اور بچیاں نہ مکتب ومدرسہ کا منہ دیکھتے ہیں نہ اسکول وکالج کا رخ کرتے ہیں، اور نہ ہی ان کے گھروں میں کوئی دینی اور تعلیمی ماحول ہوتا ہے، اس لئے وہ دین ودنیا دونوں سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں ایسے لوگ کسی بھی مشن، تحریک، دعوت کا شکار ہوسکتے ہیں، اور ہوتے رہتے ہیں۔

ہمارے جو بچے زیور تعلیم سے آراستہ ہورہے ہیں ان میں سے نوے فیصد سے زیادہ ایسے اسکولوں کالجوں میں تعلیم حاصل کررہے ہیں جن میں دین اسلام سکھانے کا بندوبست تو

کیا ہوتا، وہاں تو اسلام مخالف عقائد وافکار کی تعلیم دی جاتی ہے، دیو مالائی اور وثنی عقیدے پڑھائے جاتے ہیں، اور اگر عیسائی مشنری اسکول ہیں تو ان میں عیسائی عقائد سکھائے جاتے ہیں، یسوع مسیح کو انسانوں کا نجات دہندہ بتایا جاتا ہے، تاریخ اور سماجی علوم کے نام پر کفر والحاد کا زہر پلایا جاتا ہے۔ اسی طرح کی تعلیم کے نتیجہ میں سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے محروم اور بدنصیب پیدا ہوتے ہیں جو ملت اسلامیہ کی رسوائی کا سامان بنتے ہیں۔

۲۔ مفلوک الحال اور فقر زدہ مسلمانوں کی کفالت

مسلمانوں کو اگر الحاد وارتداد کے سیلاب سے بچانا ہے، تو انہیں فقر وافلاس کے دلدلوں سے نکالنا ہوگا اور ان کی اقتصادی بدحالی کا مداوا کرنا ہوگا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور دعاؤں میں بار بار فقر سے پناہ مانگی گئی ہے، حضرت عائشہ سے منقول ایک روایت میں رسول اکرم صلی اللہ علی وسلم نے دوسری بہت سی چیزوں کے ساتھ فقر کے فتنہ سے بھی پناہ مانگی ہے۔

واعوذبک من فتنة الفقر واعوذبک من فتنة المسیح الدجال

(صحیح بخاری باب التعوذ من المأثم)

(اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فقر کے فتنہ سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے)

اللھم فانی اعوذبک من فتنة النار وعذاب النار وفتنة القبر وعذاب القبر ومن شرفتنة الغنی ومن شر فتنة الفقر

(صحیح مسلم بات التعوذ من شر الفتن جز ۸ ص ۷۵)

اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں جہنم کے فتنہ سے اور آگ کے عذاب سے اور قبر کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے اور غناء کے فتنہ کے شر سے اور فقر کے شر کے فتنہ سے۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے "**کاد الفقر ان یکون کفرا**" قریب ہے کہ فقر کفر ہو جائے۔

(شعب الایمان للبیہقی باب ۴۳ جزء ۵ ۲۶۷) کنز العمال، الفصل الاول فی فصل

الفقر جزء ٦ ص ۴۹۲)

اس حدیث کے بعض رواۃ پر کلام کیا گیا لیکن معنی کے اعتبار سے حدیث درست ہے، اس کا منشاء یہ ہے کہ فقر واحتیاج انسان کو کفر تک لے جاتا ہے، بعض اوقات انسان فقر وفاقہ کی مار سے بچنے کے لئے کفر کی گود میں چلا جاتا ہے، مولانا روم نے اپنے ایک شعر میں اس حقیقت کا نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا ہے۔

آنکہ شیراں راکندہ روبہ مزاج　　　احتیاج است احتیاج است احتیاج

وہ چیز جو شیروں کو لومڑی مزاج بنادیتی ہے، وہ محتاجی ہے محتاجی ہے محتاجی ہے۔

اسی لئے اسلام حلال روزی کمانے، اس کے لئے جدوجہد کرنے کی ترغیب دیتا ہے، آمدنی کے حلال ذرائع تجارت، زراعت، صنعت وحرفت، ملازمت، محنت ومزدوری وغیرہ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، کام چوری اور معطل پڑے رہنے نیز گداگری کو منع کرتا ہے۔ حکومت کو مامور کرتا ہے کہ زمینوں کی آبادکاری اور قدرتی معدنیات اور وسائل کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے پر توجہ دے تاکہ لوگوں کے اسباب رزق میں فراوانی پیدا ہو۔

امت اسلامیہ کے جو افراد فقر وفاقہ کے شکار ہوں یا کسب معاش سے معذور ومجبور ہوں ان کی ذمہ داری امت کے اغنیاء، مسلم حکومت یا جماعت مسلمین پر رکھی گئی ہے کہ زکوۃ وصدقات، اوقاف اور ہدایا وغیرہ کے ذریعہ ان کی کفالت کریں، انہیں فقر وفاقہ کے دلدلوں میں دھنستا ہوا نہ چھوڑیں کہ دوسری قومیں اور تحریکیں ان کے ایمان کا سودا کرنے لگیں اور ان کی فلاکت زدگی اور معاشی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر انہیں ارتداد کی راہ پر ڈال دیں۔

مسلم معاشرہ میں اسلام کے اقتصادی احکام جاری نہ ہونے اور اسلام کا تقسیم دولت کا نظام نافذ نہ ہونے کی بنا پر ہمارے سماج میں بڑی معاشی ناہمواری پائی جاتی ہے، دولت مند دولتوں کا انبار جمع کر رہے ہیں، ان کے لئے بڑا مسئلہ ہے کہ دولت کہاں لگائیں اور کہاں چھپائیں اور غریبوں کی غربت میں دن بہ دن اضافہ ہورہا ہے، ان کے وسائل معاش چھنتے جارہے ہیں، ان کے لئے اپنی بنیادی ضروریات کا پورا کرنا ناممکن ہورہا ہے۔

اگر مسلمانوں کے فقر زدہ طبقہ کو فقر وفاقہ کے دلدلوں میں چھوڑ دیا گیا، ان کی معاشی

مدد نہ کی گئی، انہیں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے لائق نہ بنایا گیا تو ہمارے ان غریب بھائیوں کے دین وایمان کا سودا ہوتا رہے گا، اور ہر سال ہزاروں مسلمان کفر وارتداد کے جال میں پھنستے رہیں گے، اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان غریب مسلمانوں کے بارے میں تمام مسلمانوں خصوصاً اصحاب ثروت مسلمانوں سے باز پرس ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں مشنریز کے ذریعہ انجام پانے والے ارتداد کے واقعات کا سد باب اسی وقت ممکن ہے جب کہ خود مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے غریب، مفلوک الحال اور مصیبت زدہ بھائیوں کی پوری کفالت کریں، ان کی ضروریات پوری کریں اور انہیں دوسروں کے رحم وکرم پر نہ چھوڑ دیں۔

۳۔ فریضہ دعوت کی ادائیگی

امت مسلمہ صاحب دعوت امت ہے، اس کی اہم ترین ذمہ داری توحید کی امانت سارے انسانوں تک پہنچانا، خیر وصلاح کی طرف بلانا، بھلائیوں کا حکم دینا، برائیوں سے روکنا، اللہ کے راستے کی طرف انسانیت کی رہنمائی کرنا اور شیطان کے راستے سے باز رکھنا ہے۔

نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی سنہری کڑی مکمل ہوچکی، اب کوئی نیا نبی مبعوث ہونے والا نہیں، صحیح عقائد واعمال کی طرف انسانوں کی رہنمائی کا کام قیامت تک کیلئے نبی آخرالزمان کی امت کے ذمہ کر دیا گیا ہے، اس ذمہ داری کو ادا کر کے ہی یہ امت دنیا اور آخرت میں کامیاب اور سرخرو ہوگی اور اس کو ادا کرنے میں کوتاہی کرنے سے دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل وخوار ہوگی، موجودہ دور میں مسلمانوں کی ذلت ونکبت کی ایک بڑی وجہ اسی ذمہ داری کو ادا کرنے میں زبردست غفلت اور کوتاہی ہے۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله. (آل عمران آیت ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہو اچھی بات کا حکم کرتے ہو اور بری بات سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

(۲) ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر واولئک هم المفلحون (آل عمران ۱۰۴)

اور تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، بھلائی کا حکم دے، برائی سے روکے، اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

(۳) ومن احسن قولا ممن دعا الى الله وعمل صالحا وقال انني من المسلمين. (حم سجده ۳۳)

اور اس شخص سے اچھی بات کس کی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

(۴) ادع الى سبيل ربک بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن، ان ربک هو اعلم بمن ضل عن سبيله وهو اعلم بالمهتدين.

(النحل ۱۲۵)

اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان سے بہترین طریقہ پر جدال کرو بیشک آپ کا رب ان لوگوں کو زیادہ جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گئے اور وہ ہدایت یاب لوگوں کو بھی زیادہ جاننے والا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت ''**ولتكن منكم امة الخ**'' کے ذیل میں لکھتے ہیں، دعوت الی الخیر کے دو درجے ہیں، پہلا یہ کہ غیر مسلموں کو خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت دینا، مسلمانوں کا ہر فرد عموماً اور یہ جماعت خصوصاً دنیا کی قوموں کو خیر یعنی اسلام کی دعوت دے، زبان سے اور عمل سے بھی......... اگر آج امت مسلمہ اپنا مقصد دیگر اقوام کو خیر کی طرف دعوت دینا بنالیں تو وہ سب بیماریاں ختم ہو جائیں گی جو دوسری قوموں کی نقالی سے ہمارے اندر پھیلی ہیں۔ کیونکہ جب کوئی قوم اس عظیم مقصد (دعوت الی الخیر) پر مجتمع ہو جائے اور یہ سمجھ لے کہ ہمیں علمی اور عملی حیثیت سے اقوام عالم پر غالب آنا ہے اور اقوام کی تربیت اور تہذیب ہمارے ذمہ ہے تو اس کی نا اتفاقیاں بھی یکسر ختم ہو جائیں گی اور پوری قوم ایک عظیم مقصد کے حصول کے لئے لگ جائے گی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کامیابیوں

کا راز اسی میں مضمر تھا"

(معارف القرآن جلد۲ص ۱۴۰۔۱۴۱)

دور حاضر میں مسلمانوں کی طرف سے غیر مسلموں میں دعوت الی الخیر کا کام بہت ناکافی طور پر ہورہا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا امت مسلمہ اس کو اپنا فریضہ اور اہم ترین دینی ذمہ داری نہیں سمجھ رہی ہے۔ بسا اوقات پورے پورے ملک اور علاقے اس کام سے خالی نظر آتے ہیں۔

دعوتی ذمہ داریوں کی ادائیگی

اس بنیادی کام سے مجرمانہ غلفت کی وجہ سے خود مسلمان غلط دعوتوں کے شکار ہورہے ہیں اور امت مسلمہ کے ہزاروں لاکھوں افراد کفر وارتداد کے گڈھے میں گر رہے ہیں۔ جو قوم داعیانہ مقام کھودیتی ہے وہ دوسروں کی دعوتوں کا شکار ہونے لگتی ہے، اور اس کے لئے اپنے عقائد اور اقدار وروایات پر قائم رہنا ناممکن ہوتا ہے۔

مسلمان اگر موجودہ حالات کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں غیر مسلموں میں دعوت کے کام کو زیادہ بڑے پیمانے پر اور زیادہ منصوبہ بند اور منظم انداز میں انجام دینا ہوگا۔ اپنے مالی اور افرادی وسائل کا معتد بہ حصہ اس کام میں لگانا ہوگا۔ داعیوں کی زبردست ٹیم تیار کرنی پڑے گی جو مختلف ممالک اور اقوام میں ان کی سطح اور معیار پر دعوت الی اللہ کو پورے اخلاص اور دلجمعی کے ساتھ انجام دیں۔ غیر مسلموں میں دعوت الی اللہ کی جو ٹوٹی پھوٹی کوششیں مختلف ممالک میں ہورہی ہیں ان کے بڑے حوصلہ افزاء نتائج سامنے آرہے ہیں۔ اگر یہ کام زیادہ منظم انداز سے اور زیادہ تسلسل کے ساتھ کیا جائے تو حالات میں انقلاب انگیز تبدیلیاں ہوسکتی ہیں اور دنیا کا نقشہ بدل سکتا ہے۔

۴۔ خلق خدا کی خدمت اور نفع رسانی

اسلام دین رحمت ہے، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم "رحمۃ للعالمین" (سارے جہانوں کے لئے رحمت) ہیں اور مخلوق کی خدمت اور نفع رسانی، بہترین عبادت ہے،

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الراحمون یرحمهم الرحمان، ارحموا اهل الارض یرحمکم من فی السماء (سنن ابی داود باب فی الرحمة جزء۴ ص ۴۴۰)

رحم کرنے والوں پر رحمان رحم کرتا ہے، زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

نیز ارشاد ہے

الخلق عیال الله، واحب العباد الی الله انفعهم لعیاله(شعب الایمان للبیهقی باب فی نصیحة الولاة ووعظهم)

مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، بندوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اللہ کے کنبہ کے لئے سب زیادہ نفع بخش ہو۔

الله فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیه. اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔

(مسلم شریف باب فصل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر جزء۸ ص۱۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی ورآپ کو پریشانی ہوئی، اور ایک طرح کا خوف محسوس کیا، جس کا تذکرہ آپ نے حضرت خدیجہ سے کیا تو اس موقع پر آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے آپ کی جن صفات کا ذکر کیا ان میں مخلوق کے کام آنے اور انہیں نفع پہنچانے کا پہلو غالب ہے۔

کلا والله مایخزیک الله ابدا، انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق(صحیح بخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی الرسول صلی الله علیه وسلم جزء ۱ ص ۴) ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا، کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، دوسروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کی کفالت کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر داری کرتے ہیں حق کی ضرورتوں میں مدد کرتے ہیں۔

حیرت و افسوس کی بات ہے کہ جس مذہب کی تعلیمات میں مخلوق کی نفع رسانی، مظلوموں کی مدد اور آفت زدہ افراد کی نصرت واعانت کو انتہائی اہم مقام دیا گیا ہو اس مذہب کے

ماننے والے خدمت خلق اور رفاہ عام کے کاموں میں اس قدر پیچھے ہوں، صلیب احمر (ریڈ کراس) ہر زلزلہ، سیلاب، سونامی، قحط سالی، اور تمام آفات ارضی وسماوی کے موقع پر سرگرم عمل ہو اور ہلال احمر بالکل غائب ہو۔

اگر مسلمانوں کو اس دنیا میں باعزت اور باوقار رہ کر اپنی داعیانہ ذمہ داریاں پوری کرنی ہیں، دنیا کی قیادت کرنی ہے، تو انہیں منصوبہ بندی اور تنظیم کے ساتھ خدمت خلق اور رفاہ عام کے کاموں کو انجام دینا ہوگا۔ اور ان کاموں میں دوسری قوموں سے آگے رہنا ہوگا، اپنے افرادی اور مالی وسائل کو بڑے پیمانے پر خدمت خلق اور رفاہ عام کے کاموں کے لئے وقف کرنا ہوگا۔

قبول اسلام کی خبریں اور گرجا کے مسجد میں تبدیل ہونے کے واقعات

بعض دفعہ ہماری صحافت یورپ وامریکہ میں قبول اسلام کے واقعات کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہے، اور قبول اسلام کے ایسے اعداد وشمار پیش کرتی ہے جس پر یقین کرنا مشکل ہے، اسی ذیل میں یہ بات بھی بار بار لکھی اور کہی جاتی ہے کہ یورپ وامریکہ میں عیسائیت کے سمٹنے اور اسلام کے پھیلنے کی ایک واضح علامت یہ ہے کہ بہت سے قدیم گرجا مسلمانوں کے ہاتھ فروخت ہوکر مساجد اور مدارس میں تبدیل ہو چکے ہیں اور مغربی ممالک میں مساجد کی تعداد کافی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔

اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مغربی ممالک میں بہت سی سعید روحیں دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے خصوصاً کالی نسل کے لوگوں میں اسلام قبول کرنے کا رجحان کچھ زیادہ ہی ہے، اور ان ممالک میں اسلام مخالف پروپیگنڈہ بعض لوگوں کو حقیقت سے واقف ہونے کے لئے اسلام کے مطالعہ کی طرف متوجہ کرتا ہے اور ایسے لوگ جب کسی حد تک غیر جانبدار ہوکر قرآن مجید، سیرت نبوی اور اسلامی تاریخ وقانون کا مطالعہ کرتے ہیں، تو دین فطرت انہیں اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور ان میں سے بعض لوگ ہدایت ربانی سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح دعوت اسلام کی جو ٹوٹی پھوٹی کوششیں اللہ کے کچھ بندے کر رہے ہیں ان کے بڑے حوصلہ افزاء نتائج سامنے آرہے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مغربی ممالک میں اشاعت اسلام اور قبول اسلام کے رفتار بہت تیز ہے، اور مستقبل قریب میں وہاں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب میں کوئی بڑا

فرق آنے والا ہے، مغربی میڈیا میں مغربی ممالک میں قبول اسلام جو خبریں اور اس سے متعلق جو اعداد وشمار آتے رہتے ہیں ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ بسا اوقات اس طرح کی خبریں اور اعداد وشمار مسلمانوں کو مطمئن کرنے اور انہیں سلانے کے لئے دئے جاتے ہیں تا کہ مسلمان عافیت کی نیند سو جائیں اور خوش رہیں کہ اسلام مغرب میں از خود پھیل رہا ہے، ہمیں زیادہ جدوجہد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

گرجاؤں کی فروختگی

جہاں تک گرجاؤں کے فروخت ہونے اور انکے مساجد ومدارس میں تبدیل ہونے کی بات ہے اس سے زیادہ خوش ہونا اور بڑے بڑے نتائج نکالنا صحیح نہیں ہے، گرجاؤں کے فروخت ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان ممالک میں عیسائیوں کی تعداد کم ہو رہی ہے یا ان کے دینی جوش وجذبہ کا گراف بہت گر رہا ہے، صحیح صورت حال یہ ہے کہ مغربی ممالک میں گرجاؤں اور کلیسا کی بھرمار ہے، بہت تھوڑے فاصلہ پر بڑے بڑے گرجا اور ان کے اوقاف ہیں جو عیسائی آبادی کی دینی ضروریات سے بہت زائد ہیں اور ان کے مذہب میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے کہ کلیساؤں اور ان کے اوقات فروخت نہیں ہو سکتے ہیں، اس لئے کلیساؤں کا نظم وانتظام دیکھنے والی کمیٹیاں کبھی کبھی ایسے کلیساؤں کو جو بڑی حد تک غیر آباد ہیں یا ضرورت سے زاید ہیں اچھے داموں پر فروخت کر دیتی ہیں اور اس سے حاصل ہونے والے سرمایہ کو اپنے ہی ملک میں یا دوسرے ممالک میں کلیسا کی تعمیر میں یا مشنری مقاصد کے لئے تعلیمی ادارہ یا اسپتال وغیرہ کے قیام میں صرف کر دیتی ہیں۔ ایسے زیر فروخت کلیسا کو کبھی مسلمان خرید کر وہاں مسجد یا اسلامک سنٹر قائم کر دیتے ہیں، کلیسا کہ فروختگی کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں ہے کہ عیسائیت گھٹ رہی ہے، اور اسلام بڑھ رہا ہے۔

مغربی ممالک میں مسلمانوں کا کردار

یہ خوش آئند بات اور اچھی علامت ہے کہ مغربی ممالک میں مساجد اور جماعت خاتون کی تعداد بڑھ رہی ہے اور مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں میں مساجد کو آباد کرنے اور دینی

اعمال کو انجام دینے کا رجحان روز افزوں ہے، لیکن یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ عموماً مغرب میں آباد مسلمان اپنی روز مرہ کی زندگی میں جس اخلاق وکردار کا مظاہرہ کرتے ہیں اور غیر مسلموں کے ساتھ معاملات اور تعلقات میں جو رویہ اپناتے ہیں ان کا اسلامی تعلیمات سے زیادہ جوڑ نہیں۔

سنگ وخشت میں سرمایہ کی بربادی

اور یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ دوسرے ملکوں کی طرح مغربی ممالک میں بھی مسلمانوں کے قیمتی سرمایہ کا بڑا حصہ بلا ضرورت ''سنگ وخشت'' کے نذر ہو رہا ہے، اللہ نے جس فرد یا ادارے کو بھی مالی وسائل دیئے ہیں اس کے وسائل کا بڑا حصہ ''مسجد غرناطہ'' اور ''قلعہ الحمراء'' کی تعمیر وتزئین میں صرف ہو رہا ہے، اور ان ممالک میں مسلمانوں اور اسلام کی جو واقعی ضرورتیں ہیں ان سے لوگ غافل ہیں، مساجد اور مدراس کی عمارتوں میں سادگی اور مضبوطی کے بجائے تزئین وآرائش کا پہلو غالب ہے، مساجد ومدارس کی عالیشان اور پرشکوہ عمارتیں مقامی عیسائی آبادی کے نوجوانوں میں حسد اور نفرت کے جذبات بھڑکا رہی ہیں۔ حالیہ چند برسوں میں مساجد اور اسلامی مراکز کے بارے میں بعض یورپین ممالک کا منفی رویہ (مثلاً مسجد کے میناروں پر پابندی وغیرہ) اسی حسد اور نفرت کا مظہر ہے۔

مغربی ممالک کے مسلمانوں کی ذمہ داری

کیا اچھا ہوتا کہ مغربی ممالک میں بسنے والے مسلمان بہتر منصوبہ بندی سے کام لیتے۔ ان ممالک کی دوسری قوموں کی عبادت گاہوں اور تعلیم گاہوں کی طرح اپنی مساجد اور مدارس کی عمارتیں سادہ اور بہ قدر ضرورت رکھتے اور اپنے سرمایہ کو زیادہ اہم اور بنیادی کاموں میں صرف کرتے۔ آکسفورڈ اور کیمبرج جہاں سے مختلف میدانوں کے لاکھوں قابل ترین افراد تیار ہوئے ان کی عمارتیں سادگی اور پرکاری کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہیں۔ مغربی ممالک کی دوسری قوموں (عیسائی اور یہود) نے ہمیشہ اپنا سرمایہ تعمیرات سے زیادہ رجال کار کی تیاری اور افراد سازی پر خرچ کیا ہے۔

مغربیت کی خالص مادی فضاؤں میں سنگ تراشی کے بجائے روحانیت کی روح

پھونکنے کی ضرورت ہے اور ایسے رجال کار کی فوج تیار کرنے کی ضرورت ہے جو مادی ترقیات کی چمک دمک سے مرعوب اور متاثر ہوئے بغیر نبوت محمدی کے پیغام کو اہل مغرب کے قلب وجگر میں اتار دیں اور مادیت سے اکتائے ہوئے اہل مغرب کو اسلام کی ایمانی اور روحانی فضا میں سانس لینے کی دعوت دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ردعیسائیت میں عربی کی چند اہم کتابیں

یہودیت عام طور پر دعوتی مذہب نہیں رہا، یہود نے اس کی کوشش نہیں کی کہ غیر یہود کو تبلیغ وترغیب کے ذریعہ اپنے مذہب میں داخل کریں، بلکہ ان کی کوششوں کا محور یہ رہا کہ اپنے کو اللہ کی چہیتی قوم قرار دے کر دوسری قوموں کو اپنے سے فروتر سمجھیں اور غیر یہود کی پیدائش کا مقصد یہود کی خدمت، راحت رسانی اور ان کے کام آنا قرار دیں، یہود کی مذہبی تعلیمات کے مطابق غیر یہود اقوام کی حیثیت بہائم سے زیادہ نہیں۔

اس کے برخلاف صدیوں سے عیسائیت دعوتی مذہب رہا ہے، حالانکہ انجیل کی بعض تصریحات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت خاص طور پر قوم بنی اسرائیل کے لئے ہوئی لیکن صدیوں سے عیسائیت ایک دعوتی مذہب کے طور پر مشہور ہے، عیسائیوں کی دعوتی سرگرمیاں تمام دوسرے مذاہب والوں سے بڑھی ہوئی ہیں، عیسائی مشنریز نے پورے دنیا کی خاک چھان ماری ہے۔

اسلام ایک عالمی دعوتی مذہب ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سارے انس وجن کے لئے ہے، اس لئے مسلمان بھی دعوت کے میدان میں اپنی بساط بھر کوششیں کرتے ہیں، اگر چہ ان کی دعوتی سرگرمیاں اور کوششیں عیسائیوں کے مقابلہ میں کافی کم ہیں۔

اسلام اور عیسائیت کے زبانی اور تحریری مناظرے دور قدیم سے چلے آرہے ہیں، جس کا آغاز عہد نبوت سے ہو گیا تھا، نجران کے عیسائی وفد کی آمد اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے گفتگو قرآن وحدیث اور کتب سیرت میں محفوظ ہے، ابن حزم (متوفی ۴۵٦ھ) اور شہرستانی کی الملل والنحل میں دوسرے مذاہب کی طرح عیسائیت کے عقائد پر بھی بحث وتنقید ہے۔

سردست ردعیسائیت پر لکھی گئی تمام کتابوں اور ابحاث کا احاطہ مقصود نہیں ہے بلکہ عربی زبان میں ردعیسائیت پر لکھی گئی چند اہم کتابوں کا تذکرہ وتعارف مقصود ہے، تاکہ ہماری نئی نسل

ان کتابوں سے واقف ہو جائے اور بہ وقت ضرورت ان سے استفادہ کر سکے۔

(۱) الجواب الصحیح لمن بدّل دین المسیح

میرے محدود مطالعہ کی حد تک ردعیسائیت پر قدماء کی سب سے اہم اور مفصل کتاب حافظ تقی الدین ابن تیمیہ (متوفی: ۷۲۸ھ) کی کتاب ''الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح'' ہے جو ردعیسائیت پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے اور چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، حافظ ابن تیمیہؒ نے یہ کتاب ''صیدا'' کے پادری ''بولص راہب'' کی کتاب ''الکتاب المنطیقی الدولة خانی المبرھن عن الاعتقاد الصحیح والرای المستقیم'' کے جواب میں تحریر فرمائی، بولص راہب نے درج ذیل چھ فصلیں قائم کر کے ان پر بحث کی تھی۔

(۱) محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت صرف اہل جاہلیت عربوں کے لئے ہوئی ان کی بعثت عیسائیوں اور دوسری قوموں کے لئے نہیں تھی، اس کے دلائل قرآن میں موجود ہیں، عقل بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

(۲) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآن میں اس دین عیسائیت کی تعریف کی ہے جس پر عیسائی عمل پیرا ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ عیسائی اپنے مذہب پر قائم رہیں۔

(۳) انبیاء سابقین کی کتابیں مثلاً توریت، زبور، انجیل وغیرہ عیسائیوں کے موجودہ عقائد (تثلیث، اقانیم ثلثہ، تینوں کے اتحاد وغیرہ) کی تائید کرتی ہیں، انہیں حق وصواب قرار دیتی ہیں، لہذا ان کا اختیار کرنا اور ان سے روگردانی نہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ عقائد نہ آسمانی شریعت کے مخالف ہیں نہ عقل کے۔

(۴) چوتھی فصل میں عقیدۂ تثلیث کو عقل ونقل سے ثابت کیا گیا ہے۔

(۵) پانچویں فصل میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ عیسائی موحد ہیں اور اقانیم ثلثہ وغیرہ کی تعبیرات جن سے کئی معبود ہونے کا شبہ ہوتا ہے ان کی حیثیت ایسی ہے۔
جیسے مسلمانوں کے یہاں وہ آیات واحادیث جن سے تشبیہ وتجسیم ظاہر ہوتی ہے۔

(۶) عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کامل ترین شریعت لے کر آئے، اس کے بعد کسی نئی شریعت کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اب کوئی بھی نئی شریعت نامقبول ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے مذکورہ بالا چھ نکات پر بہت تفصیل سے لکھا ہے اور بولس راہب کے نام نہاد دلائل کا بخیہ ادھیڑ دیا ہے، ان مباحث کو پڑھتے ہوئے حافظ ابن تیمیہ کے وفور علم اور علوم نقلیہ وعقلیہ میں ان کی گہرائی وگیرائی کا اندازہ ہوتا ہے، عہد عتیق وعہد جدید کی کتابوں پر ان کی گہری نظر ہے، پوری کتاب ان کے حوالوں سے بھری ہوئی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر انتہائی مفصل گفتگو ہے، توریت اور انجیل وغیرہ میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہاں کہاں پیشین گوئیاں ہیں ان کی تفصیلی نشاندہی فرمائی ہے، شریعت موسوی اور شریعت عیسوی کے مقابلہ میں اسلامی شریعت کی برتری اور امتیازات وخصوصیات پر بڑی چشم کشا اور بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے، مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے والوں خصوصاً عیسائیت کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی مفید اور معلومات افزا ہے۔

(۲) هداية الحيارى في أجوبة اليهود والنصارىٰ

حافظ ابن تیمیہؒ کے ممتاز ترین شاگرد حافظ ابن قیم (متوفی: ۷۵۱ھ) نے اپنے استاذ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عیسائیوں اور یہودیوں کی طرف سے اسلام پر ہونے والے بیہودہ اعتراضات کا تشفی بخش جواب اپنی مشہور کتاب ''هداية الحيارى في اجوبة اليهود والنصارىٰ'' میں دیا اور موجودہ یہودیت اور عیسائیت کے باطل ومنسوخ ہونے کو دو دو چار کی طرح واضح کیا ہے، کتاب جامع اور مختصر ہے، اور اس دور میں اہل کتاب کی طرف سے اٹھائے جانے والے شبہات وسوالات کا احاطہ کرتی ہے، یہ کتاب تقریباً دو سو (۲۰۰) صفحات پر مشتمل ہے، اختصار کے باوجود اہل کتاب پر تنقیدی لٹریچر میں اہم مقام رکھتی ہے۔

(۳) الجواب الفصيح لما لفقه عبدالمسيح

عربی زبان میں رد عیسائیت کے موضوع پر ایک اہم ترین کتاب ابوالبرکات نعمان خیر الدین آفندی آلوسی بغدادی کی ''الجواب الفسيح لما لفقة عبدالمسيح'' ہے جو صحیح بخاری کے سائز کے ۴۸۲ صفحات پر دو اجزاء میں پھیلی ہوئی ہے اور اپنے موضوع پر بڑی گراں قدر کتاب ہے، اس کتاب کا پہلا ایڈیشن مطبعہ اسلامیہ لاہور سے بڑے سائز میں چھپا، وہی میرے

سن اشاعت درج نہیں ہے لیکن کتاب کے اخیر میں لکھا ہوا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کا آغاز ذی الحجہ ۱۳۰۴ھ میں ہوا اور تصنیف سے فراغت جمادی الاولیٰ ۱۳۰۶ھ میں ہوئی۔

اس کتاب کے مصنف معروف عالم و محقق ہیں جو صاحب تفسیر روح المعانی کے پوتے ہیں، ان کی تصنیفات میں سے جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین خصوصی شہرت رکھتی ہے۔

مصنف نے سبب تصنیف یہ بیان کیا ہے کہ ۱۳۰۴ھ ۱۸۸۰ء میں لندن سے چھپا ہوا ایک رسالہ ملا جو کفر و ہذیان سے بھرا ہوا تھا اور اس میں دین عیسوی کو تمام مذاہب سے افضل قرار دیا گیا تھا، عقیدۂ تثلیث کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی، یہ رسالہ عبدالمسیح بن اسحاق کندی کی طرف منسوب کیا گیا تھا، ناشرین کے مطابق عبدالمسیح خلیفہ مامون عباسی کا معاصر تھا، اس کے ایک مسلمان دوست عبداللہ بن اسماعیل ہاشمی نے عبدالمسیح کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے خط لکھا اس کے جواب میں عبدالمسیح نے مفصل خط لکھ کر اسے عیسائیت کی دعوت دی اور دین عیسوی کو حق ثابت کرنے کی کوشش کی، یہ دونوں خط اس رسالہ میں شامل ہیں، عرب ملکوں میں اس رسالہ کی بڑے پیمانے پر اشاعت کی جانے لگی تاکہ مسلم عوام کا ذہن متزلزل ہو، وہ اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہوں اور عیسائیت کی طرف مائل ہوں اس لئے مصنف نے اس رسالہ کا جواب لکھنا ضروری سمجھا، اور اس کے ہر ہر پیراگراف کا مفصل اور مدلل تسلی بخش جواب لکھا، علامہ آلوسی کی اس کتاب نے اس رسالہ کے غبارہ کی ہوا نکال دی اور عبدالمسیح کی تلفیقات کا پردہ چاک کر دیا۔

اس رسالہ کو عیسائی مشنریز نے اتنی اہمیت دی کہ مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ شائع کر کے بڑی تعداد میں مسلمانوں میں تقسیم کیا، چنانچہ امریکن پریس لکھنؤ سے اردو زبان میں اس کا ترجمہ شائع کیا گیا، یہ ترجمہ ۲۰۴ صفحات پر مشتمل ہے، سن اشاعت درج نہیں ہے۔

علامہ نعمان خیر الدین آفندی حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے معاصر ہیں، انہوں نے کتاب کے مقدمہ میں مولانا کیرانوی اور ان کی کتاب اظہار الحق کا ذکر بھی فرمایا ہے چنانچہ رد عیسائیت پر کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے:

و کتاب اظهار الحق لصالحبنا العالم الفاضل المجاور فی بیت الله الحرام

الشيخ رحمة الله الهندي، (جزء اول، ص:۲)

ہمارے دوست، عالم فاضل شیخ رحمت اللہ ھندی (جو مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہیں) کی کتاب اظہار الحق۔

(۴)منحة القريب المجيب في الرد على عباد الصليب

عربی زبان میں ردعیسائیت کے موضوع پر ایک اہم کتاب شیخ عبدالعزیز بن شیخ حمد بن ناصر آل محمد (متوفی:۱۲۴۴ھ) کی "منحة القريب المجيب فى الرد على عباد الصليب" ہے جو تین سوتیس (۳۳۰) صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب ایک پادری کی کتاب "مفتاح الخزائن ومصباح الدفائن" کی تردید میں لکھی گئی جس میں اسلام پر اعتراضات کئے گئے تھے، نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ورسالت کو ہدفِ تنقید بنایا گیا تھا اور عیسائیت کو دین حق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

مصنف نجد کے ممتاز ترین علماء میں سے تھے، جس زمانہ میں ابراہیم پاشا حاکم مصر نے نجد کی وہابی حکومت کے خلاف فوج کشی کی اور وہاں حالات ابتر ہوئے شیخ عبدالعزیز بحرین منتقل ہوگئے، اسی زمانہ میں امیر بحرین عبداللہ بن خلیفہ کا برطانوی حکومت سے خفیہ معاہدہ ہوا اور بحرین نے برطانیہ کی سیاسی سیادت وسرپرستی قبول کرلی، حکومت برطانیہ نے بحرین میں اپنا کونسلیٹ قائم کیا اور ایک عیار پادری کو بحرین میں اپنا مندوب مقرر کیا۔

اس پادری نے مذکورہ بالا کتاب لکھ کر شائع کیا اور لوگوں میں تقسیم کرایا، امیر بحرین عبداللہ بن خلیفہ کو بھی کتاب دی اور یہ خواہش کی کہ بحرین کے علماء اس کا مطالعہ کریں اور اگر ہوسکے تو اس کا جواب لکھیں، اس کا مقصد یہ تھا کہ امیر بحرین اس کی کتاب سے متاثر ہوکر عیسائیت قبول کرلیں اور عوام بھی رفتہ رفتہ اسلام سے پھر جائیں، امیر بحرین نے بحرین اور احساء کے علماء سے اس پادری کے شبہات اور دلائل کا جواب لکھنے کی فرمائش کی لیکن وہ لوگ یہ کام نہیں کرسکے، امیر بحرین اس پر سخت رنجیدہ وغصہ ہوا، اسے کسی نے بتایا کہ آج کل ایک نجدی عالم بحرین میں قیام پذیر ہیں، شاید وہ جواب لکھ سکیں، امیر بحرین کے حکم پر شیخ عبدالعزیز کو پادری کی کتاب پہنچائی گئی اور امیر کی طرف سے جواب لکھنے کی خواہش ان کے سامنے رکھی گئی تو انہوں نے

ایک ماہ کی مختصر مدت میں پادری کی کتاب کا جواب تحریر فرمایا، اس کے اعتراضات وشبہات کے تار پود بکھیر دئے اور اسلام کی حقانیت روز روشن کی طرح عیاں کردی، امیر بحرین اس کتاب پر خوش اور مطمئن ہوگئے، پادری کے لئے یہ جواب مسکت ثابت ہوا اور وہ بحرین میں عیسائیت کے فروغ کا جو منصوبہ لے کر آیا تھا اس میں ناکام ہوگیا۔

اس کتاب کا وہ نسخہ میرے پیش نظر ہے جس کو ''دار ثقیف للنشر والتالیف طائف'' نے ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء میں شائع کیا، کتاب کے شروع میں شیخ محمدؒ بن عبدالوہاب نجدی کے پرپوتے شیخ محمد بن عبداللطیف کے قلم سے مصنف کا وقیع تعارف اور سبب تالیف کی وضاحت ہے، علمی لحاظ سے کتاب بلند پایہ اور تحقیقی ہے، مصنف حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے کچھ پہلے کے ہیں۔ انہوں نے حافظ ابن تیمیہؒ کی کتاب الجواب الصحیح سے کافی استفادہ کیا ہے۔

(۵) تحفة الاريب في الرد على عباد الصليب

ردعیسائیت پر عربی زبان میں ایک کتاب جو اپنے حجم کے اعتبار سے مختصر لیکن اپنی معنویت اور افادیت کے اعتبار سے کافی اہم ہے وہ شیخ عبداللہ بن عبداللہ الترجمان میورقی کی کتاب ''تحفة الاريب فى الرد على عباد الصليب'' ہے۔

اس کتاب کے مصنف ایک عیسائی پادری ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور انہوں نے عیسائیت ترک کرکے اسلام قبول کیا، اس کتاب کے آغاز میں انہوں نے اپنے قبول اسلام کی داستان لکھی ہے جو بڑی موثر اور سبق آموز ہے، حاکم تونس ابوالعباس احمد کے دورِ حکومت میں تونس آکر انہوں نے اسلام قبول کیا، اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کی تردید میں انہوں نے یہ کتاب لکھی، ۸۲۳ھ میں اس کتاب کی تصنیف ہوئی، ۱۲۹۰ھ میں تونس سے یہ کتاب شائع ہوئی، مصنف کتاب اندلس کے شہر میورقہ کے رہنے والے تھے، پیدائش اور ابتدائی نشو ونما وہیں ہوئی، پھر عیسائیت کی مذہبی تعلیم کے مختلف مراکز میں جاکر عیسائیت کا گہرا علم حاصل کیا، ایک سن رسیدہ قسیس کی خدمت میں مدت دراز تک رہے اس لئے انہیں کتب عہد قدیم وعہد جدید پر کافی عبور حاصل ہوگیا، پھر دامنِ اسلام سے وابستہ ہوئے اس لئے عیسائیت پر ان کی تنقید بڑی مبصرانہ ہے، عقیدۂ تثلیث اور نسخ وتحریف وغیرہ موضوعات پر کافی باوزن کلام کیا ہے، اپنے دلچسپ اور

سبق آموز واقعات بھی کتاب میں شامل کئے ہیں، اس کی نئی اشاعت اور مختلف زبانوں میں ترجمہ کی ضرورت ہے۔

(٦) مناظرة بين الإسلام والنصرانية

یہ کتاب علماء اسلام اور علماء نصاریٰ کے درمیان اسلام اور نصرانیت کے بارے میں ایک مناظرہ ومناقشہ کی تفصیلی روداد ہے، جس کو سعودیہ عربیہ کے ''الرئاسۃ العامۃ لادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد ریاض'' نے ۱۴۱۲ھ میں شائع کیا، یہ مناقشہ یا مباحثہ کچھ منتخب علماء اسلام اور عیسائی پادریوں کی دعوت پر سوڈان کی راجدھانی خرطوم میں ۲۳/۱/۱۴۰۱ھ سے ۲۹/۱/۱۴۰۱ھ۔ ۱/۱۲/۱۹۸۰ء سے ۷/۱۲/۱۹۸۰ء تک ایک ہفتہ ہوا، مسلمانوں کی جانب سے ڈاکٹر شیخ محمد جمیل غازی، پروفیسر ابراہیم خلیل احمد اور انجینئر احمد عبدالوہاب نے نمائندگی کی اور عیسائیوں کی جانب سے پادری جیمس بخیت اور پروفیسر تیجار رمضان نے نمائندگی کی، مناقشہ ومباحثہ کا موضوع عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد تثلیث، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سولی دیا جانا، باپ بیٹا کا عقیدہ اور عہد قدیم اور عہد جدید کی کتابیں رہیں، بڑے سنجیدہ ماحول میں مناظرہ ہوا، بالآخر عیسائی نمائندوں نے اسلام قبول کرلیا۔

یہ کتاب ۵۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، اور لائق مطالعہ ہے، مطالعہ عیسائیت کا ذوق رکھنے والوں کے لئے یہ کتاب معلومات افزا اور بصیرت افروز ہے۔

اس کتاب کی تمہید میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے مناظرہ کا اور ان کی کتاب اظہار الحق کا بہت اہمیت سے تذکرہ ہے، لیکن ایک غلطی یہ ہوگئی ہے کہ مولانا کیرانوی کے مناظرہ کی جگہ آگرہ کے بجائے کلکتہ لکھی ہوئی ہے۔ (ص:۹) جسے درست کیا جانا چاہئے۔

ردعیسائیت پر عربی زبان کی مزید چند کتابیں

نعمان خیرالدین آلوسی ''مؤلف الجواب الفسیح لما لفقه عبدالمسیح '' نے اہل کتاب خصوصاً عیسائیوں کی تردید میں جن کتابوں کا ذکر فرمایا ہے ان میں حافظ ابن تیمیہ کی الجواب الصحیح اور حافظ ابن قیم کی ہدایۃ الحیاریٰ کے علاوہ درج ذیل کتابیں میں بھی ہیں۔

(۱) فاضل ماوردی کی دلائل النبوۃ (۲) ابن کثیر کی دلائل النبوۃ (۳) فاضل قرافی کی الاجوبۃ الفاخرۃ (۴) عبداللہ بن الترجمان کی تحفۃ الاریب (۵) رحمت اللہ ہندی کی اظہار الحق (۶) شیخ ابوالبقاء صالح کی تخجیل الاناجیل (۷) فاضل ابوالفضائل مالکی کی مختصر تخجیل الاناجیل (۸) رھاوی کی کتاب (۹) عمرو بن بحر الحافظ کی کتاب (۱۰) عبدالجبار مغربی کی کتاب (۱۱) قاضی ابوبکر کا مقالہ (۱۲) جوینی کا کلام (۱۳) طرطوسی کی کتاب (۱۴) ابن عوض کی کتاب (۱۵) خلف دمیاطی کی کتاب (۱۶) النصیحۃ الایمانیہ والانتصارات الاسلامیۃ (۱۷) علاء الدین علی بن محمد باجی شافعی کی الرد علی الیہود (الجواب الفسیح، ص:۳)

نعمان خیرالدین آلوسیؒ نے کہیں کتاب کا نام لکھا ہے کہیں مصنف کا اور وہ بھی ادھورا، انہوں نے سرسری طور پر ان کتابوں کا ذکر کیا ہے، ضرورت ہے کہ ان کتابوں کی جستجو کی جائے ان کے مصنفین کے حالات کا پتہ لگایا جائے، کتابوں کی اہمیت اجاگر کی جائے، انہیں تحقیق و مراجعت کے بعد شائع کیا جائے، تقریباً ہر موضوع پر سلف کی کتابوں کا اچھا خاصہ ذخیرہ نوجوان اہل علم و تحقیق کا انتظار کر رہا ہے۔

اظہار الحق کے محقق ڈاکٹر محمد احمد محمد عبدالقادر خلیل ملکاوی نے اپنے مقدمہ میں ردعیسائیت پر بہ طور نمونہ درج ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱) الفصل في الملل والنحل والاھواء۔ ابن حزم ظاہری (م ۴۵۶ھ)

(۲) الرد الجمیل لالھیۃ عیسیٰ بصریح الانجیل۔ حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی (م ۵۰۵ھ)

(۳) مقامع ھامات الصلبان، فقیہ اندلس ابوجعفر احمد بن عبدالصمد خزرجی (م ۵۸۲ھ)

(۴) الاعلام بما في دین النصاری من الفساد والاوھام واظہار محاسن دین الاسلام واثبات نبوۃ نبینا محمد علیہ الصلاۃ والسلام۔ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر بن فرح انصاری خزرجی قرطبی (م ۶۷۱ھ)

(۵) الجواب الصحیح حافظ ابن تیمیہ

(۶) ہدایۃ الحیاری حافظ ابن قیم

(۷) المنتخب الجلیل من تخجیل من حرف الانجیل۔ ابوالفضل سعودی

مالکی (اس کتاب کی تصنیف سے ۹۴۲ھ میں فارغ ہوئے۔

اسلام قبول کرنے والے عیسائیوں کی درج ذیل کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) الدین والدولة في اثبات نبوة النبي محمد صلی الله عليه وسلم ۔ ابوالحسن علی بن سہل طبری (متوفی ۲۴۷ھ)

(۲) تحفة الاريب في الرد على أهل الصليب ۔ عبداللہ الترجمان، (اس کی تصنیف سے ۸۲۳ھ میں فارغ ہوئے)

(۳) النصيحة الايمانية بفضح الملة النصرانية ۔ نصر بن عیسیٰ ابوسعد طبیب

(۴) البحث الصريح فی أی دين هو الصحيح ۔ شیخ زیادہ جو گیارہویں صدی ہجری کے ہیں۔

(۵) الأجوبة الجلية في دحض الدعوات النصرانية ۔ شیخ زیادہ جو گیارہویں صدی ہجری کے ہیں۔

(۶) المنارات الساطعة فی ظلمات الدنيا الحالكة. محمد زکی نجار (مصر کے شہر طھطا میں پادری تھے)

(۷) محمد فی التوراة والانجيل والقرآن ۔ ڈاکٹر ابراہیم خلیل احمد (ایک مصری پادری جو بیسویں صدی میں اسلام لائے)

(۸) التبشير والاستعمار وصلتهما بالامبريالية العالمية ۔ (ڈاکٹر ابراہیم خلیل احمد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیخ جواد ساباط

برصغیر ہندوپاک میں ردعیسائیت کے حوالہ سے جواد ساباط (متوفی: ۱۲۵۰ھ) کا نام وکام بہت نمایاں ہے، ان کی کتاب ''البراہین الساباطیہ'' ردنصاریٰ کی بنیادی کتابوں میں شمار ہوتی ہے، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے بھی اپنی تصنیفات خصوصاً ازالۃ الشکوک میں براہین ساباطیہ کے جابجا حوالے دئے ہیں، نزھۃ الخواطر میں جواد ساباط کا تذکرہ تو ہے (جلد ۷، ص: ۱۴۲۔۱۴۳) لیکن البراہین الساباطیۃ کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی ردعیسائیت میں ان کی کوششوں پر زیادہ روشنی ڈالی گئی ہے، البراھین الساباطیۃ کا ایک قدیم ترنسخہ جو خود مصنف کا شائع کردہ ہے کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں موجود ہے، اس کا مطالعہ کر کے کتاب کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ ہوا۔

میری خوش بختی ہے کہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ (جلد نمبر ۲۱، شمارہ نمبر ۴) میں مجھے ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی محدث رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مختصر لیکن جامع مضمون جواد ساباط کی حیات وخدمات پر ملا، یہ پورا مضمون ازالۃ الشکوک کے مقدمہ میں شامل اشاعت کیا جاتا ہے تاکہ ہماری نئی نسل اس مرد مجاہد کے کارناموں سے واقف ہو اور اسلاف کے کارنامے ہماری آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھادیں۔

(مفتی) عتیق احمد قاسمی بستوی

۲۰۱۵/۴/۱۶ء

جوادساباط

ہندوستان میں تیرہویں صدی ہجری میں عیسائی مشن کا ایک عرب حریف

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

تیرہویں صدی ہجری کے ربع اول میں جب کہ انگریزوں کا قدم ہندوستان میں جم چکا تھا، عیسائیت کی تبلیغ ہند و بیرون ہند میں بڑے اعلیٰ پیمانہ پر جاری تھی، برٹش اینڈ فارنر بائبل سوسائٹی کے مبلغین اطراف واکناف عالم میں پھیل چکے تھے، اور مسیحیت کا جال ہر چہار طرف پھیلا رہے تھے، مسلمان علی العموم اور مسلمانانِ ہند بالخصوص ان مکائد اور خفیہ تدابیر سے یکسر ناواقف تھے جو تبلیغ مسیحیت کے سلسلہ میں استعمال کی جارہی تھیں، علماء اکثر و بیشتر طبیعت کی سادگی اور علم کے وسائل وذرائع کی قلت کی وجہ سے ان حالات سے بے خبر تھے، اس لئے درس وتدریس کے علاوہ اور کسی چیز سے ان کو مطلب نہ تھا، ان حالات میں مسیحیت کو جو ترقی نصیب ہوسکتی تھی ظاہر ہے کہ میدان بالکل صاف تھا، زمین نہایت ہموار تھی، مسیحی مبلغین تمام خطرات سے بے فکر ہوکر اپنے کام میں مصروف تھے، ان کو یقین تھا کہ اب فرزندانِ اسلام کو حلقہ بگوشِ مسیحیت بنانے میں ان کو کوئی دقت پیش نہیں آسکتی۔

وہ یہ سوچ رہے تھے کہ یکا یک خدائے اسلام نے اسلام اور مسلمانوں کی دستگیری کے لئے اپنا غالب اور قہار ہاتھ بڑھایا، اور مسیحیوں کی تمام ملمع کاریوں کا پردہ چاک کردیا اور ان کے منصوبے خاک میں ملا دیئے، اس نے اپنے ایک بندے کے دل میں اسلام کا سچا درد اور اس کی حمایت کا حقیقی اور غیر فانی جوش پیدا کردیا جو اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں کود پڑا اور مقابلہ پر ڈٹ گیا، اور جب تک صفِ اعداء کائی کی طرح پھٹ نہ گئی نہایت بے جگری سے دادِ شجاعت دیتا رہا، اس بلند حوصلہ، شیر دل بہادر کو دنیا جوادساباط کے نام سے پکارتی تھی، اور یہ مختصر تحریر اس بہادر کے قلمی کارناموں کا ایک دھندلا سا خاکہ اور اس کے مختلف ادوارِ حیات کا نامکمل نقشہ ہے۔

جواد ساباط کا سلسلۂ نسب اور مختصر خاندانی حالات

ماں کی طرف سے امام حسینؓ تک پہنچتا ہے، اور باپ کی جانب سے حضرت امام حسن تک، ان کے والد محترم ابراہیم ساباط ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور جزیرہ کے اطراف میں اپنے بنو العم کے ساتھ سکونت اختیار کی اور ۱۱۸۷ھ میں سید محمد حکیم باشی کی صاحبزادی شہربان (بانو) سے عقد کیا، یہ عبداللہ پاشا (ترکی) کی وزارت کا زمانہ تھا، وزیر موصوف نے اسی سال ان کو ماریہ کا حاکم مقرر کیا، پھر کسی وجہ سے حکومت سے علیٰحدگی اختیار کر کے امیر موسم کے منصب پر فائز ہوئے، اس کے بعد ہجر کا رخ کیا اور وہاں سعد بن عویمر خالدی کی طرف سے سفیر بن کر ۱۱۹۲ھ میں کریم خان زندی کے پاس گئے، واپسی کے بعد پھر دوسری بار ۱۱۹۲ھ میں سفارت کی خدمت انجام دینے کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں یہ معلوم کر کے کہ جس کے پاس جانا ہے اس کا انتقال ہو گیا، واپسی کا ارادہ کیا مگر قسمت میں وہیں پیوندِ خاک ہونا لکھا تھا، مظفر خان بردستانی نے حملہ کیا، ابراہیم نے اپنے ساتھیوں کو لے کر مقابلہ کیا، آخر کار مقتول ہوئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ابراہیم ساباط بھی علم کی دولت سے بہرہ مند تھے، ان ایک تصنیف کا ذکر خود جواد نے کیا ہے، اس کا نام کتاب الازہار ہے، جواد نے اس کتاب کے حوالہ سے بعض باتیں ذکر کی ہیں، جواد ساباط کے نانا سید محمد حکیم باشی بڑے پائے کے طبیب تھے، پہلے شاہ طہماسپ صفوی (بادشاہِ ایران) نے شاہی اطباء کی افسری سے ان کو سرفراز کیا، طہماسپ کی وفات کے بعد ایران کو خیرباد کہا، اور ترکی پہنچے، اس وقت سلطنت عثمانیہ کی باگ سلطان عبدالحمید خاں کے ہاتھ میں تھی، سلطان نے بھی ان کو رئیس الاطباء کا منصب عطا کیا، جب سلیمان پاشا اول بغداد کے وزیر مقرر ہوئے تو انہوں نے درخواست کی کہ رئیس الاطباء کی خدمات بھی مجھے عنایت کی جائیں، سلطان نے وزیر کی درخواست منظور کر لی، اور سید محمد حکیم باشی وزیر کے رئیس الاطباء کی حیثیت سے بغداد روانہ ہو گئے، سلیمان کے انتقال کے بعد علی پاشا کی خدمت میں رہے، جب اس کی وفات ہو گئی تو عمر پاشا نے اپنے اطباء کی افسری عنایت کی، اس کے بعد ۱۱۸۶ھ میں مبتلائے طاعون ہو کر انتقال کیا، اور ماریہ مین مدفون ہوئے۔

جواد ساباط کی ماں بھی بقدر ضرورت پڑھی لکھی تھیں، چنانچہ جواد نے فن تجوید وصرف ونحو

اپنے والدہ ہی کی خدمت میں حاصل کیا تھا، پانچ برس کے سن سے اکیس برس تک جواد کی پرورش کرنے کے بعد ۱۲۰۹ء میں بمقام بصرہ دنیا سے رخصت ہوئیں۔

ولادت

جواد کی ولادت ان کے والد ابراہیم کی وفات کے پانچ برس پیشتر ۱۱۸۸ھ میں بمقام ماریہ ہوئی، اس وقت وزیر بغداد حسن پاشا (ترکی) تھے، اور یہ حسن کی وزارت کا آخری زمانہ تھا۔

تعلیم و تربیت

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ابراہیم ساباط اپنی اخیر عمر میں ہجر چلے گئے، اس وقت جواد کی پیدائش ہو چکی تھی، اور ابراہیم ان کو اور ان کی ماں کو بھی ساتھ لے گئے تھے، ابھی جواد نے ہوش بھی نہ سنبھالا تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، جب ابراہیم کے انتقال کا حال معلوم ہوا تو شہربان نے جواد کو لے کر جزیرہ کی طرف کوچ کر دیا، کچھ دنوں تک ابوشہر میں بڑی حسرت وافلاس کی حالت میں زندگی بسر کی، خوش قسمتی سے حاجی کوراغلی جنہوں نے ابراہیم ساباط کی امارت موسم کے زمانہ میں حج کیا تھا، شہربان کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کر دیا تھا، جس سے پیٹ بھرنے کو ٹکڑا، بدن چھپانے کو چیتھڑا میسر ہو جاتا تھا۔

ابوشہر میں کچھ دنوں رہ کر جزیرہ روانہ ہو گئیں، اور وہاں ۱۲۰۶ھ تک مقیم رہیں، پھر جواد کو ۱۲۰۷ھ میں بمقام بصرہ نعمان آقا بن مصطفیٰ آقا ماروینی کے ساتھ خراجِ احتساب کی کتابت پر مقرر کرا دیا، یہ سلسلہ کچھ زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا، آخر کار اسی سال کے اخیر میں کچھ معمولی چیزیں ساتھ کر کے محمد نبی، اور محمود بن مشکور کی معیت میں بغرض تجارت کنکون روانہ کیا، اس کے بعد ۱۲۰۹ھ میں شہربان کا بھی انتقال ہو گیا، پانچ برس کی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، اکیسویں برس ماں کی شفقت سے بھی محروم ہو گئے۔

اس مدت میں گو معاش کی جانب سے کبھی بے فکری حاصل نہیں ہوئی، نہ اطمینان سے کسی ایک جگہ قیام ہی ہو سکا، تاہم اس حالت میں بھی قریب قریب تمام علوم و فنون سے بقدر ضرورت واقفیت حاصل ہو گئی تھی، جواد نے خود اپنی تعلیم کا حال لکھا ہے، اور اپنے اساتذہ کے نام

گنوائے ہیں، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تجوید، صرف ونحو والدہ کی خدمت میں حاصل کیا، ۱۲۰۲ھ میں بمقام ابوشہر ملا محمد صادق بہبانی سے اصول فارسی اور خطاطی سیکھی، ۱۲۰۴ھ میں شیخ عبداللہ بن ابی دندن ساکن حساء سے عروض وقوانی کی تحصیل کی، اور ۱۲۰۵ھ میں احمد بن حمد حساوی کی خدمت میں بمقام حساء معانی وبیان وبدیع پڑھا، ۱۲۰۶ھ میں بمقام بصرہ سید عبداللہ حداد اور نعمان بن سفر افندی کی خدمت میں حدیث، فقہ، فرائض حاصل کیا، ۱۲۰۷ھ میں محمد غراب سے منطق وکلام اور حکمۃ نظریہ کے کچھ فنون سکھے، ۱۲۰۸ھ میں بمقام دمشق عارف باللہ شیخ کامل عبدالخلیل نابلسی کی صحبت میں تصوف اور وجدانیات کی چاشنی سے آشنا ہوئے، اس کے بعد ۱۲۰۹ھ میں ماں کا انتقال ہوگیا، ان کے انتقال کے چند دن بعد سے سیاحت شروع کی، اثنائے سیاحت میں بھی جب جب موقع ملا، کچھ نہ کچھ تحصیل کرتے رہے، چنانچہ ۱۲۱۴ھ میں جب ڈھاکہ پہنچے تو مولوی سید فضل علی عظیم آبادی کی خدمت میں رہ کر صرف ونحو کی خامی دور کی، ۱۲۱۶ھ میں مدارس میں مقیم ہوئے تو وہاں مولوی عبدالرحمٰن دامانی کے پاس منطق اور اصول فقہ کی تکمیل میں مصروف رہے، ان حضرات کے علاوہ شیخ عبداللہ مغربی، شیخ فضل اللہ بن عثمان حساوی اور مولوی صفدر علی خاں ساکن مچھلی بندر اور پادری ہنری مارٹن برطانی انجینئر سے دیگر مختلف علوم وفنون سیکھے۔

سیاحت

معلوم ہوتا ہے کہ والدہ کے انتقال کے بعد ہی جواد نے سیاحی شروع کر دی تھی، چنانچہ ان کا خود بیان ہے کہ ۱۲۱۳ھ میں ڈھاکہ پہنچا، اور اس سے پہلے وہ مختلف بلاد وامصار کی سیر کر چکے تھے، حرمین، مصر، عجم، نجد، یمن وغیرہ کے نام خود انہوں نے ذکر کئے ہیں، اس سیاحت میں اقوام وملل کے حالات کا انہوں نے گہرا مطالعہ کیا، اور ان حالات سے بہت کچھ قیمتی نتائج اخذ کئے، اور اپنی آئندہ زندگی میں اسلام کی جو عظیم الشان خدمت انہوں نے انجام دی اس کا جذبہ ان کی اسی واقفیت وباخبری نے ان کے دل میں پیدا کیا تھا، جو انہیں اثنائے سیاحت میں اقوام وملل کے متعلق حاصل ہوتی تھی۔

جواد کی بیش بہا دینی خدمات

تبلیغ مسیحیت کا مقابلہ اور اس کے اسباب وعلل

فاضل جواد کے تذکرۂ حیات لکھنے سے میرا حاصل مقصد انہیں خدمات کا ذکر کرنا ہے جو اس بہادر فرزند اسلام نے انجام دی ہیں، اور وہ تبلیغ مسیحیت کا ردعمل ہے جو وقت کی سب سے اہم دینی خدمت تھی، لیکن اس سے پہلے یہ بتادینا مناسب ہوگا کہ وہ کون سے اسباب تھے جن کی بنا پر اس خاص خدمت کا انتخاب کیا گیا اور اس کی انجام دہی کا خیال جواد کے دل میں پیدا ہوا، جواد نے اس کو خود ذکر کیا ہے۔

''میں نے تحصیل علم سے فارغ ہوکر سیر وسیاحت اور زمین کے طول وعرض کی پیائش شروع کی اس سیاحت میں مجھے یہ نظر آیا کہ اسلامی دنیا کے ہر ایک حصہ کے باشندے اپنا ایک مذہب مقرر کر کے اپنے مخالفین کی تضلیل وتکفیر میں مشغول ہیں، اور غیر ضروری باتوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور نصاری نے جو رخنے ان کے دین میں ڈالے ہیں، مذہب پر حملے کئے ہیں اور نقصان پہنچائے ہیں، ان کی بندش واصلاح، مدافعت وتلافی کی کسی کو فکر نہیں ہے، نجد، حرمین، جزیرہ، عجم، مصر، یمن ہر جگہ یہی قصہ ہے، میں اپنی سیاحت کے دوران میں ہندوستان پہنچا، وہاں کثیر التعداد علماء کا بھی یہی حال پایا، کم لوگ ایسے ملے جو ضروری امور کی طرف متوجہ ہوں۔

ادھر یہ حال ہے کہ ہندوستان کی عنانِ حکومت عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے، مسیحی مبلغین نے ایک جمعیت قائم کر رکھی ہے جس کا نام ''برٹش اینڈ فارنر بائیبل سوسائٹی'' ہے اس کے مصارف کے متحمل مسیحی لوگ ہیں، سوسائٹی کے مبلغین حبش، چین، روم، ایران بلکہ تمام ربع مسکون میں پھیلے ہوئے ہیں، تبلیغ مسیحیت کا کام بڑے زور وشور سے ہو رہا ہے، ملیبار، مدراس، بنگالہ کے ایک لاکھ غیر مسلم افراد حلقہ بگوش مسیحیت ہو چکے ہیں، اور دس ہزار فرزندانِ اسلام بھی آغوش اسلام سے بچھڑ کر عیسائیت قبول کر چکے ہیں۔

ان حالات کے مطالعہ سے میرے دل میں اسلام کا درد پیدا ہوا، میں نے سوچا کہ اگر

میں نے ان کو اس حالت میں چھوڑ دیا تو معلوم نہیں کیسی بد سے بدتر حالت ہو جائے گی، اور اس وقت سوائے کف افسوس ملنے کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا، اور اس وقت کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔ (البراہین لساباطیہ، ص:۳)

یہ بالکل ظاہر ہے کہ جس اہم کام کا جواد نے بیڑا اٹھایا تھا، اس کے لئے سرمایہ اور مسیحیوں کے مذہب سے واقفیت کی ضرورت تھی، جواد کی مالی حالت جس قدر گری ہوئی ہے، مخفی نہیں ہے، اور اس وقت تک مسیحیوں کے، اصول وفروغ سے بھی کافی واقفیت حاصل نہیں ہوئی تھی، اس لئے سب سے پہلے ان دونوں کا انتظام کر لینا ضروری تھا۔

عہدۂ قضاۃ

جواد کو یہ بات بہت مناسب معلوم ہوئی کہ جس گھر میں آگ لگانی ہے، اس میں اگر اسی گھر کے چراغ سے آگ لگے تو خوب ہے، چنانچہ انہوں نے کسی بڑے انگریز کے ہاں ملازمت کر لی، اور کچھ ہی دنوں میں حسن تدابیر اور لطائف الحیل سے کچھ ایسا اس کا دل قابو میں کر لیا کہ اس نے سفارش کر کے اسحاق پٹن میں ان کو قاضی کا عہدہ دلوا دیا۔

زبان انگریزی کی تحصیل

جواد کو اب کسی قدر اطمینان حاصل ہو گیا اور انہوں نے کوشش کر کے انگریزی زبان سیکھنا شروع کی، ذہین وطباع تھے ہی، تھوڑے ہی دنوں میں اتنی مہارت حاصل ہوگئی کہ انجیل کا انگریزی ترجمہ سمجھنے لگے، یہ تبلیغ مسیحیت کے مقابلہ میں جواد کا پہلا قدم تھا، جب اتنا ہو گیا تو انہوں نے دوسرا قدم اٹھایا، یعنی ملت اسلامیہ سے اپنا انحراف ظاہر کر کے ۱۲۱۵ھ میں سیدھے مدراس پہنچے۔

انجیل کی خدمت

اور وہاں مجمع مقدس سے درخواست کی کہ انجیل کا عربی ترجمہ کرنے کی خدمت اس کے سپرد کی جائے تاکہ اہل عرب بھی انجیل مقدس سے فائدہ اٹھا سکیں، انجیل کا عربی ترجمہ کرنے کے لئے ان کو مترجم کیا گیا، اور دس سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

لیکن اس طویل مدت میں کبھی وہ اپنے مخفی مقصد سے غافل نہیں ہوئے، اور نہ اس کی تکمیل میں کسی قسم کی کوتاہی کی، بظاہر انجیل کے ترجمہ میں مشغول تھے مگر پوشیدہ طور پر وہ برابر اپنا اصلی کام انجام دیتے رہے، عیسائیوں کو ان پر پورا اعتماد ہو گیا تھا، اور وہ ان سے بہت خوش تھے۔

ترجمہ کی خدمت سے علیٰحدگی

سوء اتفاق سے ۱۲۲۵ھ میں ایک دین فروش، دنیا ساز شخص حدیدہ سے وارد ہندوستان ہوا، جواد کے پاس آکر مقیم ہوا، یہ کیا جانتے تھے کہ وہ ان کے حق میں کانٹے بوئے گا، انہوں نے دوادوش کر کے انگریزوں کے یہاں اس کو سو روپیہ کی ملازمت دلوادی، اس نے اس احسان کی یہ مکافات کی اور حق نمک یوں ادا کیا کہ جواد کی طرف سے انگریزوں کے کان بھرنا شروع کئے، اور ترجمۂ انجیل کے بہانہ سے مسیحیت کے قلعہ پر بمباری کے لئے جو گولہ بارود یہ تیار کر رہے تھے، اس کا راز طشت از بام کر دیا، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اتہامات لگا کر انگریزوں کو اس سے سخت بدظن کر دیا، نوبت بہ اینجا رسید کہ جواد کو اپنے جان کے لالے پڑ گئے، اس وقت ان کو بھی مناسب معلوم ہوا کہ ترجمہ کے کام سے علیحدگی اختیار کر کے کچھ دنوں کے لئے وطن مالوف چلے جائیں، چنانچہ بارہ سال ترجمہ کا کام کرنے کے بعد ۱۲۲۷ھ میں اس کام سے دست بردار ہو کر خلفان بن سعید ازدی کی معیت میں وطن جانے کے لئے جہاز میں سوار ہوئے، جہاز نے لنگر اٹھایا، ابھی کچھ ہی دور جہاز پہنچا ہوگا کہ رفیقِ سفر خلفان سے کسی بات میں تکرار ہو گئی اور اس کی وجہ سے ایسی رنجش پیدا ہو گئی کہ اس کی معیت میں سفر کرنا بھی ناگوار ہو گیا، اور یہ ارادہ مصمم ہو گیا کہ کسی جگہ جہاز لنگر انداز ہو تو وہاں اس کا ساتھ چھوڑ دیں، نلصیری میں جہاز لنگر انداز ہوا اور جواد وہیں اتر پڑے اور دوسرے جہاز کے انتظار میں وہاں کچھ دنوں تک پڑے رہے۔

بشارت اور ترجمہ کے کام پر دوبارہ تقرر

ایک رات یوں ہی پڑے پڑے اپنی روانگی کے متعلق کچھ سوچ رہے تھے کہ یکا یک کسی نے آواز دی جواد ساباط! یہ "حاضر ہوا"، کہہ کر اٹھے اور دروازہ کھول کر باہر آئے تو مبہوت رہ گئے،

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا، مگر کوئی آدمی نظر نہ پڑا، دفعۃً پھر آواز آئی ''جواد ساباط وطن واپس جانے کا خیال محال چھوڑ دو جس کام کو شروع کیا ہے جب تک اس کی تکمیل نہ کرلو گے گھر پہنچنا ناممکن ہے'' آواز سنائی دی اور کسی بولنے والے کا نشان نہیں ملا تو جواد نے سمجھا کہ یہ صدائے غیب ہے، گھر جانے کی فکر چھوڑ کر مراجعت بنگالہ کا سامان کیا اور بنگالہ پہنچے، چونکہ ترجمہ انجیل کا کام ادھورا ہی رہ گیا تھا، مسیحیوں کی بھی خواہش تھی کہ ترجمہ مکمل ہو جائے، جواد کو بھی ضرورت تھی کہ وہ مواد پھر فراہم ہوں، جن پر ان کے مقصد کی تکمیل موقوف تھی، اس لئے دوبارہ ترجمہ کی خدمت کے لئے ان کا تقرر عمل میں آیا، دوبارہ تقرر کے بعد دو برس تک ترجمہ انجیل کا اور کام کیا، اور اس درمیان میں اپنے کام کو بڑی جانفشانی اور دماغ سوزی سے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

جواد کی دینی خدمات کی تفصیل

جواد بظاہر تو مسیحیت قبول کر کے چودہ برس تک انجیل کے ترجمہ میں مصروف رہے، مگر در پردہ مسیحیت کے جال کا تار و پود بکھیرتے رہے جس کو سوسائٹی نے پھیلا رکھا تھا، اس طویل مدت میں انہوں نے دو بڑے پایہ کی کتابیں لکھیں، جن میں عقائد مسیحیت کی کمزوری، اس کے اصول وفروع کا بطلان کھول کر رکھ دیا، اسلام کی حقانیت خود عیسائیوں کی مسلمہ کتابوں سے بیان کی، ایک کا نام الصراصر الساباطیہ اور دوسری کا البراہین الساباطیہ ہے، صراصر کو تو وہ چھپوا نہ سکے، البتہ براہین چھپوائی، اور بڑا کام کیا، اس کا چھپوانا کوئی آسان کام نہ تھا، عیسائیوں کے ملازم تھے، عیسائیوں کو ان کی جانب سے شبہہ ہو ہی گیا تھا، اور بہت سے لوگ بھی، ان کے سخت دشمن ہو رہے تھے، اور ان کی ہر نقل وحرکت کو بنظر تجسس دیکھ رہے تھے، دو تین آدمیوں کے علاوہ اور کوئی ساتھ دینے والا نہ تھا، ان حالات میں جواد ہی کا کام تھا کہ تقریباً اڑھائی سو صفحے کی کتاب چھپوا کر شائع کردی۔

براہین کی طباعت اور اشاعت

کا قصہ بھی کچھ کم دلچسپ نہیں ہے، جواد کا جب دوبارہ تقرر ہوا، اس وقت سے وہ برابر اس فکر میں تھے کہ ان کی یہ کتابیں مفید نہیں ہوسکتیں جب تک کہ ان کی اشاعت کا کوئی سامان نہ

ہو، اس لئے وہ اپنی تنخواہ سے کچھ پس انداز کرتے جاتے تھے، جب کچھ معقول رقم یکجا ہوگئی، تو انہوں نے اپنا ایک ذاتی پریس قائم کیا، اور گھر میں چھپ کر اس کتاب کو چھاپنا شروع کیا، جواد کا حدیدی نمک خوار اب تک نمک حرامی سے باز نہیں آیا تھا، اس کو کچھ شبہ ہوگیا، اور وہ تفتیش کرنے لگا کہ آخر یہ دروازہ بند کر کے کیا کیا کرتے ہیں جب اتنا معلوم ہوگیا کہ کوئی کتاب چھاپ رہے ہیں تو پریس کے ملازمتوں کو بہکانا اور پھوڑنا شروع کیا، چنانچہ کئی ایک نے کام چھوڑ دیا، مگر جواد نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی دھن میں برابر لگے رہے یہاں تک کہ براہین کے چھ سو نسخے تمام وکمال چھپ کر تیار ہوگئے، اور اس کے تمام اخراجات جواد نے اپنی جیب خاص سے ادا کئے براہین کے کل نسخے چھپا کر رکھ دیے، اس کے بعد خلفان بن سعید کے معرفت مختلف مقامات میں بھجوا کر مفت تقسیم کرادیئے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے، اور یہ تفصیل جواد نے براہین میں خود لکھی ہے

۱۰۰	نسخے حرمین، حجاز نجد میں	۵۰	نسخے یمن میں
۵۰	عمان میں	۱۵۰	بصرہ، بغداد دجلہ نجف اور جزیرہ کے دیگر مقامات میں
۱۰۰	نسخے ایران وماوراء النہر میں	۵۰	اسلامبول (استنبول) اور اس کے ملحقات میں
۱۰۰	نسخے ہندوستان میں (براہین ساباطیہ)		

کل نسخے وقف کردیئے، براہین کے ہر نسخے پر یہ عبارت طبع کرادی، **وقفها عفا الله عنه كلها تقربا إلى الله ورسوله لاتباع ولا تشترى ولا تمنع عن ناقل ولا مطالع.**

غریب الوطنی کی حالت میں جب کہ کوئی حامی ومددگار بھی نہ ہو اور ہر طرف سے دشمنوں کا نرغہ ہو، مخالفین کی نظر بچا بچا کر اڑھائی سو صفحے کی کتاب تصنیف کرنا، اور اس کی اشاعت کے لئے ایک خطیر رقم سے پریس قائم کرنا، اور ڈھائی سو صفحہ کی کتاب کے ۶۰۰ سو نسخے کی طباعت کے تمام مصارف کا تنہا متحمل ہونا اور حسبۃ اللہ اکثر بلاد اسلامیہ میں اس کے کل نسخے مفت تقسیم کرادینا کیا یہ اسلام کی معمولی خدمات ہیں میرا تو یہ خیال ہے کہ اگر ہر زمانے میں دو چار ایسے ہی مخلص خادم جو دین کی خدمت اور اسلام کی تبلیغ اور مذہب کی جانب سے مدافعت کے لئے اسی طرح

جانی ومالی قربانیاں دینے کو تیار ہو جایا کریں تو مخالفین کے سارے منصوبے خاک میں ملجائیں اور ان کی کل تدبیریں بیکار ہو جائیں۔

جواد نے ان واقعات کو دردناک انداز سے نظم میں بیان کیا ہے، چند اشعار نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

وأخذت انظمها بسلک قریحتی — حتی غدا تحکی الکثیب المعتم
وأتیت في تنمیقها بغرائب — غراء لم تتأت للمتقدم
وطبعتها وجعلتها وقفا ولا — أمسی لما اسست غیر متمم
من عین مالی والطروس شواهدی — وسطورهن مع المداد الادهم
وبنو الجروج یبیتون وقصدهم — أن یظفروا منی بادنی ملزم
والخل ان نادیت أو خاطبته — لم یلتفت نحوی ولم یتکلم
وکذا الصدیق یقول ان صادفته — إنی برئ منک إنک ملزمی
وشهرتها لم اخش دائرة الردیٰ — والواش حق لی کالحمام الحوّم
وجعلتها منی هدیة مخلص — لا باللئیم الا ولا بالدعرم

(براہین ساباطیہ ص:١٦)

براہین کی بعض خصوصیات

اناجیل اور دیگر صحیفوں کی عبارتیں ان کے انگریزی تراجم کے حوالے سے نقل کی گئی ہیں جو ۱۶۱۰ھ میں جیمس اول فرمانروائے برطانیہ کے حکم سے عالم وجود میں آئے تھے، پہلے اصل عبارت انگریزی زبان میں نقل کرتے ہیں، اس کے بعد عربی میں اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔

(۲) جس مطلب کو ثابت کرنا ہوتا ہے، اس کو عام فہم دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔

(۳) حتی الوسع بہت مختصر عبارت میں مطلب ادا کر جاتے ہیں۔

(۴) کہیں کہیں وہ مکالمات بھی ذکر کر جاتے ہیں جو ان کے اور پادریوں کے مابین ہوتے رہتے تھے۔

(۵) کتاب کے مطالعہ سے ان تجار کا کرکٹر صاف نظر آنے لگتا ہے جو ملک اسلامیہ سے

بغرض تجارت وارد ہندوستان ہوتے تھے، اور انگریزوں کے ہاتھ ان ممالک کی مخصوص چیزیں فروخت کرتے تھے، یا جو انگریزوں کے ہاں آکر کسی صیغہ میں ملازم ہوجاتے تھے، درحقیقت اجمالی طور پر یہ کتاب ان کے حالات کا آئینہ ہے۔

جواد کی دیگر تصانیف

کی تعداد تیس (۳۰) تک پہنچتی ہے، اکثر عربی زبان میں ہیں بعض بعض فارسی اور اردو میں بھی ہیں، بعض کے نام یہ ہیں:

(۱) ترجمۂ انجیل مقدس بزبان فارسی (۲) ترجمۂ انجیل بزبان عربی (۳) الجنن الساباطیہ یہ ان اعتراضات کا رد ہے جو انجیل کے فارسی ترجمہ پر کسی نے کئے تھے، (۴) النفحات الساباطیہ جواد کے عربی اشعار کا مجموعہ، (۵) خیالات ساباطیہ فارسی اشعار کا مجموعہ، (۶) الخلاصۃ الساباطیہ فی عبادات الحنفیۃ، (۷) شراب الصوفیہ تصوف میں، (۸) دھماکۂ ساباطیہ (اردو) صرف ونحو میں''۔

جواد کی ہندوستان سے روانگی

جواد نے اسلام کی جس خدمت کا بار اپنے ذمہ لیا تھا جب اس سے سبکدوش ہوگئے تو انہوں نے مناسب سمجھا کہ اب ہندوستان چھوڑ دینا چاہئے، اور ممالک اسلامیہ میں سکونت اختیار کرنی چاہئے، جب رختِ سفر باندھ چکے اور روانگی کے لئے بالکل آمادہ ہوگئے تو براہین کا ایک نسخہ اور اس کے ساتھ ایک خط لکھ کر پادری طامس کے نام روانہ کیا، خط کا خلاصہ یہ ہے:

از خادم دین محمدی ناصر شرع احمدی جواد ساباط ابن ابراہیم ساباط حسینی حنفی۔

پادری طامس! ہداہ اللہ، واضح ہو کہ جب میں ان ممالک میں پہنچا اور آپ لوگوں کی لغویانہ اور مفسدانہ کاروائیاں دیکھیں میں نے اس کا بھی مشاہدہ کیا کہ مسلمانوں کے جاہل طبقہ کے دل مائل ارتداد ہیں اور میں نے مراکیوس کے وہ اعتراض بھی پڑھے جو اس نے قرآن مجید پر کئے ہیں اور تمہارے مقاصد خوب اچھی طرح معلوم کرلئے تو میں ہمہ تن تمہاری طرف متوجہ ہوگیا، اور گھر گرہستی چھوڑ کر تمہارے ساتھ اشتراک عمل کیا، لیکن میں نے جو کچھ کیا صرف تمہارے دین کی

حقیقت اور تمہاری شریعت معلوم کرنے کے لئے کیا، جب میرا کام پورا ہو گیا اور میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا، تو میں تم سے علیحدہ ہو گیا اور تم کو بھلا بیٹھا۔

براہین کا ایک نسخہ روانہ کرتا ہوں، میں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ اس کی تصنیف وتہذیب میں صرف کیا ہے، اور بڑی دماغ سوزی کی ہے، امید ہے کہ بنظر انصاف اور تعصب کی پٹی اتار کر اس کا بغور مطالعہ کریں گے ممکن ہے خدائے تعالیٰ اس کے ذریعہ آپ کو سیدھی راہ چلنے کی توفیق دے، اور آپ کو بھی نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیوا بنائے۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

جواد کی وسیع المشربی

براہین کے مطالعہ سے جواد کی وسیع الخیالی کا بھی پتہ چلتا ہے وہ باوجود حنفی المذہب ہونے کے حنفی، شافعی، شیعہ، سنی، آویزشوں کو بہت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور حد درجہ اس سے بیزار ہیں، وہ تمام کلمہ گو مختلف فرقوں کو متحد دیکھنا چاہتے ہیں، ان کی تمنا ہے کہ تمام اندرونی اختلافات یک قلم مٹا کر مسلمانوں کی مختلف الخیال جماعتیں مخالفین کے مقابلہ میں ایک بینان مرصوص کی شکل میں نظر آئیں۔

خاتمہ: چونکہ اس صحبت میں اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے ایجاز واختصار پیش نظر ہے، اس لئے یہاں پہنچ کر بادل ناخواستہ قلم روک لینا پڑا، اور کئی ایک قابل ذکر باتیں لکھنے سے رہ گئیں، تاہم اگر وقت نے مساعدت کی تو کسی دوسری صحبت میں جواد کا مکمل تذکرہ قوم کے سامنے پیش کرسکوں گا، سردست یہ مختصر تذکرہ قوم کی خدمت میں پیش کر کے امیدوار ہوں کہ قوم اس تذکرہ سے بہت کچھ سبق حاصل کرے گی اور صاحب تذکرہ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے گی۔

عیسائی مشنریز کے مقابلے میں برصغیر کے علماء اور اہل دانش کی قابل قدر کوششیں

سترہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے مختلف ساحلوں پر مغربی سامراج کی ٹولیاں تاجروں کے بھیس میں نمودار ہوئیں، جو رفتہ رفتہ مسلح ہوتی گئیں اور ہندوستان کی سیاسی انتشار اور ابتری کا فائدہ اٹھا کر انہوں نے اپنا سیاسی اور فوجی اثر ورسوخ آس پاس کے علاقوں میں بڑھا لیا، اور تدریجاً علاقائی حکمرانوں کو اقتدار وسلطنت سے بے دخل کر دیا اور زمامِ اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لی۔

انہیں مغربی سیاسی طالع آزماؤں (جو مذہباً عیسائی تھے) کے جلو میں عیسائی مشنریاں بھی ہندوستان میں وارد ہوئیں جنہوں نے مغربی استعمار کی کھلی اور چھپی مدد سے ہندوؤں اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا دیا، مسلمان علماء ومشائخ نے شروع میں مشنریز کی کوششوں کو زیادہ اہمیت نہیں دی، لیکن جب اس فتنہ نے زور پکڑا کچھ مسلمان علانیہ عیسائی ہو گئے، عیسائی پادری یہاں وہاں مناظرہ کا چیلنج دینے لگے اور اپنا لٹریچر خواص وعوام میں تقسیم کرنے لگے تو مسلمان علماء اور اہل دانش کو فتنہ کی سنگینی کا احساس ہوا اور فکر مند علماء کی ایک تعداد مختلف علاقوں میں اس فتنہ عظیم کی سرکوبی کے لئے مستعد ہوئی، زبانی اور تحریری مناظرے شروع ہوئے، ردنصرانیت میں کتابیں اور رسالے لکھے جانے لگے، مسلمان علماء نے پادریوں کی کتابوں اور رسالوں کے جوابات لکھے اور چھاپے۔

افسوس ہے کہ ہمارے نوجوان ہی نہیں بلکہ اکثر علماء اور دانشور بھی ردعیسائیت میں اپنے بزرگوں کی کوششوں اور کاوشوں سے بے خبر ہیں، اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر میں اس سمت میں کئی گئی کوششوں اور خدمات کا مختصر تعارف کرا دیا جائے اور جن بزرگوں نے مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے عرفان وایقان کی قندیلیں روشن کیں اور اپنا سب کچھ قربان

کر دیا ان کا اور ان کی گراں قدر خدمات کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا جائے۔

(۱) اس سلسلے کی نہایت اہم خدمات شیخ جواد ساباط (متوفی ۱۲۵۰ھ) نے انجام دی، ان کی حیات وخدمات کا کچھ تفصیلی ذکر چونکہ محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے قلم سے آچکا ہے لہذا یہاں ان کا ذکر حذف کیا جاتا ہے۔

(۲) حضرت مولانا آل حسن موہانی اور ردعیسائیت

ردعیسائیت پر نمایاں کرم کرنے والوں میں مولانا آل حسن بن غلام سعید حسینی رضوی موہانی بھی ہیں، ان کی پیدائش ۱۲۰۲ھ اور وفات ۱۲۸۷ھ میں ہوئی، ردعیسائیت میں ان کی دو کتابوں کی بڑی شہرت ہوئی (۱) استفسار (۲) استبشار

استفسار پادری فنڈر کی مشہور کتاب میزان الحق کے قدیم نسخہ کے رد میں لکھی گئی اور اس میں اسلام کا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ عیسائیت کو کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا ہے اور عیسائیت کی کمزوری کو ہویدا کیا گیا ہے، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ استفسار کا بہت حوالہ دیا کرتے ہیں، اور پادری فنڈر اور دوسرے پادریوں کی طرف سے استفسار پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کا جا بجا جواب دیتے ہیں، استفسار ازالۃ الاوہام کے حاشیہ پر بھی چھپی ہے لیکن یہ بعد کا ایڈیشن ہے، استفسار کا سن تصنیف ۱۲۵۹ھ ہے،

۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء میں استفسار کی پہلی اشاعت ہوئی۔

استبشار میزان الحق کے دوسرے نسخہ کی تردید ہے جو فارسی زبان میں ۱۸۴۹ء میں چھپا، اسی طرح استفسار کے جواب میں پادری فنڈر نے حل الاشکال نام کی کتاب لکھی اس کی تردید بھی استبشار میں کی گئی، استبشار کی اشاعت کے بعد پادری فنڈر دس سال ہندوستان میں رہا، لیکن وہ اس کتاب کا جواب نہ لکھ سکا۔

مولانا آل حسن موہانی کی ان کتابوں کے نسخے عام طور پر بڑی لائبریریوں میں بھی دستیاب نہیں ہیں، ان کی نئی اشاعت کی ضرورت ہے۔

(۳) شیخ ناصر الدین بن محمد علی ابو منصور دہلوی

ابو منصور دہلوی (متوفی: ۱۳۲۰ھ) غیر منقسم ہندوستان میں ردعیسائیت کی ممتاز ترین شخصیت تھے، علمی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، ناگپور میں پیدائش ہوئی، اپنے آباء واجداد سے تعلیم حاصل کی، علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد انگریزی زبان سیکھی، یہود اور نصاریٰ کے علماء سے توریت اور انجیل پڑھی، عیسائیوں سے مناظرہ میں عمر گذاری، اپنی علمی وفکری توانائیاں اسلام کے تحفظ ودفاع میں صرف کیں، بہت ساری کتابیں لکھیں، زیادہ تر تصنیفات ردعیسائیت اور رد نیچریت میں ہیں۔

ردعیسائیت میں ان کی درج ذیل کتابیں ہیں:

(۱) نوید جاوید

(۲) دولت فاروقی

(۳) عقوبۃ الضالین (پادری عماد الدین کی کتاب ہدایت المسلمین کی تردید)

(۴) الاستیصال (پادری رام چند کی کتاب المسیح الدجال کی تردید)

(۵) رقیمۃ الوداد (پادری صفدر علی کی کتاب نیاز نامہ کا جواب)

(۶) لحن داؤدی (پادری عماد الدین کی کتاب نغمۂ طنبوری کا جواب)

(۷) انعام عام (پادری رجب علی کتاب آئینۂ اسلام کی تردید)

(۸) افحام الخصام (راجرس عیسائی کی کتاب تفتیش اسلام کی تردید)

(۹) تصحیح التاویل (پادری عماد الدین کی تفسیر مکاشفات کی تردید)

(۱۰) اعزاز القرآن (پادری رام چندر کی کتاب اعجاز القرآن کا رد)

(۱۱) میزان المیز ن (پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق کی تردید)

(۱۲) حرز جان (عبد اللہ آتھم عیسائی کی کتاب اصلیت قرآن کا رد)

(۱۳) التبیان (عیسائیوں کے کچھ سوالات کا جواب)

(۱۴) مصباح الابرار (پادری فنڈر کی کتاب مفتاح الاسرار کا رد)

(۱۵) التادیب

(۱۶) نمونۂ تحریف

(۱۷) تشویش القسیسین

(۱۸) المحاکمۃ بین عقوبۃ الضالین وہدایۃ المسلمین

مولانا ناصر الدین ابو منصور دہلوی ردعیسائیت میں یکتائے روزگار تھے، ان کے معاصر علماء انہیں مناظر اسلام کے لقب سے جانتے تھے۔

نزہۃ الخواطر جلد ۸، ص: ۵۱۳، ۵۱۴

اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، ص: ۳۱۲، ۳۱۳

(۴) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ردعیسائیت

ردعیسائیت کے سلسلے میں ایک نمایاں نام بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۲۹۷ھ) کا بھی ہے، مولانا مرحوم بلاشبہ اپنے دور کے حجۃ الاسلام اور متکلم اسلام تھے، اسلام کے عقائد واحکام کی مدلل اور دلنشیں ترجمانی کا اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی سلیقہ عطا فرمایا تھا، مختلف باطل مذاہب اور فرقوں کی تردید میں ان کی تحریریں ان کے متکلم اسلام ہونے کی شاہد عدل ہیں، انہوں نے آریہ سماجیوں اور عیسائیوں سے مناظرے بھی کئے، عیسائی مشنریز کی درپردہ منصوبہ بندی اور تدبیر سے ضلع شاہجہاں پور کے ایک گاؤں میں ''میلہ خدا شناسی'' کے نام سے ایک بین المذاہب مذاکرہ یا مناظرہ کا پروگرام ترتیب دیا گیا تھا، اس پروگرام کے اصل روح رواں اور منصوبہ ساز بعض تیز طرار عیسائی پادری تھے، انہوں نے ہندو مذہب کے بعض پیشواؤں کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیا تھا، ان پادریوں کو یہ زعم تھا کہ بحث ومباحثہ میں ہم اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام پر ایسے اعتراضات کریں گے کہ اسلام کے نمائندے ان کو جواب نہ دے سکیں گے، مسلم نمائندوں کو شکست ہوگی اور پھر یوپی کے کئی اضلاع میں عیسائیت کا پھریرا لہرا اٹھے گا۔

معلوم نہیں انہوں نے کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کو بھی بلالیا، یہ مناظرہ مارچ ۱۸۷۷ء میں ہوا۔

سب سے پہلے اصرار کرکے پادریوں اور پنڈتوں نے حضرت مولانا محمد قاسمؒ نانوتوی

سے تقریر کرائی، اسلامی عقائد کے اثبات اور عیسائیت و ہندو مذہب کے عقائد کے ابطال و تردید میں حضرت مولانا نانوتوی کی تقریر اتنی مدلل، جامع اور مسکت تھی کہ پادری اور پنڈت منہ دیکھتے رہ گئے، بعض دیسی اور ولایتی پادریوں نے کچھ سوالات بھی کئے لیکن مولانا مرحوم کے مسکت جوابات نے ان کی زبانیں بند کر دیں، اور پورے مجمع میں یہ تاثر گیا کہ اسلام کے نمائندے فتحیاب ہوئے، حضرت نانوتویؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ نے اس مناظرہ کی روداد ''مباحثہ شاہجہانپور'' کے نام سے مرتب اور شائع کی۔

ردعیسائیت کے سلسلے میں ان کی تحریریں اگر چہ بہت زیادہ نہیں ہیں لیکن بڑی باوزن اور موثر ہیں۔

(۵) ردعیسائیت میں حضرت مولانا محمد علی مونگیری کی خدمات

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے حجاز منتقل ہونے کے بعد جن علماء نے ردعیسائیت کے محاذ کو سنبھالا، ان میں بانی ندوۃ العلماء، حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، رد عیسائیت میں ان کی خدمات کی تفصیل ''سیرت مولانا سید محمد علی مونگیری'' مولفہ مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کے، ص: ۳۷ سے ص: ۶۹ تک میں مرقوم ہے، ۱۲۸۹ھ میں مولانا مونگیری نے اخبار منشور محمدی جاری کیا، جس میں عیسائیت کی تردید اور اس کے عقائد کے ابطال میں مضامین شائع ہوتے تھے، چار پانچ سال یہ اخبار جاری رہا۔

ردعیسائیت پر مولانا نے درج ذیل کتابیں اور رسائل لکھے (۱) مرآۃ الیقین تحریف اناجیل کے موضوع پر (۲) آئینۂ اسلام، منشی صفدر علی پادری کی کتاب نیاز نامہ کی تردید میں لکھی گئی (۳) ترانۂ حجازی، پادری عماد الدین کی کتاب نغمۂ طنبوری کی تردید میں (۴) دفع التلبیسات، پادری عماد الدین کی کتاب تقلیعات کے جواب میں لکھی گئی (۵) پیغام محمدی، پادری منشی صفدر علی کتاب ''نیاز نامہ'' اور پادری ٹھاکر داس کی کتاب ''عدم ضرورت قرآن'' کی تردید میں دو جلدوں پر مشتمل مفصل کتاب ہے۔

(۶) مناظر اسلام حضرت مولانا شرف الحق دہلوی

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے عیسائیت کی تردید میں مناظرے ہی نہیں کیئے،

کتابیں ہی نہیں لکھیں بلکہ رجال کار بھی تیار کیئے، مولانا مرحوم نے اپنی تعلیم وتربیت کے ذریعہ اپنے شاگردوں کی ایک فوج تیار کردی، جو پادریوں کا تعاقب کرتے، ان سے مناظرے کرتے، ان کی کتابوں اور رسائل کی علمی تردید کرتے، آگرہ میں پادری فنڈر کو مناظرہ میں شکست دینے کے بعد حضرت مولانا کیرانوی کی شہرت بام عروج کو پہنچ گئی تھی، بہت سے علماء ان کی خدمت میں مناظرہ اور ردنصاریٰ کی تربیت حاصل کرنے ہی کے مقصد سے حاضر ہوتے اور قیام کرتے۔

ردنصاریٰ کے میدان میں ان کے ممتاز شاگردوں میں سے ایک شخصیت مولانا شرف الحق دہلوی کی ہے، پادریوں سے مناظرہ میں ان کو بڑی مہارت تھی، انہوں نے اپنے کو پادریوں سے مناظرہ اور ان کی تردید کے لئے فارغ کرلیا تھا۔

ان کے ایک مناظرہ کی روداد ''براہین جلالیہ'' کے نام سے چھپی، اس کا دوسرا نام مباحثہ سیرور بھی ہے، یہ مناظرہ حضرت مولانا شرف الحق دہلوی اور امریکی مشن کے پادریوں، پادری نرائن راؤ، پادری منشی سنتوش رائے کے درمیان ہوا، فتح حضرت مولانا شرف الحق صاحب کو حاصل ہوئی، یہ رسالہ براہین جلالیہ محمد رحمت اللہ رعد کے نامی پریس میں چھپا، اس میں مولانا شرف الحق صاحب کے بہت سے معاصر پادریوں کا نام ہے، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کا بھی ذکر خیر ہے۔

مولانا عباس علی جاجموی

مولانا عباس علی جاجموی کے حالات نہیں ملتے، لیکن ردعیسائیت کی کتابوں میں ان کی دو کتابوں کا بار بار ذکر ملتا ہے (۱) صولۃ الضیغم علی اعداء ابن مریم (۲) خلاصۃ صولۃ الضیغم، ۱۸۳۲ء میں مولوی عباس علی کا پادری ویٹ اور پادری ولیم سے مناظرہ ہوا تھا، عیسائی مشنریز نے صولۃ الضیغم کی چوٹ محسوس کی، چنانچہ بعض مشنری پادریوں نے اس کا جواب لکھنے کی کوشش کی، پادری رانکین نے دافع البہتان کے نام سے اس کا جواب لکھا۔

اوپر کے صفحات میں ردعیسائیت کے حوالے سے چند نمایاں شخصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے تمام حضرات کا اور ان کی خدمات کا تذکرہ کرنے کے لئے پوری کتاب درکار ہے، اس سلسلہ میں سرسید احمد خاں کا نام بھی بجا طور پر لیا جاتا ہے، انہوں نے ولیم میور وغیرہ کی طرف سے رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے جانے والے اعتراضات کا دفاع کرنے کے لئے سیرت کے موضوع پر اپنی کتاب لکھی اوراس کے لئے بڑی محنت کی، اگر چہ زیادہ تر مباحث میں ان کا انداز معذرت خواہانہ اورمرعوبانہ ہے لیکن اس دور میں ان کی اس خدمت نے بہت سے لوگوں کا ذہن صاف کیا، اس لئے فی الجملہ اس کی افادیت کا انکارنہیں کیا جاسکتا۔

غلام احمد قادیانی شروع شروع میں پادریوں سے مناظرہ ہی کے لئے کھڑے ہوئے تھے اوراس سلسلے میں ان کی اچھی خاصی شہرت ہوگئی تھی، لیکن پھر انہوں نے زیغ وضلال کے راستے پر تیز گامی کے ساتھ سفر کیا اور رفتہ رفتہ دعوۂ نبوت تک پہونچ گئے اور اپنی ساری مذہبی خدمات حکومت برطانیہ کی نذرکردی اس لئے ردعیسائیت کے سلسلے میں قابل ذکرنہیں ہیں۔

کتب سماویہ میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بشارتوں پر دو کتابیں

قرآن کی متعدد آیات کی بناپر مسلمانوں کا یقین واذعان ہے کہ سابق کتب سماویہ خصوصا انجیل میں نبی آخرالزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں موجود ہیں لیکن عیسائی پادری اصرار وتکرار کے ساتھ کہتے تھے کہ توریت وانجیل (کتب عہد قدیم وعہد جدید) میں مسلمانوں کے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کوئی بشارت موجودنہیں ہے،اس بارے میں مسلمانوں اور عیسائیوں میں مباحثے ہوتے تھے۔

اس موضوع پر ہندوستان کے مختلف علماء نے کتابیں لکھیں، ان میں سے دو کتابیں خاص طور پر بڑی اہم اور قابل ذکر ہیں (۱) مولانا خواجہ عبدالعزیز لکھنوی کی ''بشارت محمدی'' (۲) مولانا عنایت رسول چریاکوٹی کی ''بشریٰ''۔

بشارت محمدی

مولانا خواجہ عبدالعزیز محمدث لکھنوی کی کتاب ''بشارت محمدی'' اپنے موضوع پر انتہائی مفصل اوراہم کتاب ہے، بڑے سائز کے ایک ہزار بتیس (۱۰۳۲) صفحات پر مشتمل ہے، مصنف نے اخیر صفحہ پر خاتمہ کتاب کے تحت لکھا ہے:

''یہ کتاب بشارت محمدی سن بارہ سو ستاسی (۱۲۸۷ھ) میں تمام ہوئی اور پھر بہت باتیں کتابوں سے ملتی گئیں اوراس میں داخل ہوتی گئیں، یہاں تک کہ سن تیرہ سو نو میں چھپ کر تمام ہوئی'' ص:۱۰۳۲۔

آغاز کتاب میں ٹائٹل پر کتاب اور مصنف کا نام اور کتاب کے موضوع اس طرح لکھا ہوا ہے۔

الذين يتبعون الرسول النبی الأمي الذي يجدونه مكتوبا عندهم في التواراة والإنجيل

الحمدلله والمنة کہ حضرت ارحم الراحمین کے فضل وکرم سے کتاب مستطاب

بشارت محمدی

تالیف شریف عالم نبیل وفاضل جلیل حافظ قرآن وخادم حدیث جناب مولوی حاجی خواجہ عبدالعزیز صاحب محدث لکھنوی جس میں جناب سرور عالمؐ کے پتے اور نشان اور قرآن شریف جو آپ پر اترا اس کے پتے اور نشان اور آپ کی امت کے پتے اور نشان اور حضرت عیسیٰؑ کے پتے اور نشان توراۃ وزبور سے اور انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفوں سے لکھے ہیں جو اللہ نے پہلے سے انبیاء کو بتلائے ہیں اور انجیل پاک سے جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش خبریاں لکھی ہیں۔

بمقام لکھنؤ محلّہ فراشخانہ وزیر گنج تاریخ کیم ماہ محرم ۱۳۰۵ھ

مطبع حسینی اثنا عشریہ میں سید عابد علی کے اہتمام سے چھپی۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر انسائیکلوپیڈیا کے انداز کی ہے، کتب عہد قدیم وعہد جدید کا تحقیقی انداز میں مطالعہ کر کے مصنف نے ان تمام پیشین گوئیوں کا احاطہ کیا ہے جن کا تعلق نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم، امت محمدیہ یا قرآن کریم سے ہے، اسلامی اور عیسائی مصادر سے یکساں طور پر استفادہ کیا ہے، مصنف عبرانی زبان سے بھی واقف ہیں، جیسا کہ انہوں نے کتاب میں اس کا اظہار کیا ہے، مصنف کے حالات مجھے اب تک نہیں مل سکے، نزھۃ الخواطران کے ذکر سے خالی ہے، کتاب کے بعض مندرجات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد میں بھی ان کا قیام رہا ہے، یہ کتاب تحقیق کے ساتھ نئے انداز سے شائع کی جائے تو تین جلدوں میں آئے گی، کتاب کی اشاعت مصنف کی زندگی میں ہوئی اس سے اتنی بات یقینی ہو جاتی ہے کہ ۱۳۰۹ھ تک وہ حیات تھے، حالات اور سن وفات کا پتہ نہیں۔

بشریٰ

یہ کتاب حضرت مولانا عنایت رسول چریاکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، مولانا مرحوم کی پیدائش ضلع اعظم گڑھ کے تاریخی قصبہ چریاکوٹ میں ۱۲۴۴ھ میں ہوئی، ابتدائی اور متوسط تعلیم کے مراحل اپنے خاندان میں طے کئے جس میں ممتاز ترین اہل علم تھے، تکمیل کے لئے ٹونک کا سفر کیا اور حضرت مولانا حیدر علیؒ شاگرد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے تعلیم کی تکمیل کی، وطن واپسی کے بعد پھر انہیں عبرانی زبان سیکھنے کا شوق اس قدر غالب ہوا کہ کلکتہ کا پر مشقت سفر کیا اور کئی سال وہاں قیام کر کے عبرانی، یونانی اور انگریزی زبانیں بعض یہود اور نصاریٰ سے سیکھیں، کلکتہ سے وطن واپسی کے بعد اپنے وطن چریاکوٹ ہی میں رہے اور زیادہ تر تصنیف وتالیف میں زندگی گزاری اور شوال ۱۳۲۰ھ میں وفات ہوئی۔

مولانا عنایت رسول چریاکوٹی اذکیاء عصر میں سے تھے، سر سید احمد خاں نے بھی ان سے استفادہ کیا ہے، ان کی خصوصی شاگرد حضرت مولانا محمد فاروق چریاکوٹی تھے جو ان کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے، مولانا محمد فاروق استاذ زماں تھے، علامہ شبلی نعمانی بھی ان کے شاگردوں میں تھے۔

مولانا محمد امین چریاکوٹی نے کتاب بشریٰ کے مقدمہ میں حضرت مولانا عنایت رسولؒ کی پندرہ تصنیفات کا ذکر کیا ہے لیکن بشریٰ کے سوا بقیہ تصنیفات زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکیں، ہاں کچھ مضامین ان کے معاصر رسالوں میں شائع ہوئے جن کی نشاندہی مولانا محمد امین چریاکوٹی نے کی ہے۔ بشریٰ کی اشاعت بھی مصنف کی وفات کے ۳۸ سال بعد ۱۳۵۸ھ-۱۹۳۹ء میں شروانی پرنٹنگ پریس علیگڑھ میں محمد مقتدیٰ خاں شروانی کے اہتمام میں ہوئی۔

یہ کتاب اپنے انداز کی منفرد کتاب ہے، غالباً اردو کے علاوہ کسی اور زبان میں بھی ایسی کتاب موجود نہیں، اس کتاب کی تصنیف میں مصنف کو بیس (۲۰) سال لگے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب مصنف کی حاصل حیات ہے، اس کتاب کی تالیف کے لئے مصنف نے عبرانی، یونانی اور انگریزوں زبانیں سیکھیں، خصوصاً عبرانی میں بڑا کمال پیدا کیا۔

مصنف اس کتاب میں کتب سماویہ (توریت، انجیل) کی عبرانی کی وہ عبارتیں نقل کرتے ہیں جن میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت پیشین گوئیاں ہیں، اصل عبرانی

عبارتیں لکھتے ہیں، پھر اسے اردو رسم الخط میں لکھ کر اس کا اردو ترجمہ بھی کرتے ہیں، حل لغات کرتے ہیں، اور بحث کرتے ہیں۔

اس کتاب کی تصنیف، کتابت، طباعت، اشاعت سب کی داستان بڑی عجیب وغریب ہے، خصوصاً ہمارے نوجوانوں کے لئے بڑی سبق آموز ہے، اسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف دین اسلام کی نصرت وخدمت کے جذبہ سے کس قدر سرشار تھے اور اس کے لئے وہ کس قدر محنت کرتے تھے اور قربانیاں دیتے تھے، کتاب کے صفحات ۴۴۴ ہیں۔

مصنف نے کتاب کے مختلف مقامات پر کچھ شاذ آراء کا اظہار کیا ہے جو جمہور امت کے فکر وعقیدہ کے خلاف ہیں، مقدمہ کتاب میں اس پر متنبہ کیا گیا ہے۔

پادری سی۔جی۔فنڈر

سید غلام محی الدین

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے متعلق اردو اور عربی زبانوں میں بہت کافی تفصیلات ملتی ہیں، ان کی عربی کتاب ''اظہار الحق'' ردعیسائیت پر انیسویں صدی میں لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے جامع، مستحکم، مدلل اور مبسوط کتاب ہیں جس کا ترجمہ دنیا کی چھ زبانوں میں ہو چکا ہے اور جس نے علمی دنیا سے زبردست خراج عقیدت وصول کیا ہے۔

یہ کتاب پادری فنڈر (Rev. C. G. Pfander) کی کتاب ''میزان الحق'' کے جواب میں لکھی گئی تھی جس نے اسلام کے خلاف کئی کتابیں لکھی تھیں اور مسلمانوں کو مناظرہ کے لئے چیلنج کیا کرتا تھا، اس کی تصنیفات اور متعدد مقامات پر مناظرہ کے چیلنج نے عام مسلمانوں میں خوف وہراس کی ایک فضا پیدا کر دی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ اولاً فنڈر کو ہندوستان کی زمام حکومت پر قابض ہونے والی ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے کارندوں کی مکمل حمایت حاصل تھی اور دوئم یہ کہ اس وقت تک ہمارے علماء نے عام طور پر عیسائیت کے مطالعہ اور اس کے رد کی جانب پوری توجہ نہیں دی تھی، بہر حال اس مقالہ کا مقصد پادری فندر کی شخصیت پر روشنی ڈالنا ہے جس کا طلسم مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے بالآخر چکنا چور کر دیا تھا۔

پادری فنڈر ابتدا میں دس یا بارہ سال تک جرمنی کے ایک عیسائی مبلغ کی حیثیت سے روس کے صوبہ جارجیا (Gergia) میں قلعہ شوش (Shushy) میں مقیم رہا، جہاں سے وہ اکثر ایران کا دورہ کیا کرتا تھا، ایک دوبار اس نے بغداد تک کا سفر بھی کیا تھا، ایران میں آمد و رفت کے نتیجہ میں اس نے فارسی زبان میں خاصی مہارت حاصل کر لی تھی، اس کے علاوہ آرمینیا کے رہنے والے ایک مسلمان لڑکے کو جسے ڈاکوؤں نے پکڑ کر غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیا تھا اس نے عیسائی بنالیا تھا جس سے وہ اپنی فارسی انشا پردازی میں مدد لیا کرتا تھا، ۱۸۳۶ء میں روسی حکومت کی غیر ملکیوں کے اخراج کی پالیسی کے زیر اثر اسے روس چھوڑنا پڑا اور ۱۸۳۸ء میں اس

نے ہندوستان میں عیسائی مبلغ کی حیثیت سے کام کرنا شروع کردیا، ہندوستان آنے سے قبل اس نے اسلام کے رد میں ''میزان الحق'' تصنیف کر لی تھی جس میں اس نے اپنے پیشرو عیسائی مشنریوں پادری لی (Rev. S. Lee) کی کتاب ''عیسائیت اور اسلام کی مناظرانہ تحریریں'' (Controvertial tracts on christianity and mahommedanism) مطبوعہ کیمرج ۱۸۲۴ء اور پادری چارلس فاسٹر (Rev. charles foster) کی تصنیف ''راز اسلام طشت از بام'' (Mahommedanism unveiled) مطبوعہ لندن ۱۸۲۹ء سے کافی فائدہ اٹھایا تھا، فنڈر کی کتاب ''میزان الحق'' سب سے پہلے شوش سے ۱۸۳۵ء میں طبع ہوئی اور اس کے بعد اس کا اردو ترجمہ مرزا پور سے ۱۸۴۳ء میں شائع ہوا، اس کتاب میں اس نے اولاً یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ قرآن کی رو سے بائبل بھی الہامی کتاب ہے اور یہ کہنا کہ متاخر الہام کے ذریعہ قدیم الہام منسوخ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی شانِ الوہیت سے بعید ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی حاجت نہیں کہ وہ زمانہ کے تغیرات کے ساتھ اپنے احکامات میں کوئی ترمیم کرے، کتاب کا دوسرا باب جو اس کے نصف سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس میں پادری فنڈر نے عیسائیت کے عقائد اور اس کی تعلیمات کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ عیسائیت کے پاس ایک مکمل ضابطۂ اخلاق موجود ہے جو ہر زمانہ کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کافی ہے، کتاب کے آخری حصہ میں اسلام پر اعتراضات کئے گئے ہیں جن کا بڑا حصہ مذکورہ بالا پادری لی اور چارلس فاسٹر کی کتابوں سے لیا گیا ہے، اس میں نبی آخرالزماں کے متعلق پیشین گوئیوں سے انکار، قرآن کا بائبل سے ماخوذ ہونا، تقدیر پر اعتقاد، گناہوں پر ندامت اور معافی طلب کرنا نجات کے لئے کافی نہ ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق واعمال پر اعتراضات کئے گئے ہیں، اخیر میں ایک ضمیمہ ہے جس میں چھ افراد کے قبول عیسائیت کی روداد بیان کی گئی ہے۔

پادری فندر کا دوسرا مختصر کتابچہ ''مفتاح الاسرار'' ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور تثلیث کی حقانیت ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مصنف نے اس بات پر خاص طور سے زور دیا ہے کہ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ ان کی

الوہیت کی مظہر ہیں، تثلیث کے ثبوت میں فنڈر کہتا ہے کہ مابعد الطبیعاتی نقطۂ نظر سے وحدت کا وجود محال ہے کیونکہ ایسی وحدت محض کسی شے کے وجود تک محدود ہوگی جو مجہول اور بے حرکت ہوگی، لہذا یہ ضروری ہے کہ ایسے کسی وجود کے ساتھ عقل اور ارادہ کو بھی شامل کیا جائے، فنڈر اس دلیل کو پیش کرتے ہوئے یہ نظر انداز کر دیتا ہے کہ عیسائیت تثلیث کے ذریعہ جن دو اشخاص کو الوہیت میں شریک کرتی ہے وہ عقل اور ارادہ کی طرح صفات نہیں بلکہ وہ بذات خود ان صفات کے حامل وجود ہونے کے دعویٰ دار ہیں۔

فنڈر کی تیسری تصنیف ''طریق الحیات'' تھی، جس میں اس نے عیسائیت کے نقطۂ نظر سے گناہ کی اصل حقیقت یا ماہیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کے ذریعہ نجات پر تفصیل سے بحث کی ہے، اس طرح یہ کتاب میزان الحق کا تتمہ ہے جس میں اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ گناہ کے متعلق اسلام کا یہ نظریہ کہ وہ انسان کی ایک داخلی کمزوری ہے جس پر توبہ اور عبادات کے ذریعہ فتح حاصل کی جاسکتی ہے، انسان کے ضمیر کو مردہ کر دیتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ گناہ صرف عمل کے ذریعہ ہی سرزد نہیں ہوتا بلکہ گناہ کے لئے انسانی رجحان اور ارادہ بھی قابلِ سزا ہے جس سے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان کے ذریعہ ہی نجات مل سکتی ہے۔

فنڈر نے ان کتابوں کے علاوہ اردو زبان میں ایک رسالہ جس کا نام ''شجر زندگانی'' ہے تحریر کیا تھا جس میں انجیل سے عیسائی عقائد واخلاق سے متعلق اقتباسات جمع کئے گئے تھے۔

فنڈر نے ان کتابوں اور ان کے اردو ترجموں کو وسیع پیمانے پر مسلمانوں خصوصاً طبقۂ علماء میں تقسیم کیا، سب سے پہلے شمال مغربی صوبہ جات کی محمڈن سوسائٹی (Mahommaden society of the north western province) نے ان کتابوں خصوصاً ''میزان الحق'' کے جواب میں چند مختصر کتابچے شائع کئے لیکن ان میں فنڈر کے اعتراضات کا شافی اور مدلل جواب دینے کے بجائے اکثر اعتراضات کے بارے میں صرف یہ کہا گیا تھا کہ اس نے جو دلائل دئے ہیں وہ ناقابل فہم ہیں، فنڈر نے اپنی تصنیفات کے نسخے دربار اودھ سے منسلک مجتہد سید علی کو بھی ۱۸۴۲ء میں ارسال کئے تھے، مجتہد سید علی نے فنڈر کی فارسی دانی کی تعریف کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا کہ ان کتابوں کو تحریر کرنے میں کسی اہل زبان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا گیا ہے،

انہوں نے اپنے ایک شاگرد سید محمد ہادی (جو مذہباً سنی العقیدہ تھے) کو فنڈر کا جواب لکھنے پر مامور کیا، سید محمد ہادی نے ''فقرات بعض القسیسین(۱) والاحبار یکشف الاستار ولکسر مفتاح الاسرار ونقص'' کے نام سے ۲۳۲ صفحات پر مشتمل ایک کتاب تحریر کی جو لکھنؤ سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوئی، کتاب اگر چہ فارسی زبان میں تھی لیکن اس میں طویل عربی عبارتیں اور اقتباسات نقل کئے گئے تھے، اگر چہ اس میں مفتاح الاسرار کا مدلل جواب دیا گیا تھا اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال سے عیسائیت کے عقائد کی تکذیب کی گئی تھی، لیکن میزان الحق میں اسلام پر کئے گئے اعتراضات سے بحث نہیں کی گئی تھی، بلکہ اسے ''میزان الباطل'' کہہ کر اس سے اعراض برتا گیا تھا۔

اسی زمانہ میں سید رحمت علی اور محمد کاظم علی سے فنڈر کی خط وکتابت ہوتی رہی جو ۱۸۴۲ء سے شروع ہو کر ۱۸۴۴ء یا ۱۸۴۵ء تک چلتی رہی، یہ سلسلہ اس وقت ختم ہو گیا جب فنڈر نے جواب دینے سے انکار کر دیا، ان خطوط میں محمد کاظم علی نے فنڈر سے یہ سوال کیا تھا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود ہی یہ کہا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی ہدایت کے لئے آئے ہیں تو پھر ان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ ساری دنیا کے لئے مبعوث ہوئے تھے، کیا ان کی تکذیب نہیں ہے؟ فنڈر کو بالآخر یہ اقرار کرنا پڑا کہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت اصلاً یہودیوں کے لئے تھی اور ان کی تعلیمات ان کی دنیاوی زندگی میں (یعنی مصلوب ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے سے پہلے) تکمیل کو نہیں پہنچی تھیں، سید رحمت علی اور محمد کاظم نے اپنے خطوط میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور ان کے حواریوں کے الہام اور نبی آخر الزماں کے بارے میں پیشین گوئیوں کے متعلق مسائل بھی اٹھائے تھے جن کا کوئی شافی جواب فنڈر نہیں دے سکا تھا۔

فنڈر اور آگرہ کے مولوی سید علی حسین کے درمیان بھی اسلام اور عیسائیت کی حقانیت کے بارے میں خط وکتابت ہوتی رہی تھی جسے مرزا پور کے ایک مشنری ماہنامہ ''خیر خواہ ہند'' نے شائع کیا تھا، مولوی سید علی حسین نے بعد میں ردعیسائیت پر ایک کتاب بھی لکھی تھی جو غالباً لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی لیکن اس کے بارے میں کوئی تفصیل دستیاب نہیں ہے، اسی زمانہ میں لکھنؤ سے کسی نامعلوم شخص نے فنڈر کی تصنیفات کے جواب میں ''خلاصہ صولت الضیغم'' کے نام سے

۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں ایک کتابچہ شائع کیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کتابچہ کا مصنف کمپنی کا کوئی ملازم تھا جس نے اپنا نام ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

فنڈر کے جواب میں جتنی بھی کتابیں اس وقت تک لکھی گئی تھیں ان میں سے کسی میں بھی اس کے اعتراضات خصوصاً میزان الحق کا مدلل اور شافی جواب موجود نہیں تھا، بالآخر ۱۸۵۴ء میں فنڈر اور مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے درمیان آگرہ میں مناظرہ ہوا جس میں فنڈر لا جواب ہوکر مناظرہ کے آخری دن گھر بیٹھ رہا، اس مناظرہ کا تفصیلی حال ''اظہار الحق'' کے مقدمہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بیان کیا ہے، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کو ہندوستان سے ہجرت کرکے حجاز جانا پڑا، اور فنڈر بھی یورپ واپس چلا گیا، اسے لندن کے چرچ مشن نے قسطنطنیہ میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے مقرر کیا اور اس سے مناظرہ کے لئے سلطان عبدالعزیز خان نے مولانا رحمت علی کیرانویؒ کو ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں مکہ مکرمہ سے قسطنطنیہ طلب کیا، فنڈر ایک بار پھر مولانا سے مقابلہ کرنے کے بجائے قسطنطنیہ سے واپس چلا گیا اور آخر کار سلطان عبدالعزیز خان اور صدر اعظم منیر الدین پاشا کی خواہش پر مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے ''اظہار الحق'' تصنیف کی جس کے بعد عیسائی دنیا میں بھی ''میزان الحق'' کا اعتبار ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

چند معروضات ''ازالۃ الشکوک'' کے بارے میں

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب ''ازالۃ الشکوک'' کی صحبت میں کم وبیش میرے تیرہ سال گذرے، کتاب کا بار بار مطالعہ کیا، کمپیوٹر کتابت کے بعد اسے تصحیح کی غرض سے بار بار پڑھا، کتاب کے املاء اور زبان کو دور حاضر کے ذوق کے مطابق تبدیل کرنے کی کوشش کی، کتاب مسلسل لکھی ہوئی تھی، اس کی پیراگرافنگ کی، جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی نئے عناوین قائم کئے، قدیم عناوین کو جدید قالب میں ڈھالا، کتاب میں جن مراجع سے استفادہ کیا گیا ہے ان تک براہ راست پہنچنے کی کوشش کی، خصوصاً عہد عتیق اور عہد جدید کی کتابوں کے اردو، فارسی، عربی کے تراجم کے حوالوں میں جہاں کھٹک محسوس ہوئی اصل کی طرف مراجعت کی اس سے بہت فائدہ ہوا، بہت سی گتھیاں سلجھیں اور تصحیح میں سہولت ہوئی۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی زبان اور اسلوب باقی رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی، کتاب کے جو الفاظ اب متروک الاستعمال ہو چکے ہیں اگر وہ عہد قدیم اور عہد جدید کے تراجم میں تھے تو ان کو باقی رکھا گیا، اور اس کے بعد بریکٹ میں مروج لفظ لکھ دیا گیا، اور اگر مولانا موصوف کی عبارت میں وہ الفاظ تھے تو عموماً انہیں تبدیل کردیا گیا۔

ازالۃ الشکوک نے مجھ سے کتب عہد عتیق وعہد جدید کا مطالعہ کروایا، موجودہ عیسائی مذہب کی حقیقت سے واقف کیا، کتب سماویہ میں کی گئی تحریفات، تلبیسات کو واشگاف کیا، ازالۃ الشکوک اور مولانا مرحوم کی دوسری تصنیفات سے کتب عہد قدیم وعہد جدید میں تحریف لفظی کا مسئلہ دو دو چار کی طرح عیاں ہوگیا اور ان حضرات کے موقف کی کمزوری بالکل ظاہر ہوگئی جو کہتے ہیں کہ اہل کتاب نے آسمانی کتابون میں صرف معنوی تحریف کی ہے لفظی تحریف نہیں کی۔

ازالۃ الشکوک کے طویل مطالعہ اور اس کتاب کی طویل صحبت وممارست کی بنا پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی اہمیت، قدر وقیمت اور خصوصیات کے بارے میں اختصار کے ساتھ کچھ لکھا جائے تاکہ قارئین کو بصیرت حاصل ہو۔

مولانا کیرانوی کی تصنیفات کی زمانی ترتیب

تصنیفی ترتیب کے اعتبار سے ازالۃ الشکوک کو مولانا کیرانویؒ کی پانچویں تصنیف قرار دیا جاسکتا ہے، ردعیسائیت کے موضوع پر مولانا کیرانوی کی جو کتاب سب سے پہلے شائع ہوئی وہ ازالۃ الشکوک ہے جو فارسی زبان میں ہے، اس کتاب کے حاشیہ پر حضرت مولانا آل حسن موہانیؒ (متوفی: ۱۲۸۷ھ) کی کتاب استفسار بھی شائع ہوئی جو ردعیسائیت میں ایک اہم ترین کتاب مانی جاتی ہے، ازالۃ الاوہام کی پہلی اشاعت رمضان المبارک ۱۲۶۹ھ میں سید المطابع دہلی سے ہوئی، اس وقت مولانا کیرانوی کی عمر قمری حساب سے ۳۶ سال ہو چکی تھی، ازالۃ الاوہام کے شروع میں موصوف نے لکھا ہے کہ چار سال کی مدت میں میں نے ردعیسائیت پر چار کتابیں لکھیں (۱) معدل الموجاج المیزان بجواب میزان الحق (۲) تقلیب المطاعن جواب حصہ اول کتاب تحقیق دین حق (۳) بروق لامعہ (۴) ازالۃ الاوھام، لیکن شروع کی تینوں کتابیں شائع نہ ہوسکیں بلکہ ۱۸۵۷ء کے حادثہ کے بعد ضائع ہوگئیں۔

خود حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے بیان کے مطابق ازالۃ الشکوک ۱۲۶۹ھ میں تیار ہوئی لیکن دوبارہ مولانا نے اس کتاب پر نظر ثانی اور اضافے کئے اور اس کتاب کی تکمیل شعبان ۱۲۷۱ھ میں ہوئی، اس درمیان ۱۲۷۰ھ میں مولانا کیرانویؒ نے کتب عہد قدیم وعہد جدید میں تحریف کے موضوع پر اپنی مشہور کتاب اعجاز عیسوی تصنیف فرمائی جو اپنے موضوع پر بڑی دستاویزی کتاب ہے، ازالۃ الشکوک میں بعض مقامات پر اعجاز عیسوی کا حوالہ بھی ہے، اور اعجاز عیسوی کی اشاعت ۱۲۷۱ھ میں ہوگئی، جب کہ بعض اسباب ووجوہ کی بنا پر ازالۃ الشکوک کی اشاعت میں غیر معمولی تعویق وتاخیر ہوئی اور یہ کتاب مصنف علام کی وفات کے بعد شائع ہوسکی، جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

مذکورہ بالا نکات کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو آغاز تصنیف کے اعتبار سے ازالۃ الشکوک مولانا کیرانوی کی پانچویں کتاب ہے اور تکمیل تصنیف کے اعتبار سے چھٹی کتاب ہے۔

اسی اثناء میں حضرت مولانا کیرانوی کی ایک مختصر کتاب ''أحسن الأحادیث في إبطال التثلیث'' شائع ہوئی جو ستر (۷۰) صفحات پر مشتمل ہے، لیکن یہ کتاب دراصل ''ازالۃ الشکوک'' کا

تمہیدی حصہ تھی، جس کو اس کی افادیت کے پیش نظر ابتداء ہی میں الگ سے شائع کر دیا گیا، اس کے ناشر حافظ عبداللہ صاحب کتاب کے آخر میں لکھتے ہے:

''واضح ہو کہ عیسائیوں نے کراچی بندر سے ۲۹/سوال اپنی کمان میں لاجواب سمجھ کر شاہجہاں آباد اور اطراف میں بھیجے تھے، حقیقت میں وہ سب سوال دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض تھے، سو رافع اَعلام ملت و دین مؤسس بنیان شریعت و یقین، تحریر علوم مستند الناظرین جناب مولانا مولی رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے ان سب کے جواب صاف صاف کس خوبی اور فصاحت سے تحریر فرمائے کہ دیکھنے والے بروقت مطالعہ کے محفوظ ہوں گے، حتی المقدور بطور جواب الزامی کے سند سب کے عیسائیوں کی کتابوں سے بیان کی ہے، تاکہ گنجائش ''لا'' اور ''لانسلم'' کی باقی نہ رہے، اور جس کو وہ اپنے گمان میں لاجواب سمجھتے تھے پانی پانی کر دیا، شکر اللہ سعیہ۔ لیکن چونکہ وہ جواب بعضے اور امور پر مبنی تھے پس ان امور کا پہلے بیان کرنا ضروری ہوا، اس رسالہ میں وہ سب امور ضروری مندرج کئے، اس رسالہ کو مقدمہ ان جوابوں کا سمجھنا چاہئے اور وہ تمام جواب بسبب طوالت اور تفصیل کے بجائے خود ایک کتاب ہے کہ ابھی اس پر نظر ثانی ہو رہی ہے، قریب تمامی کے ہے، احقر العباد حافظ عبداللہ مہتمم مطبع نے اس مقدمہ کو امور مفیدہ اور مطالب عجیبہ سے پُر سمجھ کر جداگانہ اس کو طبع کیا، تاکہ متبع دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فوائد سے بہرہ یاب ہوں، ناظرین اس مقدمہ کو جب وہ جواب چھپ کر تیار ہوں گے، اس کے ساتھ جمع کر لیں گے''۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان.

ازالۃ الشکوک کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر

ازالۃ الشکوک حضرت مولانا کیرانویؒ سب سے مبسوط و مفصل کتاب ہے، یہ کتاب دو جلدوں میں ۱۱۱۶ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، شاید اس کی ضخامت بھی اس کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر کا سبب بنی ہو، اس کتاب کی تصنیف کے بعد ۱۸۵۷ء کے جہاد حریت (جسے عام مؤرخین غدر کا نام دیتے ہیں) میں حضرت مولانا کیرانویؒ کی سرگرم شرکت ہوئی، بلکہ کیرانہ کے محاذ پر مولانا مرحوم نے جہاد حریت کی قیادت کی، جہاد کے ناکام ہو جانے کے بعد داروگیر شروع ہوئی، چن چن کر مجاہدینِ حریت کو شہید کیا گیا، حضرت مولانا کیرانویؒ بھی انگریز حکومت کو مطلوب تھے، کافی دنوں روپوش رہے اور بڑے طویل اور پر مشقت سفر کے بعد ہجرت کر کے مکہ مکرمہ پہنچے، رفتہ رفتہ

مولانا کیرانوی کے فضل وکمال کی خوشبو حرمین اور بلاد عرب کے علماء وعمائدین میں پہنچی، لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہی وہ مرد مجاہد ہے جس نے عیسائیوں کے سب سے بڑے مناظر پادری فنڈر کو آگرہ میں شکست فاش دی اور اسلام کی حقانیت کا ڈنکا بجادیا، خلیفۃ المسلمین عبدالعزیز خاں نے انہیں قسطنطنیہ طلب کیا اور بڑا اعزاز واکرام فرمایا، عیسائیت کی تردید میں عربی زبان میں ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی، اسی طرح کی فرمائش مکہ مکرمہ کے سید العلماء سید احمد زینی دحلان اس سے پہلے کرچکے تھے، چنانچہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے ۱۲۸۰ھ میں اظہار الحق تصنیف فرمائی دولت عثمانیہ نے بڑے پیمانے پر اس کی اشاعت کرکے پوری دنیا میں اس کو پھیلایا، انگریزی اور ترکی وغیرہ میں اس کے ترجمے کراکے شائع کیے، اس طرح مولانا کیرانوی کی شہرت چہار دانگ عالم میں پھیل گئی اور ان کے نام سے عیسائی مشنریز کے پادری لرزنے لگے۔

مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد حضرت مولانا کیرانویؒ نے وہاں ایک معیاری دینی مدرسہ قائم کرنے کی فکر فرمائی اور یہ فکر ان کے دل ودماغ پر مستولی ہوگئی، مولانا مرحوم کی توانائیوں اور صلاحیتوں کا بڑا حصہ اس میں صرف ہونے لگا، آپ کی کوششوں سے مدرسہ صولتیہ قائم ہوا جو اس زمانہ میں حجاز کا بڑا تعلیمی مرکز تھا اور الحمد للہ آج بھی اس کا فیض جاری ہے۔ ان حالات اور مصروفیات کی بناء پر حضرت مولانا کیرانویؒ ازالۃ الشکوک کی طباعت واشاعت کی طرف توجہ نہیں کرسکے، مولانا کیرانوی کے ایک مایۂ ناز بافیض شاگرد حضرت مولانا عبدالوھاب ویلوری بانی مدرسہ باقیات الصالحات ویلور (متوفی: ۱۳۳۷ھ) نے ازالۃ الشکوک کی کتابت وطباعت وغیرہ کی ذمہ داری اپنے سر لے لی اور اس کی کتابت وتصحیح میں لگ گئے، ازالۃ الشکوک جلد دوم کے اخیر میں تحریر ہے "تصحیح اس دوسری جلد کی مع جلد اول ازالۃ الشکوک کے بشراکت محبی محمد یعقوب خاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ حوالدار پیشیں کے فقیر عبدالوھاب کان اللہ لہ ولاسلافہ نے شعبان المعظم ۱۲۸۸ھ میں تمام کیا"۔

ازالۃ الشکوک کی اشاعت

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبان ۱۲۷۱ھ میں ازالۃ الشکوک کی تصنیف مکمل ہوئی اور اس کے سترہ سال بعد حضرت مولانا عبدالوھاب صاحب اس کی کتابت کی تصحیح سے فارغ

ہوئے، اتنا عرصہ گذرنے کے بعد بھی کتاب طباعت واشاعت کے مراحل سے نہ گذر سکی بلکہ اسے طویل صبر آزما انتظار کرنا پڑا، چنانچہ جلد اول کے داخلی ٹائیٹل پیج پر سن اشاعت ۱۳۲۶ھ لکھا ہوا ہے، جلد دوم پر سن اشاعت درج نہیں ہے لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ جلد دوم کی اشاعت حضرت مولانا عبدالوہاب ویلوری کی وفات کے بعد ہوئی، کیونکہ جلد دوم کے ٹائیٹل پیج پر لکھا ہوا ہے ''حسب فرمان جناب حضرت مولانا مولوی الحاج ابوالفضل ضیاء الدین محمد صاحب مدظلہ العالی''۔

ازالۃ الشکوک کا سنِ اشاعت بیان کرنے کے بارے میں ''اظہار الحق'' کے محقق ڈاکٹر عبدالقادر ملکاوی سے زبردست چوک ہوئی انہوں نے ''ازالۃ الشکوک'' کا سن اشاعت شعبان ۱۲۸۸ھ لکھا ہے (ملاحظہ ہو اظہار الحق جلد ۴ ص:۱۳۷۱) حالانکہ ازالۃ الشکوک جلد اول کی اشاعت ۱۳۲۶ھ میں ہوئی جیسا کہ اندرونی ٹائیٹل پیج کے اندراج سے واضح ہے اور جلد دوم کی اشاعت تو حضرت مولانا عبدالوھاب ویلوری کی وفات کے بعد ہوئی اور ان کی وفات ۱۳۳۷ھ میں ہوئی۔

ڈاکٹر ملکاوی صاحب کو دھوکا اس بات سے ہوا کہ جلد دوم کے اخیر میں اس بات کا ذکر ہے کہ شعبان ۱۲۸۸ھ میں مولانا عبدالوھاب صاحب دونوں جلدوں کی تصحیح سے فارغ ہوئے، اسے ملکاوی صاحب نے سنِ اشاعت سمجھا۔

مولانا ضیاء الدین محمد صاحب حضرت مولانا عبدالوھاب ویلوری کے صاحبزادے تھے انہوں نے بھی مدرسہ صولتیہ میں تعلیم حاصل کی تھی اور حضرت مولانا کیرانویؒ کے شاگردوں میں تھے، حضرت مولانا عبدالوھاب ویلوریؒ کی وفات ۱۳۳۷ھ میں ہوئی، جلد دوم کی اشاعت اس کے بعد ہی ہوئی، اس کا مطلب یہ ہے کہ کتابت وتصحیح کے بعد ازالۃ الشکوک کی جلد اول کو اشاعت کے لئے ۳۸ سال انتظار کرنا پڑا اور جلد دوم کو کم از کم پچاس سال انتظار کرنا پڑا، کتابت شدہ اوراق کا اتنی طویل مدت تک محفوظ رہنا اور قابل اشاعت باقی رہنا خود کسی کرامت سے کم نہیں۔

حضرت مولانا کیرانویؒ کی وفات رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ میں ہوئی، ازالۃ الشکوک جلد اول کی اشاعت ان کی وفات کے انیس (۱۹) سال بعد اور جلد دوم کی اشاعت ان کی وفات کے کم از کم تیس (۳۰) سال بعد ہوئی۔

ازالۃ الشکوک پر تالیف کے بعد جو حالات گذرے ان میں پورا اندیشہ تھا کہ یہ عظیم علمی سرمایہ دوسری بہت سی اہم کتابوں کی طرح ضائع نہ ہو جائے لیکن خالق کائنات کو اس کی بقا منظور تھی لہذا اس کا سفینہ سمندر کے طوفانوں سے ٹکراتا ہوا ساحل سے جا لگا۔

حفاظت جس سفینے کی اسے منظور ہوتی ہے
کنارے تک اسے خود لا کے طوفان چھوڑ جاتا ہے

ازالۃ الشکوک کی وجہ تصنیف

ازالۃ الشکوک کی وجہ تصنیف خود مصنف آغاز کتاب میں اس طرح لکھتے ہیں:

حمد اور نعت کے بعد بندہ سراپا عصیاں رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن غفر (۱) لھما اللہ الحنان المنان و اُدخلھما دار الجنان، قصبہ کیرانہ کا رہنے والا، بھائی مسلمانوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ ۱۲۶۸ھ ہجری مطابق ۱۸۵۲ء اٹھارہ سو باون عیسوی میں ایک قطعہ تیئیس (۲۳) سوال کا جو دلی اور آگرہ وغیرہما میں مشتہر ہوا تھا، میری نظر سے گذرا اور پھر انہیں سوالوں کو ایک ہندی (۲) رسالے کے آخر میں مندرج پایا، اور معلوم ہوا کہ مسیحیوں کا مقصد اشتہار سے یہ ہے کہ کوئی ان کا جواب لکھے، اس پر میرے دل میں آیا کہ میں لکھوں، لیکن جب دیکھا کہ وہ سوال نئے نہیں بلکہ سائل نے انہیں قدیم سوالوں کو جو "میزان الحق" اور پادریوں کے دوسرے رسالوں میں مندرج ہیں، نقل کر لیا ہے، اور ان کے جواب بخوبی ادا ہو چکے ہیں، تو یہ دیکھ کر ان کے علحدہ جواب لکھنے کو فضول سمجھ کر چپ ہو رہا۔

مگر ۱۲۶۹ھ میں دو امر محرک ہوئے کہ ان کا جواب لکھوں: ایک یہ کہ بعض عیسائیوں نے ان سوالوں میں اصلاح دے کے اور چھ سوال اور بڑھا کے ان کو جناب مستطاب مرزا محمد فخر الدین ولی عہد بہادر دام اجلالہ کی خدمت بابرکت میں بھیجا، اور جناب مفخم الیہ نے مجھ سے درخواست کی کہ ان کا جواب لکھوں، اور ان کا امر ماننا پڑا۔

دوسرا یہ کہ میں نے سنا کہ وہ حضرات (۳) پادری جو اس امر کی تنخواہیں پاتے ہیں اور اسی

---

(۱) یعنی بخشیو ان دونوں کو اللہ بڑی بخشش اور بڑے انعام والا اور لے جاؤ ان کو بہشتوں کے گھر کے اندر ۔۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۲) یعنی "بحث مفید العام فی تحقیق الاسلام" میں جو پادریوں کے نزدیک معتبر رسالہ ہے اور اس کا جواب ۱۲۷۰ھ ہجری میں ایک مولوی صاحب نے دلی میں لکھا ہے۔۱۲ منہ۔

(۳) اور اسی امر کا لحاظ کر کے دوسرے مسلمان بھائیوں نے بھی ان کا جواب لکھا ہے مثلاً ایک مولوی صاحب نے دلی میں اور ایک مولوی صاحب نے علی گڈھ میں اور اسی طرح اور مقامات پر۔۱۲ منہ

بات کی روٹی کھاتے ہیں کہ جاہلوں کو بہکادیں اور بھولے بھالوں کو پھسلادیں، شوروغل مچاتے ہیں کہ مسلمان لوگ جواب نہیں دے سکتے۔

پس ان دوامر کا لحاظ کر کے جواب کے لکھنے پر مستعد ہوا، لیکن اس لحاظ سے کہ جناب ولی عہد بہادر کا ایما یہ تھا کہ انہیں انتیس سوالوں کا جواب لکھوں، جن کو بعض عیسائیوں نے ان کی خدمت میں بھیجا ہے، اور حقیقت میں ان کا جواب ان تئیس (۲۳) سوالوں مشتہرہ کا بھی بلا تفاوت جواب تھا، تو انہیں انتیس کا جواب لکھا، اور چونکہ وہ سوال بے ترتیب تھے تو میں نے ان کی ترتیب اس طرح کردی کہ جو معجزات سے تعلق رکھتے تھے، ان کو ایک جگہ، اور جو قرآن سے متعلق تھے، ان کو ایک جگہ، اور اسی قیاس پر اور جگہ ذکر کیا، لیکن سائل کی عبارت میں کچھ تبدیلی عمل میں نہیں آئی، بلکہ جیسی تھی ویسے ہی حرفاً حرفاً منقول ہوئی، اور خدا کے فضل سے اسی ۱۲۶۹ ہجری میں رمضان کے مہینے اس کی تحریر سے فراغت ہوئی، اور فراغت کے بعد دلی میں اس کا چھپنا شروع ہوا، لیکن چونکہ اسی عرصے میں میرا جانا اکبرآباد (آگرہ) ہوا، اور مہتمم (پریس کا ذمہ دار) کی کچھ سستی کے سبب اور کچھ اس سبب سے کہ مسودہ سے کاتب بعض جگہ ٹھیک سے نہ پڑھ سکا، اکثر غلط چھپتا تھا، میں نے یہ معلوم کر کے وہاں سے لکھ کر چھپنا اس کا ملتوی اپنی مراجعت پر رکھا۔

اور اکبرآباد میں مجھ کو دو سبب سے کچھ عرصے تک رہنا پڑا، ایک یہ کہ اس جگہ میں نے کتاب ''اعجازِ عیسوی'' (کہ تحریف کے اثبات میں بہت ہی اچھی کتاب ہے، اور ناظر کو بڑا فائدہ بخشتی ہے) تالیف کی، دوم یہ کہ اس کی تالیف کے بعد میرا مباحثہ کشیس فنڈر (Rev.C.C.PFonder) صاحب ''میزان الحق'' کے مؤلف سے مجمع عام میں ٹھہر گیا، اور یہ قرار پایا کہ جناب ڈاکٹر وزیر خاں صاحب میرے شریک اور پادری فرنچ صاحب (French) ''میزان الحق'' کے مؤلف کے شریک رہیں، اور دو روز متواتر مجمع عام میں وہ مباحثہ ہوا، اور خدا کے فضل سے غلبہ ہماری طرف رہا، جیسا کہ یہ (۱) حال ان لوگوں کے رسالوں سے جو مباحثہ کے جلسوں میں شریک تھے، اور انہوں نے مباحثہ کی تقریر کو اپنے کانوں سے سن کر ضبط کیا ہے، اکثر خلق پر ظاہر بھی ہو گیا ہے، اور جب میں اکبرآباد سے دلی میں پھر آیا، اور جواب کا چھپنا جو ملتوی تھا پھر مقرر ٹھہرا، تو بعض احباب نے درخواست کی کہ ہمارے نزدیک یوں مناسب ہے کہ تم ابطال التثلیث کو جو اس کے مقدمہ کے امر تیسرے میں مبین (واضح کیا گیا) ہے، نکال کر اس کو رسالہ جداگانہ کردو، اور دوسرے مختلف مقامات میں بقدر مناسب کے کچھ کچھ بڑھا دو، اور پھر از سرِ نو شروع سے چھپواؤ۔

پس ان کی درخواست کے موافق میں نے اس ابطال التثلیث کو اس سے نکال کر کچھ اس میں اور بسط کر کے اس کو رسالہ جداگانہ کر دیا اور نام اس کا ''اُحسن الأ حادیث فی اِبطال التثلیث'' رکھا، اور جواب میں کہیں کہیں بقدر مناسب کے کچھ بڑھا کر(۱) از سر نو چھپوایا اور نام اس جواب کا ''ازالۃ الشکوک'' ہے، اے اللہ اپنے فضل سے اس کو سب عام و خاص کی خاطر (دل) کا مقبول کیجو، اور اہل عناد کے شبہات باطلہ سے بچائیو اور حق کے طالب کو اس سے ہدایت بخشیو، اور مجھ کو اس عالم سے کامل ایمان کے ساتھ اٹھائیو اور مرنے کے بعد میری سب خطا اور گناہ عفو کر کے جنت نصیب کیجو، اور ہمیشہ اپنے قرب جوار رحمت کامل میں رکھیو، (آمین، آمین، آمین)۔

مرزا فخر الدین اور ''ازالۃ الشکوک''

حضرت مولانا کیرانویؒ کے مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات واضح ہوئی کہ ازالۃ الشکوک عیسائی مشنریز کے قائم کردہ انتیس (۲۹) سوالات کا جواب ہے، اور مولانا موصوف نے ان سوالات کا جواب شہنشاہ ہند بہادر شاہ ظفر کے صاحبزادے اور ولی عہد مرزا محمد فخر الدین کی درخواست پر لکھا، عیسائیوں کی جرأت اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ وہ مغل شہنشاہ کے ولی عہد کے پاس اسلام، قرآن اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) پر اعتراضات پر مشتمل سوالات بھیجتے تھے اور ان سے ان سوالات کا جواب مانگتے تھے، اسی طرح عیسائیت کو مذہب حق ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے، جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر عیسائی پادری عیسائیت کی دعوت دیتے تھے اور اسلام و قرآن پر اعتراضات کرتے ہیں اور دہلی کے مسلمان مجبوراً ان ہفوات کو سنتے تھے اور صبر کرتے تھے، بعض کم علم و نادان یا مال کے حریص مسلمان پادریوں کے چکر میں آ کر اپنا متاع ایمان کھو بیٹھتے تھے۔

اگر اس کتاب کی تصنیف کے فوراً بعد ۱۸۵۷ء کا ہنگامۂ رستاخیز برپا نہ ہوتا اور مغلیہ سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بجھ نہ جاتا تو غالباً یہ کتاب ولی عہد بہادر مرزا فخر الدین کی جانب سے بڑے اہتمام سے شائع ہوتی، کیونکہ یہ کتاب انہیں کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔

اس مغل شہزادہ کی زندگی کا یہ پہلو قابل ستائش ہے کہ اس کے اندر دینی غیرت وحمیت موجود تھی اور اس کا علماء اسلام سے گہرا رابطہ تھا، وہ یہ چاہتا تھا کہ اسلام پر ہونے والے اعتراضات

کے جوابات لکھے جائیں، چنانچہ آگرہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور پادری فنڈر کے درمیان جو ہنگامہ خیز تاریخی مناظرہ دوروز ہوا اور جس میں پادری فنڈر کو شکست فاش ہوئی اس کے روداد ''البحث الشريف في اثبات النسخ و التحريف'' کو مرزا فخر الدین ہی نے ۱۲۷۰ھ میں اپنے مصارف پر مطبع فخر المطابع دہلی سے بڑی تعداد میں شائع کرا کے ہندوستان کے طول وعرض میں اس کی کاپیاں بھیجیں اور بلاد اسلامیہ کے اہم علماء اور سلاطین تک بھی مناظرہ کی یہ فارسی روداد پہنچائی گئی۔

حضرت مولانا عبدالوھاب ویلوری اور ''ازالۃ الشکوک'' کی اشاعت

ازالۃ الشکوک کے بارے میں اللہ جل شانہ کا فیصلہ دوسرا تھا، اس کتاب کو شائع کرنے کی سعادت ولی عہد مرزا فخر الدین کے مقدر میں نہیں تھی، ۱۸۵۷ء کے ہلاکت آفریں حادثہ نے حالات کی بساط ہی الٹ دی، آخری مغل تاجدار بہادر شاہ کو رنگون جلاوطن کر دیا گیا، معلوم نہیں مرزا فخر الدین پر کیا گذری، یہ سعادت قسام ازل نے مرد درویش، قطب جنوب حضرت مولانا عبدالوہاب ویلوریؒ اور ان کے فرزند ارجمند مولانا ضیاء الدین محمد کی قسمت میں لکھ رکھی تھی، چنانچہ تصنیف کے کافی عرصہ بعد اس کتاب کی دونوں جلدیں وقفہ وقفہ سے چھپیں، پہلی جلد حضرت مولانا عبدالوھاب صاحب کے حکم سے مولانا ابوالفضل ضیاء الدین محمد صاحب کے زیر اہتمام ۱۳۲۶ھ میں مطبع مجیدیہ واقع آڈیہ پاڈم گلی نمبر ۱۴ مدراس میں چھپی اور دوسری جلد مولانا ابوالفضل ضیاء الدین محمد صاحب کے حکم سے انگپانا یک اسٹریٹ نمبر ۱۵۶ مدراس سے چھپی، سن اشاعت اور پریس و مطبع کا نام درج نہیں۔

ہم انشاء اللہ تعالیٰ مقدمہ کتاب ختم ہونے پر اصل کتاب کے آغاز سے پہلے دونوں جلدوں کا ٹائٹل پیج اور کتاب کے دو دو صفحات کا زیراکس شامل کرتے ہیں۔

ازالۃ الشکوک کی تصنیف کے وقت حضرت مولانا کیرانوی کا مقام

ازالۃ الشکوک کی تصنیف اور اس کی تکمیل کے زمانہ (۱۲۶۹ھ۔ ۱۲۷۱ھ) میں حضرت مولانا کیرانوی ایک پختہ کار منجھے ہوئے مصنف تھے، ان کے قلم سے ردعیسائیت میں چار کتابیں

نکل چکی تھیں اور ازالۃ الشکوک الاوھام کی اشاعت بھی ہو چکی، ان کی شہرت کا آوازہ غیر منقسم ہندوستان میں بلند ہو چکا تھا، ۱۲۷۰ھ میں حضرت مولانا کیرانوی نے مشہور پادریوں سے دو مناظرے کئے، یہ دونوں مناظرے شہر اکبر آباد (آگرہ) میں ہوئے، پہلا مناظرہ پادری فرنچ کی کوٹھی پر ہوا جس میں مسلمانوں کی طرف سے مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ڈاکٹر محمد وزیر خاں تھے اور عیسائیوں کی طرف سے پادری ''فرنچ'' اور پادری ''کئی'' صاحب تھے، یہ مناظرہ ربیع الآخر ۱۲۷۰ھ میں ہوا، جسے حضرت مولانا کیرانوی نے ''چھوٹا مناظرہ'' کے نام سے موسوم کیا ہے، دوسرا مناظرہ ماہ رجب ۱۲۷۰ھ میں دو دن ہوا، پہلا دن دوشنبہ ۱۱ رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰/اپریل ۱۸۵۴ء کا تھا اور دوسرا دن منگل ۱۲/رجب ۱۲۷۰ھ ۱۱/اپریل ۱۸۵۴ء کا تھا، اس مناظرہ میں مسلمانوں کی طرف سے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور مشہور سرجن ڈاکٹر محمد وزیر خاں اور عیسائیوں کی طرف سے شہرۂ آفاق پادری پادری ''فنڈر'' مصنف ''میزان الحق'' اور پادری ''فرنچ'' میدانِ مناظرہ میں تھے، اسے مولانا کیرانوی نے ''بڑا مناظرہ'' کے نام سے موسوم کیا ہے، اوران دونوں مناظروں کی روداد تفصیل سے ''ازالۃ الشکوک'' میں قلمبند کی ہے جو کم وبیش ستر (۷۰) صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ دوسرا مناظرہ جو بڑی تیاریوں کے ساتھ ہوا تھا اور مجمع عام میں ہوا تھا، اس میں پادری ''فنڈر'' کو ذلت آمیز شکست ہوئی اور اسے مجبوراً راہ فرار اختیار کرنی پڑی، اس مناظرہ کی کئی رودادیں مناظرہ میں شریک اہل علم حضرات نے مرتب کر کے شائع کیں، اس مناظرہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی فتح مبین اور پادری فنڈر کی شکست فاش کی خبریں پوری دنیا میں پھیل گئیں، اسی ماحول میں حضرت مولانا کیرانوی نے ''ازالۃ الشکوک'' کی تکمیل فرمائی، ان کی عمر بھی اس وقت پینتیس چالیس کے درمیان تھی، گویا جوانی کا آخری دور تھا، اور جسمانی ودماغی توانائیاں پورے شباب پر تھیں، اسلام کے دفاع اور غلبہ کے جذبہ نے مولانا میں بجلیاں بھر دی تھی، اور انتھک محنت کے ذریعہ اس محاذ کو سر کرنے میں لگے ہوئے تھے، بہادر شاہ ظفر کے ولی عہد مرزا فخر الدین کی اس فرمائش نے مولانا مرحوم کے رہوار قلم کو اور برق رفتار بنا دیا تھا کہ عیسائی پادریوں کے بھیجے ہوئے انتیس سوالات کا حضرت مولانا کیرانوی مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ڈاکٹر وزیر خاں

ڈاکٹر محمد وزیر خاں کی صورت میں اللہ نے ان کو ایسا مرد مجاہد عطا فرمایا جن کے بھرپور تعاون سے عیسائیت کے خلاف لڑی جانے والی علمی جنگ دفاعی کے بجائے اقدامی بن گئی، اور عیسائی پادریوں کو مجبوراً عیسائیت کے دفاع میں پوری توانائیاں لگانی پڑیں، اور اسلام، قرآن نیز نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کرنا بھول گئے۔

ڈاکٹر محمد وزیر خاں میڈیکل کی تعلیم کے لئے لندن گئے تھے، وہاں سے میڈیکل سائنس کے اعلیٰ ترین ڈگری لے کر واپس ہوئے، اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے آگرہ میں سول سرجن مقرر کئے گئے، لندن کے زمانۂ قیام میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہودیت اور عیسائیت کے گہرے مطالعہ کا شوق پیدا کیا، انگریزی زبان کے تو وہ ماہر تھے ہی اس مقصد کے لئے انہوں نے یونانی زبان بھی سیکھی، توریت اور انجیل کے متون، تراجم اور تفسیروں نیز ان کے متعلقات کا بڑا وسیع اور گہرا مطالعہ کیا، اسی طرح یورپ کے ملحدین نے توریت اور انجیل اور یوپی نظام سلطنت کے بارے میں جو کچھ لٹریچر تیار کیا تھا اس کو بھی غور سے پڑھا اور یورپ سے جب واپسی ہوئی تو اس موضوع پر پوری لائبریری اپنے ساتھ لائے، شاید ان کو اندازہ بھی نہ رہا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے کیا عظیم خدمت لینی منظور ہے۔

غالباً ''ازالۃ الاوھام'' کی اشاعت کے زمانہ میں یا اس کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا ان سے تعارف اور رابطہ ہوا، دونوں کا درد اور فکر ایک تھا، دونوں دینی غیرت وحمیت سے شرسار اور اسلام کی سربلندی کا مخلصانہ جذبہ رکھتے تھے، ان دونوں حضرات نے مل کر حفاظت اسلام کا عظیم قلعہ تعمیر کیا، ڈاکٹر محمد وزیر خاں کے ذریعہ وہ مغربی مراجع حضرت مولانا کیرانوی کی دست رس میں آئے جن کا مولانا نے ''ازالۃ الشکوک'' ''اعجاز عیسوی'' اور ''اظہار الحق'' میں بھرپور استعمال کیا ہے، اندازہ یہی ہے کہ مولانا مرحوم کی تصنیفات میں مغربی مصنفین کے جو طویل اقتباسات دئے گئے ہیں ان کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد وزیر خاں نے کیا ہوگا۔

ڈاکٹر محمد وزیر خاں کا کارنامہ صرف اتنا نہیں تھا کہ انہوں نے عیسائیت اور یہودیت کے مغربی مراجع مولانا کیرانویؒ کو مہیا کرائے اور حسب ضرورت ان کتابوں کی عبارتوں کا اردو ترجمہ

مولانا کے لئے کیا، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ خود بڑے ذہین، حاضر جواب، وسیع المطالعہ کامیاب مناظر تھے، جو عیسائیت کی رگ رگ سے واقف تھے، اگر چہ آگرہ کے مناظروں میں مسلمانوں کی طرف سے سربراہ مناظرہ حضرت مولانا کیرانویؒ تھے لیکن ڈاکٹر محمد وزیر خاں کی حیثیت محض مددگار مناظر کی نہیں بلکہ شریک مناظر کی تھی، خود حضرت مولانا کیرانویؒ نے ازالۃ الشکوک میں دونوں مناظروں کی جو تفصیلی روداد لکھی ہے اس کے مطابق ڈاکٹر محمد وزیر خاں بڑے چابکدست، حاضر دماغ مناظر نظر آتے ہیں، اسی طرح پادری فنڈر اور ڈاکٹر محمد وزیر خاں کے درمیان جو مراسلت ہوئی اس سے ان کے بلند علمی مقام اور ردعیسائیت کے موضوع پر ان کی زبردست پکڑ کا اندازہ ہوتا ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ ڈاکٹر محمد وزیر خاں کی حیات وخدمات کے بہت سے اہم گوشے ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں، موصوف پر مستقل تحقیقی کام کی ضرورت ہے، اتنا تو معلوم ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے بعد وہ بھی ہجرت کر کے مکہ مکرمہ منتقل ہو گئے تھے، لیکن ہجرت کے بعد ان کی سرگرمیوں کی کوئی تفصیل نہیں ملتی، اسی طرح اس کا بھی سراغ نہیں لگتا ہے کہ عیسائیت پر ان کی قیمتی لائبریری کا کیا ہوا، وہ لائبریری ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کی نذر ہو گئی یا اس کا کوئی حصہ وہ مکہ مکرمہ منتقل کر سکے۔

انتظام اللہ شہابی نے اپنی کتاب ''مشاہیر جنگ آزادی'' میں ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی کا تذکرہ چودہ صفحات (۱۳۹۔۱۵۲) میں کیا ہے لیکن اس کا بیشتر حصہ مناظرۂ آگرہ کے بارے میں ہے اور کچھ حصہ جہاد آزادی ۱۸۵۷ء میں ڈاکٹر صاحب کی شرکت سے متعلق ہے، پھر تنہا انتظام اللہ شہابی کے مندرجات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، ان کے یہاں غیر محقق باتیں بہت ہیں، مثلاً اسی کتاب میں انہوں نے مناظرہ آگرہ کا سن ۱۸۵۶ء رجب ۱۲۷۲ھ لکھا ہے، حالانکہ یہ مناظرہ ۱۸۵۴ء، ۱۲۷۰ھ میں ہوا تھا جیسا کہ خود حضرت مولانا کیرانوی نے تحریر فرمایا ہے

ازالۃ الشکوک میں توریت، انجیل اور عیسائیت سے متعلق مغربی مصنفین کی کتابوں کے حوالے بڑی کثرت سے ہیں، مولانا کیرانوی مرحوم نے اکثر سوالات کا الزامی اور تحقیقی جواب بڑے شرح وبسط سے لکھا ہے اور ان خشک مباحث کو اپنے قلم کی پرکاری سے لالہ وگل بنانے کی کوشش کی ہے۔

بعض خصوصیات

''ازالۃ الشکوک'' میں مولانا کیرانوی کے قلم کی کاٹ قابل دید ہے، عبارت میں سادگی اور سلاست کے ساتھ غضب کی چٹکیاں اور طنز بھی ہیں، جیسا کہ کتاب کے مطالعہ کرنے والوں پر واضح ہے، مولانا مرحوم بلا تکان دلائل وشواہد کا انبار لگاتے چلے جاتے ہیں، کتب عہد عتیق اور عہد جدید اوران کی تفسیریں اور متعلقات مولانا مرحوم کے نوک قلم پر ہے، توریت اور بائبل کا اتنا وسیع اور گہرا ناقدانہ مطالعہ کم کسی نے کیا ہوگا، مولانا کا دراک ذہن اور بے باک قلم کتب عہد عتیق وعہد جدید کے اختلافات وتناقضات کو آشکارا کرنے میں طاق ہے، توریت اور انجیل کے عربی، فارسی اور اردو ترجمے بڑی تعداد میں مولانا نے کہاں کہاں سے جمع کرر کھے تھے، اوران کا بڑی باریک بینی سے مطالعہ کیا تھا۔

ردعیسائیت کے لئے پوری عملی تیاری

امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) اپنی کتاب ''المنقذ من الضلال'' (گمراہی سے نکالنے والی) میں لکھتے ہیں کہ گمراہی (خواہ اعتقادی ہو یا فکری یا عملی) کی تردید صحیح طور پر وہی شخص کرسکتا ہے جو اس گمراہی کی پوری واقفیت رکھتا ہو بلکہ اس کے بارے میں اس کی واقفیت اور بصیرت اس گمراہی کے ماننے والے اور دعوت دینے والے بڑے سے بڑے ماہرین سے بھی بڑھ کر ہو، تبھی اس گمراہی کی علی وجہ البصیرت تردید کی جاسکتی ہے، خلاصہ یہ کہ کسی گمراہ فکر وفلسفہ پر تنقید اوراس کی تردید اسی وقت صحیح طور ہوسکتی ہے جب تنقید کرنے والا واقفیت، بصیرت، تجزیہ میں اس فکر وفلسفہ کے ماہرین اور عاملین سے بڑھ کر ہو، امام غزالی کی عبارت ہے:

"ثم إني ابتدأت بعد الفراغ من علم الكلام بعلم الفلسفة وعلمت يقينا إنه لا يقف على فساد نوع من العلوم من لا يقف على منتهى ذلك العلم حتى يساوى أعلمهم في أصل العلم ثم يزيد عليه ويجاوز درجته ويطلع على مالم يطلع عليه صاحب العلم من غوره وغائلته، فاذ ذاك يمكن أن يكون ما يدعيه من فساده حقا"

(مجموعۃ رسائل الامام الغزالی، ص: ۵۴۱، ۵۴۲)

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے جب یہ طے کیا کہ ہندوستان میں اسلام کی حفاظت کی خاطر انہیں عیسائی مشنریز کا مقابلہ کرنا ہے اور پادریوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ اسلامی احکام وتعلیمات پر جو چومکھے حملے شروع کرر کھے ہیں ان کا سد باب کرنے کے لئے عیسائیت اور کتب عہد عتیق وجدید کا گہرا تنقیدی مطالعہ کر کے عیسائی مشنریز کو دفاعی پوزیشن میں ڈالنا ہے تو اس کے لئے انہوں نے بڑی علمی ریاضت اور تیاری کی، ردعیسائیت اور مطالعہ کتب عہد قدیم وجدید کے سلسلے میں ان کے عہد تک جو کام ہو چکا تھا ان کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا، توریت اور بائبل کے مختلف زبانوں میں جتنے تراجم دستیاب ہو سکے انہیں حاصل کر کے بڑی گہرائی سے ان کا مطالعہ کیا اور ان میں جو باہمی فرق وتضاد ہے ان کو نوٹ کیا، خود اصلاح پسند عیسائیوں نے توریت اور بائبل کی کتابوں کے بارے میں جو تنقیدی لٹریچر تیار کر دیا تھا اس کو حاصل کر کے ان کا گہرا مطالعہ کرنے کی کوشش کی، توریت وانجیل کی مستند تفاسیر، شروح ومتعلقات سے بھی پوری بیدار مغزی کے ساتھ بھر پور استفادہ کیا۔

مغربی زبانوں سے ناواقفیت کی بنا پر مغربی مراجع سے استفادہ میں مولانا مرحوم کو جو دشواری تھی اسے جل شانہ نے اس طرح دور فرمایا کہ انہیں ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب کی گراں قدر رضا کارانہ خدمات حاصل ہو گئیں جو انگریزی اور یونانی زبان میں مہارت رکھتے تھے اور انہوں نے اپنے لندن کے زمانۂ قیام میں توریت، بائبل، دونوں کی تفاسیر، شروح اور متعلقات کا بڑی گہرائی سے ناقدانہ مطالعہ کیا تھا اور اس موضوع پر مغربی زبانوں میں پوری لائبریری اپنے ساتھ ہندوستان لائے تھے، انہوں نے پوری فراخدلی اور اخلاص کے ساتھ حضرت مولانا کیرانوی کار دعیسائیت کی مہم میں تعاون کیا، مغربی مراجع سے طویل طویل عبارتوں کے ترجمے مولانا مرحوم کے لئے کئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عیسائیت اور کتب عہد قدیم وعہد جدید کے بارے میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا مطالعہ اس دور کے بڑے سے بڑے پادری سے بڑھ گیا، چنانچہ آگرہ میں پادری فنڈر کے ساتھ مناظر کے موقع پر اہل علم نے مشاہدہ کیا کہ توریت، انجیل ان کے معانی اور متعلقات پر جتنی مضبوط گرفت مولانا کیرانویؒ کی ہے اس کی عشیر بھی پادری فنڈر اور پادری فرنچ کی نہیں ہے، حضرت مولانا کیرانوی کے گہرے اور وسیع مطالعہ، موضوع پر غیر معمولی گرفت،

یادداشت، حاضر جوابی اور مناظرانہ چابک دستی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، اور عیسائی پادری دفاعی پوزیشن میں آگئے، ان کے لئے اپنے مذہب اور مذہبی کتابوں کا دفاع مشکل ہوگیا۔

تحقیق وتصنیف میں پتہ ماری اور صبر وثبات

حضرت مولانا کیرانوی نے اپنی تصنیفات خصوصاً ''ازالۃ الشکوک'' میں غیر معمولی صبر اور علمی مجاہدہ سے کام لیا ہے، کسی موضوع پر لکھتے ہوئے وہ جلد بازی اور بے صبری سے کام نہیں لیتے بلکہ بڑے صبر وسکون سے ان کا رہوار قلم رواں دواں رہتا ہے، اپنے دعوے پر شواہد اور امثال ونظائر کا انبار لگا دیتے ہیں، مثلاً انجیل کی روایات کے باہم مختلف ہونے یا روایات انجیل کے روایات تورات سے مختلف ہونے پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت مولانا کیرانوی نے بطور نمونہ دس بیس مثالوں پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اختلافات کی تعداد ساٹھ تک پہنچائی ہے اور وہ بھی بطور حصر نہیں بلکہ بطور نمونہ ذکر فرمایا ہے، یہ بحث قدیم نسخہ کے سو (۱۰۰) صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

اسی طرح اہل کتاب کی مقدس کتابوں میں غلطیوں کی نشاندہی پر آئے تو دس بیس مثالوں پر قناعت نہیں کیا بلکہ تراسی (۸۳) غلطیوں کی نشاندہی کی اور وہ بھی بطور نمونہ اور یہ بحث بھی قدیم نسخہ کے ۵۳ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔

حضرت مولانا کیرانویؒ نے عہد عتیق کے عبرانی، یونانی، سامری نسخوں کے شدید باہمی اختلافات کی جب بحث چھیڑی تو بطور نمونہ ان کے ۵۸ اختلافات پر روشنی ڈالی، یہ بحث قدیم کتاب کے تقریباً چالیس صفحات کا احاطہ کرتی ہے۔

جب مولانا مرحوم نے عہد عتیق وعہد جدید کی کتابوں میں تحریفات پر بحث چھیڑی تو دس پندرہ تحریفات ذکر کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ تحریف کی تینوں قسموں (تبدیلی کے ذریعہ تحریف، زیادتی کے ذریعہ تحریف، کمی کے ذریعہ تحریف) کی مجموعی طور پر ۱۶۵ شواہد ذکر فرمائے ہیں، یہ بحث بھی قدیم ایڈیشن کے چالیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

ازالۃ الشکوک کی دونوں جلدوں میں یہی رنگ چھایا ہوا ہے، اس سے اگر ایک طرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ توریت اور انجیل اور ان کی تفاسیر وشروح پر مولانا مرحوم کی نظر کتنی گہری اور وسیع ہے تو دوسری طرف بحث وتحقیق میں مولانا مرحوم کی پتہ ماری اور صبر وثبات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

ناموافق حالات میں خدا کی ذات پر اعتماد اور خود اعتمادی

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے جس زمانہ میں ازالۃ الشکوک تصنیف فرمائی ہے ہندوستان کے حالات بڑے ناموافق اور ابتر تھے، انگریزوں کا اقتدار بام عروج پر تھا، مغلیہ سلطنت کا ٹمٹماتا چراغ بجھنے والا تھا، عیسائی پادریوں کی فوج مذہبی طور پر ہندوستان کو فتح کرنے پر تلی ہوئی تھی، انہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کی پوری پشت پناہی اور تعاون حاصل تھا، پادریوں سے پنجہ آزمائی اپنے کو خطرے میں ڈالنے کے مرادف تھا لیکن حضرت مولانا کیرانوی نے کس جرأت ایمانی اور اعتماد علی اللہ کے ساتھ ازالۃ الشکوک کے ابتدائی صفحات ہی میں لکھا ہے:

''جس طرح یہود اور ان کے علماء کی کوشش سے دین مسیحی نہ مٹا تو انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ان پادریوں کی کوشش سے بھی جو محض ہندوؤں اور عام مسلمانوں کے بہکانے کے لئے نوکر ہو کے ہند میں آئے ہیں اور اپنی نوکری کے سبب سے اس امر میں بڑی کوشش رکھتے ہیں دین اسلام نہ مٹے گا، بلکہ جیسے علماء یہود نے ان حرکات سے کچھ اپنی ہی آخرت بگاڑی یہ لوگ بھی کچھ اپنا ہی بگاڑیں گے......۔

امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ دین محمدی کا نور قیامت تک چمکے گا اور کفر و شرک کی تاریکی کو دور کرتا رہے گا، اور یہ بھی امید ہے کہ موافق خبر حضرت خیر البشرؐ کے جناب امام مہدی کے عہد میں جو انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ہے سب مذاہب باطلہ کا نام و نشان صفحۂ دنیا سے مٹ جائے گا، اور زمانہ سابق میں بھی چنگیز خاں کی اولاد نے بہت کوشش کی تھی کہ دین اسلام کو مٹا دیں، مگر وہ کوشش کچھ مفید نہ ہوئی، گو مدت تک مسلمانوں نے ان کے ہاتھ طرح طرح کا دکھ پایا اور لاکھوں آدمی شہید ہوئے، جیسا روما کے بادشاہوں سے پہلے طبقے کے مسیحیوں نے دکھ اٹھایا تھا''۔

ناموافق اور ابتر حالات نے ان کے عزائم اور حوصلوں کو پست نہیں کیا، بلکہ غیر معمولی ایمانی طاقت اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر کلی اعتماد نے ان کے عزائم اور حوصلوں کو بلند تر کر دیا اور ان کی پرواز کو انتہائی بلند کر دیا۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

ازالۃ الشکوک کے بعض مباحث

ازالۃ الشکوک میں معجزات نبوی پر عشق نبوی میں ڈوبے ہوئے قلم سے بہت تفصیل کے

ساتھ لکھا گیا ہے، کتاب کے اس حصہ کو الگ کتابی صورت میں شائع کرنا مفید ہوگا، اسی طرح قرآن پاک کے اعجاز اور فصاحت وبلاغت پر حضرت مولانا کیرانوی نے جس سادہ اور جاذب اسلوب میں تفصیل سے لکھا ہے اردو زبان میں یہ انہیں کا حصہ ہے، اس بحث کو بھی الگ رسالہ کی صورت میں شائع کیا جاسکتا ہے۔

عیسائیوں کے ۲۹ رسوالوں کے جوابات تحریر فرماتے ہوئے مولانا مرحوم نے مطالعہ عیسائیت کا کوئی گوشہ چھوڑا نہیں ہے جس پر سیر حاصل گفتگو نہ کی ہو، مولانا مرحوم کی تنہا یہی کتاب مطالعۂ عیسائیت کے لئے بہت کافی ہے، انہوں نے نسخ اور تحریف کے موضوع کا حق ادا کردیا ہے، تحریف کے اسباب و وجوہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، عہد عتیق اور عہد جدید کی جعلی اور غیر جعلی کتابوں کا تفصیل سے تعارف کرایا ہے، تحریف لفظی کی مختلف قسموں کے اتنے کثیر شواہد جمع کردیے ہیں کہ انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے، عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے عقائد وافکار پر سیر حاصل کلام کیا ہے، غرضیکہ عیسائیت سے جڑے ہوئے کسی موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے، اگر موضوعات کے اعتبار سے اس کتاب کے مباحث کو الگ الگ کیا جائے تو یہ کتاب کئی کتابوں کا مجموعہ ہے۔

ردعیسائیت پر کام کرنے والی شخصیات کا اعتراف اور تحسین

ایک میدان میں کام کرنے والوں میں عموماً یہ بات دیکھی گئی ہے کہ ایک شخص دوسرے کی خدمات کا اعتراف نہیں کرتا بلکہ اپنے ہی کاموں کو اہمیت دیتا ہے اور دوسروں کے کاموں کا یا تو تذکرہ نہیں کرتا یا اگر کہیں کسی مجبوری سے تذکرہ کرنا پڑا تو اسے غیر اہم قرار دیتا ہے، دین کے ایک ہی میدان میں کام کرنے والوں کی یہ دوریاں اور بدگمانیاں کام کو نقصان پہنچاتی ہیں، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اس مرض سے بالکل پاک ہیں، انہوں نے ردعیسائیت پر کام کرنے والے تمام اہل قلم کا (خواہ ان کے معاصر ہوں یا سابق) بڑے اکرام واحترام سے تذکرہ کیا ہے اور پادریوں کے حملوں کے مقابلہ میں ان کا دفاع کیا، یہ حضرت مولانا کیرانویؒ کے غایت اخلاص اور حد درجہ بصیرت کا کرشمہ ہے۔

ازالۃ الشکوک میں انہوں نے متعدد جگہ جواد ساباط کی براہین ساباطیہ کے حوالے دئے

ہیں اس سے اقتباسات لئے ہیں، مولانا آل حسن موہانی (متوفی: ۱۲۸۷ھ) اور ان کی کتاب استفسار کا بار بار ذکر کیا ہے اس کتاب کے مباحث پر پادریوں کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا ہے، ڈاکٹر محمد وزیر خاں کا ذکر خیر بڑی کثرت سے کیا ہے، اس میدان میں انہوں نے بعض شیعہ علماء کی خدمات کا بھی ذکر خیر کیا ہے۔

ازالۃ الشکوک کی تصنیف کے زمانہ میں مولانا کیرانوی کے جذبات جہاد

ازالۃ الشکوک کی تصنیف کے دوران مولانا کے دل و دماغ میں جہاد سنانی کے جذبات شدت سے موجزن تھے، انگریزوں کے مظالم اور کرتوتوں کی وجہ سے مولانا کیرانوی کے دل میں ان کے خلاف نفرت و بغاوت کا لاوا پک رہا تھا، چنانچہ مولانا موصوف نے ازالۃ الشکوک میں بڑے مناظرہ کی روداد لکھنے کے بعد تحریر فرمایا ہے:

''اور مجھ کو اس مباحثہ سے نہ کچھ نام منظور تھا، نہ کچھ منصب کا حاصل کرنا، بلکہ محبت اسلامی سے خدا پر بھروسہ کر کے اس باب میں قدم رکھا تھا، اور اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ جیسے مجھ سے دینِ احمدی کی تائید زبانی مقابلہ میں کرادی اس سے ہزار درجہ تائید شمسیری مقابلہ میں کرادے، اور جیسا ان کا زور وشور مذہب کے بارے میں مدھم پڑا اور اس میں پھیکے پڑ گئے، ویسا ہی ان کا زور وشور حکومت کا بھی ٹوٹے اور ان کا غرور وتکبر خاک میں ملے، اور مسلمان اس میں بھی غالب آویں، اگرچہ ان دنوں (رجب ۱۲۷۱ھ) میں ان کی حکومت کے زور وشور کو دیکھ کر جاہلوں کا اعتقاد یہ ہے کہ امام مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور سے پہلے ان کا یہ تسلط نہ جائے گا، اور ان کے ان محکم قوانین اور مضبوط تدابیر سے ترقی کے سوا اور کچھ نہ ہوگا، پر اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ نمرود اور شداد اور فرعون اور بخت نصر کی طرح ان کے اس زور کو بھی ملیا میٹ کردے، اور ان کے تنزل کو ہماری زندگی میں ہماری آنکھوں سے دکھادے، آمین۔ (ازالۃ الشکوک جلد ۴، ص:)

ازالۃ الشکوک کے مذکورہ بالا اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے خلاف حضرت مولانا کیرانویؒ کے جذبات کتنے سخت تھے، اور موصوف جذبات جہاد سے کس قدر سرشار تھے، اللہ جل شانہ نے ان کی یہ آرزو پوری کردی، ۱۸۵۷ء میں غیر منقسم ہندوستان میں باشندگان ملک نے جہاد حریت کا بگل بجایا، ملک کے مختلف علاقوں اور شہروں میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کا لاوا پھٹ گیا، مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ان کے

رفقاء نے کیرانہ کا محاذ سنبھالا، اس محاذ کی قیادت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ فرمارہے تھے لیکن اس وقت جہاد حریت کامیاب نہ ہوسکا، انگریزوں نے اسے بری طرح کچل دیا اور مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے، مولانا کیرانوی کی یہ آرزو تو پوری نہ ہوسکی کہ انگریزوں کے عبرت ناک زوال اور بربادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں لیکن جاہلوں کا یہ اعتقاد بھی غلط ثابت ہوا کہ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے پہلے انگریزوں کا تسلط ختم نہ ہوگا، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی وفات ۱۸۹۱ء سے پہلے برٹش امپائر کا زوال شروع ہو چکا تھا، بیسویں صدی عیسوی کے وسط تک میں یہ عظیم امپائر جس میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا ایک مختصر سے جزیرہ نما میں سمٹ کر رہ گیا اور سال کے اکثر حصوں میں وہاں سورج طلوع نہیں ہو پاتا، ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کو آزادی نصیب ہوئی، اسی کے آس پاس برطانیہ کی دوسری نوآبادیاں بھی اس کے قبضہ سے نکل گئیں۔

حضرت مولانا کیرانویؒ کا اثر بعد کے ادوار پر

خلافت عثمانیہ کی جانب سے اظہار الحق عربی کی بڑے پیمانے پر اشاعت ہوئی، اس کے متعدد ایڈیشن مختلف مکتبات سے شائع ہوئے اس لئے یہ کتاب پوری دنیا میں اہل علم وفکر کے حلقوں میں پہنچ گئی، انگریزی، ترکی اور مختلف بین الاقوامی اور ملکی زبانوں میں اس کے تراجم کی اشاعت سے اس کا دائرۂ افادہ مزید وسیع ہوگیا، اور ردعیسائیت کے موضوع پر حضرت مولانا کیرانوی کو سند کی حیثیت حاصل ہوگئی، اظہار الحق کی اشاعت کے بعد جن لوگوں نے بھی ردعیسائیت پر کام کیا، انہوں نے حضرت مولانا کیرانویؒ کی کتابوں (خصوصاً اظہار الحق) سے استفادہ ضرور کیا، خواہ مولانا مرحوم کا نام ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

ڈاکٹر احمد دیدات جنہوں نے ردعیسائیت پر عالمی پیمانہ پر بڑا کام کیا، خصوصاً جنوبی افریقہ اور امریکا میں عیسائی مشنریز کے پادریوں کے ساتھ ان کے مناظروں نے ہلچل مچادی، انہوں نے انگریزی کتاب جس کا عربی ترجمہ ''هل الكتاب المقدس كلام الله'' کے نام سے ہوا، اس کے خاتمہ میں وہ لکھتے ہیں:

> جو قاری کھلے ذہن کا ہوگا وہ لازمی طور اب اس بات پر مطمئن ہو چکا ہوگا کہ کتاب مقدس کا حال ویسا نہیں ہے جیسا اس کے متبع عیسائی دعویٰ کرتے ہیں، چالیس سال سے لوگ مجھ سے پوچھتے

ہیں کہ آپ کو عیسائیت اور اس کی کتابوں کا یہ سب علم کیسے حاصل ہوا؟ میں پوری صراحت کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہودیت اور نصرانیت کے بارے میں میری معلومات اور تجربات میرے اختیار سے نہیں ہیں بلکہ میں اس کے لئے مجبور کیا گیا۔

میں ۱۹۳۹ء میں عیسائی مشنریز کے ایک تعلیمی ادارہ (جو عیسائی مذہب کے داعی تیار کرتا تھا) کے پڑوس کی ایک دوکان میں سیلس مین تھا، میں اور میرے دوست اس ادارہ کے فارغین کا تختۂ مشق بنتے تھے، ایک دن بھی ایسا نہیں گذرتا تھا کہ یہ لوگ اسلام، قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کر کے ہمیں تنگ نہ کرتے ہوں۔

اس وقت میں بیس سال کا نوجوان تھا، کئی راتیں میں نے بے خوابی کے ساتھ روتے گذاریں کہ میں کمزور ہوں اور نبی اکرم ﷺ جو ساری دنیا کے لئے رحمت بنا کے بھیجے گئے میں ان کا دفاع کرنے پر قادر نہیں ہوں، میں نے طے کیا کہ میں قرآن کریم، کتاب مقدس اور ان دونوں سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کروں گا۔

میرے لئے کتاب اظہار الحق کی دریافت پہلا قدم تھا جس نے میری زندگی کا رخ تبدیل کردیا، کچھ دنوں کے بعد میں اس پر قادر ہوگیا کہ ان عیسائی واعظوں کو مناقشہ کے لئے بلاؤں اور حقائق پیش کر کے میں انہیں تنگ کروں، جس کے نتیجے میں وہ اسلام اور نبی اسلام کا احترام کرنے پر مجبور ہوں۔ (مقدمہ اظہار الحق جلد اول، ص:۹۲۔۹۳)

اس وقت بھی بعض حضرات عالمی سطح پر مقارنۂ مذاہب خصوصاً ردعیسائیت کا کام کر رہے ہیں ان کے ریسرچ وتحقیق کی بنیاد بھی حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی کتابیں ہیں، احمد دیدات مرحوم حضرت مولانا کیرانوی سے استفادہ کا ممنونیت کے ساتھ کھلے عام اعتراف کرتے تھے، لیکن اس میدان میں شہرت رکھنے والے بعض معاصر حضرات اس حقیقت کو چھپاتے ہیں اور ہر چیز کو اپنی تحقیق بتاتے ہیں، احمد دیدات مرحوم کی ایک دوسری خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے میدان ہی تک محدود رہے، شہرت اور مقبولیت نے ان کو اس فریب میں مبتلا نہیں کیا کہ وہ اپنے کو ہر فن مولیٰ سمجھنے لگیں، اور مفسر، محدث ومفتی بھی بن بیٹھیں، لیکن اس وقت ایک بیماری یہ ہوگئی ہے کہ ہمارے بہت سے اسلام پسند نوجوان جو عصری تعلیم کی اعلیٰ ڈگریوں کے حامل ہیں مثلاً ڈاکٹر یا انجینیر ہیں انہوں نے اپنے طور پر قرآن، حدیث اور اسلامیات کی کتابوں کا کچھ مطالعہ کر کے دعوت دین یا مقارنۂ مذاہب کے میدان میں کام شروع کیا اور اس کام کو کچھ شہرت اور عوامی مقبولیت ہوگئی تو

انہوں نے اپنے میدان میں محدود رہنے کے بجائے اپنے کومفسر، محدث، فقیہ، متکلم اسلام سب کچھ سمجھ لیا اور ہر میدان میں قلم رانی شروع کردی جس سے اسلام اور مسلمانوں کا نقصان ہونے لگا، امت میں فکری انحرافات اور گمراہیاں پھیلنے لگیں، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا نے اس مرض کے پھیلنے میں بڑی مدد کی، اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو فکری انتشار اور گمراہی سے بچائے۔

ازالۃ الشکوک کی قدیم وجدید اشاعتوں کے بارے میں ایک ضروری وضاحت

ازالۃ الشکوک کی قدیم وجدید اشاعت کے بارے میں یہ وضاحت انتہائی ضروری ہے کہ کتاب کی قدیم اشاعت دو جلدوں میں ہوئی تھی، اس کتاب میں عیسائیوں کے انتیس (۲۹) سوالوں کے جوابات دئے گئے ہیں، ان میں سے بارہ (۱۲) سوالوں کے جوابات جلد اول میں آئے تھے یہ بارہ سوالات وہ ہیں جن کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ہے، اور باقی سوالوں کے جوابات جلد دوم میں تھے۔

جدید اشاعت چار جلدوں میں ہورہی ہے، جلد اول صرف سوال (۱) کے جواب پر مشتمل ہے اور جلد دوم میں سوال (۲) سے سوال (۱۲) تک کے جوابات ہیں، جلد سوم میں سوال (۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶) کے جوابات ہیں، نیز سوال (۱۷) کے جواب کے بارہ مباحث جنہیں مصنف نے ہدایات کا نام دیا ہے ان میں سے پانچ ہدایات جلد سوم میں آگئی ہیں اور جلد چہارم سوال (۱۷) کی ہدایت (۶) سے شروع ہوکر سوال (۲۹) تک کے جوابات پر مشتمل ہے، سوال (۱۸) سے سوال (۲۹) تک کے جوابات کامل طور پر جلد چہارم میں ہیں، مصنف علیہ الرحمہ نے جہاں جہاں کتاب کی جلد اول یا جلد دوم کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد قدیم اشاعت کی جلد اول و دوم ہے، جدید اشاعت میں سوال نمبر کے اعتبار سے اس حوالہ کو دیکھنا پڑے گا، جدید اشاعت میں جلدوں اور سوالات کی تفصیل یہ ہے:

جلد دوم:	سوال (۱) کا جواب
جلد دوم:	سوال (۲) سے سوال (۱۲) تک کے جوابات
جلد سوم:	سوال (۱۳) تا سوال (۱۶) کے جوابات اور سوال (۱۷) کی پانچ ہدایات
جلد چہارم:	سوال (۱۷) کی ہدایات (۶) تا (۱۲)، سوال (۱۸) تا سوال (۲۹) کے جوابات

چند باتیں ازالۃ الشکوک کی اس خدمت کے بارے میں

اللہ تعالیٰ اپنے مخلص اور مقبول بندوں کے مختلف کاموں کے لئے ان کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد اپنے دوسرے بندوں کو مسخر کردیتا ہے، میں اپنی متنوع تدریسی، تصنیفی، ملی مصروفیات اور خاص ذوق ومزاج کی وجہ یہ سوچ نہیں سکتا تھا کہ ردعیسائیت پر ازالۃ الشکوک جیسی عظیم وضخیم کتاب کی خدمت اپنے ذمہ لوں، لیکن اللہ کے ایک بندے نے حرم مکی کے پڑوس میں اس کام کی فرمائش اس اخلاص اور محبت سے کی کہ میں نے اس مبارک کام کی ہمت کرلی اور رفتہ رفتہ اس کام میں لذت محسوس ہونے لگی۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے اللہ تعالیٰ نے تاریخ ہند کے انتہائی نازک موڑ پر حفاظت اسلام کا عظیم الشان کام لیا، عیسائی مشنریز کے سیلاب بلاخیز کے مقابلے میں حضرت مولانا کیرانویؒ نے سدّ سکندری قائم کی اور ہندوستانی مسلمانوں کو ارتداد کے فتنہ سے بچایا، مولانا نے فارسی، اردو، عربی تینوں زبانوں میں ردعیسائیت کے موضوع پر ایسی بے مثال کتابیں تصنیف فرمائیں اور ایسے کامیاب مناظرے کئے کہ برصغیر میں عیسائیت کے بڑھتے قدم رک گئے بلکہ عیسائی پادریوں کے لئے اپنے مذہب کا دفاع مشکل ہوگیا، ہندوستان میں اسلام کی حفاظت کا یہ کارنامہ حضرت مجدد الف ثانی (شیخ احمد سرہندی) کے کارنامہ کے مشابہ ہے، جنہوں نے دور اکبری میں دین الٰہی کے فتنہ کی سرکوبی کی اور مسلمانان ہند کو ارتداد کی راہ پر پڑنے سے بچالیا۔

افسوس ہے کہ آج ہمارے علماء اور خواص بھی حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ان جیسے محافظین دین ومجاہدین اسلام کے کاموں اور کارناموں سے ناواقف ہیں، مولانا کیرانویؒ پر تو متعدد سرگرم عمل اکیڈمیاں ہونی چاہئے تھیں، جو مولانا مرحوم کی خدمات وتصنیفات پر تحقیق وریسرچ کرتیں، ان کی تصنیفات کو نئے انداز سے شائع کرتیں، مختلف ملکی اور عالمی زبانوں میں ان کی کتابوں کے معیاری اور مستند ترجمے شائع کرتیں، مولانا کیرانوی نے اپنے عہد پر اور بعد کے ادوار پر کیا اثر ڈالا ہے اس کا جائزہ لیتیں۔

فہرست کتاب کے بارے میں ایک وضاحت

تھوڑی وضاحت کتاب کی فہرست کے بارے میں بھی کردینا ضروری ہے تاکہ قارئین کو الجھن اور پریشانی نہ ہو، کتاب کی قدیم اشاعت اس طور پر تھی کہ سطریں مسلسل لکھی ہوئی تھیں، پیراگراف بالکل نہیں تھے، عناوین اور ذیلی سرخیاں اصل کتاب میں نہیں تھیں بلکہ کتاب کے دائیں جانب کہیں کہیں حاشیہ پر عناوین تھے، اس نئی اشاعت میں پیراگرافنگ کا پورا اہتمام کیا گیا ہے، کتاب کے بغلی حاشیہ کے عناوین اور ذیلی سرخیاں اصل کتاب میں شامل کرلی گئی ہیں بہت سی جگہوں میں نئے عناوین اور سرخیوں کا اضافہ کیا ہے، عناوین میں جزوی تبدیلیاں بھی کی گئی ہیں۔

قدیم ایڈیشن میں دونوں جلدوں کے ساتھ تفصیلی فہرستیں ہیں، ان فہرستوں کے عنوانات عام طور پر کتاب کے بغلی حاشیہ کے عنوانات سے مختلف ہیں، کتاب کے مندرجات اور مضامین کو پڑھ کر یہ فہرستیں تیار کی گئی ہیں تاکہ فہرست دیکھ کر قاری کتاب کے مندرجات پر مطلع ہوجائے، اس نئے ایڈیشن میں بھی ہر جلد کے ساتھ اس کی تفصیلی فہرست دی جارہی ہے، اس میں ایک درمیانی راہ نکالی گئی ہے کہ فہرست کتاب کے عناوین میں اور کتاب میں درج عناوین میں حتی الامکان مطابقت ہو، لیکن فہرست کا کوئی عنوان اگر محولہ صفحہ پر انہیں الفاظ میں نہ ملے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مضمون اس صفحہ پر نہیں ہے، بہت سے عناوین کتاب میں تو نہیں ہیں لیکن ان کے مضامین متعلقہ صفحات پر موجود ہیں۔

کتاب کے زیریں حواشی عموماً حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے قلم سے ہیں، ان کے آخر میں عام طور پر ''۱۲ منہ'' یا ''۱۲ منہ رحمہ اللہ'' لکھا ہوا ہے، کتاب کی غیر معمولی ضخامت کی وجہ سے میں نے اپنے حواشی سے کتاب کو گرانبار کرنے سے اجتناب کیا، معدودے چند ہی مقامات پر میں نے مختصر حواشی لکھے ہیں، اور ان کے آخر میں میرا نام ''عتیق احمد'' لکھا ہوا ہے۔

حضرت مولانا کیرانوی اور تاریخ گوئی

تاریخ گوئی کا فن اردو ادب میں عنقا ہوتا جارہا ہے، حضرت مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس فن میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا، اشعار میں تاریخ گوئی اور مشکل کام ہے، مولانا موصوف نے بڑی روانی اور سلاست سے اشعار میں بھی تاریخ گوئی کی ہے، ازالۃ الشکوک کے اخیر میں مولانا مرحوم نے تاریخ گوئی پر مشتمل چند اشعار کہے ہیں انہیں بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے، حضرت مولانا کیرانوی نے اپنی اکثر تصنیفات میں سن تصنیف بیان کرنے کے لئے تاریخ گوئی کا سہارا لیا ہے خواہ اشعار کی شکل میں یا الفاظ کی صورت میں یہاں طوالت کے خوف سے صرف ازالۃ الشکوک سے نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

ہے جو یہ از فضل رب کردگار نقش دلکش خوب رنگین پائیدار
دیتا ہے ہاتف ندا تاریخ لکھ اس کی یوں ''ہو خیر جاری یادگار''
''ہو ہدایت (۱۲۷۱) خیر کی'' لکھ دوسری تیسری ''باغ براہین کرشمار''
پھر ''مضامین رنگین'' چوتھی یا پانچویں ''لکھ خیالات بزرگ'' اے نامدار
گن ''کمال فخر فکر'' اس کی چھٹی (۶) پھر ''ظفر کامل'' کو دے ہفتم قرار
لکھ ''یہ دو خورشید (۱۲۷۱) لامع'' اٹھویں (۸) اس کی دو جلدوں کا کر کے اعتبار
''کامل فخر منیر'' ہے (۱۲۷۱) گی نویں (۹) کیجیو فرخ اسے پروردگار
''کارمرضی'' دسویں (۱۲۷۱) لکھ کر گیارہوں (۱۱) لکھ ''زہے پیر مغز'' اے والاتبار
بعد اس کے گرہوس ہوا ے عزیز بارہویں کی لکھ لے ''نغز و آبدار'' (۱۲۷۱)

کلمات تشکر

گیارہ بارہ سال کی مدت میں جب میں ازالۃ الشکوک کی خدمت سے فارغ ہو رہا ہوں تو میرا دل خود ملامت کر رہا ہے کہ میں اس کتاب کی کماحقہ خدمت نہیں کر سکا لیکن ٹوٹی پھوٹی جو خدمت بھی ہو سکی اس پر اللہ جل جلالہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اسی کی توفیق اور فضل سے یہ خدمت انجام پا سکی اور یہ کام تنہا مجھ سے انجام نہیں پایا، کتنے بندگان خدا اس کار خیر میں شریک رہے، کمپوزنگ سے لے کر تصحیح اور پروف ریڈنگ تک کتنے بندے اور بندیوں نے اس میں حصہ لیا، کمپوزنگ کا پہلا مرحلہ عزیزم مولوی آصف لئیق ندوی اور میرے بڑے لڑکے عزیزم مولانا محمد سہیل اختر ندوی سلمہ اللہ کے ذریعہ انجام پایا اور اس کی تکمیل عزیزم مولانا عبدالمغنی ندوی کے ہاتھوں ہوئی۔

پروف ریڈنگ چار بار ہوئی اور بعض حصوں کی پانچ بار، اس لئے اس میں سب سے زیادہ وقت اور محنت صرف ہوئی، بنیادی طور پر اس کام میں میرے افراد خانہ نے زیادہ حصہ لیا اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے شایان شان اجر عطا فرمائے، میرے دونوں لڑکوں مولوی محمد سہیل اختر ندوی اور مولوی محمد احمد ندوی نے اس کام میں میرا بہت ساتھ دیا، وقت بے وقت میرے ساتھ پروف پڑھنے یا کتاب سے ملانے میں لگے رہے، میری پیاری بچیوں کا حصہ بھی پروف و تصحیح کے کام میں بچوں سے کم نہیں، میری بچیاں عارفہ خاتون، صبیحہ خاتون، مریم عفیفہ اور ام حبیبہ سب اس کام میں باری باری میرے ساتھ لگی رہیں، میں ان سب کا حد درجہ شکر گزار ہوں اور ان کے لئے دعا گو ہوں، اللہ تعالیٰ ان سب کو دنیا و آخرت میں ترقیات سے نوازے اور دین پر استقامت نصیب فرمائے۔

مرد کے علمی، فکری اور دینی کاموں کے پیچھے عورت کی غیر مرئی طاقت ہوتی ہے، جب خاتون خانہ گھر میں پرسکون ماحول فراہم کرتی ہے، گھر کے فکروں کو اوڑھ لیتی ہے تب شوہر کے علم و فکر میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے اور وہ کوئی قابل ذکر کام کر پاتا ہے، میری اہلیہ محترمہ (شاکرہ خاتون) نے اس پہلو سے میری ہمیشہ بڑی مدد کی، گھریلو فکروں سے مجھے آزاد رکھا اور میری علمی

وتصنیفی مصروفیات اور انہماک کو نہ صرف انگیز کیا، بلکہ خوشدلی سے قبول کیا، میں ان کا شکر گذار ہوں اور ان کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی انہیں صحت وعافیت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے اور دنیا وآخرت میں کامرانیوں سے نوازے، اولاد واحفاء سے ان کے دل کو راحت اور آنکھوں کو ٹھنڈک دے۔

اس موقع پر میں عزیز گرامی مولانا محمد سرفراز ندوی (استاذ معہد الشریعۃ لکھنؤ) وعزیز گرامی قدر مولانا رحمت اللہ ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کو فراموش نہیں کرسکتا، یہ دونوں حضرات ازالۃ الشکوک کے کام میں میرے بہترین علمی معاون رہے، جب بھی میں نے کسی علمی کام کے لئے انہیں زحمت دی بہ خوشی اسے انجام دیا، اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو اپنے شایان شان اجر عطا فرمائے اور ترقیات سے نوازے۔

مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے موجودہ ناظم حضرت مولانا محمد حشیم صاحب (دامت برکاتہم) کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرنا میرا دینی واخلاقی فریضہ ہے، ازالۃ الشکوک کی تسہیل وتصحیح ومراجعت کا اتنا بڑا کام مجھ سے انجام پانا ان کی کھلی ہوئی کرامت ہے، انہیں کی تحریک، ہمت افزائی، رہنمائی اور تعاون سے ازالۃ الشکوک کی اشاعت نو کا کام تکمیل کو پہنچا اور اس اشاعت جدید کے لئے انہوں نے قیمتی پیش لفظ تحریر فرمایا جو اس ایڈیشن کی زینت ہے۔

اپنے مخدوم گرامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم (ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں کہ میری حقیر گذارش پر انہوں نے اپنے قیمتی کلمات اس نئے ایڈیشن کے لئے عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ موصوف کا سایہ صحت وسلامتی کے ساتھ امت مسلمہ پر دراز رکھے۔

ازالۃ الشکوک ادبی نقطۂ نظر سے

ازالۃ الشکوک میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اردو کے صاحب طرز ادیب اور انشاء پرداز معلوم ہوتے ہیں، عبارت رواں دواں، کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی، سادگی و برجستگی ہر ہر صفحہ اور پیرا گراف سے عیاں، زبان عربی اور فارسی الفاظ سے گراں بار نہیں، جگہ جگہ ہندی اور مقامی الفاظ کا حسین آمیزش۔

یہ کتاب اس دور میں لکھی گئی جب ہمارا ملک ہندی اور اردو کی کشمکش سے پاک تھا، دونوں زبانوں میں صرف رسم الخط کا فرق تھا، نہ ہندی زبان کو سنسکرت کے آڑے ٹیڑھے شبدوں کی بیڑیاں لگی تھیں نہ اردو کو ناموس عربی و فارسی الفاظ سے جکڑا گیا تھا، بلکہ دونوں کے ناموں کے درمیان بھی کوئی بڑا خط امتیاز نہیں کھینچا گیا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت مولانا کیرانوی نے اپنی اردو کتابوں (ازالۃ الشکوک، اعجاز عیسوی وغیرہ) میں کتب مقدسہ کے اردو تراجم کو ''ترجمۂ ہندیہ'' ہی کے نام سے موسوم کیا ہے، ازالۃ الشکوک کے اس نئے ایڈیشن میں بھی اسی کو باقی رکھا گیا ہے۔

ازالۃ الشکوک کا زمانۂ تصنیف ۱۲۶۹ھ۔ ۱۲۷۱ھ ہے، اس کتاب کی تصنیف پر ڈیڑھ سو سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن اگر کچھ متروک الفاظ اور بعض نامانوس تعبیروں سے چشم پوشی کرلیں تو محسوس ہوتا کہ یہ دور حاضر میں لکھی ہوئی کتاب ہے، پوری کتاب اردو نثر کے اعلیٰ نمونوں سے بھری ہوئی ہے لیکن تاریخ ادبِ اردو پر لکھنے والے پیشہ ور مصنفین کو اتنی فرصت اور توفیق کہاں ہے کہ ان مذہبی کتابوں سے اردو ادب کے بہترین نمونے لے کر انہیں اردو ادب کی تاریخ میں جگہ دیں۔

حضرت مولانا کیرانوی صرف اردو کے بہترین نثر نگار ہی نہیں تھے بلکہ اردو

شعر گوئی میں بھی انہیں کمال حاصل تھا، ازالۃ الشکوک میں حضرت مولانا کیرانوی کے اشعار ان کی قادر الکلامی، برجستہ گوئی اور بلند ادبی وشعر بی کی نشاندہی کرتے ہیں یہاں پر حمد، نعت اور مناجات کے چند اشعار بطور نمونہ درج کیئے جاتے ہیں۔

نظم

بدیع السمٰوات والارض ہے — عبادت اسی کی فقط فرض ہے
نہیں کوئی موجود اس کے سوا — نہیں کوئی معبود اس کے سوا
خدائی میں بے مثل وضد ہے وہی — ولم یولد اور لم یلد ہے وہی
نہیں اس کی تحمید حد بشر — کہ اپنی بھی اس کو نہیں کچھ خبر

نظم

وہ ہے مرکز عالم کن فکان — وہ ہے باعث صحت جسم وجان
چلے حکم کے ساتھ جس کے درخت — ہوئے نقش پا بر سر سنگ سخت
کیا جس نے ماہِ دو ہفتہ کو دو — بلائے نہ کیوں عمر رفتہ کو وو
منگا ایک برتن میں پانی قلیل — رکھا ہاتھ اس میں باذن جلیل
ہر اک انگلی سے چشمہ جاری ہوا — جسے جتنا منظور تھا پی لیا
حجر اور شجر نے بھی کی یہ ندا — سلام علیک اے رسول خدا
وہ لاریب محبوب معبود ہے — وہی خلق آدم سے مقصود ہے
مراتب ہوں اس کے بیان مجھ سے کیا — کہ ہیں اس کی امت میں کالانبیاء

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ازالۃ الشکوک کی اہمیت وخصوصیات پر ان صفحات کو اس مناجات اور دعا پر ختم کیا جائے جس پر حضرت مولانا مرحوم نے اپنی اس کتاب کو ختم کیا ہے۔

مناجات

یا الٰہی تو ہے غفار الذنوب — اور بڑا ذوالفضل ستار العیوب
ہر گھڑی عصیاں بنا میرا شعار — عمر غفلت میں کٹی انجام کار
میں نہ لایا حکم کو تیرے بجا — بلکہ ہر لحظہ رہا کرتا خطا
ہر طرح کے جرم کا مصدر بنا — ہر وضع مذموم کا مظہر بنا
امر سے تیرے رہا منہ موڑتا — نہی پہ تیرے رہا میں دوڑتا
ہے نہیں میرے گناہوں کی شمار — جیسے تیرے فضل کی اے کردگار
لیک با ایں روسیاہی یاالٰہ — تیرے در پہ آیا ہوں میں عذر خواہ
اور مانگوں ہوں بامید نجات — تجھ سے اے میرے حق والاصفات
یہ دعا اب یا رحیم و یا غفور — عفو فرما میرے سب جرم و قصور
فضل سے اپنے مجھے دلشاد رکھ — رحمت اپنے میں مجھے آباد رکھ
اپنے سب بندوں مقدس کے طفیل — رکھ مدام اپنے کرم کے ریل پیل
اہل دنیا کی طرف حاجت نہ چھوڑ — رشتہ اس حاجت کو تو دے توڑ موڑ
ہاتھ یا دل یا زبان سے ذوالجلال — ماسوا اپنے نہ کروانا سوال
زندگی بھر اپنے رستہ پر چلا — پھر مجھے ایمان سے تو لے اٹھا
بعد مرنے کے جہنم سے بچا — جود سے اپنے تو کر جنت عطا
پھر رضا اپنی سے کر کے سرفراز — رکھ تو اپنے قرب میں اے بے نیاز

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا

ازالۃ الشکوک

از تصنیف لطیف

عالم نحریر فاضل عدیم النظیر محقق لوذعی مدقق لمعی رئیس متکلمین حامی دین متین
آیۃ من آیات اللہ بانیٔ حرمین شریفین الشیخ محمد رحمۃ اللہ الکیرانوی ثم المکی قدس سرہ

حسب فرمان والا شان

فاضل اجل عالم اکمل شمس العلماء مولانا مولوی الحاج عبد الوہاب صاحب
قبلہ مد ظلہ العالی باد دام الایام و اللیالی

(ابو الفضل ضیاء الدین محمد عفی عنہ)

مطبع احسن المطابع مدراس میں طبع کرایا

۱۲ ھ ۲۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کروڑ کروڑ تعریف اور شکر اُس واحد حقیقی کو کہ جسکی ذات پاک کی صحن مین شرک اور تثلیث کا خس و خاشاک نہین پڑتا اور اسکی وجود اقدس پر عرش سے فرش تک ہر موجود موجودات سے اور ہر ذرہ کائنات سے دلالت کرتا ہے۔ اور اُسکے آیات بینات کا نقارا توریت اور انجیل اور زبور اور قرآن اور اور صحف انبیاء علیہم السلام کے بام سے لا الٰہ الا ہو کی آوازے کے ساتھ بلند آواز اور سارے فرشتون اور سب جن اور انس کی عقلائی زبان اُسکی توحید کے بیان مین شیرین اور تازی ہو۔ نظم

بدیع السمٰوات والارض ہے ۔ عبادت اُسیکی فقط فرض ہے
نہین کوئی موجود اُسکے سوا ۔ نہین کوئی معبود اُسکے سوا
خدائی مین بے شک وہ ضد ہے وہی ۔ ولم یولد اور لم یلد ہے وہی
نہین اُسکی تحمید حد بشر ۔ اگر اپنی بھی اسکو نہین کچھ خبر

سلہ یعنی نہین کوئی معبود (نہ دریا مین اور نہ صحرا مین اور نہ کہین) سوا اُس اللہ کے۔ استثنا کی کتاب کے چھٹے باب کا چوتھا ورس یون ہے نسخہ ۔۔۔ع سن لے اے اسرائیل یہوواہ ہمارا خدا ایک خدا ہے اور انجیل مین بھی جناب مسیح سے یہی حکم سب حکمون مین بڑا منقول ہوا ہے جیسا مرقس کی انجیل کے بارھوین باب کے دیکھنے سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے اور زبور چھیاسیوین کے ورس دسوین مین یون ہے نسخہ ۱۸۴۴ع اور تو ہی اکیلا خدا ہے۔ اور اشعیا کی کتاب چھیالیسوین باب کے نوین ورس مین یون ہے نسخہ ۱۸۴۴ع مین خدا ہون اور کوئی دوسرا نہین مین خدا ہون اور مجھسا کوئی نہین اور قرآن مین توحید کی صدہا آیت مذکور ہین انکی نقل کی حاجت نہین۔ بس ان آیات کے موافق تثلیث والے موحد نہین بلکہ خوش بیہودہ کے مشرک ہین گو زبردستی سے دعوی توحید کا بھی کرتے ہون ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالے ۔

باسمہٖ سبحانہٗ

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا

ازالۃ الشکوک

جلد دوم

از تصنیف لطیف

عالم نحریر فاضل عدیم النظیر محقق لوذعی مدقق یلمعی رئیس متکلمین حامی دین متین

آیۃ من آیات اللہ بحرمین شریفین الشیخ محمد رحمۃ اللہ الکرانوی ثم المکی قدس سرہٗ

حسب فرمان

جناب حضرت مولانا مولوی الحاج ابو الفضل ضیاء الدین محمد صاحب

مد ظلہ العالی

انگپا نایک اسٹریٹ نمبر ۱۵۶ مدراس

طبع ہوئی

نفی چاہتے ہیں، لیکن اسبات کی تفصیل اور ثبوت کیونکر ہو سکتا ہے، کہ ذات کی وحدانیت باوجود
تین اقنوم کے معدوم نہیں ہوتی ہے، یہ انسان کی طاقت سے باہر اور عقل کی قوت سے خارج
ہے، یہاں تک پادری صاحب کی عبارت تھی، اگر پہلے پادری صاحب شخصیت کے اطلاق سے
گھبراتے تھے، لیکن جب ہم لوگوں کی تحریریں اسپر دیکھیں، اور جواب نہ بن پڑا، تو آپ
بھی اب اس اطلاق کو گوارا رکھا صفحہ ۵۷، معلوم رہے کہ تثلیث اور الوہیت مسیح انجیل میں
بیان اور محکم ہوا ہے، لہذا ایماندار بندہ بے درنگ و دیانت کرکے ان کو خوشی اور خوبی اور تحقیق
سے قبول کرتا اور ایمان لاتا ہے، یہاں تک پادری صاحب کا کلام تھا، **تعداد نسخ مقابلہ شدہ**
۵۲ و ۳۳ اور عدد نسخ کا کہ مقابلہ ہوئے، اس سوال یہ ہے، کہ مل، بنگل، ویت اسٹین
گریسباخ وغیرہ نے چھ سو چون ۶۵۴ اور شولز صاحب نے ۶۷۴ قدیمی نسخوں کو مقابلہ کیا ہے، ڈاکٹر
ہورن صاحب کی کتاب اسناد کے چوتھے باب کے تیسرے فصل کو دیکھئے، پس وے نسخ
جو مقابلہ میں آئے، بہرحال ہزار سے زیادہ ہیں، اور ان کے سوا فرنگستان کے کتب خانوں
میں اور بھی نسخے ہیں، کہ مقابلہ میں نہیں آئے ہیں، اس سبب سے کہ یا تو ان نسخوں کی مانند قدیم اور
معتبر نہیں ہیں، یا صرف ان کی نقلیں ہیں، اور ان قدیم نسخوں میں سے جو مقابلہ ہوئے، بعض تمام
انجیل ہیں، بعض اناجیل اربعہ اور بعض انجیل کا ایک یا کئی ایک صحیفے اور بعض انجیل کے صرف
ایک دو نسخ یا کئی ایک فصل کے حصے ہیں، صفحہ ۵۴ ڈاکٹر ہورن صاحب کی کتاب کے چوتھے باب
کی تیسری فصل سے آشکارا ہے، کہ بہتیرے الفاظ گریسباخ نے غلط سمجھے، شولز صاحب نے صحیح جانے
ہیں، اور صحیح اور اصل ہیں ۱۲

تمت المقابلة

الحمد للہ علی نوالہ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ

تصحیح اس دوسری جلد کی مع جلد اول ازالۃ الشکوک کے بشراکت محبی محمد یعقوب خان صاحب
سلمہ اللہ تعالیٰ حوالدار پنشنر کے فقیر عبد الوہاب کان اللہ لہ ولاسلافہ نے سلخ شعبان
المعظم ۱۳۰۱ ہجری میں تمام کیا،

وصلی اللہ علی جمیع الانبیاء والمرسلین وعلی ملائکتہ اجمعین

آمین ثم آمین

نہیں پہلے سو برس ہی واضح ہیں صفحہ ۹۵ شولز صاحب کچھ قریب پچاس برس ڈاکٹر گریسباخ کے بعد ہوا ہے ۱۲ اہتمام مباحثہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا کی حمد

کروڑ کروڑ تعریف اور شکر اس واحد حقیقی کو کہ جس کی ذات پاک کی صحن میں شرک اور تثلیث کا خس وخاشاک نہیں پڑتا، اور اس کے وجود اقدس پر عرش سے فرش تک ہر موجود، موجودات سے اور ہر ذرہ، کائنات سے دلالت کرتا ہے، اور اس کی آیات بینات کا نقارہ توریت اور انجیل اور زبور اور قرآن اور دیگر صحف انبیاء کے بام سے ﴿لا إلـــه إلا هو﴾ (۱) کی آوازے کے ساتھ بلند آواز، اور سارے فرشتوں اور سب جن وانس کے عقلاء

---

(۱) یعنی نہیں کوئی معبود (نہ دریا میں اور نہ صحراء میں اور نہ کہیں) سوا اس اللہ کے، استثنا کی کتاب کے چھٹے باب کا چوتھا درس یوں ہے (نسخہ ۱۸۲۹ء) سن لے اے اسرائیل یہوداہ! ہمارا خدا! ایک خدا ہے، اور انجیل میں بھی جناب مسیح سے یہی حکم سب حکموں سے بڑا منقول ہوا ہے جیسا مرقس کی انجیل کے بارہویں باب کے دیکھنے سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے، اور زبور چھیاسویں کے درس دسویں میں یوں ہے (نسخہ ۱۸۴۱ء) اور تو ہی اکیلا خدا ہے، اور اشعیا کی کتاب چھیالسویں باب کے نویں درس میں یوں ہے (نسخہ ۱۸۴۳ء) میں خدا ہوں اور کوئی دوسرا نہیں، میں خدا ہوں اور مجھ سا کوئی نہیں، اور قرآن میں توحید کی صدہا آیت مذکور ہیں ان کی نقل کی حاجت نہیں، پس ان آیات کے موافق تثلیث والے موحد نہیں بلکہ مثل بت پرستوں کے مشرک ہیں، گو زبردستی سے دعویٰ توحید کا بھی کرتے ہوں ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

کی زبان اس کی توحید کے بیان میں شیریں اور تازی ہے۔

نظم

بدیع السمٰوات و الارض ہے — عبادت اسی کی فقط فرض ہے
نہیں کوئی موجود اس کے سوا — نہیں کوئی معبود اس کے سوا
خدائی میں بے مثل وضد ہے وہی — ولم یولد اور لم یلد ہے وہی
نہیں اس کی تحمید حد بشر — کہ اپنی بھی اس کو نہیں کچھ خبر

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت

اور لاکھ لاکھ درود کامل فرد، اکمل نوع انسانی، رحمت ربانی پر کہ "وما ینطق عن الهوی إن هو إلا وحی یوحی" (۱) کی مملکت کا تاجدار ہے، اور "ما زاغ البصر و ماطغی" (۲) کے میدان کا شہسوار اور سلطان حقیقی کی بارگاہ سے "هو الذی أرسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله" (۳) کے خلعت فاخرہ کے ساتھ سرفراز، اور اس خطاب ارجمند "و ما أرسلناك

---

(۱) یعنی اور نہیں بولتا ہے (محمدؐ) اپنی چاؤ سے (اس طور پر کہ چاؤ اور ہوائی نفسانی کے سبب کوئی کلام اپنی طرف سے بنا کر اس کو قرآن اور وحی بتلادے) یہ تو حکم ہے جو پہنچتا ہے اس کو (اللہ کی طرف سے) ۱۲ منہ۔

(۲) یعنی بہکی نہیں نگاہ (یعنی نگاہ محمدؐ کی داہنے بائیں) اور حد سے نہیں بڑھی (بلکہ انہیں عجائب کو غور سے دیکھا جن کے دیکھنے کا حکم تھا نہ اور کو) ۱۲ منہ

(۳) یعنی اس نے (اللہ تعالیٰ نے) بھیجا اپنا رسول (محمدؐ) ہدایت (یعنی قرآن ومعجزات) لے کر اور دین سچا (دین اسلام) تاکہ اس کو اوپر کرے ہر دین سے ۱۲ منہ۔

إلا رحمة للعٰلمين "(۱)اور اس منصب بلند "ولسوف يعطيك ربك فترضىٰ" (۲) کے ساتھ معزز اور ممتاز ہے، اور اس کی ذات مقدس کی طرف نسبت مسیحؑ کی ذات کی ایسی ہے، جیسے مسیح کی ذات کی طرف نسبت ایلیاؑ کی (۳)، اور اس کے شرف کی طرف نسبت شرف ہر اگلے نبی کی ایسی ہے، جیسے ذرہ کے نور کی نسبت آفتاب کے نور کی طرف یعنی بہترین عالم، سردار اولاد آدم، محمود خلائق، محبوب خالق، شافع روز جزا، حضرت ابوالقاسم محمد مصطفیٰ ﷺ کہ جس کی ہدایت کے آفتاب نے کفر کی تاریکی کو عالم کے صفحہ سے مٹایا، اور خدا کی مخلوق کو گمراہی اور بت پرستی کے ہاتھوں سے چھڑایا، ایسا کیوں نہ ہو کہ خاتم النبین ہے، اور نصوص قطعیہ کے موافق افضل المرسلین۔

نظم

وہ ہے مرکز عالم کن فکان — وہ ہے باعث صحت جسم و جان
چلے حکم کے ساتھ جس کے درخت — ہوئے نقش پا بر سر سنگ سخت
کیا جس نے ماہِ دو ہفتہ کو دو — بلائے نہ کیوں عمر رفتہ کو وو

---

(۱) یعنی تجھ کو (اے محمدؐ) جو ہم نے بھیجا سو (مہربان) کر کے جہاں کے لوگوں پر، (کیوں کہ مسلمانوں نے تیرے سبب ہدایت پائی اور کافر لوگ تیرے وجود کی برکت سے استیصال (تہس نہس) کے عذاب سے بچے) ۱۲ منہٗ۔

(۲) یعنی اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب (یعنی نفس کے کمالات اور اسلام کا غلبہ دنیا میں اور شفاعت عظمیٰ کا مرتبہ آخرت میں) پھر تو راضی ہوگا ۱۲ منہٗ۔

(۳) درس چودہویں باب گیارہویں اور درس تیرہویں باب سترہویں متّی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایلیا سے یحیٰؑ مراد ہیں، پس جیسے ایلیاؑ حضرت مسیحؑ سے پہلے مبعوث ہوئے اور ان کی بشارت دینے والے اور ان سے مرتبہ میں کم تھے، ایسے ہی حضرت مسیح حضرتؐ سے پہلے مبعوث ہوئے اور ان کی بشارت دینے والے اور ان سے رتبہ میں کم تھے، تیسرے سیپارہ کے بارہویں رکوع میں سورۂ آل عمران کی انتالیسویں آیت یوں ہے "إن اللــــه يبشرك بيحيى مصدقا بكلمة من الله "یعنی تجھ کو (اے زکریا) خوشخبری دیتا ہے اللہ=

منگا ایک برتن میں پانی قلیل — رکھا ہاتھ اس میں باذن جلیل
ہر اک انگلی سے چشمہ جاری ہوا — جسے جتنا منظور تھا پی لیا
حجر اور شجر نے بھی کی یہ ندا — سلام علیک اے رسول خدا
وہ لاریب محبوب معبود ہے — وہی خلق آدم سے مقصود ہے
مراتب ہوں اس کے بیاں مجھ سے کیا — کہ ہیں اس کی امت میں کالانبیاء

منقبت آل واصحاب کی

اور ہزار ہزار درود اس کے اصحاب والا جناب پر خصوصاً خلفاء راشدین رضوان اللہ علیھم اجمعین پر کہ ان کی منقبت کا فرمان:

"والذین معه أشداء علی الكفار، رحماء بینهم تراهم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من الله ورضواناً، سیماهم في وجوههم من أثر السجود"(۱)

کے طغرا سے مزین ہے، اور اس کی آل پاک پر کہ جن کی انگوٹھی شرف سے

== یحییٰ کی جو گواہی دے گا، اللہ کے کلمہ کی (یعنی ایک حکم کی جو مسیح سے عبارت ہے اور حکم کا اطلاق حضرت عیسیٰ پر اس لئے ہے کہ مجرد اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے، اور اس لفظ کی تحقیق اس رسالے کے مقدمہ کے چوتھے امر کے اندر ان شاء اللہ آئے گی) سورۂ صف کی چھٹی آیت میں ہے" وإذ قال عیسی بن مریم یبنی إسرائیل إنی رسول الله إلیکم مصدقا لما بین یدي من التوراة ومبشراً برسول یأتي من بعدي اسمه أحمد " یعنی اور جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل! میں بھیجا آیا ہوں اللہ کا تمہاری طرف سچا کرتا اس کو جو مجھ سے آگے ہے تورات اور خوشخبری سناتا ایک رسول کی جو آئے گا مجھ سے پیچھے اس کا نام ہے احمد۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی۔

(۱) یعنی اور جو اس کے (محمدؐ کے) ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں، تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدے میں (کیوں کہ وہ لوگ اکثر اوقات نماز ہی میں مشغول رہتے ہیں) ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل (ثواب کی زیادتی) اور اس کی خوشی، بامال ان کا ان کے منہ پر ہے سجدے کے اثر سے ۱۲ منہ۔

نقش ''مثل أهل بيتي فيكم مثل سفينة نوح من ركبها نجا، ومن تخلف عنها هلك''(۱) کالائح اور روشن ہے۔

سبب تالیف کا بیان

حمد اور نعت کے بعد بندہ سراپا عصیاں رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن غفر (۲) لهما الله الحنان المنان و أدخلهما دار الجنان ، قصبہ کیرانہ کا رہنے والا، بھائی مسلمانوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ ۱۲۶۸ھ ہجری مطابق ۱۸۵۲ء اٹھارہ سو باون عیسوی میں ایک قطعہ تئیس (۲۳) سوال کا جو دلی اور آگرہ وغیرہما میں مشتہر ہوا تھا، میری نظر سے گذرا اور پھر انہیں سوالوں کو ایک ہندی (۳) رسالے کے آخر میں مندرج پایا، اور معلوم ہوا کہ مسیحیوں کا مقصد اشتہار سے یہ ہے کہ کوئی ان کا جواب لکھے، اس پر میرے دل میں آیا کہ میں لکھوں، لیکن جب دیکھا کہ وہ سوال نئے نہیں بلکہ سائل نے انہیں قدیم سوالوں کو جو ''میزان الحق'' اور پادریوں کے دوسرے رسالوں میں مندرج ہیں، نقل کر لیا ہے، اور ان کے جواب بخوبی ادا ہو چکے ہیں، تو یہ دیکھ کر ان کے علحدہ جواب لکھنے کو فضول سمجھ کر چپ ہو رہا۔

مگر ۱۲۶۹ھ میں دو امر محرک ہوئے کہ ان کا جواب لکھوں: ایک یہ کہ بعض عیسائیوں نے ان سوالوں میں اصلاح دے کے اور چھ سوال اور بڑھا کے ان کو

---

(۱) یعنی میرے اہل بیت کی مثال تم میں نوح کی کشتی کی ہے، جو اس پر چڑھا بچا اور جو اس سے پیچھے رہا اور اس پر نہ چڑھا ہلاک ہوا۔ ۱۲ منہ

(۲) یعنی بخشیو ان دونوں کو اللہ بڑی بخشش اور بڑے انعام والا اور لے جاؤ ان کو بہشتوں کے گھر کے اندر۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۳) یعنی ''بحث مفید العام فی تحقیق الاسلام'' میں جو پادریوں کے نزدیک معتبر رسالہ ہے اور اس کا جواب سنہ ۱۲۷۰ ہجری میں ایک مولوی صاحب نے دلی میں لکھا ہے۔ ۱۲ منہ۔

جناب مستطاب مرزا محمد فخر الدین ولی عہد بہادر دام اجلالہ کی خدمت بابرکت میں بھیجا، اور جناب مفخم الیہ نے مجھ سے درخواست کی کہ ان کا جواب لکھوں، اور ان کا امر ماننا پڑا۔

دوسرا یہ کہ میں نے سنا کہ وہ حضرات (۱) پادری جو اس امر کی تنخواہیں پاتے ہیں اور اسی بات کی روٹی کھاتے ہیں کہ جاہلوں کو بہکا دیں اور بھولے بھالوں کو پھسلا دیں، شور وغل مچاتے ہیں کہ مسلمان لوگ جواب نہیں دے سکتے۔

پس ان دو امر کا لحاظ کر کے جواب کے لکھنے پر مستعد ہوا، لیکن اس لحاظ سے کہ جناب ولی عہد بہادر کا ایما یہ تھا کہ انہیں انتیس سوالوں کا جواب لکھوں، جن کو بعض عیسائیوں نے ان کی خدمت میں بھیجا ہے، اور حقیقت میں ان کا جواب ان تیئس (۲۳) سوالوں مشتہرہ کا بھی بلا تفاوت جواب تھا، تو انہیں انتیس کا جواب لکھا، اور چونکہ وہ سوال بے ترتیب تھے تو میں نے ان کی ترتیب اس طرح کر دی کہ جو معجزات سے تعلق رکھتے تھے، ان کو ایک جگہ، اور جو قرآن سے متعلق تھے، ان کو ایک جگہ، اور اسی قیاس پر اور جگہ ذکر کیا، لیکن سائل کی عبارت میں کچھ تبدیلی عمل میں نہیں آئی، بلکہ جیسی تھی ویسے ہی حرفاً حرفاً منقول ہوئی، اور خدا کے فضل سے اسی ۱۲۶۹ھ ہجری میں رمضان کے مہینے اس کی تحریر سے فراغت ہوئی، اور فراغت کے بعد دلی میں اس کا چھپنا شروع ہوا، لیکن چونکہ اسی عرصے میں میرا جانا اکبر آباد ہوا (آگرہ)، اور مہتمم (پریس کا ذمہ دار) کی کچھ سستی کے سبب اور کچھ اس سبب سے کہ مسودہ سے کاتب بعض جگہ ٹھیک سے نہ پڑھ سکا، اکثر غلط چھپتا تھا، میں نے یہ معلوم کر کے وہاں سے لکھ

---

(۱) اور اسی امر کا لحاظ کر کے دوسرے مسلمان بھائیوں نے بھی ان کا جواب لکھا ہے مثلاً ایک مولوی صاحب نے دلی میں اور ایک مولوی صاحب نے علی گڈھ میں اور اسی طرح اور مقامات پر۔ ۱۲ منہ

کر چھپنا اس کا ملتوی اپنی مراجعت پر رکھا۔

اور اکبر آباد میں مجھ کو دو سبب سے کچھ عرصے تک رہنا پڑا، ایک یہ کہ اس جگہ میں نے کتاب ''اعجاز عیسوی'' (کہ تحریف کے اثبات میں بہت ہی اچھی کتاب ہے، اور ناظر کو بڑا فائدہ بخشتی ہے) تالیف کی، دوم یہ کہ اس کی تالیف کے بعد میرا مباحثہ کشیس فنڈر (Rev.C.C.PFonder) صاحب ''میزان الحق'' کے مؤلف سے مجمع عام میں ٹھہر گیا، اور یہ قرار پایا کہ جناب ڈاکٹر وزیر خاں صاحب میرے شریک اور پادری فرنچ صاحب (French) ''میزان الحق'' کے مؤلف کے شریک رہیں، اور دو روز متواتر مجمع عام میں وہ مباحثہ ہوا، اور خدا کے فضل سے غلبہ ہماری طرف رہا، جیسا کہ یہ (۱) حال ان لوگوں کے رسالوں سے جو مباحثہ کے جلسوں میں شریک تھے ، اور انہوں نے مباحثہ کی تقریر کو اپنے کانوں سے سن کر ضبط کیا ہے، اکثر خلق پر ظاہر بھی ہو گیا ہے، اور جب میں اکبر آباد سے دلی میں پھر آیا، اور جواب کا چھپنا جو ملتوی تھا پھر مقرر ٹھہرا، تو بعض احباب نے درخواست کی کہ ہمارے نزدیک یوں مناسب ہے کہ تم ابطال التثلیث کو جو اس کے مقدمہ کے امر تیسرے میں مبین (واضح کیا گیا) ہے، نکال کر اس کو رسالہ جداگانہ کر دو، اور دوسرے مختلف مقامات میں بقدر مناسب کے کچھ کچھ

---

(۱) مثلاً مولوی وزیر الدین نے جو اس مباحثہ کے دونوں جلسوں میں شریک تھے، مباحثہ کی تقریر کو سلیس فارسی میں ضبط کر کے مع خطوط فریقین کے ایک رسالہ بنا کے ''البحث الشریف فی إثبات النسخ والتحریف'' نام رکھا، اور مولوی محمود جان کے محاکمہ کو جو انہوں نے اس گفتگو پر لکھا تھا، اور ایک رسالہ مؤلف مولوی امین الدین بن فرید الدین کو جو اسی گفتگو سے متعلق تھا، ملا کے اس مجموعہ کو فخر المطابع کے اندر چھپوایا اور اسی طرح حافظ عبداللہ اسسٹنٹ مترجم سرکاری نے جو گفتگو کے دونوں جلسوں میں موجود تھے، اس گفتگو کو اردو میں ضبط کر کے مع خطوط فریقین کے اکبر آباد میں مطبع منعمیہ کے اندر چھپوایا۔ ۱۲ منہ۔

بڑھادو، اور پھر از سر نو شروع سے چھپواؤ۔

پس ان کی درخواست کے موافق میں نے اس ابطال التثلیث کو اس سے نکال کر کچھ اس میں اور بسط کر کے اس کو رسالہ جداگانہ کر دیا اور نام اس کا" أحسن الأحاديث في إبطال التثليث "رکھا، اور جواب میں کہیں کہیں بقدر مناسب کے کچھ بڑھا کر(۱) از سر نو چھپوایا اور نام اس جواب کا ''**ازالة الشکوک**'' ہے، اے اللہ اپنے فضل سے اس کو سب عام و خاص کی خاطر (دل) کا مقبول کیجو، اور اہل عناد کے شبہات باطلہ سے بچائیو اور حق کے طالب کو اس سے ہدایت بخشیو، اور مجھ کو اس عالم سے کامل ایمان کے ساتھ اٹھائیو اور مرنے کے بعد میری سب خطا اور گناہ عفو کر کے جنت نصیب کیجو، اور ہمیشہ اپنے قرب جوار رحمت کامل میں رکھیو، (آمین، آمین، آمین)۔

اب جواب لکھنے سے پہلے ایک مقدمہ میں چار امر کا لکھنا مناسب ہے۔

---

(۱) اور چونکہ مجھ کو اکبر آباد کی مراجعت کے بعد طالب علموں کے سبق کی کثرت کے سبب فرصت کم ملتی تھی، اور جس وقت کچھ ملتی تھی، اسی وقت مسودے کے صاف کرنے اور اس کے بڑھانے میں مشغول ہو جاتا تھا، تو اس سبب سے اس کتاب کے انجام کو پہونچنے میں دیر ہوئی، مگر اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اسی حالت میں رفتہ رفتہ ۱۲۷۱ ہجری میں اختتام کو پہونچی۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی۔

مقدمہ

(چار امر کے بیان میں)

پہلا امر

قدیم سے رسم ہے کہ تقلید آبائی یا ہٹ دھرمی (۱) یا عدم غور یا جہالت کے سبب ہر مذہب والا اپنے مخالف کے مذہب پر بُرے بھلے طعن کیا کرتا ہے، اور اس کی اچھی بات کو بھی عناد سے بُری سمجھ کر بیہودی بتلایا کرتا ہے، اور نفسانیت اور حُبِّ جاہ بھی اگر اس کے ساتھ ہو جاتا ہے تب تو کیا کہنا، اگر چہ یہ بات بدیہی ہے، لیکن تب بھی بطور تنبیہ کے تھوڑی سی نظیریں اس کی لکھتا ہوں کہ یہودی لوگ اور بُت پرست حضرت مسیح علیہ السلام اور سلف کے مسیحیوں کو ان کے وقت میں کیا کہتے تھے۔

۱۔ باب آٹھویں یوحنا میں ہے:

''۴۸۔ تب یہودیوں نے جواب میں اس سے (مسیح سے) کہا کیا ہم نے اچھا نہیں کہا کہ تو شومرونی ہے'' (۲) اور تیرے ساتھ دیو ہے۔

''۵۲۔ یہودیوں نے اس سے کہا، اب ہم نے جانا ہے کہ تیرے ساتھ

---

(۱) سعدی علیہ الرحمہ سچ فرماتے ہیں:

چشم بداندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش درنظر ۱۲ منہ

(۲) شومرون اس قوم کا نام ہے جو اول بُت پرست تھے پھر اسرائیلیوں کے ساتھ ملے، اور یہ لقب پایا ۱۲ منہ

دیو ہے''الخ۔

۲۔باب نویں یوحنا میں ہے:

''۱۶تب فروسیون(۱)میں سے بعضوں نے کہا یہ آدمی (مسیح) خدا کی طرف سے نہیں کیونکہ سبت کے دن کو نہیں مانتا الخ۔

''۲۹ہم جانتے ہیں کہ خدا نے موسیٰؑ سے باتیں کیں، پر ہم نہیں جانتے کہ یہ (یعنی مسیح) کہاں سے ہے''۔

۳۔درس بیسویں باب دسویں یوحنا میں ہے:

''اور بہتیرے ان میں سے بولے اس کے (مسیح) ساتھ دیو ہے، وہ دیوانہ ہے، تم اس کی کیوں سنتے ہو''۔

۴۔باب نویں متی میں ہے:

''۳تب بعض کاتبوں نے اپنے دل میں کہا یہ کفر بکتا ہے۔

۳۴ پر فروسیوں نے کہا وہ دیوؤں کے سردار کی مدد سے دیوؤں کو نکالتا ہے''۔

اور اس طرح قول ان کا درس ۲۲ باب ۳ مرقس اور درس ۱۵ باب ۱۱ لوقا میں منقول ہے۔

۵۔باب چھبیس ویں متی میں ہے:

''۶۵۔تب سردار امام نے اپنے کپڑے پھاڑ کے کہا یہ (مسیح) کفر کہہ چکا ہے، اب ہمیں اور گواہ کیا درکار ہیں، دیکھو اب تم نے اس کا کفر بکنا سنا۔

---

(۱)فروسی ایک فرقہ یہودیوں میں سے تھا جو اپنے کو ثواب کا اہل جانتا تھا، اور توریت کے موافق غسل کرنے اور خیرات کرنے اور زکوۃ دینے اور معمول کی نماز پڑھنے اور احکام کے بجالانے میں ظاہر میں بڑا اہتمام رکھتا تھا ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۶۶۔اب کیا سوچتے ہو، وے جواب میں بولے وہ قتل کے لائق ہے''۔

۶۔باب ستائیسویں متی میں ہے:

''۳۹۔وہ جو ادھر سے گذرتے تھے اپنے سر ہلا کے اسے (یعنی مسیحؑ کو) ملامت کر کے کہتے تھے۔

۴۰۔ اے تو جو عبادت گاہ کا ڈھانے والا اور تین دن میں پھر بنانے والا ہے، اپنے تئیں بچا اگر تو خدا کا بیٹا ہے صلیب پر سے اتر آ۔

۴۱۔اسی طرح سے سردار اماموں نے بھی کاتبوں اور مشائخ کے ساتھ اس سے ہنسی سے کہا کہ اوروں کو بچایا اپنے تئیں بچا نہیں سکتا الخ۔

۴۴۔اور چور جو اس کے ساتھ مصلوب ہوا تھا اسی طرح سے اس کو ملامت کرتا تھا۔

۶۲۔ تیاری کے دن کے پرے دن سب سردار امام اور فروسی نے اکٹھے ہو کے پلات پاس آ کے کہا۔

۶۳۔ اے خداوند ہمیں یاد ہے کہ وہ دغا باز (مسیح) اپنے جیتے جی کہتا تھا کہ میں تین دن پیچھے پھر اٹھونگا''۔

دیکھو انجیل کی ان روایات کے موافق یہودی لوگ اور ان کے علماء جو مثل حضرات عیسائیوں اور پادری صاحبوں کے اہل کتاب کہلاتے ہیں، جناب مسیحؑ کو کیا کیا کہتے تھے، کبھی کہتے تھے کہ اس کے ساتھ دیو ہے، اور کبھی کہتے تھے کہ خدا کی طرف سے نہیں، اور ہم نہیں جانتے کہ وہ کہاں سے ہے، اور کبھی کپڑے پھاڑتے، اور چلّاتے کہ یہ کفر بکتا ہے، اور قتل کے لائق ہے، اور کبھی ملامت اور استہزا کرتے تھے، یہاں تک کہ چور اور بے ایمان بھی کہتے تھے، اور دغا باز بتلاتے تھے، اور مسیحیوں کے حق میں اس سے بڑھ کر طاعن تھے، اور طوالت کے خوف کے سبب ان کے ایک ہی قول کی نقل پر اکتفا کرتا ہوں۔

باب ساتویں یوحنا میں ہے:

''۴۸۔تب فروسیوں نے انہیں (یعنی ان پیادوں کو جو جناب مسیحؑ کے پکڑنے کے لئے گئے تھے) جواب دیا کیا تم نے بھی فریب کھایا ہے۔ کیا سرداروں یا فروسیوں میں سے کوئی اس پر ایمان لایا ہے۔

۴۹۔ پر یہ لوگ (یعنی جناب مسیحؑ پر ایمان لانے والے) جو شریعت کو نہیں جانتے ملعون ہیں''۔

اور ولیم میور صاحب سکرتر نے اپنی تاریخ میں (۱) پلنی (کہ ایک عالم رومی بت پرست تھا) کی ایک عرضی جو اس نے بادشاہ ترجان کو لکھی تھی، نقل کی ہے، اس میں بعض فقرے مذہب مسیحی کی نسبت یوں ہیں (صفحہ ۴):

''دو لونڈیوں (۲) کو جنہیں وہ لوگ مددگار کہتے تھے، شکنجۂ عقوبت میں کھینچ کر استفسار کیا، لیکن ایک بُرے اور لغو مذہب کے سوا اور کچھ نہ پایا، اور اس طریقۂ لغو کا پھیلنا نہ صرف شہروں میں بلکہ باہر کی دیہات کی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بھی ہے''۔

اور طاسطس رومی کی کتاب سے بعض حادثے نقل کئے ہیں، اور اس میں مسیحیوں کی نسبت یوں مرقوم ہے صفحہ ۴۹:

''وہ کرستان کہلاتے تھے، اس نام کا بانی کرستوس تھا، جس نے طبیریوس قیصر کی سلطنت میں یہودیہ کے نائب پنطوس پلاطر کے ہاتھ سے قتل کی سزا پائی، اس کے بعد یہ خراب مذہب تھوڑی دیر تک موقوف رہا لیکن پھر پھیل گیا، اور نہ صرف ملک یہودیہ میں، جہاں پہلے یہ خرابی اٹھی تھی بلکہ شہر روما میں بھی، جس میں ہر طرف کی

---

(۱) اور یہ تاریخ اردو میں ۱۸۴۸ء کے اندر آگرہ میں چھپی ہے۔۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۲) یہ دو لونڈیاں دین مسیحی کی ان خادمات میں سے تھیں جن کا خاص کام یہ ہوتا ہے کہ تقسیم عشاء ربانی میں مدد کریں، اور جماعت کی خیرات ان کو بانٹ دیں، اور سوا ان کے اور کار بھی ان سے متعلق ہوتے ہیں ۱۲ منہ''

شر اور نا پاکی آ کر جمع ہوتی ہے اور پھیلتی ہے، جاری رہا"

اور اسی (۱) تاریخ کے باب چوتھے میں صفحہ ۱۰۸ پر ہے۔

"اور جب کوئی کال یا وبا یا حادثہ پڑتا تھا، تو سب لوگ غل مچاتے تھے کہ یہ بات مسیحیوں کی شامت سے ہوئی، ٹھاکر نے ان سے ناخوش ہو کر ہمارے اوپر یہ مصیبت بھیجی ہے، ان کو شیروں کے سامنے ڈال دو، اور ایسی ایسی باتیں کہہ کر عیسائیوں پر اکثر حملہ کر کے ان کو مارتے یا قتل کرواتے تھے"۔

دیکھو بت پرست عیسائیوں اور ان کے مذہب کو کیسا سمجھتے تھے، اور اب جو یہود اور بت پرست ہیں، ان کا حال لکھنا کچھ ضروری نہیں (۲) جو کچھ کہتے ہیں ان کے ملنے والے پر ظاہر ہے، اور جب یہودیوں اور ان کے علماء نے جو سب اہل کتاب تھے، اور موسیٰؑ کی شریعت کی اطاعت کا بڑا دم بھرتے تھے، حضرت مسیحؑ اور ان کے حواریوں

(۱) دونوں عبارتیں ولیم میور کی تاریخ سے ملخص کر کے انہیں کی عبارت کیساتھ منقول ہوئی ہیں ۱۲ منہ۔

(۲) اس حاشیے میں دو حکایت یہود کی مذکور ہیں، جن دنوں میں جناب مولانا محمد اسحاق مرحوم دلی میں تھے، ایک یہودی مسلمان ہونے آیا، مولانا مرحوم نے بعد تلقین کلمۂ شہادت کے کہا کہ تم کو ایمان لانا حضرت مسیحؑ پر بھی چاہئے کہ ہمارے مذہب میں ایمان لانا تمام سچے انبیا پر ضروری ہے، سنتے ہی لال ہو گیا کہ میں اس پر کبھی ایمان نہ لاؤں گا، کیونکہ میں پہلے مسیحی تھا اور اس شخص اور اس کی ملت کی برائیاں دیکھ کر یہودی بن گیا تھا، مولانا مرحوم نے کہا کہ کبھی مسلمان نہ ہو گے جب تک مسیح پر ایمان نہ لاؤ گے، مولوی محمد یعقوب برادر مولانا مغفور نے اس کو سمجھایا کہ ہم لوگ جناب مسیح کو خدا نہیں جانتے، اور ہمارے نزدیک یہ دعویٰ جناب مسیح کا ثابت نہیں ہوا، بلکہ رسول اللہ سمجھتے ہیں، اور قرآن سے ان کا حال پڑھ کر سنایا، اس وقت اس کا غصہ موقوف ہوا، اور جناب مسیحؑ پر ایمان لایا، اور مسلمان پورا بنا۔

اور ایسا اتفاق کلکتہ میں پڑا تھا کہ جناب سید احمد صاحب وہاں گئے، ایک یہودی مسلمان ہونے آیا، سید صاحب نے کہا کہ تم کو ایمان حضرت عیسیٰ پر بھی لانا چاہئے نہیں تو مسلمان نہ ہو گے، سنتے ہی غضبناک ہو کے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر اسلام میں ایمان لانا اس شخص پر بھی شرط ہے تو میں اس اسلام سے باز آیا، دیکھو جو تعصب یا جہالت دل میں بیٹھ جائے اس کا جانا کیسا مشکل ہوتا ہے ۱۲ منہ

اور اگلے سچے مسیحیوں کے حق میں بہت کچھ بے ادبی کی ہے، پس اگر پادری لوگ یا ان کے چیلے چانٹے بھی حضرت محمد ﷺ کی نسبت بے ادبی کریں تو کچھ نئی بات نہیں، اور اللہ صاحب نے ایسے امر کی خود آل عمران کی آیت ایکسو چھیاسی میں خبر دی ہے اور فرمایا ہے۔

"ولتسمعن من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم ومن الذين أشركوا أذىً كثيراً وإن تصبروا وتتقوا فإن ذلك من عزم الأمور"

یعنی البتہ سنو گے تم (اے مسلمانوں) اگلی کتاب والوں سے (یعنی یہود اور نصاری سے) اور مشرکوں سے بدگوئی بہت (اپنی اور اپنے پیغمبر کی نسبت) اگر تم ٹھہرے رہو، اور پرہیز گاری کرو (اور ان سے اس کا انتقام نہ لو بلکہ منتقم حقیقی پر چھوڑو) تو یہ ہمت کے کام ہیں۔

پس ہم کو چاہئے کہ صبر کریں اور انتقام اس کا اللہ پر چھوڑیں۔

مقدمہ کا دوسرا امر

اپنے مذہب کی تائید غالباً ہر شخص کو ہوتی ہے، اور جب نفسانیت اور بیجا تعصب یا ریاست اور دولت کا غرور یا کسی طرح کی طمع یا کسی طرح کا خوف دنیاوی بھی دامنگیر ہو جائے تو بالکل دوسرے مذہب کو گو سچا ہی ہو مٹایا چاہتا ہے، اگرچہ سچا مذہب کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتا، پس کسی فرقے کی طرفداری اس کی دلیل نہیں کہ اس کو اظہار حق منظور ہے، جب تک قطعی دلیلوں سے اس باب میں حق ظاہر نہ ہو جائے، اور انجیل اور تواریخ کے ناظر پر یہ امر بھی بخوبی ظاہر ہے مگر بطور نمونہ کے کچھ کچھ اس جگہ بھی نقل کرتا ہوں۔

۱۔ درس ۲۲ باب ۹ یوحنا میں ہے:

''یہودیوں نے ایکا کیا تھا کہ اگر کوئی اقرار کرے کہ وہ (یعنی عیسیٰ) مسیح ہے عبادت گاہ سے نکالا جاوے''۔

۲۔ باب گیارہ ویں یوحنا میں ہے:

''۴۷۔ تب سرداراماموں اور فروسیوں نے ایک مجلس کر کے کہا ہم کیا کرتے ہیں کہ یہ مرد (یعنی عیسیٰ) بہت معجزے دکھاتا ہے۔

۴۸۔ اگر ہم اسے یوں ہی چھوڑیں تو سب اس پر ایمان لاویں گے، اور رومی آویں گے، اور ہمارے شہر اور ملک بھی لے لیں گے۔

۵۳۔ سو انہوں نے اسی روز سے سب نے مل کر مشورت کی (مشورہ کیا) کہ اسے جان سے ماریں''۔

۳۔ درس پچیسویں باب ستائیسویں متی میں یہودیوں کا قول پلات کے اس قول ''میں اس نیک مرد (یعنی مسیح) کے خون سے پاک ہوں تم جانو'' جواب میں یوں ہے:

''اس کا خون ہم پر اور ہماری اولاد پر ہوئے''۔

۴۔ باب چوتھے اعمال میں ہے:

''۱۵۔ تب انہیں (یعنی پطر اور یوحنا کو) حکم کر کے کہ وہ مجلس سے باہر جاویں آپس میں صلاح کرنے لگے (یعنی سارے علماء اور مشائخ یہود کے) کہ ہم ان آدمیوں سے کیا کریں، کیونکہ یروشالم کے سارے رہنے والوں پر یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے بڑا معجزہ دکھلایا، (یہ کہ پطر نے ایک لنگڑی مادرزاد کو چنگا کر دیا تھا) اور ہم انکار نہیں کر سکتے۔

۱۷۔ پر تا کہ یہ لوگوں میں زیادہ مشہور نہ ہوئے آؤ ہم انہیں خوب دھمکاویں کہ وہ اور کسی سے اس نام کا وعظ نہ کریں۔

۱۸۔ تب انہوں نے انہیں بلا کے حکم دیا کہ یسوع کے نام سے اور کبھی بات نہ کہو اور وعظ نہ کرو''۔

۵۔ باب پانچویں اعمال میں ہے:

''۱۷۔ تب (یعنی دین مسیحی کی ترقی اور حواریوں کی کرامتیں دیکھ کر) سردار اماموں اور اس کے سارے ساتھیوں جو صدوقیوں کے فرقہ میں سے تھے غصہ سے بھر کے رسولوں پر ہاتھ ڈالے، اور عامی قید خانہ میں قید رکھا۔

۲۷۔ جب انہوں نے انہیں لا کے مجلس کی بیچ میں کھڑا کیا تب سردار امام نے سوال کیا۔

۲۸۔ کیا ہم نے تم کو اس نام سے نصیحت کرنے کو منع نہیں کیا۔ الخ

۲۹۔ اس وقت پطر اور رسولوں نے جواب میں کہا۔ الخ

۳۳۔ وہ یہ سن کے کٹ گئے، اور ان کے قتل کی مشورت کرنے لگے۔

۴۰۔ انہوں نے اس کی (یعنی گملئیل کی جو یہود کا ایک عالم بزرگ تھا) مشورت قبول کی (مشورہ قبول کیا) اور رسولوں کو بلا کے مارا اور یسوع کے نام سے بات کہنی منع کر کے انہیں چھوڑ دیا''۔

۶۔ باب چھٹے اعمال میں ہے:

''۱۲۔ انہوں نے (یعنی یہودیوں نے) سب لوگوں اور مشائخ اور کاتبوں کو اکسایا اور لپک کے، اسے پکڑ کے مجلس میں لائے۔

۱۳۔ اور جھوٹے گواہ کھڑے کئے جنہوں نے کہا کہ یہ مرد (یعنی استیفان) اس مقام مقدس اور شریعت کے حق میں کفر بکنے سے باز نہیں رہتا''۔

اور باب ساتویں اعمال میں ہے:

''۱۔ تب سردار امام نے پوچھا کہ یہ باتیں ایسی ہیں۔

۲۔ وہ بولا الخ۔

۵۷۔ تب انہوں نے بڑے شور سے چلا کے اپنے کانوں کو بند کیا، اور ایک دلی سے اس پر لپکے۔

۵۸۔اور شہر سے باہر نکال کر سنگسار کیا''۔

۷ درس ۲۳ باب نویں اعمال میں ہے:

''اور جب کئی دن گذر گئے تو یہودیوں نے اس (یعنی پولوس) کے قتل پر مشورت کی (مشورہ کیا)''۔

۸۔باب چودہویں اعمال میں ہے:

''۵۔اور جب یہودیوں اور غیر ملکیوں نے اپنے حاکموں سمیت ہنگامہ برپا کیا کہ انہیں (یعنی پولوس اور برنباہ کو) بے حرمت کرڈالیں،اور سنگسار کریں۔

۶۔ وہ واقف ہو کے لوسترا اور دربی میں جو لکاونیا کے شہر ہیں اور اس اطراف کے ملکوں میں بھاگ گئے۔

۱۹۔ بعضے یہودیوں نے انتاخیہ اور اکنیاہ سے آ کر جماعت کو مائل کر کے پاول کو سنگسار کیا،اور یہ گمان کر کے کہ وہ مر گیا شہر سے باہر کھینچوایا''۔

اور اس طرح جناب پولوس کو بہت یہودیوں نے ستایا ہے،چنانچہ اعمالِ حوارئین اور ان کے مکتوبات کے ناظر پر یہ بات بخوبی ظاہر ہے،اور وہ آپ (خود) بھی اجمالاً اپنے دوسرے خط کے باب گیارہویں میں گرنتھیوں کے (یعنی گرنتھیوں کے باب میں) لکھتے ہیں:

''۲۴۔میں نے یہودیوں کے ہاتھ سے پانچ بار ہر دفعہ ایک کم چالیس کوڑے کھائے۔

۲۵۔تین بار چھڑیوں سے مار کھائی،اور ایک دفعہ پتھروں کی مار کھائی الخ''۔

۹۔اعمال کے بارہویں باب میں ہے:

''ا۔اسی وقت میں ہیرود بادشاہ نے کلیسے میں سے بعضوں کو دکھ دینا

شروع کیا۔

۲۔اور یوحنا کے بھائی یعقوب کوتلوار سے مار ڈالا۔

۳۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ یہودیوں کوخوش آیا تو اس پر ترقی کرکے بے خمیری روٹی کے دنوں میں پتر کو پکڑا۔

۴۔اور اسے پکڑ کے قید میں ڈالا''۔الخ

۱۰۔ ولیم میور صاحب سکرترا اپنی تاریخ کے پہلے باب کی دفعہ انیسویں میں لکھتے ہیں صفحہ ۱۳:

''استیفن کی شہادت کے بعد مسیحیوں کے اوپر ظلم اور سختی کا ہاتھ دراز ہوا،اور یہود ان کو بہت ستانے لگے،اس سبب سے وہ اکثر اور شلیم چھوڑ کے آس پاس کے ملکوں میں پھیل گئے''۔

۱۱۔ پھر سکرتر ممدوح چوتھے باب کی دفعہ تیسری میں لکھتے ہیں (صفحہ ۱۰۸):

''یہود لوگ بھی عیسائیوں سے بہت عداوت رکھتے اور اکثر شہروں میں جو بکثرت موجود تھے انکے باشندوں کو مسیحیوں کے خلاف پر ورغلاتے تھے''۔

۱۲۔ پھر اسی باب کی دفعہ گیارہویں میں پلوکرب کی شہادت کے حال کے بیان میں (جو یوحنا حواری کا شاگرد تھا،اور ~~۱۶۷~~ عیسوی میں بت پرستوں کے حاکم کے حکم سے آگ میں جلایا گیا) لکھتے ہیں (صفحہ ۱۱۷):

''صوبہ دار نے اس کو (یعنی پلوکرب کو) درندوں اور آگ کی سزا سے ڈرایا،لیکن اس کا دھمکانا کچھ مفید نہ ہوا،تب اس نے منادی کروائی کہ پلوکرب نے اقرار کیا ہے کہ میں مسیحی ہوں،اور یہ منادی بمنزلہ حکم قتل کے تھی،یہ سن کے یہودی اور بت پرستوں کی بڑی بھیڑ چلا اٹھی کہ بددین کا سکھانیوالا بھی عیسائیوں کا باپ،دیوتاؤں کا دشمن ہے،جو اتنے لوگوں کو دیوتاؤں کی پوجا اور سجدے سے بہکاتا ہے،اس کو شیروں میں پھینک دو،جب شیر میسّر نہ ہوئے تب سبھوں نے

ٹھرایا کہ آگ میں جیتا ڈالدو، پھر سبھوں نے ادھر ادھر دوڑ دھوپ کر کے بازاروں اور حماموں سے لکڑیاں جمع کیں، اور یہودیوں نے بھی بڑی مستعدی سے مدد کی" الخ۔

ان عبارتوں سے بخوبی ظاہر ہوگیا کہ یہودیوں نے مسیحی مذہب کے مٹانے میں کچھ کسر نہ رکھی تھی، اور فروسیوں نے جو ان میں سے بڑا خدا پرست فرقہ مشہور تھا، اور تقویٰ اور طہارت میں معروف، اور اسی طرح ان کے علماء نے جن کو بموجب درس دوسرے باب تیئسویں متی کے، اور درس باونویں باب گیارہویں لوقا کے، جناب مسیح حضرت موسیٰ کے جانشیں اور علم کی کنجی کے مالک فرماتے تھے، کوئی دقیقہ کوشش کا نیست نابود کرنے اس مذہب میں نہ چھوڑا تھا، اور ان کے عالم باوجودیکہ اپنے دل میں خوب جانتے تھے کہ ہم برا کرتے ہیں، پھر بھی کبھی تعصب اور عناد کے سبب اور کبھی دنیا کی طمع سے، دشمنی کرتے تھے، اور اپنی خباثت سے کبھی سولی دلوائی، اور کبھی کسی کو قتل کرایا، اور کبھی سنگسار، اور کسی کو قید میں ڈالا، اور کسی کو کوڑے لگوائے، اور کسی کے چھڑیاں اور کسی کو آگ میں جلوایا، اور کبھی اپنی قوم سے مشورہ کر کے آپس میں ایکا کیا، اور کبھی اور قوموں کو مثل بت پرستوں وغیرہم کے عیسائیوں کے خلاف پر ابھارا، اور کبھی بت پرستوں کے ساتھ مل کر مارکوٹ کو موجود ہوئے، اور پھر بھی یہ بے حیائی تھی کہ اپنے آپ کو بالکل ان سب باتوں میں بے خطا اور ان فعلوں کو ثواب کا باعث ظاہر کرتے تھے، اور اگر کسی کے دل میں ایسے فعل کرنے سے شبہ پڑ جاتا تو اس شبہ کو بڑے مبالغہ سے رفع کرتے تھے، مثلاً جب پلات نے حضرت مسیحؑ کے قتل کو بُرا جانا اور کہا کہ:

"میں اس نیک مرد کے خون سے پاک ہوں تو سب یہودی چلا اٹھے کہ اس کا خون ہم پر اور ہماری اولاد پر ہووے"

اور جب کوئی چاہتا کہ مسیحی بنے اس کو منع کرتے اور بہکاتے اور اس امر پر خود جناب مسیح نے بھی ان کو مجمع عام میں جھڑکا تھا اور یوں کہا تھا:

''اے فقیہو: تم پر افسوس کہ تم نے علم کی کنجی لے لی ہے، تم آپ داخل نہیں ہوتے اور انہیں جو داخل ہونا چاہتے ہیں باز رکھتے ہو''

جیسا درس باونویں باب گیارہویں لوقا میں ہے۔

اور کیسی بڑی بے ایمانی ہے کہ باوجودیکہ بتوں کی پرستش کو اور بت پرستوں کو خود بھی بُرا جانتے تھے مگر مسیحی مذہب کی دشمنی سے بت پرستی کے مذہب کو عیسائی مذہب پر ترجیح دیتے تھے، اور پلوکرب کے مروانے کو بت پرستوں کے حاکم کے سامنے چلاتے تھے کہ:

''بددین کا سکھانیوالا بھی عیسائیوں کا باپ، دیوتاؤں کا دشمن ہے، جو اتنے لوگوں کو دیوتاؤں کی پوجا اور سجدے سے بہکاتا ہے، اس کو شیروں میں پھینک دو''۔

اور جب اہل کتاب کا حال (۱) یہ ہو تو بت پرستوں کا حال لکھنا کچھ ضروری نہیں جس کا جی چاہے تاریخوں میں دیکھ لے کہ روما کے بادشاہوں نے اپنے مذہب کا تعصب کر کے عیسائی مذہب کے مٹانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔

فرقہ پروٹسٹنٹ کے پادریوں کا دانستہ طور پر مسلمانوں کو گمراہ کرنا، اور اس کے چار وجوہ

اور جب اس قدر معلوم ہوا تو کہتا ہوں کہ جس طرح یہود اور ان کے علماء کی کوشش سے دین مسیحی نہ مٹا تو انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ان پادریوں کی کوشش سے بھی جو محض ہندوؤں اور عام مسلمانوں کے بہکانے کے لئے نوکر ہو کے ہند میں آئے ہیں،

(۱) اور انشاء اللہ تعالیٰ پہلے سوال کے جواب کے آخر میں اثبات رسالت کی نویں وجہ کے اندر جہاد کے طعن کے جواب میں مفصل معلوم ہو جائے گا کہ اپنے مذہب پھیلانے کو عیسائیوں کے سلف نے کیا کیا ظلم مشرکوں اور یہودیوں اور مسلمانوں پر کئے ہیں ۱۲ منہ

اور اپنی نوکری کے سبب سے اس امر میں بڑی کوشش رکھتے ہیں، دین اسلام نہ مٹے گا بلکہ جیسے علماء یہود نے ان حرکات سے کچھ اپنی ہی آخرت بگاڑی، یہ لوگ بھی کچھ اپنا ہی بگاڑیں گے، اور اللہ صاحب نے آیت بتیسویں سورۂ توبہ میں فرماتا ہے۔

"یریدون أن یطفئوا نور الله بأفواههم ویأبیٰ الله إلا أن یتم نوره ولو کره الکافرون"

یعنی چاہتے ہیں (یہودی اور عیسائی) کہ بجھادیں اللہ کی روشنی (یعنی اس کا دین جو دین اسلام ہے) اپنے منہ سے (یعنی جیسا کوئی پھونک سے چراغ کو بجھاتا ہے، وہ چاہتے ہیں کہ اپنی جھوٹی باتوں سے دین اسلام کو بجھادیں، اور پھیلنے نہ دیں) اور اللہ نہ رہے بن پورے کئے، اپنی روشنی کو (یعنی دین اسلام کو اس طور پر کہ اس کو پھیلادے) اور پڑے (یعنی اگرچہ) بُرا مانے کافر لوگ۔

پس اس کے موافق امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ دین محمدی کا نور قیامت تک چمکے گا اور کفر اور شرک کی تاریکی کو دور کرتا رہے گا، اور یہ بھی امید ہے کہ موافق خبر حضرت خیر البشر کے جناب امام مہدیؑ کے عہد میں جو انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ہے، سب مذاہب باطلہ کا نام ونشان صفحۂ دنیا سے مٹ جائے گا، اور زمانۂ سابق میں بھی چنگیز خان کی اولاد نے بہت کچھ کوشش کی تھی کہ دین اسلام کو مٹادیں مگر وہ کوشش کچھ مفید نہ ہوئی، گو مدّت تک مسلمانوں نے ان کے ہاتھ سے طرح طرح کا دکھ پایا، اور لاکھوں آدمی شہید ہوئے، جیسا روما کے بادشاہوں سے پہلے طبقے کے مسیحیوں نے دکھ اٹھایا تھا۔

مگر افسوس کہ آدمی تعصب اور طمع سے کیا کیا بُری حرکتیں کرتا ہے، اور اکثر پادری صاحب جان بوجھ کر انصاف کی آنکھ بند کر لیتے ہیں، اور بعضے پادری صاحب جو

اچھی طرح اسلام کے مذہب سے واقف نہیں محض اکثر کی تقلید کرکے اس بلا میں پڑ جاتے ہیں، یہ کچھ شکایت کی بات نہیں، کیونکہ جس طرح حضرت مسیح کا قول یہود کے علماء کے حق میں درس باونویں باب گیارہویں لوقا میں منقول ہے، اسی طرح ایسے لوگوں کے حق میں آیت چونتیسویں سورۂ توبہ کے اندر اللہ صاحب نے فرمایا ہے:

"یا أیها الذین آمنوا إن کثیراً من الأحبار والرهبان" (۱) لیأکلون أموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل الله"

یعنی اے ایمان والو! بہت عالم اور درویش اہل کتاب کے (یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے) کھاتے ہیں مال لوگوں کے ناحق (رشوت وغیرہ سے اور اس میں نوکری ان پادریوں کی بھی جو مسلمانوں کے بہکانے پر مقرر ہیں، داخل ہے) اور اٹکتے ہیں اللہ کی راہ سے (یعنی جھوٹی جھوٹی باتیں گھڑ کے لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں)

اگر کوئی کہے کہ یہ بات تو بعید معلوم ہوتی ہے کہ یہ سیکڑوں پادری ایسے ہی ہوں۔

کہتا ہوں میں کہ یہ بات کئی وجہ سے کچھ بھی بعید نہیں:

پہلی وجہ

اول یہ کہ یہ لوگ بھی مانتے ہیں، اور انجیل اور ان کی تاریخوں میں مصرح ہے کہ:

---

(۱) جمع راہب کی ہے اور راہب عیسائی مذہب کے زاہد کو کہتے ہیں، اور عیسائیوں میں سے اللہ صاحب نے فقط راہبوں کو اس لئے ذکر کیا کہ پہلے زمانے میں عیسائیوں میں علم تھوڑا تھا، اور باوجود قلت کے ان لوگوں کے سوا اور کوئی نہ تھا اس لئے ان کی خوب بن آئی تھی۔

لب التواریخ کے دوسرے دفتر کے چھٹے باب کی پانچویں فصل میں ہے:

''ان عباد کے فرقہ کی غور (مقبولیت، قدر) اس لئے ہوئی کہ ان جہالت کے زمانوں میں جو تھوڑا بہت علم تھا سو انہیں پر منحصر تھا ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

''یہودیوں کے عالم دنیا کی لالچ سے بہت کچھ کرتے تھے اور ظاہر میں اپنے تئیں بڑا حق پرست ظاہر کرتے تھے، اور اپنے مذہب میں اوروں کے ملانے کے لئے بہت کچھ کوشش کیا کرتے تھے''

باب تیسویں متی میں ہے:

''۵۔ وہ (یعنی کاتب اور فروسی لوگ) لوگوں کے دکھانے کے لئے اپنے سب کام کرتے ہیں الخ۔

۱۴۔ اے مکار کاتبو اور فروسیو! تم پر افسوس کہ تم بیواؤں کے گھروں کو نگلتے ہو، اور بہانے کے لئے نماز کو دراز کرتے ہو، اس واسطے تم کو زیادہ سزا ہوگی۔

۱۵۔ اے مکار کاتبو اور فروسیو! تم پر افسوس کہ تم ایک کو اپنے دین میں لانے کے لئے تری اور خشکی کی سیر کرتے ہو'' الخ۔

دوسری وجہ

دوم یہ کہ یہ پادری لوگ تو فرقۂ پروٹسٹنٹ (Protestant) سے ہیں، اور رومن کیتھولک (Roman Catholic) کا فرقہ اب بھی جہاں ہیں، ان سے چھ گنا زائد ہوگا، اور اس کے عالم بھی اس فرقہ کے علماء سے کئی حصہ زائد، اور ساڑھے تین سو برس کے پہلے تو گویا سب عیسائی کیتھولک مذہب تھے، حالانکہ اس فرقے والے ان سب کو گمراہ سمجھتے ہیں، اور ان کے علماء کو ایسا خیال (۱) کرتے ہیں جیسے ہم نے ان کو کیا۔

تیسری وجہ

سوم یہ کہ اگر ان کی یہ کوشش خدا کے واسطے ہوتی تو ان کا طریقہ ایسا ہی ہوتا

---

(۱) جیسا انشاء اللہ تعالیٰ سترہویں سوال کے جواب میں بخوبی معلوم ہو جائیگا ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ

جیسا حواریوں کا تھا۔

باب دسویں متی میں ہے:

''۹۔سونا اور روپا اور تانبا اپنی کمر بند میں مت رکھو۔

۱۰۔ اور نہ تھیلی سفر کے لئے اور نہ جوتی اور نہ دو قبا اور نہ لاٹھی کہ مزدور اپنی خوراکی کے لائق ہے''

حالانکہ یہ لوگ ہزارہا روپیہ کی مالیت رکھتے ہیں،اور بگی اور گھوڑے اور خانساماں اور خدمت گار اور کہار (کے) بغیر نہیں رہتے،اور تکلف سے بڑی بڑی کوٹھیاں یا بڑے بڑے بنگلے آراستہ کرتے ہیں، اور گرمی میں خس کی ٹٹیوں کے سوا آرام نہیں پڑتا،اوران افعال پر تو رومن کیتھولک بھی ان پر طنز کرتے ہیں،اور دنیا کی طلب بتلاتے ہیں۔

اگر کہو کہ غریب مسافر ہیں کچھ خرچ چاہئے،اور حواریوں کا طریقہ برتنا ہر ایک کا کام نہیں۔

کہتا ہوں میں کہ اس صورت میں گذران کے لئے دس پندرہ روپیہ مہینہ کفایت کرتا ہے،اور حریص کی نظر تو کڑوڑوں سے بھی سیر نہیں ہوتی،پس چاہئے کہ اس قدر پر کفایت کرتے۔

چوتھی وجہ

چہارم یہ کہ ''میزان الحق'' کے مؤلف قرآن کے طعن میں تیسرے باب کے دوسری فصل میں صفحہ ۱۶۹ کے اندر بفحوائے ''کل امرئ یقیس علی نفسه" (ہر شخص اپنے اوپر قیاس کرتا ہے) کے،ایک احتمال علماء اسلام کے حق میں نکال کر اس کی مثال میں یوں فرماتے ہیں،(نسخہ اردو مطبوعہ ۱۸۵۰ء):

''بت پرستوں کے علماء باوجود اس کے کہ وہ خود جہالت میں پڑے ہیں، لیکن اوروں کے فریب دینے کو ایک مدت دراز سے اب تک آپس میں ایک زبان ہو کر اپنی جھوٹی کتاب کے لئے دعوی کرتے ہیں کہ ہماری یہ کتاب خدا کی طرف سے ہے، اور حالانکہ بت پرستوں کے علماء گنتی میں اسلام کے علماء سے زیادہ ہیں، چنانچہ سیاح اور تواریخ داں لوگ اس بات کو خوب جانتے ہیں''۔

اور اب اس کے موافق میں بھی الزاماً کہتا ہوں کہ جیسے بت پرستوں کے عالم ہزاروں برس سے اپنی جھوٹی کتاب پر متفق ہیں، اور اوروں کو فریب دیتے ہیں، ایسے ہی یہ پادری لوگ بھی اپنے دنیاوی فوائد کے لئے بائبل کی کتابوں پر (جو منسوخ اور محرف ہیں اور ان کی سند متصل بھی نہیں، اور اپنے دل میں خوب جانتے ہیں کہ یہ بے سند کتابیں واقع میں منسوخ اور محرف ہیں،) متفق ہو رہے ہیں، بلکہ اب جس طرح کا دنیاوی فائدہ ان کو اپنی قوم سے حاصل ہے، بت پرستوں کے علماء کو خواب میں بھی کبھی حاصل نہیں ہوا، تو اس لحاظ سے یہ احتمال ان حضرات کی طرف بہت ہی قوی ہے، نہ غریب بت پرستوں کے علماء کی طرف، اور اب کوئی انصاف کرے کہ صاحب ''میزان الحق'' کا وہ احتمال پادریوں پر خوب جمتا ہے، نہ غریب علماء اسلام پر اور کوئی عیسائی صاحب یہ نہ گمان کریں کہ ہم اس اظہار سے کسی کو خدانخواستہ رنج دینا ملحوظ رکھتے ہیں، ہرگز نہیں بلکہ ہم کو امر واقعی کا بیان جو ہمارے ذمہ ضروری ہے، اور اس جھوٹی تہمت کو جس کو ''میزان الحق'' کے مؤلف علماء اسلام کے سر پر تھوپتے ہیں دور کرنا منظور ہے۔

مقدمہ کا تیسرا امر

اکثر آدمیوں کی عادت ہے کہ دوسروں کے عیب دیکھا کرتے ہیں، اور اپنے

عیب نہیں دیکھتے، گو کیسے ہی بُرے ہوں، اور جیسے یہ عیب گیری کرتے ہیں، ویسے ہی اللہ ان کی عیب گیری کراتا ہے، اور ایسے لوگوں کے حق میں قول جناب مسیح کا جو باب ساتویں متّی میں ہے، بہت ہی چسپاں ہے اور وہ یوں ہے:

"۱۔ عیب گیری نہ کرو، تاکہ تمہاری عیب گیری نہ کی جائے۔

۲۔ جو عیب گیری تم کرو گے، ویسی ہی تمہاری عیب گیری کی جائے گی، اور جس پیمانہ سے تم پیمائش کرتے ہو، اسی سے تمہارے واسطے پیمائش کی جائے گی۔

۳۔ تو اس تنکے کو جو تیرے بھائی کی آنکھ میں ہے، کیوں دیکھتا ہے، اور جو شہتیر کہ تیری آنکھ میں ہے، اسے دریافت نہیں کرتا۔

۴۔ اور تو کیوں کر اپنے بھائی کو کہتا ہے کہ وہ تنکا تیری آنکھ سے لا نکالدوں، اور دیکھ تیری آنکھ میں ایک شہتیر ہے۔

۵۔ اے مکار! تو پہلے اس شہتیر کو اپنی آنکھ سے نکال، تو تنکے کو اپنے بھائی کی آنکھ سے اچھی طرح سے دیکھ کر نکال سکے گا۔

اور یہ امر پادری صاحبوں میں دیکھنے میں آیا کہ مخالف کی مذمت میں اگر اپنے زعم میں ذرا سا فساد بھی پاتے ہیں، کنکر کو پہاڑ بتلاتے ہیں، اور اس پر ہر گلی کوچے میں شور وغل مچاتے ہیں، اور اپنے مذہب میں گو کیسے ہی مفسدے دیکھتے ہیں اسے خیال میں نہیں لاتے، بعض مفسدے کتاب "ازالۃ الاوہام" اور "استفسار" وغیرہما کو دیکھنے سے ناظرین پر بخوبی کھل جاتے ہیں، اور جن مسائل پر ان حضرات پادریوں کا بڑا شور وغل ہے، اور ان میں غریب مسلمانوں کو بڑا ہی ملزم جانتے ہیں، ان میں سے یہ تین مسئلے بھی ہیں۔ (۱) مسئلہ نسخ کا (۲) مسئلہ تحریف کا (۳) مسئلہ تثلیث کا۔

اجمالاً بڑے تین مسئلوں کا بیان

اب اجمالی حال ان تینوں کا سنئے کہ اول کی دو مسئلے حقیقت میں ایسے ہیں کہ جب مسلمان ان کو ثابت کر دیں تو سب مطاعن اور استدلال عیسائیوں کے جو عہد عتیق اور وجدید کی کتابوں کی تائید میں ذکر کرتے ہیں، اٹھ جاتے ہیں، اور التفات کے قابل نہیں رہتے، مگر بحمد اللہ کہ وہ دونوں مسلمانوں کی جانب سے ثابت ہو گئے ہیں۔

نسخ اور تحریف کا اجمالی بیان

اور ''میزان الحق'' کے مؤلف کو بھی ان دونوں مسئلوں میں بڑا گمان تھا، اس لحاظ سے اور حجت پوری کرنے کو میں نے جمادی الاخریٰ ۱۲۷۰ھ بارہ سو ستر ہجری میں خط کے ذریعہ سے ان سے درخواست کی کہ ان دونوں مسئلوں کا جن کو آپ مسائل متنازعہ فیہا میں بنیادی جانتے ہیں، مجمع عام میں مباحثہ ہو کر فیصلہ ہو جانا چاہئے، اور بعد ردوکد کے یہ بات ٹھہر گئی، اور رجب کے مہینے کی گیارہویں اور بارہویں کو جلسہ عام منعقد ہوا، اور باوجودیکہ ''میزان الحق'' کے مؤلف اپنی تالیفات میں مدعی تھے کہ نسخ کلام الٰہی میں ممکن نہیں، ان کو بہ ناچاری ماننا پڑا کہ جس کو اہل اسلام نسخ کہتے ہیں، وہ کلام الٰہی میں ممکن ہے، اور توریت اس کے موافق منسوخ ہے، مگر بعض سینہ زوری سے کہتے تھے کہ انجیل منسوخ نہیں ہو سکتی، اور جب تحریف کی گفتگو میں درس ساتواں اور آٹھواں، باب پانچواں نامۂ اول یوحنا کا پیش کیا گیا، اس پر ان کو اور پادری فرنچ صاحب کو جو ان کے شریک تھے، ان درسوں میں اور اس طرح اور کئی جگہ انجیل کے اندر وہ تحریف ماننی پڑی، جس کے ہم لوگ مدعی ہیں، اور اس سے عیسائی چڑتے تھے، اور صاف اقرار کیا کہ آٹھ دس جگہ جیسا ان کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے، یا سات آٹھ جگہ جیسا

ہمیں محفوظ ہے، انجیل مقدس کے اندر آیتوں کی تحریف ہوئی ہے، اور چالیس ہزار چھوٹی موٹی غلطیاں اور تحریفیں ہوئی ہیں، مگر بعد ایک عرصہ کے بعد کہنے لگے کہ بڑی تحقیق سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ آٹھ دس کی نہیں، بلکہ چار پانچ آیتوں کی تحریف ہوئی ہے، اور چالیس ہزار کی نہیں، بلکہ تیس ہزار کی، اس پر میں نے ان سے کئی بار بذریعہ خطوط استفسار کیا، اور بعض بار بڑی منت سے لکھا کہ آپ ان چار پانچ آیتوں کو وضاحت سے بتلاویں کہ فلانے صحیفہ یا فلانے نامہ یا مشاہدات کے فلانی اور فلانی آیت ہے، کہ اس کے بعد کچھ عرض کروں، اس کے جواب میں کبھی کچھ عذر کیا، اور کبھی ایک ایسا وعدہ (۱) کیا، شاید اس کی وفا تک میری یا ان کی زندگی کفایت نہ کرے، اور جب ان سے امید ٹوٹی تو ان کے شریک کی خدمت میں تیئسویں ذی الحجہ ۱۲۷۰ھ بارہ سو ستر ہجری کو ایک خط روانہ کیا، اور امید تھی کہ شاید یہ کچھ لکھیں گے، مگر ان کے جواب کے ملاحظہ سے وہی ڈھاک کے تین پات نظر آئے کہ ان جناب نے بھی کچھ عذر بودا کر کے اس تفسیر سے پہلوتہی کی، مگر اتنا تو غنیمت ہے کہ اپنے بیان کے اختلاف کے عذر میں صاف اقرار کر گئے کہ انجیل کے اندر چار پانچ آیتیں یقیناً تحریف کی راہ سے متن میں گھس گئی ہیں، اور یوں لکھا جو لفظاً لفظاً ان کی عبارت کے ساتھ منقول ہوتا ہے۔

> تحریفوں کا (۲) عدد کا جو ہمارے بیان میں اختلاف ہوا، سو اس کی حقیقت حال یہ ہے کہ عدد کلاں کے باب میں مصححین کا اتفاق کسی صورت میں نہیں ہے، چار پانچ آیتوں کی حق میں قریب یقین ہوا کہ یا سہواً یا عمداً

---

(۱) یعنی اپنے خط محررہ ۲۷ ستمبر ۱۸۵۲ء میں لکھا کہ جب آپ کے سب رسائل و کتب جو آپ نے تالیف کیں، اور تالیف کرنے پر ہیں، منطبع ہو کر میری نظر میں آئیں گی، تب میں بھی چھاپے کی راہ سے جواب دوں گا ۱۲ منہ"

(۲) اسی طرح لفظ (کا) بجائے (کے) کے ان کے خط میں مرقوم تھا ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

بہ راہ تحریف متن کی (یعنی انجیل کے متن کی) درمیان آئیں"۔

اگر سارے امور سے قطع نظر کریں، اور فقط ان کے ہی ارشاد پر اکتفا کریں، تو بھی ناظرین باانصاف کو تین باتیں ہاتھ لگتی ہیں:

پہلی بات

پہلی یہ کہ اہل کتاب کا یہ حال ہے کہ باوجودیکہ چار پانچ آیتیں انجیل میں یقیناً محرف جانتے ہیں پھر بھی ان محرف یقینی کو اپنے سب ترجموں میں، کیا انگریزی اور کیا اور نقل کرتے چلے جاتے ہیں، اور ان سے دست بردار نہیں ہوتے۔

پس ان کی دیانت سے کب بعید ہے کہ اور مقامات میں بھی ان کے نزدیک تحریف یقینی ہو، مگر چونکہ ان مقامات میں اس کا اقرار ان کے مقصود کے مخالف ہے، ان کو بالکل چھپاتے ہوں بلکہ اپنے مطلب کے لئے مفید سمجھ کر الٹا ان کو کلام الٰہی بتلاتے ہوں، اور ان سے استدلال پکڑتے ہوں، دیکھو درس ساتویں اور آٹھویں، باب پانچویں نامۂ اول یوحنا میں کسی تثلیثہ یار (تثلیث کے ماننے والے) نے تحریف کر کے تثلیث کے ثابت کرنے کو اتنی عبارت اپنی طرف سے بڑھا دی ہے:

"جو آسمان پر گواہی دیتے ہیں باپ اور کلام اور روح قدس اور یہ تینوں ایک ہیں، اور تین ہیں، جو زمین پر"

اور اصل میں اتنی عبارت تھی:

"تین ہیں، جو گواہی دیتے ہیں، روح اور پانی اور لہو" الخ

اور ان جناب نے اور "میزان الحق" کے مؤلف نے جو ان کے شریک تھے مجمع عام میں اقرار کیا تھا کہ اس جگہ ہم بھی تحریف مانتے ہیں، باوجود اس کے "دافع البہتان" والا تثلیث کے ثابت کرنے کو فصل آٹھویں کی اندر صفحہ ۱۲۳ میں، یوں لکھتا ہے

(نسخہ اردو مطبوعہ ۱۸۴۵ء):

''فی الحقیقت ماہیت الٰہی میں یہ تین باپ، بیٹا یا کلمہ اور روح القدس موجود ہیں، جیسا کہ یوحنا کے پہلے خط کے ۵ باب کے ۷ آیت میں ہے کہ تین ہیں، جو گواہی دیتے ہیں آسمان میں باپ، بیٹا روح القدس یہ تینوں ایک ہیں''۔

دیکھو یہ وہی محرف فقرہ ہے، لیکن یہ کچھ نئی بات نہیں، بلکہ یہ غریب بھی اپنے بزرگوں کی اقتدا کرتا ہے، اور اگر ایسی ایسی چالاکیاں نہ ہوتیں تو تثلیث اور اس کے مانند مسئلے کہاں سے ثابت ہوتے۔

دوسری بات

دوسری بات یہ ہے کہ ''میزان الحق'' کے مؤلف نے جو سارے ہندوستان کے پادری صاحبوں کی ناک ہیں، کیسی انصاف کی آنکھ بند کر کے میزان الحق کے پہلے باب کی تیسری فصل کو لکھا ہے، اور کیسی کیسی باتیں اس فصل میں انہوں نے جان بوجھ کر خلاف واقع درج کی ہیں، اسی لئے جناب ڈاکٹر وزیر خان صاحب نے ان کو اپنے خط محررۂ آٹھویں جولائی ۱۸۵۴ء میں یوں لکھا تھا:

''میزان الحق میں بھی آپ نے چالاکی سے وہی باتیں درج کیں، جس کے سبب سے مسلمان لوگ مغالطہ کھاویں، ازاں جملہ وہ عبارتیں جو مسئلہ نسخ سے متعلق اور جن کے باب میں آپ کو مجمع عام میں اقرار کرنا پڑا کہ غلط لکھا ہے، یا وہ دھوکا آپ کا جو اسی کتاب کے صفحہ ۲۹ میں لکھا ہوا ہے، اس لئے کہ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ آپ کو یہ بات پیشتر سے نہ معلوم تھی کہ کتب عہد جدید میں ڈیڑھ لاکھ اختلافات عبارت کے کہ جن میں سے تیس ہزار تو آپ نے بھی تسلیم کر لئے، ایسے موجود ہیں کہ ان میں سے ایک کو بھی بالجزم نہیں کہہ سکتے کہ یہی اصل مصنف کی عبارت ہے، اور باقی تحریف، بلکہ ہر ایک پر صدق اور کذب کا احتمال ہے، یا

آپ یہ نہیں جانتے تھے کہ کتب مقدسہ محرف ہیں کہ جن میں سات آٹھ جگہ تو آپ نے بھی اقبال کیا ہے، یا آپ کو معلوم نہ تھا کہ درس ساتواں اور آٹھواں باب پانچویں نامۂ اول یوحنا کا کسی تثلیثہ یار کا الحاق کیا ہوا ہے، لیکن باوجود اس سب جاننے کے آپ محض چالاکی کو کام فرما کے مسلمانوں کو یوں دھوکا دیتے ہیں کہ اگر محمدی مسیحیوں کی مشہور و معتبر کتابوں سے ایسی باتیں (یعنی اختلافات قراءت) توریت و انجیل کی بابت نکال لا سکتے، تو البتہ ان کا یہ ادعا کہ کتب مقدسہ تحریف ہوئی ہیں، بیجا نہ ہوتا، لیکن مقام تعجب ہے کہ جب مسلمانوں نے اختلافات عبارت کے کہ اختلاف قراءت سے کہیں بڑھ کر ہیں ثابت کر دئے اور تحریف کو بھی آپ جیسے پادری سے کہ جس کا مشنریوں کو بڑا فخر ہے، اقبال کروالیا، اور درس ۷و۸ باب ۵ نامہ اول یوحنا کو الحاقی ثابت کر دیا، تب آپ نے انصاف کی آنکھیں بند کر کے زبان ناانصافی یوں دراز کی کہ باوجود ان سب خرابیوں کے پھر بھی متن میں نقصان نہیں ہوا۔

اے صاحب! مقتضائے انصاف تو یہ تھا کہ جب مسلمانوں نے ان وجوہ ثبوت سے جو آپ طلب کرتے تھے، زیادہ تر قوی دلائل پیش کر دئے، اور اس پر آپ کے سلف کی گواہی بھی گذران دی، اور آپ نے سعادت مندی سے ان کی گواہی مان کے سات آٹھ جگہ تحریف کو قبول کر لیا، تو آپ کو لازم تھا کہ پھر مسلمانوں سے تحریف کی بابت کچھ نہ کہتے اور نہ ان کتب موضوعہ محرفہ کے حامی بنتے''۔

تیسری بات

تیسری بات یہ ہے کہ اہل اسلام کا دعویٰ کیسا سچا ہے کہ مدعا علیہم کو کوئی جگہ نہیں کہ اس سے انکار کریں، اب پادری صاحب پر لازم ہے کہ کبھی مسلمانوں سے تحریف کی بابت نہ الجھیں، اور ان کتب منسوخہ محرفہ کے حامی نہ بنیں اور اگر کوئی انصاف کے

خلاف خواہ مخواہ الجھے اور حامی ان کا بنے تو اس پر واجب ہے کہ اول وہ عہد عتیق اور جدید کے سب ان مقامات کو جن میں تحریف واقع ہوئی ہے (اور ان میں سے سات آٹھ جگہ آیتوں کی تحریف کی تو فقط عہد جدید کے اندر میزان الحق کے مؤلف اور ان کے شریک نے بھی علی رؤس الاشہاد مجمع عام میں اقرار کیا تھا) تفصیل کے ساتھ بلا تعصب اردو یا فارسی زبان میں اس طور(۱) پر بیان کرے کہ:

(۱) فلانی کتاب کے فلانے باب کے فلانے درس میں ساری عبارت یا اس قدر عبارت یا اتنے الفاظ میں تحریف ہوئی ہے، اور اصل عبارت یوں تھی۔

(۲) اور تحریف کرنے والے کا یہ نام ہے۔

(۳) اور وہ فلانے زمانے میں تھا۔

(۴) اور اس نے اس غرض کے لئے ایسی بے ایمانی کی تھی۔

اور جس جگہ محرّف کا نام یا تحریف کا زمانہ یا محرّف کی غرض معلوم نہ ہو سکے تو وہاں صاف کہہ دے کہ میں نے اپنی کتابوں میں ڈھونڈا، مگر فلانا امر معلوم نہیں ہوا، اور ہرگز ہرگز کسی جگہ میں گول گول اور مجمل نہ لکھے، اور پھر دلیل سے ثابت کرے کہ ان تحریفوں سے مقدس کتابوں کو کچھ بٹا نہیں لگا، اور جب تک اس امر سے فراغت نہ پالے اس کو مسلمانوں سے الجھنا نہیں چاہئے، اور نہ کسی مسلمان کو چاہئے کہ ایسی محرف کتابوں کی طرف التفات کرے۔

اگر کوئی کہے کہ جب تم ان کتابوں کو منسوخ اور محرف لکھتے ہو تو تم ان سے عبارت اور مطلب کیوں نقل کرتے ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ عیسائی لوگ جن سے اب ہماری گفتگو ہے باوجود اقرار تحریف کے ظاہر میں اب تک انکا دم بھرتے ہیں اور

---

(۱) یعنی چار باتوں کا اپنے بیان میں لحاظ رکھے ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی۔

لوگوں کے سامنے ان کو کلام اللہ کہتے ہیں، پس ہم بطور الزام کے ان سے نقل کرتے ہیں، نہ اس لحاظ سے کہ ہمارا اعتقاد ہو کہ یقیناً یہ کلام ربانی یا کلام موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام کا ہے، بلکہ اصل حقیقت ان کی ہمارے نزدیک اتنی ہے کہ:

اولاً: وہ سب الہامی نہیں۔

ثانیاً: جو ان میں سے الہامی ہے وہ سب کے سب الہامی نہیں بلکہ وہ کلام بشر کے ساتھ مخلوط ہے۔

ثالثاً: جس قدر الہامی ہے وہ بھی تواتر سے ثابت نہیں، بلکہ رواتِ آحاد سے منقول ہے۔

رابعاً: وہ مروی برواۃ آحاد بھی تحریف کے سبب سے مشکوک ہے، اور ان شاء اللہ سوال سترھویں کے جواب میں ان سب مدارج کی تشریح آتی ہے۔

تثلیث کے مسئلہ کا بیان اجمالی

اور مسئلہ تثلیث (جو ملت مسیحی مروج الحال کی سیڑھی کا اب اول زینہ گنا جاتا ہے، اور تثلیث والے اس کے سوا نجات کو محال جانتے ہیں) کا حال ایسا خراب ہے جس کی حد نہیں، جس کو منظور ہو، "أحسن الأحاديث في إبطال التثليث" میں دیکھنے، بہرحال یہ عقیدہ ایسا ہے کہ کسی طرح شرک سے خالی نہیں نکلتا، اور یہودیوں نے قبل ظہور عیسائیوں کے اس عقیدے کو کبھی سنا بھی نہ تھا، اور بعد ظہور عیسائیوں کے اب تک جو یہودی عیسائی نہیں بنے، اس کو خلاف حکم خدا کے جانتے ہیں، اور محال اور کفر بتلاتے ہیں، اور حکماء یونان اور علماء انگلش اور جرمن اور علاقہ فرنگستان سے ہزاروں بلکہ لاکھوں نے اس کا انکار کیا ہے، اور اہل اسلام قدیم سے اس کو شرک کہتے ہیں، اور قبیح بتلاتے ہیں، چنانچہ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر کے مصنف آیت ایک سو

اکہتر ویں(۱) سورۂ نساء کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''واعلم أن مذهب النصارى مجهول جداً''۔

یعنی بے شبہ نصاریٰ کا مذہب (یعنی تثلیث میں) مجہول ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

''وبالجملة لانرىٰ مذهباً في الدنيا أشدركاكة وبعداً من العقل من مذهب النصارىٰ''۔

یعنی خلاصہ یہ ہے کہ جیسا مذہب نصاری کا (اس مسئلہ میں) بڑا ہی رکیک اور عقل سے بعید ہے، ایسا ہم کوئی مذہب رکیک اور بعید دنیا میں نہیں دیکھتے۔

پھر آیت چھہتر ویں (۲) سورۂ مائدہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ولانرى في الدنيا مقالة أشد فساداًو أظهر بطلاناً من مقالة النصارىٰ''۔

یعنی ہم دنیا میں کوئی قول نصاری کے قول سے (جو مسئلہ تثلیث میں ہے) زیادہ بگڑا برا نہیں دیکھتے۔

اور فرقہ یونی ٹیرین کا جو عیسائی فرقوں سے شمار کیا جاتا ہے، اور اس کے اب بھی لاکھوں آدمی یورپ میں موجود ہیں، تثلیث کا منکر ہے، اور وہ لوگ جو پہلے عیسائی تھے، اور ایسے عقیدے دیکھ کر اپنے مذہب سے پھر گئے ہیں، اور انکا گروہ یورپ کے ملکوں میں لاکھوں کو پہنچا ہے، اور روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے، ان کا حال تو کیا لکھوں کہ اس عقیدے پر کیسا استہزاء کرتے ہیں، اور حق یہ ہے کہ یہ عقیدہ حقیقتاً واجب الانکار ہے، اس لئے کہ اس عقیدے والے کہتے ہیں کہ تینوں اقنوموں میں تثلیث اور امتیاز حقیقی

(۱) یعنی آیت یا أهل الكتاب لاتغلوا في دينكم الخ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۲) یعنی آیت ''لقد كفر الذين قالوا إن الله ثالث ثلثة'' الخ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ

ہے،اور پھر وحدت بھی حقیقی ہے۔

پس ان کے نزدیک ایک ہی چیز تین بھی حقیقۃً ہے،اور ایک بھی حقیقۃً ،اور یہ صریح البطلان ہے جیسا کہ "أحسن الأحاديث في إبطال التثليث" میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔اور کس طرح باطل نہ ہو کہ:

اولاً ایک کا پورا ثلث نہیں نکل سکتا،اور تین کا ایک پورا ثلث ہے،پس کہاں وہ اور کہاں یہ۔

اور ثانیاً تین حقیقی تین احاد کے مجموعہ سے عبارت ہے اور ایک حقیقی کسی احاد کا مجموعہ نہیں۔

اور ثالثاً ایک جزء تین کا ہے،پس اگر ایک حقیقۃً عین تین کا ہو تو جز کل ہو جائے گا،اور اگر تین ایک کا عین ہوئے تو کل جز بن جائے گا،اور بطلان اس کا بدیہی ہے۔

اور رابعاً لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اجزاء غیر متناہی بالفعل سے مرکب ہو،کیونکہ جب جزء کی حقیقت بعینہ کل کی حقیقت ٹھہری،اور کل مرکب تھا،تو چاہئے کہ جزء بھی مرکب ہو ایسے جزء سے کہ وہ اس کا عین ہو،اور پھر وہ بھی مرکب ہو،اور اسی طرح غیر نہایت تک،اور مرکب ہونا کسی چیز کا اجزاء غیر متناہی بالفعل سے باطل ہے۔

اور خامساً جب ایک ثلث تین کا ہے اگر تین عین ایک کا ہو تو لازم آوے کہ ایک اپنے ہی نفس کا ثلث ہووے اور یہ محال ہے،اور تثلیث کے ابطال میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ دوسرا اور تیسرا اقنوم مثل اقنوم اول کے موجود ہے یا نہیں،اگر نہیں تو تثلیث ہی اڑ گئی،اور ان دو اقنوم کی مساوات اقنوم اول کے ساتھ درجہ موجودیت میں بھی کہ پہلا مرحلہ ہر چیز کے کمال کا ہے،ثابت نہ ہوئی،چہ جائے جملہ صفات کمالیہ

کے، اور اگر موجود ہے تو دو حال سے خالی نہیں کہ ان اقانیم میں اسی درجہ موجودیت اول میں اتحاد ذاتی ہے، یا نہیں، اگر نہیں تو دعویٰ توحید کا غلط ہے، اور یقیناً تثلیث کا معتقد ٹھیٹ مشرک ہے، اور اگر ہے تو یہ اجتماع نقیضین کا ہے کہ ایک ہی چیز اپنی شخصیت کی راہ سے ایک بھی ہو، اور ایک بھی نہ ہو، بلکہ متعدد ہو، اور یہ بدیہی البطلان ہے، اور وہ جو صاحب ''حل الاشکال'' نے امتیاز حقیقی **فیما بین اقانیم ثلثه** کے تسلیم کر کے انکار شخصیت کا کیا ہے، اور کہتا ہے کہ ہم خدا کو تین شخص یا ایک شخص نہیں کہتے، یہ اس کی ظاہراً صرف مغالطہ دہی تھی، یا شاید لاعلمی سے ایسا کچھ کہتا ہو، اور اپنے زعم میں جسمانیت شخصیت کے واسطے لازم جانتا ہو، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ تشخص وجود سے جدا نہیں ہوتا، شی موجود مادی ہو یا مجرد، اور تعدد وجود کا مستلزم تعدد تشخص کو ہے۔

پس تین اقنوم کے وجود کا قائل ہونا: تین اشخاص کا قائل ہونا ہے، اور بس۔

علاوہ اس کے کتاب الصلوۃ اردو جو موافق گرجی انگلینڈ کی دارالسلطنت لندن کے اندر چرڈ واطس کے مطبع میں ۱۸۱۸ء میں چھپی ہے، اس کے صفحہ ۲۹و۳۰ میں یوں مرقوم ہے:

''اے مقدس اور مبارک اور عالی شان تینوں جو ایک ہو، یعنی تین شخص اور ایک خدا، ہم پریشان گنہگاروں پر رحم کر''

پس اس میں صریح لفظ شخص کا موجود ہے اور اس مسئلے نے ان عیسائیوں کی جو جاہل ہیں ایسی راہ ماری ہے کہ ٹھیٹ مشرک بن گئے ہیں۔

حکایت

اور اس جگہ مجھ کو ایک حکایت یاد آئی کہ کسی زمانہ میں ایک پادری صاحب نے چین کے علاقے میں جا کر بڑی کوشش سے تین آدمیوں کو اپنے مذہب میں ملایا، اور

طوطے کی طرح ان کو یہ مسئلہ پڑھایا، اور رات دن اس کی اور مسئلوں کی ان کو تلقین کرتے، اور وہ بھی تین تین ٹکے روز یا تین تین روپیہ مہینے کی لالچ سے طوطے کی طرح ٹی ٹی ٹی کرتے رہتے، اتفاقاً ایک مدت کے بعد پادری صاحب کا ایک دوست وہاں آیا، اور وقت ملاقات کے تذکرہ میں ان سے پوچھا کہ اتنی مدت میں آپ نے کتنے شخصوں کو عیسائی بنایا ہے؟

پادری صاحب نے فرمایا کہ:

"عیسیٰ خداوند مسیح کے فضل سے تین شخص مسیحی جماعت کی گلی میں داخل ہوئے ہیں، اور مسیح کے وفادار سپاہی اور خدمت گذار ہیں"

وہ سن کران کی ملاقات کا مشتاق ہوا، پادری صاحب نے اول ایک کو بلایا، اور اپنے دوست کے بتلانے کو اس سے یہ مسئلہ پوچھا، اس نے کہا کہ آپ نے سکھایا ہے کہ تین خدا ہیں، ایک وہ جو آسمان پر رہتا ہے، دوسرا وہ جو بی بی مریم کنواری کے پیٹ میں نو مہینے رہ کے پیدا ہوا تھا، تیسرا وہ جو اس دوسرے خدا پر تیس برس کی عمر میں کبوتر کی شکل ہو کے اترا تھا، پادری صاحب خفا ہوئے، اور فرمانے لگے کہ یہ نامعقول ہے، دوسرے کو جو اس سے زیادہ عاقل تھا، آواز دی وہ فوراً حاضر ہوا، اس سے پوچھا، اس نے کہا کہ آپ نے سکھایا ہے کہ تین خدا تھے، ایک سولی پا کر مر گیا، اور دو اب تک جیتے ہیں، پادری صاحب اس پر بھی چیں بہ جبیں ہوئے، اور تیسرے کو جو تینوں میں فرد کامل تھا بلایا، اور اس سے پوچھا، اس نے کہا: جیسا آپ نے سکھایا ہے، ویسا ہی مجھے خوب یاد ہے کہ تین میں ایک اور ایک میں تین اور تینوں ایک تھے اور جب ایک پنطوس پلاطوس کی حکومت میں سولی پا کر مر گیا تو تینوں مر گئے، اور کوئی خدا اب نہیں، پادری صاحب بہت لال ہوئے، اور اس وقت تینوں کو اپنے سامنے سے نکلوا دیا، لیکن سچ یہ

ہے کہ یہ عقیدہ ہی ایسا ہے، وہ غریب کیا کریں، جیسا سمجھا ویسا کہا، اور غریب جاہل ایسا ہی کچھ سمجھتے ہیں۔

عَشاءِ ربانی کا عقیدہ

اور حضرات رومن کیتھولک اس عقیدے کے ساتھ ایک اور عقیدہ عمداً بھی رکھتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ عشاء ربانی میں لاکھوں من روٹی اور صدہا من شراب جو آتی ہے، ان سب کی ماہیت اس طور بدل جاتی ہے کہ سب روٹیاں حقیقۃً مسیح کا بدن اور ساری شراب ان کا خون بن جاتا ہے، اور اس بدن اور خون کو یہ گوشت کے بھوکے اور خون کے پیاسے حقیقۃً خون اور گوشت مسیحؑ کا سمجھ کر کھاتے اور پیتے ہیں، اور اس کے سامنے سجدے کرتے ہیں، تو اس بڑے فرقہ پرہیزگار کے نزدیک تو لاکھوں من روٹی اور صدہا من شراب جو سیکڑوں برس مسیحؑ کے بعد تیار ہوتے ہیں، بعینہ معبود اور مسجود لہا بن جاتے ہیں، تو اس کے موافق کروڑوں معبود کو نوبت پہنچی، اور مدعی ہیں کہ مسیح نے ایسا ہی فرمایا ہے، مثلاً باب چودہویں مرقس میں ہے (نسخہ ۱۸۴۴ء):

"۲۲۔ ان کے کھاتے وقت یسوع نے روٹی اٹھائی، اور شکر کر کے توڑی اور انہیں دیکھ کر کہا لو کھاؤ، یہ میرا بدن ہے۔

۲۳۔ پھر اس نے پیالہ لے کر شکر کر کے انہیں دیا، اور ان سبھوں نے اسے پیا۔

۲۴۔ اس نے ان سے کہا یہ میرے نئے عہد نامے کا لہو ہے جو بہتیروں کے لئے بہایا جاتا ہے"

اور فرقہ پروٹسٹنٹ کا باوجود اقرار تثلیث کے اس عقیدے سے منکر ہے۔

بہر حال یہ حضرات اسی انجیل سے کبھی تثلیث ثابت کرتے ہیں، اور کبھی

کروڑوں معبود مسجود لھم، کیوں نہ ہو، عاقل ہیں، جو کریں سو تھوڑا، جس محال صریح البطلان کو اختیار کریں وہ غریب مثل روٹی، اور شراب کے مبدل الماہیت ہو کر ممکن بن جاتا ہے، ہم بیچارے کیا سمجھیں، مگر ایسے مسئلوں کے حق میں سیل (Sale) اپنے ترجمہ قرآن شریف کے اندر بطور وصیت کے یوں لکھتا ہے (نسخہ مطبوعہ ۱۸۳۶ء):

''اول یہ کہ مسلمانوں پر جبر نہ کیجو۔
دوم یہ کہ ایسے مسئلے نہ سکھاؤ کہ عقل کے خلاف ہوں، کیونکہ مسلمان ایسے احمق نہیں کہ ایسی باتوں میں ہم ان پر غالب آ جاویں، مثل صنم پرستی اور مسئلہ عشاء ربانی کے کہ مسلمان لوگ ایسی باتوں پر بہت ٹھوکر کھاتے ہیں، اور جس کلیسہ میں یہ مسئلے ہیں، وہ کلیسہ طاقت نہیں رکھتا کہ مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچ لے''۔

پس اس میں اقرار کرتا ہے کہ ایسے مسئلے عقل کے خلاف ہیں، اور مسلمان ایسے احمق نہیں کہ ہم ان پر ایسے مسئلوں میں غالب آویں اور جس کلیسہ میں یہ مسئلے ہیں اس کی مسلمانوں کے سامنے طاقت نہیں۔

یہ عزیز بات تو برجستہ اور بہت ہی دور اندیشی کی کہتا ہے، اور اسی وصیت کے موافق رومن کیتھولک عمل کر کے مسلمانوں کو نہیں چھیڑتے، اور غریب اپنے گرجوں میں صنم پرستی اور صلیب پرستی کرتے رہتے ہیں، اور عشاء ربانی میں منوں روٹی اور شراب کو اپنا معبود ٹھہرا کر سجدہ کر لیا کرتے ہیں، اور افسوس کہ ''میزان الحق'' کے مؤلف نے سیل (Sale) کی وصیت پر عمل نہ کیا، اور ''مفتاح الاسرار'' کو تثلیث کے اثبات میں بنا کر مسلمانوں میں فضیحت ہوئے۔

مقدمہ کا چوتھا امر

''میزان الحق'' کے مولف اکثر جگہ قرآن کی آیات کے بیان میں اپنی ٹانگ

اڑاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض جگہ قرآن کے مفسّروں کو بھی اصلاح دیتے ہیں، اور مجھ کو اس امر کے (کہ ان کو یہ لیاقت ہے کہ قرآن کے مفسروں کو اصلاح دیں، حالانکہ عرب کی زبان سے بڑے آشنا ہیں) بہت شواہد معلوم ہیں، اور انشاء اللہ ان سوالوں کے جواب میں ہر جگہ (۱) اس محل کے مناسب ایسے ان کے افادات ہوں گے، کیوں نہ ہو کہ جناب جرمنی نژاد ہیں، اور اصلاح دینا جرمن والوں کا کام ہے، دیکھو دین عیسوی میں جرمن والوں نے کیسی اصلاح دی ہے، اور دیتے چلے جاتے ہیں، مگر تعجب یہ ہے کہ جناب نے اس حد سے قدم بڑھا کر مفسرینِ قرآن کو اصلاح دینا شروع کیا، واہ واہ! کیا کہنا ہے، اس جگہ بطور نمونہ کے موافق عدد متبرک تثلیث کے تین کو ذکر کرتا ہوں۔

پہلا شاہد

اول یہ کہ جب رجب کے مہینے ۱۲۷۰ھ ہجری میں میرا مباحثہ ان سے مجمع عام میں ہوا تھا، تو انہوں نے دوسرے جلسے میں کھڑے ہو کے ''میزان الحق'' ہاتھ میں لے کر پہلے باب کی پہلی فصل سے وہ عبارت جس میں قرآن شریف کی کئی ایک آیتیں مندرج ہیں، پڑھی تھی، اور اس وجہ سے کہ اعراب کا تو کیا ذکر ان آیتوں کے لفظ بھی ایسے غلط پڑھتے تھے کہ مسلمانوں کو رنج ہوتا تھا، قاضی القضاۃ صاحب نے فرمایا کہ:

> ''آپ ترجمہ ہی پر اکتفا کیجئے، کیونکہ لفظوں کے بدل جانے سے معنی بدل جاتے ہیں، اس پر انہوں نے فرمایا کہ ہماری زبان کا قصور ہے، معاف رکھئے''۔

---

(۱) مثلاً پہلے سوال کے جواب میں معجزات تفصیلی کے بیان کے اندر تیسرے اور تیرہویں معجزے میں اور چھٹے اختلاف مرقومی پادری صاحب کے جواب میں اور چھٹے اور ساتویں سوالوں کے جوابوں میں اور سترہویں سوال کے جواب کے آخر میں مباحثہ اکبر آباد کے بیان میں حملے کے لفظ کی بابت ۱۲ منہ رح

پس جس شخص کا حال(۱) یہ ہوتو وہ عبارت قرآن سے مطلب کیا خاک سمجھے گا، اور مفسروں کو کیا پھر اصلاح دے گا، اگر یہی اصلاح ہے تو اس اصلاح پر پتھر پڑے۔

دوسرا شاہد

دوم یہ کہ انہوں نے ۱۸۴۹ء اٹھارہ سوانچاس اور ۱۸۵۰ء اٹھارہ سو پچاس مسیحی میں ''میزان الحق'' اور ''مفتاح الاسرار'' کے فارسی اور اردو کے پہلے نسخوں کے اندر بہت کچھ کاٹ پھاٹ کر کے ہر ایک کے از سرنو نسخے تیار کئے ہیں اور ہر نسخہ کے ختم پر اپنے فضل اور بلاغت کے ظاہر کرنے (۲) کو عربی عبارت لکھی ہے، ناظر اس کو دیکھے (نسخہ فارسیہ میزان الحق مطبوعہ ۱۸۴۹ء) اور (نسخہٴ اردو میزان الحق طبع شدہ ۱۸۵۰ء):

''تمت هذه الرسالة في سنة ثمانية مائة ثلثون والثلث بعد الألف مسيحي وبالمطابق مئيتان وأربعين ثمانية بعد الألف هجري''

نسخہ فارسیہ مفتاح الاسرار مطبوعہ ۱۸۵۰ء۔

''تمت هذه الأوراق في سنة ثمانية مائة وثلثون السابعة بعد الألف مسيحي وفي سنة مائتان اثنا وخمسين بعد الألف من هجرة المحمدية''

اور نسخہٴ اردو مطبوعہ ۱۸۵۰ء کے خاتمہ پر بھی عبارت لکھی ہے، فقط اتنا فرق

---

(۱) یعنی قرآن کے لفظ بھی صحیح اس سے نہ پڑھے جاتے ہوں ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ

(۲) اگر یہ بات منظور نہ ہوتی تو اردو اور فارسی میں عربی غریب کی کیوں ٹانگ توڑتے ۱۲ منہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

ہے کہ نسخہ فارسیہ میں لفظ ہجرۃ کا بغیر الف اور لام کے واقع ہوا، اور اس نسخہ اردو میں الف لام کے ساتھ اس طور پر من الهجرة المحمدية۔

شاید پادری صاحب نے فارسی نسخہ میں الف ولام اس واسطے اڑا دیا ہوگا کہ موصوف اور صفت دونوں کا معرف باللام آنا ان کے نزدیک عرب کے محاورہ میں ثابت نہیں ہوا، بہرحال ان عبارتوں کو دیکھو کہ کیا ہی نحو کے قواعد اور عرب کے محاورے اور سلیقے کے موافق ہیں کہ اگر خلیل اور سیبویہ اور اخفش ہوتے تو تحسین کرتے، اور اگر سحبان بن وائل اور ابن مقفع اور حریری ان کو دیکھتے تو بہت سے رشک کرتے، گو ہم ناآشنائی زبان عرب کی سمجھیں کہ پادری صاحب کو اس زبان میں اتنا بھی سلیقہ نہیں، جو شرح مائۃ کے پڑھنے والے کو ہوتا ہے، اور ان عبارتوں کو دیکھ کر ان کے کمالات کا خاتمہ سمجھیں، ماشاء اللہ ایسا فصیح اگر قرآن کی بلاغت اور فصاحت پر قدح کرے تو اس کا قول کیوں نہ کرستان لوگ مان لیں۔

تیسرا شاہد

سوم یہ ''مفتاح الاسرار'' کے پہلے نسخے میں اس آیت (۱) بارہویں سورۂ تحریم کو ''ومريم ابنت عمران التي أحصنت فرجها فنفخنا فيه من روحنا (۲)'' اور اس جملہ آیت ایک سو اکہتر سورۂ نساء کو ''إنما المسيح عيسى ابن مريم رسول الله وكلمته ألقاها إلى مريم وروح منه'' نقل کرکے بعد ترجمہ اور کچھ تقریر کے یوں ارشاد کرتے ہیں (نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء صفحہ ۴):

---

(۱) جو اٹھائیسویں سیپارے کے بیسویں رکوع میں ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) یعنی اور مریم عمران کی بیٹی جس نے روکی اپنی شہوت کی جگہ (یعنی مردوں سے) پھر پھونک دی ہم نے اس میں ایک اپنی طرف سے جان۔ ۱۲ منہ

''جو آیات مذکورہ کے موافق عیسی مسیح روح اللہ ہے، تو البتہ الوہیت کے مرتبہ میں ہوا، اس لئے کہ خدا کی روح کچھ خدا سے کمتر نہیں، لیکن بعضے محمدی کہتے ہیں کہ قرآن کی ان آیتوں میں جو روح کا لفظ آیا ہے، وہ جبرئیل فرشتے سے مراد ہے، پر یہ بات صرف عداوت کی ہے، کیونکہ ''منہ'' کے لفظ کی ضمیر جو دوسری آیت میں اور ''روحنا'' کے لفظ کی ضمیر متصل جو پہلی آیت میں لکھی ہے، صرف کے ضابطے کے موافق نہ فرشتے کے بلکہ خدا کی طرف راجع ہے''۔

کہتا ہوں میں کہ یہ ان کا ارشاد پانچ وجہ سے بے بنیاد ہے۔

پہلی وجہ: روح اللہ کے لفظ سے خدائی کا ثابت نہ ہونا

قول ان کا ''البتہ الوہیت کے مرتبہ میں ہوا'' الخ مردود ہے، اور قرآن کی عبارت سے یہ مطلب سمجھنا بالکل غلط ہے، اس لئے کچھ فقط اسی جگہ حضرت مسیح کے حق میں روح کی نسبت خدا کی طرف نہیں بلکہ اور جگہوں میں اوروں کے حق میں بھی ایسی ہی نسبت آئی ہے، حضرت آدم کی پیدائش کے حال میں سورۂ سجدہ کی آیت نویں (۱) میں یوں ہے: ''ثم سوّاہ ونفخ فیہ من روحہ''۔

یعنی پھر اس کو برابر کیا، اور پھونکی اس میں اپنی روح میں سے۔

دیکھو اس آیت کے اندر روح کا لفظ ضمیر غائب کے طرف جو خدا کی طرف پھرتی ہے مضاف ہے۔

پھر سورۂ حجر کی آیت انتیسویں (۲) اور سورۂ ص کی آیت بہترویں (۳) یوں ہے ''فإذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین''۔

(۱) جو سیپارے اکیسویں کے چودھویں رکوع میں ہے ۱۲ منہ

(۲) جو سیپارے اکیسویں کے چودھویں رکوع میں ہے ۱۲ منہ

(۳) جو سپارے تیئسویں کے رکوع چودھویں میں ہے ۱۲ منہ

یعنی پھر جب ٹھیک بنا چکوں اس کو (یعنی آدم کو) اور پھونک دوں اس
میں اپنی روح سے تو تم گر پڑو اس کے آگے سجدے میں۔

ان دونوں جگہوں میں روح کا لفظ ''ی'' متکلم کے طرف مضاف ہے، اور متکلم سے یہاں خدا تعالیٰ مراد ہے۔

پس ان آیتوں میں تینوں جگہ خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی نفس ناطقہ کو اپنی روح (۱) فرمایا، اور ''روحہ'' اور ''روحی'' کا اس پر اطلاق کیا، اور سورۂ مریم کی آیت اٹھارہویں (۲) میں یہ جملہ ہے:

''فأرسلنا إليها روحنا فتمثل لها بشراً سوياً''۔

یعنی پھر بھیجا ہم نے اس (یعنی مریم) پاس اپنا فرشتہ (یعنی جبرئیل)
پھر بن آیا اسکے آگے آدمی پورا (یعنی جوان خوش صورت)

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے جبرئیل کو اپنی روح فرمایا، اور ''روحنا'' کا اس پر اطلاق کیا، پس حق یہ ہے کہ ان دونوں قولوں میں ''فنفخنا فيه من روحنا'' ''وروح منه'' روح سے مراد نفس ناطقہ انسانی ہے، جس کو ہم لوگ جان بولتے

---

(۱) سارے قرآن میں روح کا لفظ ضمیر غائب کی طرف فقط ایک ہی جگہ اور ''ی'' متکلم کی طرف دو جگہ مضاف آیا ہے، اور تینوں جگہیں اس کی معنی نفس ناطقہ انسانی ہے، نہ خدا، جیسا کہ ابھی معلوم ہو گیا، اور انجیل کے موافق ہر نیک شخص کو روح کہہ سکتے ہیں، حضرت عیسیٰ کا کیا ذکر، جیسا کہ حضرت عیسیٰ کا قول یوحنا کی انجیل کے تیسرے باب کے چھٹے درس میں یوں ہے (ترجمہ عربیہ ۱۶۷۱ء و ۱۸۲۱ء):

" والمولود من الروح فهو روح "

(فارسیہ ۱۸۱۶ و ۱۸۳۸ء):

''وانچہ از روح متولد شدہ روح است، ہندیہ ۱۸۴۴ اور جو روح سے پیدا ہوا ہے روح ہے''۔۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۲) جو سیپارہ سولہویں کے رکوع پانچویں میں ہے۔

ہیں، جیسا ان قولوں میں ''ونفخ فیه من روحه'' ''ونفحت فیه من روحی''
جو آدمؑ کے حق میں واقع ہیں، اور روح کی اضافت کی خدا کی طرف کئی توجیہیں ہیں۔

(روح کے خدا کی طرف اضافت کی توجیہیں)

پہلی توجیہ

ایک یہ کہ اللہ صاحب اپنی مخلوقات میں سے کبھی کسی مخلوق کو اپنی طرف اس لئے نسبت اور اضافت کر لیتے ہیں کہ بندے اس مخلوق کی عظمت پہنچانیں، اور ایسی اضافت قرآن میں اور جگہ بھی ہے مثلاً:

خدا کے اس قول میں (۱)

''وعهدنا إلى إبراهيم وإسمعيل أن طهرا بيتي للطائفين و العاكفين والركع السجود.

یعنی اور کہدیا، ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو کہ پاک رکھو گھر میرا (یعنی ناپاک اور گھنونی چیزوں سے) واسطے طواف والوں کے اور اعتکاف والوں کے اور رکوع اور سجدے والوں کے۔

اور خدا کے اس قول میں (۲)۔

''وطهر بيتي للطائفين والقائمين والركع السجود''.

یعنی اور پاک رکھ میرا گھر طواف کرنے والوں اور کھڑے ہونے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے۔

اور ان دونوں قولوں میں اللہ صاحب کعبہ کو اپنا گھر فرماتے ہیں، اور اس سے

---

(۱) یہ قول سورۂ بقرہ کی ایک سو پچیسویں آیت کے اندر سیپارہ اول کے پندرہویں رکوع میں ہے ۱۲ منہؒ۔

(۲) یہ قول آیت ۲۶ سورۂ حج کے اندر سترہویں سیپارے کے گیارہویں رکوع میں واقع ہے۔

کعبہ کی عظمت کا اظہار منظور ہے، نہ یہ کہ عیاذ اً باللہ کعبہ حقیقۃً اللہ صاحب کا گھر ہو، اور اللہ صاحب اس میں رہتے سہتے ہوں، کیونکہ ایسا عقیدہ تو بالاتفاق باطل ہے، مذہب اسلامی کے موافق تو خود ظاہر ہے، اور درس پہلے باب چھیاسٹویں اشعیا میں ہے (نسخہ ۱۸۴۳ء):

''وہ گھر کہاں ہے کہ میرے واسطے بناتے، اور میری آرامگاہ کہاں ہے''

اور خدا کے اس قول میں "وادخلی جنتی"(۱)۔ یعنی بیٹھ میری بہشت میں۔

اس قول میں جنت کی اضافت خدا کی طرف ہے، اور اس قسم کی اضافت عہد عتیق اور جدید کی کتابوں میں کثرت سے پائی جاتی ہے، مثلاً درس تیرہویں باب اکیسویں متی میں حضرت مسیحؑ کا قول یوں منقول ہے۔

''لکھا ہے میرا گھر (یعنی بیت المقدس) عبادت کا گھر کہلاوے گا''۔

اور درس بائیسویں باب اٹھائیسویں کتاب پیدائش میں یعقوبؑ کا قول یوں منقول ہے (نسخہ ۱۸۲۹ء):

''اور یہ پتھر جو میں نے ستون سا کھڑا کیا خدا کا گھر ہوگا''۔

اور باب چھٹی کتاب دوم سموئیل میں ہے (نسخہ ۱۸۲۹ء):

''۲۔ اور داؤد اپنے سارے لوگوں کو لے کے باعل یہودا سے چلا، تا کہ خدا کی صندوق کو کہ جس کے پاس لشکروں کے یہواہ کا نام لیا جاتا ہے جو دو کروبیون کی بیچ میں دھرا تھا، وہاں سے چڑھا لاوے''۔

---

(۱) سورۂ فجر کی آیت تیئسویں ہے۔

۳۔ سوانہوں نے خدا کی صندوق کو نئی گاڑی پر رکھا الخ۔

اور اس طرح اور جگہ (۱)۔

اب دیکھو کہ خدا کے گھر اور خدا کی صندوق میں کیسی اضافت ہے۔

دوسری توجیہ

دوسری توجیہ یہ کہ بعض چیزوں کی پیدائش عادت الہیہ کے خلاف اور عجیب طور پر ہوئی ہے، اور اللہ صاحب کو جب اس بات پر آگاہ کرنا منظور ہوتا ہے تو اس کو اپنی طرف اضافت کر لیتے ہیں، اور اسی طرز پر یہ قول ہے (۲)

''هذه ناقة الله لكم آية فذروها''۔

یعنی یہ اونٹنی اللہ کی ہے تم کو نشانی''

اور اس قول میں:

''فقال لهم رسول الله ناقة الله وسقياها''

یعنی پھر کہا ان کو (یعنی فرقہ ثمود کو) اللہ کے رسول (یعنی صالح) نے خبردار رہو اللہ کی اونٹنی (یعنی اسکو مارو نہیں اور چرنے سے روکو نہیں بلکہ چھوڑ دو جہاں چاہے وہاں چرے) اور اس کے پینے کی باری سے (یعنی اس کی باری اپنے جانوروں کے واسطے نہ چھینو)۔

ان دونوں جگہوں میں اللہ صاحب اس اونٹنی کو ''ناقۃ اللہ'' فرماتا ہے، اور وجہ اضافت کی یہ ہے کہ وہ خلاف عادت الہیہ کے محض اللہ کی قدرت سے پتھر سے نکلی تھی،

---

(۱) مثلاً کتاب اول سموئیل کے باب چوتھے کے درس ۳و۴و۵و۱۱و۱۳و۱۷و۱۸و۱۹و۲۱ کے اندر گیارہ جگہ لفظ ''خدا کا صندوق'' ''یہواہ کا صندوق'' واقع ہے، اور باب پانچویں کے درس ۱و۲و۳و۴و۷و۸و۱۰و۱۱ کے اندر بھی گیارہ جگہ وہی دونوں لفظ واقع ہوئے ہیں ۱۲ منہ

(۲) یہ قول سورۂ اعراف کی تہترویں آیت کے اندر آٹھویں سیپارے کے سترہویں رکوع میں ہے ۱۲ منہ

اور اس کے ماں باپ کوئی نہ تھا۔

تیسری توجیہ

تیسری توجیہ یہ کہ روح کے معنی پھونک کے بھی آتے ہیں، اور ہمارے مذہب کے موافق مریمؑ کو جبرئیل کی پھونک سے حمل ٹھہرا تھا، اور وہ پھونک محض خدا کے حکم سے تھی، اس لحاظ سے عیسیٰؑ پر روح اللہ کا اطلاق صحیح ہے۔

چوتھی توجیہ

چوتھی توجیہ یہ کہ روح کے معنی رحمت کے بھی ہیں، اور چونکہ عیسیٰؑ کی ذات بھی ایک اللہ کی رحمت تھی اس لئے ان پر روح اللہ کا اطلاق صحیح ہے۔

پانچویں توجیہ

پانچویں توجیہ یہ کہ پاکیزہ چیز کو بھی عرب لوگ روح بولتے ہیں اور چونکہ عیسیٰؑ بغیر نطفہ باپ کے پیدا ہوئے تھے تو ان کے محاورہ کے موافق روح کا اطلاق ان پر صحیح ہے(۱)

چھٹی توجیہ

چھٹی توجیہ یہ کہ ایسی چیز کو بھی جو دین کے امور میں خلق کی بھلائی کا سبب ہوئے عرب لوگ روح بولتے ہیں، اور اسی لحاظ سے قرآن پر روح کا اطلاق آیا ہے۔

آیت بانویں سورۂ شوریٰ میں ہے:

---

(۱) کلارک اپنی تفسیر میں ان درسوں کے شرح میں لکھتا ہے، "اول زمانے میں ہر ایک معلم دعوی کرتا تھا کہ مجھ کو روح القدس کا الہام ہے، کیونکہ تمام پیغمبر معتبر اسی طرح آئے تھے، اور روح سے مراد اس جگہ وہ آدمی ہے جو مدعی ہو کہ میری تعلیم موافق ارشاد روح کی ہے اور روح کی تاثیر مجھ پر ہے" ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

"وكذلك أوحينا إليك روحاً من أمرنا"
یعنی اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک روح (یعنی قرآن پاک) اپنے حکم سے۔

جلالین میں ہے:

"أوحينا إليك يا محمّد روحاً هو القرآن به تحي القلوب"۔

اور بیضاوی میں اسی کو قول مختار گنا ہے۔

ساتویں توجیہ

ساتویں توجیہ یہ کہ انجیل کے موافق ہر سچے واعظ پر روح اللہ اور روح الحق کا اطلاق صحیح ہے، پس ایسے لفظ سے جو قرآن میں عیسیٰؑ کے حق میں (جو بلاشبہ قرآن کے موافق سچے واعظ تھے) ہے اور ان کی الوہیت کا اس میں جابجا انکار ہے، کس طرح خدا سمجھا جاوے، یوحنا کے پہلے نامہ کے چوتھے باب میں ہے (عربیہ ۱۸۲۱ء):

"أيها الأحباء لاتؤمنوا بكل روح بل جربوا الأرواح هل هي من الله؟ الخ

٤۔ وبهذا يعرف روح الله أن كل روح يعترف أنّ يسوع المسيح قد جاء بالجسد فهو من الله۔

٦۔ وأما نحن فمن قبل الله ومن يعرف الله فإنه يسمع منا ومن ليس هو من قبل الله فليس يسمع لنا فبهذا نعرف روح الحق وروح الضلالة"۔

(فارسیہ ۱۸۱۶ و ۱۸۲۸ء):

ا۔ "اے محبوبان ہر روح را باور نمائید بلک ارواح را بیازمائید کہ آیا از

خدا ہست یا نہ الخ

۲۔ از ینجا می شناسیم روح خدارا کہ ہر روحے کہ اقرار می نماید کہ عیسی مسیح مجسم شدہ است از خداست۔

۶۔ وچوں ما از خدا ئیم آنکس کہ بخدا عارفست از ما می شنود و آنکس کہ نمی شنود از ما کہ از خدا نیست و بہمیں نسق روح راستی و روح گمراہی را تمیز میدہیم"۔

(ہندیہ ۱۸۴۴ء):

"اے پیارو تم ہر ایک واعظ پر اعتقاد نہ کرو بلکہ واعظوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں کہ نہیں" الخ۔

۲۔ کون واعظ خدا سے ہے؟ تم اسی سے جانو ہر ایک واعظ جو اقرار کرتا ہے کہ یسوع مسیح جسم میں ظاہر ہوا خدا سے ہے۔

۶۔ ہم خدا کے ہیں جو خدا کو پہچانتا ہے ہماری سنتا ہے اور جو خدا کا نہیں ہماری نہیں سنتا ہے، ہم اسی سے سچے واعظ اور بہلانے والے واعظ کو جان لیتے ہیں"۔

ان تینوں ترجموں کے موافق روح اور واعظ اور اسی طرح روح اللہ اور روح خدا اور واعظ خدا کی طرف سے اور اسی طرح سے روح الحق اور روح راستی اور سچا واعظ ایک چیز ہیں اور "روح الضلالة" اور روح گمراہی اور جھوٹا واعظ ایک چیز ہیں۔

آٹھویں توجیہ

آٹھویں توجیہ یہ کہ انجیل اور کتب عہد عتیق کے موافق روح اللہ اور روح خدا بمعنی قدرت خدا کی مستعمل ہے۔

درس ۲۸ باب ۱۲ متی میں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۰ و ۱۸۴۴ و ۱۸۴۶ء):

"لیکن اگر میں خدا کی روح سے دیووں کو دور کرتا ہوں تو خدا کی

بادشاہت البتہ تم تک پہنچی ہے''۔

(عربیہ ۱۸۲۱ء):

''قال كنت بروح الله أخرج الشياطين الخ''

اور اس قول میں ''روح خدا'' اور ''روح اللہ'' بمعنی قدرت خدا کے ہے، اسی لئے یہ حال درس ۲ باب ۱۱ لوقا میں یوں منقول ہے (ترجمہ ہائے مذکورہ):

''پر اگر میں خدا کی قدرت سے دیووں کو نکالتا ہوں تو البتہ خدا کی بادشاہت تم تک آئی''۔

پس جس کو اول انجیل نے ''خدا کی روح'' سے تعبیر کیا تھا، اس کو لوقا نے ''خدا کی قدرت'' کے ساتھ تفسیر کیا۔

اور اسی معنی میں درس ۱۳ باب ۲۶ کتاب ایوب میں مستعمل ہے (ہندیہ ۱۸۴۳ء):

''اس کی روح سے آسمان خوشنما ہے''۔

(فارسیہ ۱۸۳۸ء):

''آسماں را از روح خود مصفا گردانیدہ است''۔

(فارسیہ ۱۸۴۵ء):

''بروح خود آسمانہا را زینت داد''

اور اسی معنی میں ''روح خدا'' درس ۶ باب ۱۴ قضات میں مستعمل ہے (ہندیہ ۱۸۲۹ء):

''اس وقت یہواہ کی روح شمسوں میں آئی، اور اس نے اسے یوں پھاڑا جیسے بکری کے بچے کو پھاڑتے ہیں الخ''۔

اور چونکہ حضرت مسیحؑ بھی اس سبب سے کہ بن باپ پیدا ہوئے ایک قدرت

خدا کی تھے، ان پر اطلاق روح اللہ کا صحیح ہے۔

نویں توجیہ

نویں توجیہ یہ کہ ایسے نفس ناطقہ پر کہ اس کو ادراک کامل ہو، اور مصدر حسنات اور امور غریبہ کا ہو، موافق کتب عہد عتیق کے اطلاق روح اللہ اور مثل اس کے کا صحیح ہے۔

درس ۳۸ باب ۴۱ کتاب پیدائش میں بادشاہ مصر کا قول یوسفؑ کے حق میں یوں منقول ہے (ہندیہ ۱۸۴۲ء):

''اور فرعون نے اپنے نوکروں کو کہا: کیا تم ایسا جیسا یہ مرد ہے کہ جس میں خدا کی روح ہے پا سکتے ہیں''۔

اور باب ۴ کتاب دانیال میں بابل کے بادشاہ کا قول دانیالؑ کے حق میں یوں منقول ہے۔

(فارسیہ ۱۸۴۵ء):

''۸۔ روح خدایاں مقدس دروست

۹و۱۸ روح خدایان مقدس درانست''

اور باب پانچویں اسی کتاب میں ہے

''۱۱۔ روح خدایان مقدس دروست۔

۱۴۔ روح خدایان درتست''

اور اس روح کے مقابل روحِ زنا اور مانند اس کے بولی جاتی ہے۔

درس ۱۲ باب ۴ کتاب یوسع میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۳ء):

''حرام کاری کے روح نے انہیں گمراہ کیا ہے''

اور مثل اس کے درس ۸ باب ۱۱ نامۂ رومیہ اور درس ۱۰ باب ۲۹ اشعیا میں واقع

ہے، اور چونکہ نفس ناطقہ جناب مسیحؑ کا صاحب ادراکِ کامل اور مصدر حسنات اور امور عجائب اور غرائب کا تھا، اس پر اطلاق روح اللہ کا صحیح ہوا، اور اللہ تعالیٰ کے اس قول "وروح منــــه" (موافق اس توجیہ اور توجیہ پہلی اور دوسری اور دسویں) کا مضاف محذوف ہے، أي ذو روج منه۔

جلالین میں ہے:

"وروح أي ذو روح منه أضيف إليه تعالىٰ تشريفاً"

اور بیضاوی میں ہے۔

"وروح منــه وذوروح صدر منــه لايتوسط مـايجري مجرى الأصل والمادة"۔

دسویں توجیہ

دسویں توجیہ یہ کہ چونکہ مطلق روح کو تجرد اور اصل خلقت کے اعتبار سے اللہ کی ذات کے ساتھ ایک طرح کی مناسبت ہے، تو اس لحاظ سے مطلق روح کی بھی اضافت خدا کی طرف صحیح ہے۔

درس چودھویں باب سینتیسویں کتاب خرقیال میں اللہ صاحب کا قول ان ہزاروں آدمی کے خطاب میں جن کو خرقیالؑ کی معجزہ سے زندہ کیا تھا، یوں منقول ہے (عربیہ):

"فأعطي فيكم روحي"

(فارسیہ ۱۸۳۹ء):

"روح خود را در شما خواہم نہاد"۔

(فارسیہ ۱۸۴۵ء):

روح خود را در جوف شما خواہم نہاد۔

(ہندیہ ۱۸۲۵ء و ۱۸۴۳ء):

''اور جب میں اپنی روح تم میں رکھوں گا''

اس قول میں اللہ صاحب ان آدمیوں کی جان کو اپنی روح فرماتا ہے، بلکہ عہد عتیق کی کتابوں میں شیطانی روح پر بھی کبھی روح اللہ کا اطلاق آتا ہے، اور انشاء اللہ سترہویں سوال کے جواب میں یہ امر مفصل آتا ہے۔

پس اب کوئی جناب کشس کو کہے کہ اے جناب! جب آپ نے قرآن کی عبارت سے جو جابجا مسیح کی الوہیت کے اعتقاد پر ملامت کرتا ہے، ان کی الوہیت ثابت کی، تو اس اپنی نادر تحقیق کے موافق ارشاد کیجئے کہ قرآن کے موافق حضرت آدم اور جبرئیل بھی خدا ہیں (۱)

اور درس چودھویں باب سینتیسویں کتاب خرقیال کے موافق ان سب شخصوں کو جو خرقیالؑ کے معجزہ میں زندہ ہوئے تھے فرمایئے کہ خدا ہیں۔

---

(۱) ایک اور حضرت عیسائی بھی جناب کشس کے مانند قرآن سے استدلال پکڑتے تھے، اور فرماتے تھے کہ قرآن سے تثلیث ثابت ہے، کیونکہ اس کے اول میں ہے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اس میں اللہ اور رحمٰن اور رحیم کے ذکر سے تثلیث کا اثبات منظور ہے، اس کے جواب میں ایک مسلمان نے عرض کیا کہ اے جناب مستدل (استدلال کرنے والے) سورۂ مومن کے اول میں یوں ہے:

"تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم ۔ غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول"

اور اس میں سات بار ذات اور خدا کی صفات کا ذکر ہے، تو اب آپ کو چاہئے کہ قرآن سے تسبیع اور سات خداؤں کا وجود ثابت کیجئے، نہ تثلیث اور تین خداؤں کا وجود۔

کہتا ہوں میں کہ سورۂ حشر کی بائیسویں آیت سے چوبیسویں آیت تک لفظ اللہ اور عالم الغیب والشھادۃ اور رحمٰن اور رحیم اور ملك اور قدوس اور سلام اور مومن اور مھیمن اور عزیز اور=

حکایت

مشکوۃ کی شرح طیبی میں ہے کہ ایک مسلمان قرآن پڑھتا تھا، اس سے ایک عیسائی فاضل یہ کلام "وكلمة ألقاها إلىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ منه" سن کر کہنے لگا کہ یہ کلام تو ہمارے دین کی تصدیق کرتا ہے، اور مذہب اسلام کے مخالف ہے، کیونکہ اس میں اقرار ہے کہ عیسیٰ ایک ایسی روح ہے، جس کو خدا کا بعض سمجھنا چاہئے، علی بن حسین بن واقد کتاب النسطیر کا مصنف وہاں موجود تھا، اس نے جواب دیا کہ پادری صاحب اس کلام کے مثل اللہ صاحب سب مخلوقات کے حق میں یوں فرماتا ہے۔(۱)

وسخرلكم مافي السمٰوات وما في الأرض جميعاً منه۔

پس اگر" روح منه" کے معنی یہ ہیں کہ روح بعض منه أوجزء منه تو آپ کے قول کے موافق" جميعاً منه" کے معنی بھی ایسے ہی ہوں گے، اور سب مخلوقات کو خدا کا بعض سمجھنا چاہئے، اور یہ تو غلط ہے، بلکہ اس آیت کے معنی اس طرح ہیں:

کام لگائے تمہارے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں، (اس طور پر کہ ان سب سے تم کو نفع پہنچتا ہے) سب اس کی طرف سے ہیں، اور ایسے ہی ''روح منہ'' کی

=جبار اور متکبر اور خالق اور باری اور مصور اور عزیز اور حکیم مذکور ہے۔

پس ان تین آیتوں کی اندر سترہ بار ذات اور صفتوں کا ذکر آتا ہے، اس کے موافق جناب مستدل کو چاہئے کہ ارشاد کریں کہ قرآن سے سترا (۱۷) خدا ثابت ہوتے ہیں، اور ایک عیسائی کہتا تھا کہ مسلمان بھی حضرت مسیح کی الوہیت اور تثلیث کے معتقد ہیں کیونکہ کہتے ہیں عیسیٰ روح اللہ اور اس میں تین لفظ ہیں، ایک ظریف نے سنکر کہا کہ اے جناب مستدل آپ کے نام میں بھی تین لفظ ہیں اس سے بھی تثلیث ثابت ہوتی ہوگی ۱۲منہ

(۱) یعنی پچیسویں سپارے کے اٹھارویں رکوع میں سورۂ جاثیہ کی تیرہویں آیت کے اندر ۱۲منہ

معنی یوں ہے، ''روح کاین منہ "(۱) یعنی روح اس کی طرف سے ہے، یہ سن کر وہ پادری منصف ایمان لایا۔

کہتا ہوں میں کہ اب ہر ناظر پہ یہ بات کھل گئی کہ جناب کشس کا استدلال لفظ "روح منہ" کے ساتھ جب صحیح تھا، جب من تبعیضیہ ہوتا، اور یہ تو غلط ہے اور ان کے عقیدے کے موافق بھی درست نہیں، اس لئے کہ یہ لوگ بھی ظاہر میں اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ اللہ صاحب تجزیہ اور تبعیض کو قبول کرے، گو ان کے مذہب کے موافق یقیناً لازم آجاتا ہے، اب جناب کشس کو لازم ہے کہ مثل پادری صاحب مرقوم الصدر کے انصاف فرمادیں۔

---

(۱) اسی لئے مولوی عبدالقادر صاحب اپنے ترجمہ میں یوں ترجمہ کرتے ہیں ''اور روح ہے اس کے یہاں کی'' ۱۲ منہ رحمۃ اللہ۔

فائدہ عظیمہ

(کتب عہد عتیق اور جدید میں روح کے معانی)

روح کا لفظ عہد عتیق اور جدید کی کتابوں کے اندر بہت معنی میں مستعمل ہوا ہے، اور اکثر جگہ انہیں مختلف معانی کے اعتبار سے خدا کی طرف بھی مضاف ہے، اور اس جگہ مختصر طور پر ان معانی کی تشریح کرتا ہوں۔

پہلا معنی

اول ہوا کے معنی میں، جیسا پیدائش کی کتاب کے پہلے باب کے دوسری درس میں، اسی لئے بعضے مترجم یوں ترجمہ کرتے ہیں (نسخہ ۱۸۲۹ء):

''تب پانیوں کی سطح پر خدا کی روح نے پر پھیلائے''۔

(نسخہ ۱۸۴۲ء):

''اور خدا کی روح پانی پر جنبش کرتی تھی''

(نسخہ ۱۸۳۹ء):

''روح خدا بر روئے آب جنبش می نمود''

(نسخہ ۱٦۲۵ء):

"روح الله يرف على المياه"

اور بعضے یوں ترجمہ کرتے ہیں (نسخہ ۱۸۱۱ء):

"رياح الله تهب على وجه المياه" یعنی پانیوں کی سطح پر خدا کی ہوائیں چلتی تھیں''۔

اوراول والوں کے نزدیک خدا کی روح سے خدا کی ذات مرادنہیں ورنہ معنی یوں ہوں گے کہ پانیوں کی سطح پر خدا پر پھیلائے ہوئے تھا یا ہلتا تھا، اوراس لفظ عبری کا ترجمہ جس کا یہاں ترجمہ بعضوں نے ''روح'' کیا اور بعضوں نے ''ریح'' کتاب خروج کے دسویں باب کے تیرہویں اور انیسویں درس میں سب مترجموں نے بالاتفاق ''ریح اور ہوا کیا ہے''

دوسرا معنی

سانس اور دم کے معنی میں، جیسا پیدائش کے چھٹے باب کے سترہویں درس میں ہے،اسی لئے بعضے مترجم یوں ترجمہ کرتے ہیں، (نسخہ ۱۸۲۹ء):

''ہرایک جسم کو جس میں حیات کی روح کی ہے''

(نسخہ ۱۸۴۵ء):

''تمامی بشررا کہ روح حیات دروست''

اور بعضے یوں (نسخہ ۱۸۴۲ء):

''ہرایک جسم کو جس میں زندگی کا دم ہے''

(نسخہ ۱۸۳۹ء):

''ہمہ اجسام را کہ درانہا دم حیاتست''

تیسرا معنی

مطلق نفس ناطقہ انسانی کے معنی میں، جیسا کتاب واعظ کے بارہویں باب کے ساتویں درس میں (نسخہ ۱۸۴۳ء):

''اورروح خدا کے پاس پھر جائے جس نے اسے دیا''

اور ترجمۂ فارسیہ (۱۸۳۸ء و۱۸۴۵ء) اس کے موافق ہیں۔

اور اسی معنی میں کتاب خرقیل کے سینتیسویں باب کے چودھویں درس میں مستعمل ہے اور اس جگہ خدا کی طرف مضاف ہے اور تشریح اس کی دسویں توجیہ میں گذری۔

چوتھا معنی

ایسے نفس ناطقہ انسانی کے معنی میں جو بڑا ہی ادراک والا اور امور غریبہ اور حسنہ کا مصدر ہو، اور اس صورت میں روح مضاف ہوئی اور اس کا مضاف الیہ وہ ہوتا ہے جو متکلم کے اعتقاد میں بہت بڑے رتبے والا ہو اور تشریح اس کی نویں توجیہ میں گذری۔

پانچواں معنی

فیضان الٰہی یا وحی کے معنی میں، جیسا کتاب شمار کے گیارھویں باب کے سترہویں اور پچیسویں درس میں (نسخہ ۱۸۲۹ء):

''۱۷۔ تو میں وہاں اتروں گا، اور تیرے ساتھ باتیں کروں گا، اور میں اس روح میں سے جو تجھ میں ہے، کچھ لے لوں گا، اور ان میں (یعنی ستر بزرگ شخصوں میں) ڈالوں گا الخ۔

۲۵۔ تب یہوواہ بدلی میں ہو کے اترا اور اس سے بولا، اور اس روح میں سے جو اس میں تھی، کچھ لے کے ان ستر بزرگ شخصوں کو دی، چنانچہ جب روح نے ان میں قرار پکڑا تو وہ غیب کی خبر دینے لگے، اور بعد اس کے پھر نہ دی۔

اور یہ جملے ''اور میں اس روح میں سے الخ'' ''اور اس روح میں سے جو اس میں سے تھی۔ الخ''

اور ترجموں میں یوں ہیں (نسخہ ۱۸۴۲ء):

''اور میں اس روح میں سے جو تجھ میں ہے کچھ لے لوں گا'' ''اور اس

روح میں جو اس میں تھی لے کے ان بزرگ ستر شخصوں کو دی''۔

(نسخہ ۱۸۴۵ء):

''واز روحی کہ با تست گرفتہ برایشاں خواہم نہاد واز روحی کہ دروی بود گرفتہ بہفتاد نفر مشائخ نہاد''۔

روح سے اس جگہ فیضان الٰہی مراد ہے، اور اسی معنی میں سموئیل کی دوسری کتاب کے تیسویں باب کے دوسرے درس میں داؤد کے قول کے اندر مستعمل ہے۔

(نسخہ ۱۸۲۹ و ۱۸۴۲ء):

''خدا کی روح مجھ میں بولی، اور اسکا سخن میری زبان پر تھا''۔

اور دوسری کتاب اخبار الایام کے بیسویں باب کے چودھویں درس میں ہے

(نسخہ ۱۸۴۲ء):

''اس پر خداوند کی روح جماعت کے بیچ میں اتر آئی'' الخ۔

اور کتاب خرقیل کے گیارہویں باب کے پانچویں درس میں ہے (نسخہ ۱۸۴۳ء):

''اور خداوند کی روح مجھ پر پڑی، اور مجھے کہا کہ بول خداوند یوں کہا ہے'' الخ۔

اور کتاب اعمال کے آٹھویں باب میں ہے (نسخہ ۱۸۳۹ و ۱۸۴۰ و ۱۸۴۴ و ۱۸۴۶ء):

''جب شمعون نے دیکھا کہ رسولوں کے ہاتھ رکھنے سے روح قدس بخشے جاتی ہے، تو ان کے لئے مال لا کے کہا۔

۲۷۔ تب پطر نے اس سے کہا کہ تیرا مال تیرے ساتھ برباد ہو کہ تو نے گمان کیا کہ خدا کی بخشش دولت سے مول لی جاتی ہے۔

اور یہ جملے ''رسولوں کے ہاتھ الخ، اور خدا کی بخشش'' الخ، اور ترجموں میں یوں ہے، (نسخہ ۱۸۱۶ و ۱۸۲۸ و ۱۸۴۱ و ۱۸۴۲ء):

''کہ بنہادن دست ہائے حواریاں روح القدس دادہ می شود کہ انعام

خدارا ابز رحاصل می توان کرد''۔

دیکھو انجیل (۱) میں بھی اس جگہ روح القدس سے وہی فیضان الٰہی مراد ہے، جس کو جناب پطرس حواری خدا کی بخشش اور خدا کی انعام کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، نہ اقنوم ثالث جو عیسائیوں کے زعم کے موافق عین خدا کا ہے۔

اور کتاب اعمال کے گیارہویں باب کے سترہویں درس اور پندرہویں باب کے آٹھویں درس میں روح القدس کو خدا کی بخشش کہا ہے۔

چھٹا معنی

مقصد اور ارادے کے معنی میں، جیسا اشعیا کی کتاب کے چالیسویں باب کے تیرھویں درس میں (نسخہ ۱۸۴۲ء):

''کس نے خداوند کی روح کو تربیت کیا ہے، اس کا مشیر ہو کے اسے سکھلایا''۔

(نسخہ ۱۸۴۵ء):

''کیست کہ بروح خداوند دلالت نمودہ است ومشیرش کیست کہ اورا تعلیم دادہ باشد''۔

اور اسی طرح کتاب اشعیا کے انیسویں باب کے تیسرے درس میں ہے۔

اور جب روح کا لفظ خدا کی طرف مضاف ہوتا ہے، تو غالباً اس سے پانچویں اور چھٹے معنی مراد ہوتے ہیں۔

(۱) اور اسی معنی سے میکا کی کتاب کے دوسرے باب کے ساتویں درس میں مستعمل ہے، (نسخہ ۱۸۴۳ء) ''کیا خداوند کی روح تنگ ہوئی ہے'' ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ساتواں معنی

قدرت(۱) کے معنی میں، اور تشریح اس کی آٹھویں توجیہ میں گذری۔

آٹھواں معنی

مرضی کے معنی میں، جیسا کتاب زکریا کے چوتھے باب کے چھٹے درس میں (نسخہ ۱۸۴۳ء):

''خداوند کا کلام ہے کہ نہ جبر سے اور زور سے بلکہ میری روح سے''

اور ترجمۂ فارسیہ (مطبوعہ ۱۸۳۸ء و ۱۸۴۵ء) اس کے موافق ہے۔

نواں معنی

علم اور فہم کامل کے معنی میں، جیسا کہ کتاب خروج کے اکتیسویں باب کے تیسرے اور چوتھے درس میں خدائے تعالیٰ کا قول بصلائل بن اُوری کے حق میں یوں منقول ہے، (نسخہ ۱۸۲۹ء):

''۳۔ اور میں نے روح اللہ سے کہ وہ حکمت اور فہمید اور علم ہر کام کا ہے۔

۴۔ خوب بتانے کے لئے ایجاد کرنے میں کاریگری کے، کاریگری سونے کی، اور روپے کی، اور پیتل کی اس کو بھر دیا''۔

اور درس تیسرا دوسرے ترجموں میں یوں ہے (نسخہ ۱۸۴۲ء):

''اور میں نے اس کو روح اللہ سے بھر دیا'' الخ۔

(فارسیہ ۱۸۳۹ء):

''و در عقل و فراست و علم ہر نوع صنعت از روح خدا پر کردہ ام''۔

---

(۱) اور اسی معنی سے میکا کی کتاب کے دوسرے باب کے ساتویں درس میں مستعمل ہے (نسخہ ۱۸۴۳ء) کیا خداوند کی روح تنگ ہوئی ہے'' ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اور اسی کتاب کے پینتیسویں باب کے اکتیسویں درس میں حضرت موسیٰ کا قول یوں ہے، (نسخہ ۱۸۲۹ء):

''اور اس نے (یعنی خداتعالیٰ نے) اسے (یعنی بصلائل بن اوری کو) دانش اور فہم اور فراست اور سب نوع کی صنعتوں میں اپنی روح سے معمور کیا''۔

اور اسی معنی میں کتاب القضاۃ کے تیسرے باب کے دسویں درس، اور چھٹے باب کے چونتیسویں درس، اور سلاطین کے دوسری کتاب کے دوسرے باب کے نویں درس، اور اخبار الایام کی پہلی کتاب کے بارہویں باب کے اٹھارویں درس، اور کتاب امثال کے پہلے باب کے تیئسویں درس، اور کتاب اشعیا کے چوالیسویں باب کے تیسرے درس میں مستعمل ہے۔

دسواں معنی

نیک شخص کے معنی میں، جیسا یوحنا کی انجیل کے تیسرے باب کے چھٹے درس میں ہے، اور تشریح اس کی پانچویں توجیہ کے حاشیہ میں گذری۔

گیارہواں معنی

واعظ کے معنی میں، جیسا یوحنا کے پہلے نامہ کے چوتھے باب میں ہے، اور تشریح اس کی ساتویں توجیہ میں گذری۔

بارہواں معنی

خدا کے معنی میں، جیسا گرنتھیوں کے پہلے نامہ کے دوسرے باب کے گیارہویں درس میں ہے (نسخہ ۱۸۴۴ء):

''خدا کی روح کے سوا خدا کے رازوں کو کوئی نہیں جانتا ہے''۔

تیرہواں معنی

حکم کے معنی میں، جیسا تینتیسویں زبور کے چھٹے درس میں ہے، اسی لئے اکثر مترجم ''منہ کی روح'' کی جگہ ''منہ کے دم'' کو لکھتے ہیں، نسخہ ۱۸۴۱ء:

''یہواہ کے کہنے سے آسمان بنے اوران کے سارے لشکر اس کے منہ کے دم سے''

اور یہ جملہ ''ان کے سارے'' الخ۔

اور ترجموں میں یوں ہے، (نسخہ ۱۸۴۳ء):

''اوران کے سارے لشکر اس کے منہ کے دم سے''۔

(نسخہ ۱۸۳۸ء):

''وہمہ فوج آنہا ازنفس دہانش''۔

(نسخہ ۱۸۴۵ء):

''وتمامی عساکر آنہا بنفس دہانش''

اوراس جگہ روح سے (جیسا بعض ترجموں میں ہے) ''اقنوم ثالث'' مراد لینا صرف مالیخولیا ہے اور بس۔

دوسری وجہ

قول ان کا ''لیکن بعض محمدی'' الخ

اگراس بعض محمدی سے کوئی مفسر مراد ہے، تو محض غلط ہے کیونکہ کسی مفسر سنی یا شیعی نے "روح منه" کو جو سورۂ نساء میں ہے، بمعنی جبرئیل کے نہیں لکھا۔

اور اگر کوئی محمدی فرضی پادری صاحب کے ذہن میں ہے، تو یہ ان کی دیانت ہے اور ہم کو اس سے کچھ کام نہیں۔

تیسری وجہ

قول ان کا ''کیونکہ لفظ منہ کی ضمیر الخ''، شاید پادری صاحب منـــہ کی ضمیر کو متصل نہیں سمجھتے، وگرنہ اتنا کفایت کرتا تھا'' کیونکہ منـــہ کے لفظ کی دوسری آیت میں اور روحنا کے لفظ کی پہلی آیت میں ضمیر متصل صرف کے ضابطے الخ۔

اس لئے کہ دونوں جگہ ضمیر مجرور متصل ہے۔

چوتھی وجہ

قول ان کا ''صرف کے ضابطے کے موافق'' الخ

خدا کے لئے پادری صاحب اور ان کے معتقد بتلاویں کہ وہ کون سا قاعدہ صرف کا ہے، جو تقاضا کرتا ہے کہ ضمیر ''منہ'' خدا کی طرف راجع ہو نہ فرشتے کی طرف، ہم لوگوں نے تو اس علم میں نہ اس کو پڑھا ہے، اور نہ کہیں دیکھا ہے، اور اس سے صاف قلعی پادری صاحب کی کھل گئی کہ انہوں نے فقط نام ہی سن لیا ہے کہ صرف کوئی علم ہے، اور نہیں جانتے کہ اس میں کس چیز سے بحث ہوتی ہے، اور جب حال علم صرف کا یہ ہو تو اور علوم اسلامی میں ان کی مداخلت کا حال بخوبی معلوم، جیسا اس امر کے اول میں پہلے اور دوسرے شاہد کے ذیل میں کچھ کچھ بطور نمونہ کے معلوم ہوا۔

علاوہ اس کے اگر کوئی پادری صاحب کے اس فرضی قاعدے کو مان بھی لے، اور پھر کہے کہ روح سے مراد جبرئیل ہے، تو اس کو رجوع ضمیر کا اللہ تعالیٰ کی طرف کیا منافی ہے، جیسا اس آیت میں "فأرسلنا إليها روحنا" کہ اس میں باوجودیکہ ضمیر متکلم سے اللہ تعالیٰ مراد ہے، روح سے جبرئیل مراد ہے، ہاں سورۂ نساء میں آیت کا سیاق نہیں چاہتا کہ روح سے جبرئیل مراد ہو، نہ کہ رجوع ضمیر کا اللہ کی طرف مانع ہے۔

پانچویں وجہ

پادری صاحب نے اپنی تصنیفات (۱) میں شرح کرنے اور تفسیر بنانے کے کئی قاعدے لکھے ہیں۔

دوسرا قاعدہ ان میں سے یوں ہے:

''چاہئے کہ کتاب کے مطالب کی سلسلہ بندی کی طرف متوجہ ہو کر اگلی اور پچھلی باتوں کی میل کو نہ بگاڑیں، اور جس مطلب کو تفسیر کیا چاہئے، اس کو ان مقاموں کے ساتھ جو اس مطلب سے مناسبت رکھتے ہیں مقابلہ کر کے، اس کے موافق تفسیر کرے۔''

اب دیکھو کہ پادری صاحب مطالب کی سلسلہ بندی کی طرف کیا ہی متوجہ ہوئے ہیں، اور کیا ہی آگے پیچھے کو میل دیا ہے، جو غریب زمخشری اور بیضاوی وغیرہما سے نہ ہو سکا۔

ہاں ''فکر ہر کس بقدر ہمت اوست''۔

وہ پوری آیت یوں ہے۔

"یا أهل الکتاب لاتغلوا في دینکم ولاتقولوا علی اللّٰه إلا الحق إنما المسیح عیسی بن مریم رسول اللّٰه وکلمته ألقاها إلی مریم وروح منه،فآمنوا باللّٰه ورسله ولاتقولواثلٰثة انتهوا خیراً لکم۰ إنما اللّٰه إله واحد سبحانه أن یکون له ولد۰ له مافي السمٰوات وما في الأرض۰ وکفی

---

(۱) میزان الحق کے تیسرے باب کی تیسری فصل میں، اور حل الاشکال کے چوتھے باب میں یہ قاعدے لکھے ہیں، اور اس جگہ عبارت حل الاشکال کے نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۷ء کے صفحہ ۵۱ سے منقول ہوئی ہے ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

بالله وکیلا"۔

یعنی اے کتاب والو(۱)مت مبالغہ کرو(۲)اپنے دین کی بابت میں، اور مت بولو اللہ کے حق میں مگر بات تحقیق، مسیح جو ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا رسول ہے اللہ کا اور اس کا کلام جو ڈال دیا مریم کی طرف اور روح ہے اس کی یہاں کی، سو مانو اللہ کو اور اس کے رسولوں کو، اور مت بتاؤ اس کو تین، یہ بات چھوڑو کہ بھلا ہو(۳) تمہارا، اللہ جو ہے سو ایک معبود ہے(۴)اس لائق نہیں کہ اس کی اولاد ہو(۵)اسی کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے(۶)اور اللہ بس ہے کام بنانے والا(۷)

پس اس آیت میں پہلے لفظ روح منه سے اس قول کے اندر

"یا أهل الکتاب لاتغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی الله الاالحق"۔

(۱) یہ خطاب یہود اور عیسائیوں کو ہے، یہود کو اس لئے کہ وہ مسیح کے گھٹانے میں اور عیسائیوں کو اس لئے کہ ان کے بڑھانے میں حد سے زیادہ مبالغہ کرتے تھے، یا فقط جمہور عیسائیوں کو ہے کہ مسیحؑ کو خدا کہتے تھے، اور خدا کی ذات میں تین اقنوم باوجود امتیاز حقیقی کے ان تینوں میں مانتے تھے، اور تثلیث کو بھی حقیقی جانتے تھے۔۱۲منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۲) کیونکہ یہ عیب ہے اور یوں چاہئے کہ جس شخص کی حق میں اعتقاد نیک ہو اسکی تعریف حد سے بڑھ کر نہ کرو اور اگر اعتقاد بد ہو تو نفسانیت اور حسد سے نفس الامر کے خلاف جھوٹ نہ بولو بلکہ جتنی بات تحقیق ہو اتنی ہی کہو۔۱۲منہ۔

(۳) اس میں تعدد نہیں جو تعدد مانے وہ مشرک ہے۔۱۲منہ۔

(۴) کیونکہ اولاً اولاد کا محتاج وہ ہوتا ہے جو فنا ہو سکے اور اللہ فنا سے پاک ہے، اور ثانیاً، اولاد کو ماں باپ سے مماثلت ہوتی ہے، اور اللہ کے کوئی مثل نہیں۔۱۲منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔=

(۵) کیونکہ سب اس کے مملوک و مخلوق ہیں، اور مملوک اور مخلوق کو مالک اور خالق کے ساتھ مماثلت کہاں، اور اولاد کو چاہئے کہ مماثل ہو،۱۲منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۶) اسے خلیفہ اور وکیل کی حاجت نہیں تا کہ اولاد کا محتاج ہو۔۱۲منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۷) سیل اپنے ترجمہ قرآن میں مقدمہ کے اندر لکھتا ہے کہ فرقہ کولی ری ڈینس حضرت مریم کو بھی خدا جانتا تھا، اور ان کی عبادت ایسی (یعنی خدا کی طرح) کرتا تھا، اور اس آیت کی تحت میں لکھتا ہے کہ شرقی مؤرخوں نے ذکر کیا ہے کہ ایک فرقہ تھا کہ ان کے نزدیک تثلیث بھی تھی: "خدائے تعالیٰ، عیسیٰ، مریم"، لیکن مدت ہوئی کہ وہ فرقہ معدوم ہو گیا ہے۔۱۲منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

عیسائیوں پر اس سبب سے کہ انہوں نے مبالغہ کر کے مسیحؑ کو خدائی کے درجہ میں مانا، صاف سرزنش مذکور ہے، اور بعد اس لفظ کے اس قول کے اندر۔

ولاتقولوا ثلثة ،انتهوا خيرا لكم، إنما الله إله واحد سبحانه أن يكون له ولد" الخ۔

تثلیث اور جناب مسیحؑ کے ابن اللہ کہنے پر کھلم کھلا ملامت ہے، اور صاف لکھا ہوا ہے کہ تثلیث کو چھوڑو کہ تمہارا بھلا ہو، اور اللہ اس لائق نہیں کہ اس کے بیٹا ہو، پھر پادری صاحب اسی آیت کے اندر لفظ ''روح منہ'' سے جو دونوں قولوں کے بیچ میں ہے، مسیح کی الوہیت سمجھتے ہیں۔

سبحان اللہ! کیا ہی تفسیر دانی ہے، سچ تو یوں ہے کہ اگر کسی کتاب کا ایسا شارح فکرِ تمام کے بعد کہے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں تو میں تعجب نہ کروں (۱)۔

مگر بحمد اللہ کہ بعض علماء اسلامیہ کی سرزنش سے پادری صاحب کو بہت ندامت ہوئی، اور ان سے اس اپنے قول رکیک کی کوئی توجیہ نہیں بن پڑی، اور لاچار ہو کر ''مفتاح الاسرار'' کے نئے نسخے میں اس ساری عبارت کو مع کئی اور سطروں کے جو اس کے بعد تھیں اور وہ سطریں بھی بچوں کی ہنسائی کے قابل تھیں، صاف ہضم کر گئے، اور کچھ اور ہی نئی چال چلے۔

---

(۱) اور پادری صاحب کی ہم اس امر میں کیا شکایت کریں، پہلی انجیل کا مؤلف جو بزعم پادری صاحب کے الہام اور نبوت کے مرتبہ میں موسیٰ سے بھی افضل ہے، عہد عتیق کے فقروں کو اکثر ایسا ہی غلط سمجھا ہے، اور پادری صاحب سے زائد الٹ پلٹ حضرت عیسیٰ پر جماتا ہے، اور ان کے ماقبل اور مابعد کو نہیں دیکھتا، چنانچہ انشاء اللہ پہلے سوال کے جواب کے آخر میں اثبات رسالت کی چوتھی وجہ کے اندر نمونے کے طور پر کچھ اس قسم کی باتیں لکھنے میں آویں گی۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

مفتاح الاسرار کی عبارت کا ایک جائزہ

اور وہ یہ ہے کہ سورۂ تحریم اور سورۂ نساء کی دونوں آیتوں کو نقل کرکے یوں لکھتے ہیں، (نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۰ء صفحہ ۳):

''اب دیکھو کہ قرآن کی ان آیتوں میں مذکور ہوا کہ یسوع مسیح نے اور آدمیوں کی طرح تولد نہیں پایا، بلکہ صرف خدا کی قدرت سے بن باپ مریم کے پیٹ سے اس طرح پیدا ہوا کہ خدا نے اپنی روح اس میں پھونک دی، اور یہ بھی مسطور ہوا (لکھا گیا) کہ وہ خدا کی روح اور اس کا کلمہ ہے، پس قرآن میں کون سے نبی کے لئے ایسا ذکر ہوا، اور کس کے حق میں کہا ہے کہ اس کا کلمہ ہے، لہذا قرآن نے بھی مسیح کو سب آدمیوں اور سارے پیغمبروں پر فوقیت دی ہے، اور اس کی الوہیت کے مرتبہ پر اشارہ کیا ہے، اور اگر کوئی کہے درحالیکہ قرآن میں جا بجا مسیح کی الوہیت کا انکار ہے تو کیونکر ہوسکتا ہے کہ ان آیتوں میں محمد نے مسیح کے عالی مرتبہ کا اشارہ کرکے گواہی دی ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مسیحی لوگ اس بات کے بموجب جو لوقا کے پہلے باب کی ۳۵ آیت میں مسیح کے تولد کی بابت مرقوم ہوئی ہے (لکھی ہوئی ہے) اعتقاد رکھتے ہیں کہ یسوع مسیح بے باپ روح القدس سے پیدا ہوا، اور یوحنا کے پہلے باب کے مضمون (کے) بموجب مسیح کو کلمۃ اللہ کہتے ہیں، اور اسی باب میں جو کہا گیا ''وہ کلمہ خدا تھا، اور ہر ایک چیز اسی سے پیدا ہوئی ہے'' تو اس جہت سے کلمۃ اللہ کے لفظ کا اشارہ مسیح کی الوہیت پر ہے، محمد نے مسیحیوں سے یہ عبارت سن کر ان کی خاطر داری کے لئے قرآن میں لکھ دی، اور بغیر جانے بوجھے ہمارے مطلب کی گواہی دی ہے۔

قول ان کا ''صرف خدا کی قدرت سے بن باپ''۔ الخ

کہتا ہوں میں کہ حضرت آدم اور سارے فرشتے صرف خدا کی قدرت سے بن ماں باپ کے پیدا ہوئے ہیں، اور اس باب میں حضرت مسیح سے فائق ہیں، اور اسی طرح ملکی صدق کاہن جو ہم عہد ابراہیم کے تھا بن ماں اور باپ کے پیدا ہوا تھا۔

اور دوسرے درس باب ساتویں نامۂ عبرانیوں میں اس کاہن کے حق میں یوں ہے، (نسخہ ۱۸۴۰ و ۱۸۴۴ء):

''یہ بے ماں و بے باپ و بے نسب جس کی عمر کا اول اور زندگی کا آخر نہیں''۔ الخ

بلکہ اہل کتاب کے نزدیک چونکہ عالم حادث ہے اور اس کی پیدائش سے آج تک کل پانچ ہزار آٹھ سو اٹھاون برس گذرے ہیں، اور پیدکرنے کے وقت اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے جاندار کا، کیا دریائی اور کیا صحرائی اور کیا پرندہ اور کیا درندہ جوڑا جوڑا بے ماں اور بے باپ کے پیدا کیا تھا، پس یہ کروڑوں جاندار بن باپ پیدا ہونے میں حضرت مسیح کے برابر ہیں، اور بن ماں ہونے میں فائق، اور اب بھی ہر برسات کے موسم میں کروڑوں جاندار بن ماں اور باپ کے پیدا ہوجاتے ہیں، اور حضرت حوا حضرت آدم کی بی بی بن ماں کے پیدا ہوئی تھی، پس بن باپ پیدا ہونا کوئی اس کی دلیل نہیں کہ وہ سب سے افضل ہو۔

قول ان کا کہ ''خدا نے اپنی روح اس میں پھونک دی'' الخ

کہتا ہوں میں اسی طرح قرآن میں آدمؑ کے حق میں بھی تین جگہ خدا تعالیٰ نے لفظ "نفخ فيه من روحه" اور "نفخت فيه من روحي" کا فرمایا ہے۔

اور درس چودھویں، باب سینتیسویں کتاب خرقیال میں ہزاروں شخصوں کے حق

میں مثل اس کے کہا ہے، پس اس وصف میں سب مسیح کے برابر ہیں۔

قول ان کا "وہ خدا کی روح"۔

کہتا ہوں میں کہ جبرئیلؑ اور نفس ناطقہ آدمؑ اور نفس ناطقے ان ہزاروں شخصوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح فرمایا ہے۔

قرآن اور کلام عرب میں لفظ "کلمہ" کے اللہ کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں کیا معنی مراد ہوتا ہے؟

قول ان کا:

"اور اس کا کلمہ"

کہتا ہوں میں کہ قرآن کا کیا ذکر بلکہ تمام عرب کی لغت میں کہیں کلمہ بمعنی ذات خدا یا اقنوم علم کے مستعمل نہیں ہوا، اور قرآن میں جہاں کہیں لفظ کلمہ یا کلمات کا خدا کی طرف مضاف ہے مثل "كلمة الله" و"كلمة ربك" و"كلمات ربها" و"كلمتنا" و "كلماته" کے بمعنی کلام خدا یا حکم خدا کے مستعمل ہے، مثلاً سورۂ توبہ کی چالیسویں آیت کے اندر سپارے دسویں کے رکوع بارہویں میں یوں ہے:

"وكلمة الله هي العليا"۔

یعنی اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے۔

اور سپارے آٹھویں کے پہلی رکوع میں سورۂ انعام کی ایک سو پندرہویں (۱۱۵) آیت کے اندر یوں ہے:

"وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا"

"یعنی اور تیرے رب کی بات پوری سچ ہے انصاف کی"۔

اور اسی طرح سپارے نویں کے چھٹے رکوع میں سورۂ اعراف کی آیت ایکسو سینتیسویں (۱۳۷) اور سیپارے گیارہوں کی رکوع نویں میں سورۂ یونس کی آیت

تیتیسویں (۳۳) اور اسی سیپارے کے رکوع پندرہویں میں اسی سورۃ کی آیت چھیانویں اور سپارے چوبیسویں کے رکوع چھٹی میں سورۂ مومن کی آیت چھٹی میں لفظ ''کلمة ربك" کا اسی معنی میں آیا ہے۔

اور سپارہ تیئیسویں کے رکوع نویں سورۂ صافات کے ایک سوا کہترویں (۱۷۱) آیت کے اندر یوں ہے:

''ولقد سبقت كلمتنا لعبادنا المرسلين"

یعنی اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے بندوں کے حق میں جو رسول ہیں۔

اور سپارے ساتویں کی رکوع دسویں میں سورۂ انعام کی چونتیسویں آیت کے اندر، اور سپارے گیارہویں کی رکوع بارہویں سورۂ یونس کی چوسٹھویں (۶۴) آیت کے اندر، اور سپارہ اکیسویں کے رکوع بارہویں میں سورۂ لقمان کی ستائیسویں آیت کے اندر لفظ "کلمات الله" کا، اور سپارے سولہویں کے رکوع تیسرے میں سورۂ کہف کی ایک سونویں (۱۰۹) آیت کے اندر دو جگہ لفظ "کلمات ربی" کا، اور سورۂ تحریم کی بارہویں آیت میں جس کو پادری صاحب نے اپنے دعوی کی سند بنایا ہے، لفظ "کلمات ربنا" کا اور سپارے آٹھویں کے پہلے رکوع میں سورۂ انعام کی ایک سو پندرہویں (۱۱۵) آیت کے اندر، اور سپارے نویں کے رکوع دسویں میں سورۂ اعراف کی آیت ایکسو اٹھانویں (۱۵۸) کے اندر، اور اسی سپارے کی رکوع پندرہویں میں سورۂ انفال کی ساتویں آیت کے اندر، اور سپارے گیارہویں کی رکوع تیرہویں میں سورۂ یونس کی بیاسیویں آیت کے اندر، اور سپارے پندرہویں کے رکوع سولہویں میں سورۂ کہف کی ستائیسویں آیت کے اندر لفظ "کلماته" کا، ساتھ اضافت کلمات کے، طرف ضمیر غائب کی، جو خدا کی طرف راجع ہے، واقع ہوا ہے، اور ان سب جگہوں میں بمعنی

خدا کی باتیں، اور خدا کے احکام کے مستعمل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ لفظ کلمۃ یا کلمات کا جو خدا کی طرف مضاف ہو، تمام قرآن میں کہیں بمعنی ذات خدا یا اقنوم علم کے مستعمل نہیں ہوا(۱) اور اس صورت میں قرآن کی عبارت کے اندر ایسا کچھ خیال جو پادری صاحب نے کیا، مجرد خیال فاسد ہے، اور بس۔

---

(۱) ہاں وہ لفظ جس کا یہ ترجمہ ہے جیسا بمعنی کلمہ کے ہے ویسا ہی بمعنی صنعت علم کے بھی ہے، لیکن باب اول یوحنا میں سب مترجمین نے بمعنی کلمہ کے ہی لیا ہے، آدم کلارک اس کی شرح میں لکھا ہے (نسخہ ۱۸۵۱ء):

''یونانی لفظ لوکس ہے، اور اس کے معنی یہ ہیں لفظ جو بولا گیا، تکلم فصاحت مسئلہ، دلیل، ادراک''۔ ۱۲منہ

کلمۃ اللہ کا اطلاق

حضرت مسیحؑ پر کیوں ہوا؟

اور کلمۃ اللہ کا اطلاق حضرت مسیح پر اس لئے ہے کہ چونکہ وہ بغیر باپ کے خلاف عادت الہیٰ کے صرف اللہ تعالیٰ کے امر سے جو کلمہ "کن" کا ہے، پیدا ہوئے تھے ،تو ان کو ایک نوع کا اختصاص تھا، اور یہودی لوگ اس امر میں شبہ رکھتے تھے، سو اللہ صاحب نے اس اختصاص کے سبب اور اس شبہ کو دفع کرنے کو ان پر اطلاق کلمۃ اللہ کا کیا، وگرنہ سب مخلوق اسی کلمہ سے پیدا ہوئی ہے، اور یہ اطلاق عرب کی لغت میں بہت ہی شائع تھا، جیسا مخلوق پر خلق کا اور مقدور پر قدرت کا، اور مرجو پر رجا کا اور مشتہی پر شہوت کا اطلاق آتا ہے۔

اور عہد عتیق اور جدید کی کتابوں میں بھی کثرت سے لفظ کلمة الله اور کلمة الــــرب کا بمعنی کلام خدا یا حکم خدا کے آیا ہے، زبور تینتیسویں کا درس چھٹا یوں ہے، (ترجمہ عربیہ):

"بكلمة الرب تثبت السموات وبروح فيه جميع جنودها"۔

(فارسیہ ۱۸۴۵ء):

''آسمانہا بکلام خداوند و تمامی عسا کر آنہا بنفس دہانش ساختہ شدند''۔

(ہندیہ ۱۸۴۳ء):

''خداوند کے کلام سے آسمان بنے اور ان کے سارے لشکر اس کے منہ کے دم سے''۔

اور اخبار الایام کی پہلی کتاب کے سترہویں باب کے تیسرے درس میں ہے، (عربیہ):

"فلما كان في تلك الليلة حلت كلمة الله على ناثان النبي"

(فارسیہ ۱۸۳۹ء):

''ودرہمان شب چنیں اتفاق افتاد کہ کلام خداوند بہ ناثان رسید''۔

(ہندیہ ۱۸۴۳ء):

''اور اسی رات ایسا ہوا کہ خدا کا کلام ناتن کو پہنچا''۔

اور کتاب یوسیع کے باب اول میں ہے (عربیہ):

۱۔ "كلمة الرب التي صارت الى هو شع الخ۔

۲۔ بدوكلمه الرب بهو شع كذا وكذا "الخ۔

(ہندیہ ۱۸۴۳ء):

''۱۔ خداوند کا کلام (۱) بیری کے بیٹے ہوسیع پاس پہنچا''

۲۔ خداوند کے کلام کا شروع جو ہوسیع کے وسیلہ سے آیا سو یہ ہے''۔الخ

باب تیسرے لوقا کے درس دوسرے میں ہے، (عربیہ ۱۶۷۱ و ۱۸۲۱ء):

"حلّت كلمة الرب على يوحنا بن زكريا في البرية"

(عربیہ ۱۸۱۶ء):

"أتت كلمة الله إلى يحيىٰ بن زكريا في البرية"۔

(فارسیہ ۱۸۱۶ و ۱۸۲۸ء ۱۸۴۱ء):

---

(۱) اس ترجمہ میں یہ جملہ پہلے درس کے آخر میں ہے، اور اس درس سے یہی جملہ نقل ہوا ہے ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ

''کلام خدا نازل شد بہ یحیٰ ابن زکریا''۔

(ہندیہ ۱۸۴۶ء):

''خدا کا کلام بیابان میں زکریا کے بیٹے یحییٰ کو پہنچا''۔

اردو ترجموں کی غلطی

فائدہ

اس جگہ مترجم اردو (۱۸۴۰ء اور ۱۸۴۴ء): والے سے کھلی غلطی ہوئی ہے، جو یوں ترجمہ کیا ہے:

''خدا کا کلام بیابان میں یحیٰ کے بیٹے زکریا کو پہنچا''۔

دیکھو ان مترجموں نے باپ کو بیٹا اور بیٹے کو باپ بنا دیا۔

باب چوتھے اعمال کے درس اکتیسویں میں ہے (عربیہ مذکورہ):

"وطفقوا يتكلمون بكلمة الله بطمأنينة"۔

(فارسیہ مذکورہ):

''وکلام خدا را بہ جرأت می گفتند''۔

(ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''اور خدا کی بات دلیری سے کہنے لگے''۔

باب چھٹے اعمال میں ہے (عربیہ مذکورہ):

"۲۔ فدعا الاثنا عشر جميع محفل التلاميذ وقالوا ليس بحسن ان نترك نحن كلمة الله ونخدم الموائد۔

۷۔ وكانت كلمة الرب تنتشر "الخ۔

(ہندیہ مذکورہ):

''۲۔تب ان بارہ رسولوں نے سب مریدوں کو بلا کے کہا مناسب نہیں کہ ہم خدا کی بات کو چھوڑ کے میز کی خدمت کریں''۔

''۷۔ اور خدا کی بات پھیل گئی''۔الخ

ترجمہ فارسیہ بھی اس کے موافق تھے۔

باب بارہویں اعمال کا درس چوبیسواں یوں ہے (عربیہ مذکورہ):

"وكلمة الله كانت تذاع وتنشو".

(ہندیہ مذکورہ):

''لیکن خدا کا کلام پھیل کے بڑھ گیا''۔

اور ترجمہ فارسیہ اس کے موافق ہے۔

باب تیرہویں اعمال میں ہے، (عربیہ ۱۶۷۱ء و ۱۸۲۱ء):

"٥۔ فلما انتهيا إلى سالامينا جعلا يبشران بكلمة الله في مجامع اليهود الخ۔

٧۔ وكان يريد أن يسمع كلمة الله۔

٤٤۔ ولما كان (١) السبت الآخر اجتمعت نحو كل المدينة ليسمعوا كلمة الله۔

٤٦۔ فقالا لهم بولس وبرنابا إنه كان ينبغي أن يقول كلمة الله لكم أولاً"۔ الخ

(ہندیہ ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء):

''۵۔ اور سالامی شہر میں پہنچ کے یہودیوں کی عبادت گاہوں میں خدا کے کلام کا وعظ کرنے لگے۔

۷۔ چاہا کہ خدا کا کلام سنے۔

(۱) یہ جملہ آخر میں اس درس کے ہے اور اس درس سے فقط یہی منقول ہوا ہے۔۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۴۴۔ دوسری سبت کے دن کو قریب سارے شہر کی باہم آئے تا کہ خدا کا کلام سنیں۔

۴۶۔ تب پاول اور برنباہ نے دلیری کر کے کہا ضرور تھا کہ خدا کا کلام پہلے تم سے کہا جاتا"۔

اور ترجمہ (فارسیہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء) کا ترجمہ ہندیہ کے موافق ہے، اور درس چھیالیسواں اس میں یوں ہے:

"پولس و برناباس باجرأت گفتند"۔الخ

ترجمہ کی تحریف

اس جگہ کچھ نہ کچھ تحریف ہے، یا تو ہندی مترجموں نے یہ لفظ "دلیری کر کے" اور فارسی مترجموں نے یہ لفظ "باجرأت" تحریف کر کے اپنے طرف سے بڑھا دیا ہے، یا عربی مترجموں نے بہ راہ تحریف گھٹا دیا ہے۔

نامہ اول یوحنا کے باب دوسرے کے درس چودہویں میں یوں ہے (عربیہ):

"كتبت إليكم أيها الشباب إنكم أشداء وكلمة الله حالة فيكم" الخ

(ہندیہ مذکورہ):

اے جوانوں میں نے تمہیں لکھا ہے کہ تم دلیر ہو، اور خدا کی بات تم میں رہتی ہے۔

اور ترجمہ فارسیہ اس کے موافق ہے، اور اسی طرح اور مقاموں میں بھی، اور ان سب جگہوں میں كلمة الله اور كلمة الرب بمعنی کلام خدا مستعمل ہے۔

قول ان کا "لہذا قرآن نے بھی" الخ۔

ان صفتوں کے سبب قرآن سے یہ فضیلت مزعومی پادری صاحب کی ثابت

نہیں ہوتی، بلکہ قرآن تو بن باپ پیدا ہونے میں آدم کو مسیح پر فضیلت دیتا ہے کیوں کہ ان کی ماں بھی نہ تھی، اور نصاریٰ بنی نجران کے جب حضرت ﷺ کے پاس مدینے میں مباحثہ کو آئے تھے، اور انہوں نے جناب مسیح کی الوہیت اور ابن اللہ ہونے پر بن باپ پیدا ہونے سے دلیل پکڑی تھی، تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں سورۂ آلِ عمران کی انسٹھویں آیت میں یوں فرمایا تھا(۱)

"إن مثل عیسی عند الله کمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون"

یعنی عیسیٰ کی مثال (یعنی پیدائشِ عجیب میں حال اس کا) اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی، بنایا اس کو (یعنی آدم کو) مٹی سے، پھر کہا اس کو ہو جا، پس وہ ہو گیا۔

یعنی حال عیسیٰ کو آدم کے حال پر قیاس کرلو، اور جب آدم بن باپ اور بن ماں پیدا ہونے سے ابن اللہ اور اللہ نہ ہوں، تو عیسیٰ فقط بن باپ پیدا ہونے سے کس طرح ابن اللہ اور الٰہ ہو گئے، اور کلمۃ اللہ بمعنی مذکور باعث فضیلت کا سب پیغمبروں پر نہیں ہو سکتا۔

قول ان کا "قرآن میں جا بجا مسیح کی الوہیت کا انکار ہے"۔ الخ

کہتا ہوں میں: انکار کیا بلکہ الوہیت کے ماننے والوں کو کافر کہا ہے، مثلاً سپارے چھٹے کے چودہویں رکوع میں سورۂ مائدہ کے اندر آیت چہتر ویں میں یوں ہے:

---

(۱) مولوی عبد القادر صاحب اس مقام میں حاشیہ بطور فائدے کے یوں لکھتے ہیں: "نصاریٰ اس بات پر حضرت سے بہت جھگڑے کہ عیسیٰ بندہ نہیں، اللہ کا بیٹا ہے، آخر کہنے لگے کہ اگر وہ اللہ کا بیٹا نہیں، تو تم بتادو کس کا بیٹا ہے، اس کے جواب میں یہ آیت اتری کہ آدم کو تو نہ ماں نہ باپ، عیسیٰ کو باپ نہ ہو تو کیا عجب ہے" ۱۲ منہ

"لقد کفر الذین قالوا إن الله هو المسیح ابن مریم"
یعنی بیشک کافر ہوئے (وہ لوگ) جنہوں نے کہا، اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا۔

پھر آیت چہتر ویں یوں ہے:

"لقد کفر الذین قالو إن الله ثالث ثلثة ومامن إله الا إله واحد وإن لم ینتھوا عما یقولون لیمسن الذین کفروا منھم عذاب ألیم"

یعنی بیشک کافر ہوئے (وہ لوگ) جنہوں نے کہا، اللہ ہے تین میں کا ایک، اور بندگی کسی کو نہیں مگر ایک معبود کو، اور اگر نہ چھوڑیں گے جو بات کہتے ہیں (یعنی تثلیث کو) البتہ جو ان میں کافر ہیں پاویں گے دکھ کی مار۔

اسی طرح اور جگہ ہے۔

پس اس قول میں پادری صاحب بہت سچے ہیں، لیکن تقریر اعتراض کی اچھی طرح نہیں کرتے، اور یوں کرنی چاہئے کہ درحالیکہ اسی آیت میں اس قول کے "وکلمة ألقاھا إلی مریم وروح منه" آگے اور پیچھے الوہیت مسیحؑ کے ماننے والوں پر سرزنش مذکور ہے، اور اس آیت کے سوائے بھی تمام قرآن میں جابجا اس الوہیت کا انکار ہے، اور کئی جگہ اس کے ماننے والوں کو اس کے ہی اعتقاد کے سبب کافر کہا ہے، اور عذاب اخروی کے ساتھ وعید فرمائی ہے، اور سارے قرآن میں جہاں "کلمة الله یا کلمة ربك" یا ان کی مثل آیا ہے، وہاں بمعنی کلام خدا اور حکم خدا کے ہے، اور تمام عرب کی لغت میں کہیں کلمہ بمعنی ذاتِ خدا یا اقنومِ علم کے مستعمل نہیں ہوا، اور لفظ روح کا جو خدا کے طرف مضاف ہو، تمام قرآن میں کہیں بھی بمعنی ذات خدا کے نہیں، پس ان صورت میں اس قول سے جناب مسیح کی الوہیت سمجھنی بڑی ہی غلطی اور پرلے درجے کی نادانی ہے۔

قول ان کا ''اور بغیر جانے بوجھے ہمارے مطلب کی گواہی دی'' الخ۔

یہ تو بالکل پوچ (لغو) ہے، کیونکہ پادری صاحب نے قرآن کی ان آیتوں کو بطور دلیل الزامی کے مسلمانوں کے لئے نقل کیا ہے، جیسا کہ اس عبارت منقولہ کی تین سطر بعد فرماتے ہیں۔

''یہ آیات ہم نے صرف محمدیوں کی خاطر داری کے لئے ذکر کئے ہیں اور الزامی میں شرط ہے کہ مخالف کے امر مسلم کے موافق الزام ہو نہ اور طرح سے، اور سب مسلمان قرآن کو وحی الٰہی سمجھتے ہیں کہ جبرئیلؑ کی معرفت سے بوساطت محمد ﷺ بے کم وکاست ہم تک پہنچا، اور ہم اس کے مدلول کو قدیم اور خدا کی صفت جانتے ہیں، اور اس کی نظم عبارت کو جو اس پر دال ہے، صرف خدا کی مخلوق پہچانتے ہیں، اسی لئے ہم اس نظم اور عبارت کو کلام اللہ کہتے ہیں، اور حقیقت میں کلام اللہ اس کا مدلول ہے، اور اس کی نظم اور عبارت کو محمد ﷺ کی تصنیف نہیں کہتے ہیں''۔

پس اس صورت میں پادری صاحب کو چاہئے کہ محمد ﷺ کے لفظ کو اللہ کے لفظ کے ساتھ بدل کے یوں فرماویں کہ اللہ تعالیٰ نے مسیحیوں سے یہ عبارت سن کر ان کی خاطر داری کے لئے قرآن میں نازل کردی، اور بغیر جانے بوجھے ہمارے مطلب کی گواہی دی، اگر اس طرح فرماویں گے تو مسلمانوں پر پورا الزام ہو جائے گا، اور پادری صاحب کی دیانت کا ان کو اعتقاد کامل ہو جائے گا، اور جان لیں گے کہ پادری صاحب جیسا خدا کی وحدت میں عقیدہ کامل رکھتے تھے، ویسا ہی اس کے علم میں بھی عقیدہ کامل رکھتے ہیں، اور اگر مان لیں کہ قرآن محمد ﷺ کی تالیف ہے، تو بھی ان آیتوں کی نقل مسلمانوں کی خاطر داری کے لئے بطور الزام کے بالکل خطا ہے۔

اس لئے کہ پادری صاحب کو خود اقرار ہے کہ محمد ﷺ کی مراد لفظ کلمہ اور روح

سے خدا نہیں، اور سب مسلمان اسی معنی کو مانیں گے، جو ان کے پیغمبر کی مراد ہوں، پس محمد ﷺ کے کلام سے یہ اشارہ سمجھنا ان کے نزدیک غیر مسلم اور بالکل لغو ہے، اور کس طرح لغو نہ ہو، مثلاً اگر میں بطور الزام کے کہوں کہ پادری صاحب نے ہمارے پیغمبر کو بہت جگہ اپنی تصنیفات میں لفظ محمد کے ساتھ تعبیر کیا ہے، اور سپارے بائیسویں کی رکوع دوسری میں سورۂ احزاب کی چالیسویں (۱) آیت کے اندر خدا تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ محمد ﷺ خدا کا رسول اور خاتم النبیین ہے، اور اس کے موافق سب مسلمان بھی عقیدہ رکھتے ہیں، تو پادری صاحب بغیر جانے بوجھے محمد ﷺ کے رسول اللہ اور خاتم النبیین ہونے کی گواہی دیتے ہیں، کیا اس بات پر مسیحی لوگ گرفت نہ کریں گے؟۔

یا کوئی بطور الزام بت پرستوں کو کہے کہ طاسطس نے جو بڑا فاضل بت پرست رومی تھا، حضرت عیسیٰ کے سچے رسول اور مسیح موعود ہونے کی گواہی دی ہے، اس لئے کہ اس نے مسیحیوں کی حقیقت حال کے بیان میں حضرت عیسیٰ کو کرسطوس کے ساتھ تعبیر کیا ہے (۲) اور کرسطوس بموجب درس پچیسویں باب چوتھے یوحنا کے بمعنی مسیح کے ہے، اور حالانکہ وہ بے ایمان اس عیسوی مذہب کو بھی جو اس کے زمانہ میں رائج تھا خراب بتلاتا ہے تو کیا اس قائل پر بت پرست نہ ہنسیں گے۔

یا کوئی بطور الزام یہودیوں کو کہے کہ یہودی منکر اور ہم عہد جناب مسیحؑ کے ان کو یسوع کہتے تھے۔

درس بیالیسویں باب چھٹی یوحنا میں ہے، (فارسیہ ۱۸۴۱ء):

---

(۱) وہ آیت یوں ہے "ماكان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين" یعنی محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں لیکن رسول ہے اللہ کا، اور خاتم النبیین ہے کہ نبوت اس پر ختم ہوئی۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ

(۲) اور اس کے قول کی نقل مقدمے کے پہلے امر کے بیان میں گذری۔ ۱۲ منہ

''گفتند کہ ایا این شخص یسوع پسر یوسف نیست'' الخ

(ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''اور وہ کہتے کیا یہ یسوع یوسف کا بیٹا'' الخ

اور وہ لفظ موافق درس اکیسویں باب پہلے متی کی نجات دینے والے کی معنی میں مستعمل ہے۔

پس وہ بغیر جانے بوجھے گواہی دیتے تھے کہ مسیح نجات دینے والا گناہوں سے ہے، حالانکہ وہ لوگ عیاذاً باللہ جناب مسیح کو جھوٹا اور دغاباز اور کافر بتلاتے تھے، تو کیا یہودی لوگ یہ بات سن کر لغو نہ سمجھیں گے۔

مؤلف میزان الحق کی خدمت میں باتیں

اب بمقتضائے نیاز نیازمندانہ پادری صاحب کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ جب آپ کا حال ایسا ہو کہ دو تین آیتیں قرآن کی جن کو آپ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، اور بارہا ان کو اپنے مسلمان منشی اور دوسرے لوگوں سے پڑھ بھی لیا ہوگا، اور ان پر اعراب بھی دے رکھے تھے، صحیح نہ پڑھ سکتے ہو، اور ایک دو سطر عربی عبارت درست نہ لکھ سکتے ہو، اور یہ بھی نہ جانتے ہو کہ صرف کا علم کیا علم ہے، اور جواب میں آپ چوکڑی بھولتے ہو، تو للہ بمضمون قول مشہور ''چھوٹا منہ بڑی بات'' آپ کشاف اور بیضاوی کو اصلاح نہ دیجئے، اور ایسی چیزوں میں جو آپ واقفیت نہیں رکھتے ٹانگ نہ اڑائیے، وگرنہ بمقتضائے نیاز میرا دل نہیں چاہتا کہ اپنی طرف سے کچھ کہوں۔

اس لئے تثلیث کے عدد متبرک کے موافق آپ کے اور آپ دوستوں کے قول کے مطابق تین باتیں عرض کر دیتا ہوں۔

پہلی بات آپ کے قول کے موافق، اور دوسری بات اس صاحب کے قول

کے موافق جو بموجب آپ کے اعتراف کے بڑا فاضل اور عربی اور فارسی اور اردو زبان سے خوب واقف ہے اور کلکتہ ریویو(۱) سے آپ نے اس کے قول کو نقل کیا ہے، اور آپ نے اور اس صاحب نے وہ قول کشف الاستفسار کے مصنف کے حق میں فرمائے ہیں، اور میں دو باتیں ان قولوں کے مطابق ادنی تغیر کے ساتھ نقل کروں گا۔

اور تیسری بات ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب کا قول ان کے خط مورخہ آٹھویں جولائی ۱۸۵۴ء سے، جو آپ کو دوستانہ انھوں (نے) لکھ کر سمجھایا ہے، بعینہ انہیں کی عبارت سے نقل کر دیتا ہوں، ماننا نہ ماننا آپ کا اختیار ہے۔

پہلی بات

پہلی بات آپ کے قول کے مطابق جو حل الاشکال کے پچاسویں صفحہ(۲) میں درج ہے، یہ ہے:

پادری صاحب جو محمدی علوم سے ناواقف ہیں، اور ان علوم کو نہ کبھی دیکھا، اور نہ پڑھا، یہاں تک کہ نہیں جانتے کہ علم صرف کا جو مبتدیوں کو پڑھایا جاتا ہے، کیا ہے؟ اور ایک دو سطر عربی عبارت کی صحیح نہیں لکھ سکتے، بلکہ لکھنے کا کیا ذکر، صحیح پڑھ بھی نہیں سکتے، گو اس پر اچھی طرح اعراب بھی دے رکھے ہوں، اور قرآن کو کل ہی سے دیکھا

---

(۱) اس کتاب کا نام جو کلکتہ میں تین تین مہینے کے فاصلے سے چھاپی جاتی ہے، اور ہندوستان کے ان حالات کا جو اس عرصہ میں ظہور میں آتے ہیں، اس میں ذکر ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) عبارت اس صفحہ کی یوں ہے: یہ مصنف جو مسیحی علوم سے محض ناواقف ہے، ان کتابوں کو اس نے نہ دیکھا، نہ پڑھا اور انجیل کو صرف کل ہی سے دیکھا ہے، سو بھی تعصب اور نکتہ چینی کی راہ سے، اور نہ خدا سے ہدایت مانگی، نہ کسی مسیحی عالم و فاضل سے انجیل کے معانی پوچھے ہیں، مع ہذا کہتا اور گمان کرتا ہے کہ میں انجیل کے مضمون کو مسیحیوں سے بہتر جانتا ہوں، میں نے ہی درست سمجھ لیا ہے، اور وہ سب خلاف بیان کرتے ہیں، یہ تو عین نادانی اور بیحد مغروری ہے۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی

ہے، سووہ بھی تعصب اور نکتہ چینی کی راہ سے، اور نہ خدا سے ہدایت مانگی، اور نہ کسی محمدی عالم فاضل سے قرآن کے معنی پوچھے، اس کے باوجود گمان کرتے ہیں کہ میں قرآن کے مضمون کو محمدیوں سے بہتر جانتا ہوں، میں نے ہی درست سمجھ لیا ہے، اور سب خلاف بیان کرتے ہیں، یہ تو عین نادانی اور بے حد مغروری ہے۔

دوسری بات

دوسری بات اس صاحب کے قول کے مطابق جو حل الاشکال کے نویں صفحہ(۱) میں منقول ہے، یہ ہے:

شاید پادری صاحب ایسی باتوں سے اپنی ملت میں اور ناواقفوں کے نزدیک کچھ مدت تک اپنے لئے ایک نام پیدا کریں گے، مگر جب معلوم ہوگا کہ یہ بات تعصب اور نادانی سے نکلی ہے تو آخران کی بے اعتباری اور بدنامی کا باعث ہوگی۔

ہماری صلاح یہ ہے کہ اول پادری صاحب اکبرآباد کے مدرسہ میں طالب علمی کر کے زبان عربی اور صرف اور نحو اور معانی اور بیان خوب سیکھیں، اس کے بعد قرآن کی معانی اور بیضاوی اور کشاف کے مطالب سمجھنے کے قابل ہوں گے۔

---

(۱) عبارت اس صفحہ کی یوں ہے:

’’شاید مولوی صاحب ایسی باتوں سے اپنی ملت میں اور ناواقفوں کے نزدیک کچھ مدت تک اپنے لئے ایک نام پیدا کریں مگر جب کہ معلوم وآشکار ہوگا کہ یہ بات تعصب اور نادانی سے نکلی ہے تو آخر اس کی بے اعتباری و بدنامی کا باعث ہوگی، ہماری صلاح یہ ہے کہ مولوی صاحب لکھنؤ کے مارطیز مدرسہ میں طالب علمی کر کے زبان یونانی اور عبرانی خوب سیکھے، بعد اس کے ترجمہ کے باب میں بات کرنیکے قابل ہوگا‘‘۔

یہاں تک عبارت حل الاشکال کی ہے۔

اور دونوں حاشیوں کے ناظر پر مخفی نہیں کہ میں نے عبارت میں الفاظ موافق طریقہ ادب کے لکھے ہیں، اور پادری صاحب اس طریقے سے نہیں لکھتے۔۱۲ منہ رحمۃ اللہ علیہ

تیسری بات

تیسری بات قول ڈاکٹر صاحب کا یوں ہے:

''اب ہم آپ کو بنی نوع ہونے کے سبب کچھ سمجھاتے ہیں، اور امیدوار ہیں کہ آپ اسے مانیں، اور وہ یہ ہے کہ آئندہ کو آپ کسی مسلمان سے ہرگز نہ الجھیں، کیونکہ جب آپ سے جواب نہیں بن پڑتا تو آپ کو آئیں بائیں شائین کہنا ہوتا ہے، اس پر لوگ ہنستے اور کہتے ہیں کہ پادری صاحب خط کا جواب تو نہیں لکھتے بلکہ اپنی نوکری کا کام بجالاتے، اور چاہتے ہیں کہ کمیٹی یہ جانے کہ پادری صاحب ایک کام میں لگے ہوئے ہیں، مبادا تنخواہ میں خلل آوے، اور ایسا نہ ہو کہ جیسا کلیسہ لوتھریں سے چرچ آف انگلینڈ میں داخل ہونا پڑا ویسا ہی کہیں رومن کا تھلک کی طرف بھی التجا کرنی پڑے، لہذا آپ کو مناسب ہے کہ اپنی قوم کے لوگوں کو کلیسوں میں جمع کر کے وعظ اور نصیحت کیا کریں، اور کسی طرف طعن اور تشنیع سے پیش نہ آئیں، آگے آپ مختار ہیں جیسا چاہیں ویسا کریں، ہم نے جو حق تھا سو کہہ دیا، کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ لوگ آپ کو ایسا سمجھیں، گو حقیقت میں آپ کیسے ہی ہوں''(۱)۔

اب جو مقدمہ کی تحریر سے فراغت ہوئی، جواب کے تحریر میں مشغول ہوتا ہوں، اللہ اپنی عنایت کامل سے حق ظاہر کراوے اور اپنے روح القدس کی تائید فرماوے، اور ہمارے قلم اور زبان کو خطا اور غلطی سے بچاوے۔

ربّنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وأنت خیر الفاتحین(۲)۔

---

(۱) یہاں تک ڈاکٹر صاحب کا قول ہے، اور حق یہ ہے کہ انہوں نے دوستانہ بہت کچھ سمجھا دیا۔۱۲ منہ''

(۲) یعنی اے رب ہمارے فیصلہ کر ہمارے اور ہماری قوم کی بیچ میں انصاف کا، اور تو ہے بہتر فیصلہ کرنیوالا۔۱۲ منہ''

پہلا سوال

اور

اس کا جواب

معجزات محمدی کس طور سے ثابت ہوں گے؟ آیا قرآن شریف سے، یا اور کتب سے؟

جواب

معجزات محمدی قرآن شریف اور حدیث کی کتابوں سے ثابت ہیں لیکن قرآن شریف سے بعض تفصیلاً اور کل اجمالاً، اور حدیث کی کتابوں سے سب تفصیلاً اور قرآن کے ان مقامات میں سے جن میں ذکر تفصیلی ہے، طوالت کا خوف کر کے بعض کو ذکر کرتا ہوں:

قرآن میں معجزاتِ محمدی کا ذکر

اول معراج نبوی

اول یہ کہ پندرھویں سپارے کے پہلے رکوع میں پہلی آیت سورۂ بنی اسرائیل کی یوں ہے:

"سبحان الذی أسریٰ بعبده لیلاً من المسجد الحرام

إلى المسجد الأقصى الذي باركنا حوله لنريه من اٰياتنا۔"

یعنی پاک ذات ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات ادب والی مسجد سے (یعنی بیت اللہ سے) پرلے مسجد تک (یعنی بیت المقدس تک) جس میں ہم نے خوبیاں رکھی ہیں کہ دکھا دیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے۔

اللہ صاحب نے بیت المقدس تک لے جانے کا حال تو معراج کی رات میں یہاں بیان فرمایا ہے، اور آسمانوں تک لے جانے کا حال سورۂ نجم کے اندر ذکر کیا ہے، اور صحیح حدیثوں میں تو یہ حال بہت ہی صاف صاف بیان ہوا ہے، لیکن سورۂ نجم کی وہ آیتیں جن میں یہ حال درج ہے تفسیر طلب زیادہ ہیں، اور ان حدیثوں کے لکھنے میں طول ہوتا ہے، تو ان کو ہم نہیں لکھتے، جس کو منظور ہو تفسیروں اور حدیث کی کتابوں میں دیکھ لے، اور تھوڑا سا تفصیلی حال اس کا حدیث اور تفاسیر کی صحیح روایتوں کے موافق یوں ہے کہ:

مکے میں ہجرت سے پہلے حضرت ﷺ کو معراج ہوئی، اور صبح کو جب مکے والوں سے کہا، منکر لوگ جھٹلانے لگے، اور ایک رات میں بیت المقدس تک جانے اور الٹا پھر آنے کو غیر ممکن بتلانے لگے، آخر کو ایک گروہ نے جو تجارت کے لئے شام کے ملک کو جایا کرتا تھا، اور اس ملک کے احوال سے خوب واقف تھا، اور یہ بھی جانتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بذات خود بیت المقدس تک نہیں گئے، وہاں کی نشان اور پتے پوچھے، حضرت ﷺ نے سب بتلائے، سن کر بولا: پتے تو سب سچے ہیں، پھر پوچھا ہمارا قافلہ اس طرف سے آنے والا ہے، راہ میں تم نے دیکھا ہوگا، اس کا حال بیان کیجئے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"البتہ میں نے اس کو دیکھا ہے، کل کی رات فلانے منزل میں تھا، اور

ایک اونٹ اس کا فلانے جگہ بھاگا تھا، اور فلانے شخص نے اس کو پکڑا تھا، اور سب اونٹوں کے آگے ایک اونٹ تھا جس کا رنگ کالا اور سپید ہے اور فلانے دن وہ قافلہ یہاں آئے گا، اور ایسا ہی ہوا کہ جس دن فرمایا تھا، اسی دن وہ قافلہ مکے میں پہنچا، اور منکروں نے قافلے والوں سے سب باتیں پوچھیں انہوں نے سب کی تصدیق کی"۔

معراج میں استحالہ نقلی نہ ہونے کا بیان

اور معراج میں کوئی استحالہ نہیں، نہ نقلاً اور نہ عقلاً، نقلاً اس لئے کہ ایک رات میں اتنی بڑی مسافت کا قطع کرنا ظاہر میں مستبعد اور عادت کے رو سے محال معلوم ہوتا ہے، اور محال بالذات نہیں، اور سب معجزوں کی حقیقت ایسی ہی (۱) ہوتی ہے۔

اور مسئلہ امتناع خرق اور التیام آسمان (آسمان کا پھٹنا اور مل جانا) کا اہل شرائع کے نزدیک باطل ہے، اور یہودی اور عیسائی سب اس کے جواز پر متفق ہیں۔

کتاب پیدائش کے پانچویں باب کے چوبیسویں درس میں خنوخ پیغمبر کے حال میں جو مسیح سے تین ہزار تین سو بیاسی برس پیشتر ہوئے ہیں، یوں لکھا ہوا ہے (نسخہ ۱۸۲۲ء و ۱۸۲۹ء):

"اور وہ نہ ملا، اس لئے کہ خدا نے اسے لے لیا"

اور رسالہ "طریق الاول" میں جو پادری ولیم اسمٹ کی تصنیف ہے، خنوخ پیغمبر کے حال میں یوں مرقوم ہے:

"خدا اسے زندہ آسمان پر لے گیا"۔

چنانچہ لکھا ہے کہ:

"وہ نہ ملا کیونکہ خدا نے اسے زندہ اٹھالیا تاکہ وہ موت کو نہ دیکھے، بدون

---

(۱) نہیں تو اگر عادت کے موافق ہوں تو کون ان کو معجزہ سمجھے۔

بیماری اور درد اور بغیر کسی طرح کے رنج وموت کے وہ دنیا کو چھوڑ کر جسم کے ساتھ آسمان کی بادشاہت میں داخل ہوا"۔

اور دوسری کتاب سلاطین کے دوسرے باب میں ایلیا پیغمبر کے عروج کا حال یوں مرقوم ہے (ہندیہ ۱۸۲۹ء):

"۱۔ اور یوں ہوا کہ جب یہواہ نے چاہا کہ ایلیا کو ایک بگھولے میں اڑا کے آسمان پر لے جاوے تب ایلیا الیسع جلجال سے چلا۔

۱۱۔ اور ایسا ہوا کہ جوں ہی وے (وہ) دونوں ٹہلتے باتیں کرتے چلے جاتے تھے تو دیکھ کر ایک آتشی گاڑی اور آتشی گھوڑے ان دونوں میں حائل ہو گئے اور ایلیا بگھولے میں ہو کر آسمان پر جاتا رہا"۔

اور درس ۳۱ باب ۳ متی، اور درس ۱۰ باب ۱ ایک مرقس، اور درس ۲۱ و ۲۲ باب ۳ لوقا میں روح القدس کے نزول کا حال یوں مرقوم ہے، جو متی کی عبارت سے لکھا جاتا ہے (ہندیہ ۱۸۴۱ء):

"اور یسوع جب اصطباغ پا چکا تو فی الفور پانی سے نکل کر اوپر آیا، اور ناگاہ اس پر آسمان کے دروازے کھل گئے"۔ الخ

اور جملہ اخیرہ اور ترجموں میں یوں ہے، ہندیہ ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۴ء:

"اور یکا یک اس پر آسمان کھل گیا"۔

(فارسیہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء، ۱۸۴۱ء):

"کہ ناگاہ آسمان از بہر وے شگافتہ شد"۔

اور درس ۱۹ باب ۱۶ امرقس، اور درس ۵۱ باب ۲۴ لوقا میں عروجِ مسیحؑ کا حال یوں مرقوم ہے، جو مرقس کی عبارت سے لکھا جاتا ہے (ہندیہ ۱۸۴۱ء):

"خداوند انہیں یہ فرما کے آسمان پر چڑھ گیا، اور خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھا"۔

اور جناب پولوس اپنے دوسرے نامہ گرنتھیوں کے باب بارہویں میں اپنی معراج کا حال یوں لکھتے ہیں (ہندیہ ۱۸۴۱ء):

''۱۔ بے شبہ مجھے لائق نہیں کہ اپنا فخر کروں کہ میں خداوند کے خیالوں اور وحیوں کو بیان کیا چاہتا ہوں''۔

۲۔ میں جانتا ہوں کہ ایک آدمی مسیح میں ہو کے چودہ برس گذرے ہوں گے یا تو بدن کے ساتھ کہ مجھے اس کا علم نہیں یا بغیر بدن کے کہ مجھے اس کا بھی علم نہیں، پھر خدا کو معلوم ہے تیسرے آسمان تک ناگاہ (اچانک) پہنچایا گیا''۔

۳۔ اور میں جانتا ہوں کہ وہ آدمی یا بدن کے ساتھ یا بدن کے بغیر کہ مجھے معلوم نہیں پر خدا کو معلوم ہے فردوس تک ناگاہ (اچانک) پہنچایا گیا''۔

۴۔ اور اس نے وہ باتیں سنی جو کہنے کی نہیں، اور جن کو بولنا بشر کا مقدور نہیں''۔

اور ترجمہ ہندیہ (۱۸۱۴ء و ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۴ء) اور ترجمہ فارسیہ (۱۸۴۱ء) اور ترجمہ عربیہ (۱۶۷۱ء و ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۱ء) سب کے سب اس امر میں موافق ہیں کہ دوسرے درس کے اندر چودہ برس مرقوم ہیں اور یہی صحیح ہے، اور ترجمہ انگریزی مہری اس کے موافق ہے، لیکن ترجمہ فارسیہ (۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۲ء) میں یوں ہے:

''مردے را در مسیح می شناسم کہ دوازدہ سال پیش ازین الخ''

ترجمے کی غلطی

اور یہ غلط ہے اور اس میں سہواً یا قصداً لفظ ''دوازدہ'' کا لفظ ''چہاردہ'' کی جگہ لکھا گیا۔

بہر حال ان عبارتوں میں عروج حضرت خنوخ، اور ایلیا کا آسمان پر، اور کھل جانا آسمان کے دروازوں کا حضرت مسیح کے لئے، اور عروج جناب مسیح کا آسمان پر، اور

عروج کے بعد خدا کے دائیں ہاتھ بیٹھ جانا، اور جناب پولوس کی معراج تیسرے آسمان اور فردوس تک، اوران کا ایسی باتوں کا جو کہنے کے قابل نہیں بلکہ کہنا ان کا بھی قدرت بشری سے خارج ہے، سننا صاف صاف بیان ہوا ہے اور خنوخ اور ایلیا کے عروج کو تو سب یہودی اور عیسائی بالاتفاق اور باقی حالات کو سب عیسائی مانتے ہیں، پس باعتبار نقل کے معراج میں کچھ استحالہ نہیں۔

کلارک اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۵۱ء میں درس ۱۱ باب ۲ کتاب ۲ سلاطین کے ذیل میں لکھتا ہے:

''یقیناً ایلیا آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے''

معراج عقلاً محال نہیں

اور عقلاً اس لئے کہ ارسطو کے تابعین کی دلیلیں خرق اور التیام کے امتناع پر سب مخدوش اور مردود ہیں، جس کا جی چاہے حکمت کی کتابوں میں دیکھ لے (۱)، البتہ حکماء فرنگ کے متبعین عیسائی مذہب کو جو (چونکہ) ان کے نزدیک علم ہیئت فیساغورسی کا مختار ہے، مشکل ہے، اس لئے کہ اس کے موافق آسمان ہی کا وجود نہیں تو پھر ایلیا اور مسیح علیہما السلام کا عروج آسمان پر، اور بعد عروج کے جناب مسیح کا دائیں ہاتھ خدا کے بیٹھنا، اور جناب پولوس کی معراج آسمان سوم اور فردوس تک کس طرح متصور ہو۔

پس اس مختار کے موافق چاہئے کہ عیسائی ان حالات کا انکار کریں یا اس

---

(۱) اور اگر تسلیم بھی کی جاویں تو وہ بھی دلیلیں فلک اعظم (یعنی عرش) میں جاری ہیں، نہ اور افلاک میں اور دوسرے افلاک میں بطور قیاس کے کہتے ہیں اور یہ قیاس ان کا بلا دلیل کون مانے گا، صدر شیرازی بدایۃ الحکمۃ کی شرح میں بساطتِ فلک کے فصل کے آخر میں یوں لکھتا ہے "هـذا الحكم و أمثاله المذكورة في الفصول الآتية من أحكام محدد الزمان والمكان لكنهم يعممونها في غيره بالحدس" ۱۲ منہ

ہیئت کو چھوڑیں، اور جھوٹا جانیں ،اور بعض پادری جو انصاف کی آنکھ بند کر کے حضرت ﷺ کی معراج کے مقدمے میں جاہلوں کو دھوکا دیا کرتے ہیں اور اس کے بطلان کی دلیل امتناعِ خرق والتیام آسمان کا زبان پر لایا کرتے ہیں، تو وہ حقیقت میں ہماری مخالفت کے لئے قول مشہور کے موافق ''سوکن کی بدشگنی (بدشگونی) کو اپنی ناک کٹائی'' درپردہ ان سب حالات (۱) مذکورۂ بالا کا انکار کرتے ہیں، اور کوئی انصاف ان لوگوں کا دیکھے کہ خود تو پولوس کی معراج کو (جو حقیقت میں نہ حواری ہے ،اور نہ رتبہ مثل پطرس حواری کے رکھتا ہے، جناب مسیحؑ کا تو کیا ذکر) واجب الاعتقاد سمجھیں ،اور ممکن مانیں ، اور یہاں امتناع خرق اور التیام کی دلیل ان کو یاد نہ آوے،اور مسلمان جو حضرت ﷺ کو حضرت مسیح سے بھی افضل جانتے ہیں، جناب پولوس کا کیا ذکر، اگر ان کی معراج کا اعتقاد رکھیں، تو اس اعتقاد میں ان پادریوں کے نزدیک بے وقوف ٹھہریں، اور ان کو اس وقت وہ دلیل امتناع والی یاد آئے، مناسب اس جگہ دو حکایتیں ہیں۔

پہلی حکایت

جواد بن ساباط اپنی کتاب کے دوسرے مقالہ کی سولہویں برہان میں لکھتا ہے کہ:

''کشیس کیاروس نے ایک بار مترجمین کے روبرو مجھ سے پوچھا کہ مسلمان لوگ محمد کی معراج میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں، میں نے کہا کہ مکے سے یروشلم تک اور وہاں سے آسمان تک معراج کے معتقد ہیں، سن کر بولا کہ ممکن نہیں کہ بدن آسمان پر جاسکے، میں نے کہا کہ میں نے بعضے اہل اسلام سے پوچھا تھا، اس نے جواب دیا کہ ہاں ممکن ہے، جیسا عیسیٰؑ کے بدن کے لئے ممکن ہوا، بولا

(۱) یعنی ایلیا اور مسیح علیہما السلام کا عروج اور کھلنے دروازہ آسمان کو جناب مسیح کے لئے اور بیٹھنا جناب مسیح کا بعد عروج کے دائیں ہاتھ خدا کی اور جناب پولوس کی معراج۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی

کہ اس پر تو نے خرق اور التیامِ آسمان کی دلیل کیوں نہ پیش کی؟ میں نے کہا پیش کی تھی، اس نے جواب دیا کہ خرق اور التیام بھی محمد کے لئے ایسا ہی ممکن ہے جیسا جناب مسیح کے لئے ممکن ہوا، بولا کیوں تو نے نہ کہا کہ عیسیٰ تو خدا ہے، اور اپنی مخلوقات میں جو چاہے سو کرے، میں نے کہا یوں بھی کہا تھا، اس نے کہا کہ خدائی عیسیٰ کی باطل ہے، کیونکہ خدا پر حدوث اور عجز کی علامات مثل مار کھانے اور سولی پانے، اور مر جانے، اور دفن ہونے کی نہیں پائی جاتی''۔

کہتا ہوں میں کہ اولاً کوئی جناب کشیس کی اس تقریر کو دیکھے کہ کیا ہی ملمع کی ہوئی ہے۔

اور ثانیاً جب انہوں نے مانا کہ خدا قدرت رکھتا ہے کہ اپنی مخلوقات میں جو چاہے سو کرے، تو پوچھا جاتا ہے کہ وہ قدرت فقط حضرت عیسیٰ ہی کے بدن کیلئے تھی اور بس، یا اور کے لئے بھی ہوسکتی ہے، پہلی صورت میں حضرت خنوخ اور حضرت ایلیا کے خروج، اور جناب پولوس کی معراج کا بھی انکار لازم آوے گا، اور اس عیسائیوں کے خدا کا عجز ثابت ہوگا کہ ایک امر میں بہ نسبت بعضے شخص کے بعض وقت میں قدرت رکھتا ہے، اور بہ نسبت اور اشخاص اور اوقات کے قدرت نہیں رکھتا، اور دوسری صورت میں ایسے قول سے توبہ کرنی چاہیے۔

دوسری حکایت

ایک دوست معتبر نے نقل کیا کہ بنارس میں ایک میلے کے اندر ایک پادری صاحب گواروں کو سمجھاتے تھے کہ:

''اے مسلمانوں! معراج تو ایک بڑی ہی بات بعید عقل سے ہے، تم کیسا اعتقاد اس کا رکھتے ہو''

ایک کایتھ بھی وہاں کھڑا تھا، اس نے کہا کہ:

''پادری صاحب یہ امر تو کچھ کنواری عورت کے بے شوہر حاملہ ہونے سے زیادہ بعید نہیں، اور اگر مطلق امر بعید کاذب ہوتا ہے، تو یہ بطریق اولی کاذب ہوگا''

پادری جی یہ سن کر چپ رہے، اور بغلیں جھانکنے لگے۔

کہتا ہوں میں کہ اولاً اگر معراج پر اعتراض وارد ہوتا ہے تو مشترک الورود ہے۔

اور ثانیاً تثلیث فی التوحید (توحید میں تثلیث) اور توحید فی التثلیث (تثلیث میں توحید) سے بڑھ کر کوئی امر مستبعد نہیں، استبعاد عقلی کو وہاں کیوں نہیں کار فرماتے، مگر ایسے امور کی ہم کیا شکایت کریں، کیوں کہ جب آدمی خدا سے نہیں ڈرتا جو چاہتا ہے سو بکتا ہے، دیکھو ان کے ان ہموطنیوں کو جو عیسائی مذہب کو قبیح سمجھ کر اس سے پھر گئے ہیں کہ اس مذہب کی باتوں پر کیا کیا تمسخر کرتے ہیں، اور صدہا کتابیں اس باب میں انہوں نے لکھ ڈالی ہیں کہ ہم کو ان کے اقوال بھی نقل کرتے شرم آتی ہے، اور انشاء اللہ تعالیٰ محض بطور الزام کے شق القمر کے معجزے کے بیان میں، اور اسی طرح اور جگہ بعض اقوال ان کے ساری جگہ نقل کریں گے۔

فائدہ: مسلمانوں کے نزدیک مسجد کسے کہتے ہیں؟

ایک بات جان لینے کے قابل ہے کہ ہمارے مذہب میں مسجد اس مکان کا نام ہے، جو اذنِ عام دے کر عبادت کے لئے وقف کیا گیا، در اور دیوار اور محراب اس کے باقی ہوں، یا نہ ہوں۔

پس اگر عیاذاً باللہ کوئی شقی اس کے در اور دیوار کو گرادے، یا خود گر جاویں، تو وہ مکان مسجد بننے سے نہیں نکلتا، اور کسی کو اس پر تصرف کرنا، یا اپنی ملک بنا لینا درست نہیں

ہوتا، اور اس مکان پر مسجد کا اطلاق صحیح ہے، اور بیت المقدس کے تینوں حالات یعنی اس کی پہلی خرابی بخت نصر کے ہاتھ سے، اور پھر اس کی آبادی فارس کے بادشاہ کے ہاتھ سے، اور پھر دوسری اس کی خرابی رومیوں کے ہاتھ سے، جن کا افسر طیطوس شاہزادہ تھا، پندرہویں سیپارے کی پہلے رکوع میں سورۂ بنی اسرائیل کی آیت پانچویں سے ساتویں تک لکھے ہوئے ہیں، گو خراب کرنے والے اور بنانے والے کا نام مذکور نہیں، اور دوسری خرابی کا ذکر تو سیپارے اول کے چودہویں رکوع میں آیت ۱۱۴ سورۂ بقر کے اندر بھی آیا ہے، لیکن اس جگہ بھی نام خراب کرنے والوں کا لکھا ہوا نہیں۔

عہد فاروقی میں فتحِ یروشلم

اور کتب اسلامی میں لکھا ہوا ہے کہ بیت المقدس کی مسجد اس زمانہ تک کہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں یروشلم کو فتح کیا ویران تھی، اور فتح کے بعد حضرت عمرؓ مع اور اصحاب کے وہاں تشریف لے گئے، اور اس مکان مقدس کو کہ حضرات عیسائیوں نے دشمنی کے سبب نجاستوں سے آلودہ کر رکھا تھا خوب صفا (صاف) کر اکے اور دھلوا کے اور معطر کرا کے محلّ عبادت بنایا، اور یہ ماجرا ایسا ظاہر ہے کہ علمائے عیسائی مذہب بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے، اس جگہ طامس نیوٹن کی کتاب سے جو پیشین گوئیوں کی شرح ہے، اور ۱۸۰۳ء میں لندن کے اندر چھپی ہے، اس ماجرے کو نقل کرتا ہوں، تا کہ عیسائیوں کے نزدیک اعتبار کے لائق ہو، اس شرح کی دوسری جلد کے صفحہ ۶۳ و ۶۴ میں ہے۔

''عمرؓ دوسرا خلیفہ تھا، ایک نہایت تیز فتح کرنے والوں (میں) سے، جس نے تمام روئے زمین پر خرابی پھیلائی اس کی خلافت کل ساڑھے دس برس رہی، اور اس مدت میں اس نے تمام عربستان اور ملک شام اور ایران اور مصر وغیرہ دبا

لیا، اور اس کی فوج نے یروشلم کا محاصرہ کیا، اور وہاں خود آیا، اور عیسائیوں نے طول محاصرہ سے نہایت تنگ ہو کر ۶۳۷ء میں صلح کر کے شہر سونپ دیا، اس نے انہیں عزت دار شرطیں بخشیں، اور کوئی کلیسہ ان کا نہ چھینا، بلکہ وہاں کے اسقف سے بڑے حلم کے ساتھ ایک جگہ مسجد بنانے کے لئے طلب کی، اسقف نے اس کو یعقوبؑ کا پتھر اور ہیکل سلیمانؑ کی جگہ جو ان دنوں اس جگہ کو عیسائیوں نے یہودیوں کی دشمنی سے بعد گوبر سے بھر دیا تھا دکھلائی، عمرؓ نے اس جگہ کو آپ صاف کرنا شروع کیا، اور اس خدا پرستی کے کام میں اس کے لشکر کے بڑے بڑے افسروں نے پیروی کی، اور یہی مسجد ہے، جو اول یروشلم میں بنی، اور عمرؓ کو موافق تصریح بعض مؤرخوں (۱) کی اسی مسجد میں ایک غلام نے صبح کی نماز میں مار ڈالا، اور عبدالملک بن مروان نے جو بارہواں خلیفہ تھا، اس مسجد کو بڑھایا۔

اس عبارت میں کئی باتیں غور کے قابل ہیں۔

پہلی بات

اول یہ کہ سب مانتے ہیں کہ عمرؓ کو بہت ہی بڑا پاس اسلام کے مذہب کا تھا، اور اسلام کے مخالف ان کے برابر اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی کو متعصب اور شدید نہیں جانتے، اور یہ جہاد بھی ان کے بہت بڑے جہادوں میں سے گنا جاتا ہے۔

تو اب دیکھو کہ ایسے بڑے جہاد میں ایسے بڑے حامی اسلام نے اس مخالف کی تحریر کے موافق عیسائیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا کہ انہیں عزت دار شرطیں بخشیں، اور کوئی کلیسا ان کا نہ چھینا، اور باوجود اس بڑے تسلط کے ان پر بعد اطاعت کے کچھ ذرا بھی زبردستی نہ کی، اس حد تک کہ بغیر ان کی اجازت کے روا نہ رکھا کہ مسجد بھی بنوا دیں، بلکہ بڑے حلم سے اسقف سے ایک جگہ مسجد کے لئے طلب کی، اور جب حال عمرؓ کا اس

(۱) یہ تحریر بعضے مورخوں کی بالکل غلط ہے کیوں کہ حضرت عمرؓ کی شہادت مدینہ منورہ میں ظہور میں آئی۔ ۱۲ منہ

بڑے جہاد میں یہ ہو تو اور اصحاب اور جہادوں کا حال اس پر قیاس کرلو۔

اور حال عیسائیوں کا جہاد مقدس میں سنئے کہ انہوں نے یروشلم کی فتح کے بعد مسلمانوں اور ان کے عبادت خانوں اور فرقوں کے ساتھ کیا کیا، وہی طامس نیوٹن اسی دوسری جلد کے ۶۵ صفحہ میں لکھتا ہے:

''اورشلم (یروشلم) کو پانچ ہفتہ کے محاصرہ کے بعد حملہ کر کے پندرہویں جولائی ۱۰۹۹ء میں لے لیا اور عیسائیوں کے سوا اوروں کو قتل کیا، اور ستر ہزار سے زائد مسلمانوں کو مارا اور تمام یہودیوں کو ایک جا اکھٹا کر کے جلا دیا، اور مسجدوں میں بیش قیمت لوٹ پائی''۔

اور ڈاکٹر ٹیلر اپنی تاریخ کی دوسری جلد کے سترہویں باب کی پہلی فصل میں لکھتا ہے:

''اور جہاد والوں نے ان کا (یعنی ترکوں کا) تعاقب یروشلم تک کیا، اور چھ ہفتے کے محاصرہ کے بعد ہلے سے شہر کو لے لیا، اور بڑے سے ظلم وستم سے وہاں کے سب محمدیوں اور یہود کو مقتول کیا، یہ واقعہ ۱۰۹۹ سن مسیحی میں ہوا''

دوسری بات

دوسری یہ کہ طامس نیوٹن کی تحریر کے موافق سلف کے مسیحی کیا ہی دیانتدار تھے کہ انہوں نے یہودیوں کی دشمنی کے سبب سے ہیکل سلیمانی کی جگہ کو لید گوبر سے بھر رکھا تھا(۱) اسی لئے کتب اسلامی میں ان کے اس فعل بد کی شکایت لکھی ہوئی ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب اپنے ترجمہ کے حاشیہ میں سورۂ بقر کی آیت ۱۱۴ کے مقابل بطور فائدہ کے یوں لکھتے ہیں:

''جب نصاری نے غلبہ پایا تو مسجد بیت المقدس کو ویران کیا، اور یہود کی مسجدیں اجاڑیں، یہود کی ضد سے یہ کیا انصاف ہے کہ آدمیوں کی ضد سے اللہ کی

(۱) پس ایسے لوگ جو تحریف کتاب اللہ میں کریں تو ان کی دیانت سے کچھ بھی بعید نہیں ۔۱۲منہ''

مسجدیں ویران کریں"۔

اور حال سلف کے مسلمانوں کا قابل دیکھنے کے ہے کہ ان کا خود خلیفہ اور امیر المؤمنین کس ادب سے پیش آیا، اور اس خدا پرستی کے کام میں اس کے لشکر کے سب بڑے بڑے افسروں نے پیروی کی۔

تیسری بات

تیسری یہ کہ طامس نیوٹن (Tamis Newton) کی تحریر کے موافق ہیکل سلیمانی کی جگہ حضرت عمرؓ ہی نے مسجد بنوائی تھی، اور ان کے بعد عبدالملک بن مروان نے اس مسجد کو بڑھایا ہے اور وہ مسجد آج تک کہ عرصہ قریب ساڑھے بارہ سو برس کے گذرا ہے، موجود(۱) ہے۔

"تحقیق دین حق" کے اعتراض کا جواب

اب معلوم ہوا کہ جو کچھ "تحقیق دین حق" والا اس آیت اول سورۂ بنی اسرائیل کی نسبت ہذیان سرائی کرتا ہے، تحقیق سے عاری ہے، اور عبارت اس کی یوں ہے (نسخہ ۱۸۴۶ء صفحہ ۳۸):

"تواریخ سے بخوبی ثابت ہے کہ یروشلم کی ہیکل وہ تھی جس کو رومیوں نے محمد ﷺ سے چھ سو برس پیشتر نیست کر ڈالا، اس طرح پر کہ اس کا نشان بھی باقی نہ رہا، اس دن سے آج تک پھر نہ بنی، محمد ﷺ کے بعد ایک مسجد البتہ یروشلم میں بنی، اور عیسائیوں نے بھی ایک عبادت خانہ بنایا مگر محمد ﷺ کے وقت میں نہ مسجد، نہ ہیکل وہاں تھی"

اور اس طاعن نے سمجھ کی غلطی سے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت پانچویں سے

(۱) صحیح یہ ہے کہ اس مسجد کو ولید بن عبدالملک نے بڑھایا ہے اور اس کی وفات ۹۶ھ میں ہوئی ہے جیسا روضۃ الصفا میں لکھا ہوا ہے لیکن ہم کو چونکہ اس مفسر عیسائی مذہب کی تحریر کے موافق الزام وارد کرنا تھا، کیا، ۱۲ منہ"

ساتویں تک پر بھی نظر نہیں ڈالی، حالانکہ ان آیات کو اس آیت سے جس پر طعن کرتا ہے فقط تین آیت کا فاصلہ ہے، تو ہم اس سے کیا توقع رکھیں کہ اس نے سورۂ بقرہ کی آیت ۱۱۴ کو ملاحظہ کیا ہو، اور اصل منشا اس کی غلطی کا یہ ہے کہ وہ مسجد اس کو سمجھتا ہے کہ جس کے در اور دیوار اور طاق اور محراب خوب اچھی طرح درست ہوں، اور یہ غلط ہے جیسا اوپر گذرا۔

پس یہ بات تو بیہودہ نکلی، لیکن اس طاعن (طعن کرنے والا) اور اس کے مددگاروں کو ایک بڑی مشکل پڑتی ہے کہ جناب مسیح نے بابت غارت ہونے اور خرابی یروشلم اور ہیکل سلیمانی کے ایک پیشین گوئی کی تھی، اور مسیحی لوگ اس کا مصداق طیطوس رومی کے حادثہ کو جانتے ہیں، اور وہ پیشین گوئی مرقس کے تیرہویں باب، اور لوقا کے اکیسویں باب میں مندرج ہے، اور انشاء اللہ تعالیٰ نقل اس کی دوسرے سوال کے جواب میں (۱) آوے گی۔

اور یہ طاعن (طعن کرنے والا) اپنی کتاب کے تیسرے حصہ کے چوتھے باب میں اس کو ایک بڑی پیشین گوئی جناب مسیح کی بتلاتا ہے، اور لکھتا (۲) ہے:

"مسیح کے تین سو برس بعد روم کے بادشاہ جولین (۳) نے جو مسیحی مذہب سے مرتد ہو گیا تھا چاہا کہ مسیح کی پیش خبری رد کرنے کے لئے ہیکل کو پھر بناوے، پر وہ جب بننے لگی تو اس کے نیو سے اتنے آتشیں کوئلے نکلے کہ اس کے بنانے والے چھوڑ کر اڑ بھاگے، اور پتا ہو گئی کہ ان کا پتہ بھی نہ لگا اور تب سے کسی

(۱) یعنی اس جواب کے اندر پادریوں کے چوتھے شبہ کے جواب میں پہلی قسم کی مثالوں میں سے سترہویں مثال کے اندر۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۲) نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۶ء کے صفحہ ۳۹۴ کے اندر۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۳) یہ بادشاہ مجوسی بن گیا تھا اور دین مسیحی کا بڑا ہی دشمن تھا لیکن تھوڑی ہی مدت بادشاہ رہا اور ۳۶۳ تین سو تریسٹھ عیسوی میں اپنی سلطنت کے تیسرے سال میں اکتیس سال کی عمر میں جوان مر گیا جیسا کہ لب التواریخ کی پہلی جلد کے چوالیسویں باب کی ساتویں فصل میں مرقوم ہے۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

نے جرأت نہ کی کہ اس صادق القول کا کلام رد کرے جس نے فرمایا تھا کہ آسمان اور زمین ٹل جائیں گی پر میری ایک بات نہ ٹلے گی"۔

انتھیٰ ملخصاً اور ہم کو اب یہاں کئی اعتراض ہیں۔

پہلا شبہ

اول یہ کہ اس خرابی کی خبر تو دانیال اور زکریا علیہما السلام دے گئے تھے، جیسا کہ درس ۱۴ مرقس میں صراحۃً دانیال علیہ السلام کا نام، اور درس ۲۲ لوقا میں ایسا ذکر اجمالاً کہ اگر اس سے ان دونوں کو مراد لیں تو ہوسکتا ہے، خود جناب مسیح کے قول میں واقع ہے، اور باب نویں دانیال کے درس ۲۶ و ۲۷ و کتاب زکریا کے باب ۱۱ کے درس ۶ و باب ۱۴ کے درس ۲ میں جس کا حوالہ فرمایا ہے موجود ہے، پس اس میں بڑی پیشین گوئی جناب مسیح کی کیا ہے۔

دوسرا شبہ

دوسرا یہ کہ اس واقعہ کے بعد انہیں دنوں میں نہ سورج تاریک ہوا اور نہ چاند بے نور ہوا، اور نہ ستارے گرے، اور نہ حضرت مسیح بادل پر سوار ہو کے بڑی حشمت سے اترے، تا کہ اس طبقے اور اس پشت کے لوگ ان سب چیزوں کو دیکھ لیتے، اور چونکہ اسی بات کو جناب مسیح نے زکریا اور دانیال علیہما السلام کی پیشین گوئی سے اپنی پیشین گوئی میں زیادہ کیا تھا، تو چاہیے تھا کہ بموجب درس ۲۴ مرقس کے ان سب چیزوں کا وقوع انہیں دنوں میں اس واقعہ کے بعد ظہور میں آتا، تا کہ بموجب درس ۳۰ مرقس، و درس ۳۲ لوقا کے ان سب چیزوں کو اس طبقے اور اس پشت کے لوگ مرنے سے پہلے دیکھ لیتے، اور ایسا نہ ہوا، بلکہ سترہ سو اسی ۱۷۸۰ برس کا عرصہ گذرا کہ اس طبقہ کے لوگ مر کے سڑ گل گئے، اور ان چیزوں میں سے ایک چیز بھی ظہور میں نہیں آئی۔

پس یہ قول جناب مسیح کا کہ:

''آسمان اور زمین گذر جائیں گی پر میری باتیں نہ گذریں گی''

کس چیز پر محمول ہو، اگر کہو کہ یہ چیزیں قیامت کی نشانیاں فرمائی تھیں، قیامت کے دن کے قریب ظہور میں آجائیں گی، تو کہوں گا اب بھی وہ اعتراض بدستور باقی ہے، اس لئے کہ گو علاماتِ قیامت میں سے یہ ہوں تو بھی بموجب درس ۲۴ و ۳۰ مرقس اور ۳۲ لوقا کے ان سب چیزوں کا اور قیامت کا وقوع انہیں دنوں میں اس اذیت کے بعد اس طبقے اور اس پشت کے لوگوں کے سامنے جو جناب مسیح کے ہم عہد تھے ضروری تھا۔ (۱)

تیسرا شبہ

تیسرا یہ کہ طامس نیوٹن کے اقرار کے مطابق خاص ہیکل کی جگہ حضرت عمرؓ نے مسجد بنوائی اور بعد اس کے عبدالملک نے اس کو بڑھایا تھا، اور وہ مسجد آج تک موجود ہے اور اس کو عرصہ ساڑھے بارہ سو برس کا گذر گیا۔ پس موافق زعم پادری صاحب مصنف ''تحقیق دین حق'' کے قول جناب مسیح کا کیوں ٹل گیا، پادری صاحب کو چاہیے کہ ''عیاذاً باللہ'' اب جناب مسیح کو صادق القول نہ سمجھیں، اور حیف کہ اس اسقف کو یہ بات معلوم نہ تھی، وگرنہ وہ جگہ بتلا کر تکذیب اس پیشین گوئی کی نہ کراتا، اور شاید معلوم ہو، اور اپنے گمان باطل میں سمجھا ہو کہ ان سے بھی معاملہ جولین والا پیش آوے گا، اور خلقت کو اور اعتقاد انجیل کا بڑھ جائے گا۔

---

(۱) اور علاوہ اس کے چونکہ بموجب انجیل مرقس اور لوقا کے چاروں حواریوں کا سوال فقط خرابی ہیکل علامت کی بابت سمجھا چاہیے اور علامت قیامت کا سوال ان دونوں انجیلوں کے موافق سمجھا نہیں جاتا اس لئے اس کے جواب میں علامت قیامت کا ذکر طرداً اور زائد ٹھہرتا ہے، پس بدون ضرورت قوی کے اس پر محمول کیوں کریں۔ ۱۲ منہ

دوسرا معجزہ

شق القمر

سورۂ قمر کی آیت پہلی اور دوسری یوں ہے:

"اقتربت الساعة وانشق القمر ، وإن يروا آية يعرضوا ويقولوا سحر مستمر"۔

ترجمہ: یعنی پاس آگئی قیامت اور پھٹ گیا چاند، اور اگر دیکھیں (۱) کوئی نشانی ٹال دیں، اور کہیں یہ جادو ہے چلا آتا ہے۔

اور جاننا چاہیے کہ " انشق "ماضی کا صیغہ ہے، اور اس کو اپنے معنی پر رکھنا چاہیے اور بمعنی مستقبل کے لینا چار وجہ سے غلط ہے۔

پہلی وجہ

اول یہ کہ بعض قراءت میں قد انشق کلمة " قد " کے ساتھ آیا ہے، اور کلمہ قد کا جب ماضی پر داخل ہوتا ہے، تو اس کو ماضی کے معنوں میں متعین کر دیتا ہے، اور آیت کے معنی ضرور ہیں کہ دونوں قراءت میں موافق ہوں، نہ مخالف، اور جب مدلول صیغہ ماضی کا جس پر قد داخل ہو یہ ہوتا ہے کہ یقیناً فاعل سے فعل ماضی کے زمانہ میں جو

(۱) یعنی کافر لوگ اگر کوئی معجزہ پیغمبر خدا کا دیکھتے ہیں ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بھی جادو ہے جادوؤں کی مانند جو اس نے تم کو آگے دکھلائے ہیں۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی۔

قریب حال کے زمانہ کے گذرا ہے اور اس کو کچھ مدت بہت نہیں ہوئی صادر ہوا ہے تو اس کے موافق اس آیت سے سمجھا گیا کہ شق القمر (چاند کا پھٹنا) کچھ تھوڑی مدت پہلے اس آیت کے نزول سے ہو چکا ہے۔

دوسری وجہ

دوم یہ کہ دوسری آیت اس پر نص صریح ہے، اس لئے کہ کفار قیامت کے دن کس نبی کے معجزے کا انکار کریں گے، اور تکذیب کر کے سحر بتلا دیں گے ان کی تکذیب اور سحر بتلانا قیامت کے پہلے ہی ہے، نہ اس دن اور اس دن کے بعد۔

تیسری وجہ

سوم یہ کہ مفسر (۱) لوگ انشق کو اپنے معنی پر رکھ کر بالاجماع کہتے ہیں کہ آیت کریمہ سے مراد انشقاق قمر (چاند کا شق ہونا) کا ہے، جو ہو چکا، اور بعض نے جو مستقبل کے معنوں میں کہا ہے اس کے قول کو ایسے لفظ کے ساتھ جو ضعف کا دینے والا ہو مثل "قیل" یا "عن بعض الناس" کے نقل کر کے رد کرتے ہیں، اور مسیحیوں کے نزدیک بھی، اگر ایک شخص ثقہ معنی غلط اور مفسروں کے مخالف بیان کرے، وہ سند نہیں ہوتی۔

ولیم میور صاحب اپنی تاریخ اردو کے باب دوسرے حصہ کے ۳۵ (۲) دفعہ میں تعریف اور حال ''ارجن'' کا لکھ کر لکھتے ہیں:

''اس نے تین امر میں زیادہ پیروی کی، پہلے کلام الٰہی کے نسخے جمع

---

(۱) شفاء قاضی عیاض میں لکھا ہوا ہے قال اللہ تعالی: "اقتربت الساعة وانشق القمر وإن يروا آية يعرضوا ويقولوا سحر مستمر" اخبرالله بوقوع انشقاقه بلفظ الماضي وإعراض الكفرة عن آياته واجمع المفسرون وأهل السنة على وقوعه۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی۔

(۲) نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۸ء کا صفحہ ۶۳، ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی۔

کرنے اور ان کی صحت کی تفتیش اور مقابلہ میں۔

دوسری باحتیاط اور خبر گیری تمام ان کا ترجمہ کرنے میں۔

تیسری تفسیر اور تعبیر یعنی ان کا مطلب نکالنے میں، یہ تین کام اس نے بہت محنت سے کئے، لیکن تیسرے امر میں کچھ غلطیاں کیں کیونکہ اس نے توریت کی اکثر باتیں خیالی طرح سے بطور تمثیل کے بیان کیں'' (انتہیٰ ملخصاً)

دیکھو یہ بڑا شخص مسیحیوں کا سندی توریت کی تفسیر میں غلطی سے اکثر باتیں توریت کی خیالی طرح سے بطور تمثیل کے بیان کرتا ہے، اور اس کی غلطیوں کو جمہور مسیحی رد کرتے ہیں، اور سب مسیحی یہود کے اکثر مفسروں کی تفسیر جہاں جہاں مخالف ہے خصوصاً احکام ابدیہ اور مسیحؑ کی بشارتوں میں غلط بتلاتے ہیں، اور وہ یہودی ان تفسیروں کو صحیح مانتے ہیں، اور ان کی تفاسیر کے موافق وہ بشارتیں عیسیٰؑ پر اچھی طرح نہیں جمتیں، اسی لئے وہ دوسرے مسیح کے اب تک منتظر ہیں اور عیسیٰؑ کو مسیح موعود نہیں جانتے، اور جب عیسائیوں کے نزدیک اُرِجن کا (جو مسیحی معتمد اور مقتدا تھا) اور یہود کے مفسروں کا (جو توریت کو ایک ہزار پانچ سو برس کے قریب مسیحؑ کی ولادت سے پہلے کلام اللہ اور اپنا دین ایمان سمجھتے تھے، اور اس کے درس تدریس اور بیان معانی میں اشتغال رکھتے تھے) یہ حال ہو تو ان لوگوں کا جنہوں نے فلسفہ یا اپنے کچے توہموں کی رعایت کر کے کتب مقدسہ میں تاویلیں کی ہیں حال تو التفات کے قابل بھی نہیں، بلکہ ان لوگوں کو گمراہ اور ان کی تاویلوں کو بے اعتبار اور گمراہی بتلاتے ہیں۔

ڈاکٹر ٹیٹلر ''لب التواریخ'' کے دفتر اول کے پینتالیسویں باب کی چوتھی فصل میں لکھتا ہے کہ:

''ابتدا میں ان قابل شخصوں کے سبب بھی جنہوں نے قصد کیا کہ احکام دین مسیحی کو گبر کے حکماء کی حکمت سے تطبیق دین مسیحی کلیسا(۱) نے بہت ضرر اٹھایا''

(۱) یعنی مسیحی جماعت نے ۱۲ منہ

اور ولیم میور نے اپنی تاریخ کے دوسرے باب کے اٹھائیسویں دفعہ میں لکھا ہے(۱) کہ:

''یونانی حکیموں کے فیلسوفی (فلسفیانہ) خیالات نے اسکندریہ کے چند مسیحی عالموں کے ایمان میں کچھ اثر اور نقصان کیا، یہاں تک کہ اکثر ان کے طریقے اور خلاف بیان کے سبب انجیل کی پاک تعلیم سے چند باتوں میں نیا رنگ پیدا کیا''۔

تیسرے باب کے اور دوسرے حصہ کی پینتیسویں دفعہ میں لکھا(۲):

یونانی حکیم اور مشرق کے اکثر فیلسوفوں (فلسفیوں) نے مسیحی مذہب کو بغیر دریافت حقیقت حال اور بغیر عمل میں لائے اس کے احکام کے قبول کیا، چنانچہ انہوں نے اپنے فیلسوفی (فلسفیانہ) قاعدوں کو بحال رکھ کر انجیل کی تعلیم کو اپنی مرضی کے موافق تبدیل کیا تا کہ ان سے مطابق ہو اور اس قسم کے فیلسوف نسطق کہلاتے تھے، اور مسیحی تعلیم نے ان کے ہاتھ سے یہاں تک دوسری صورت پکڑی کہ اس کو عیسوی مذہب کہنا بھی خلاف معلوم ہوتا ہے گویا وہ نیا مذہب تھا''

پھر لکھا ہے کہ:

''اس بیہودہ تعلیم (۳) نے اکثر مصر اور مشرق میں دخل پایا، جہاں لوگ نئے نئے خیال اور بے اثر تصورات کو جلد اور بے تامل قبول کیا کرتے (۴) تھے''

---

(۱) صفحہ ۵۷ نسخہ مطبوعہ ۱۲ منہ''

(۲) صفحہ ۱۰۱، ۱۰۲، نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۸ء

(۳) یعنی خدا سے کتنے درجوں کی روحیں یا قوتیں بنام ایتون نکلیں جن میں سے ایک مسیح تھا اور وہ عیسیٰ پر بعد اصطباغ کے اترا اور قبل مصلوبی پھر آسمان پر چڑھ گیا، دیکھئے کہ ضلع مصر اور مشرق میں اکثر اسی قسم کے مسیحی تھے جن کو اب کے مسیحی بدعتی لکھتے ہیں۔ ۱۲ منہ''

(۴) اس کے موافق کہہ سکتے ہیں کہ مسیحی مذہب جو وہاں بہ نسبت اور جگہ کے جلد پھیلا تھا، اس کا پھیلنا =

ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہوا کہ کلیسا نے اس سبب سے کہ فلسفہ کے پابندوں نے دین مسیحی کے احکام کو گبروں اور یونانیوں کی حکمت سے تطبیق دی تھی بہت ضرر اٹھایا، اور چند مسیحی عالموں کا اسکندریہ میں ایمان ناقص ہوا، اور حکماء یونان اور اکثر فیلسوف مسیحیوں کے ہاتھ سے انجیل کی تعلیمات نے ایسی دوسری صورت پکڑی تھی کہ اس کو مذہب مسیحی کہنا خطا ہے۔

پس ان لوگوں (جو لاکھوں آدمی گذرے ہوں گے، اور اکثر ان میں سے حکیم اور فیلسوف تھے، اور سب کے سب مسیحی ہونے کا دم بھرتے تھے) کی تاویلات کو جمہور مسیحی خطا جانتے ہیں، اور رد کرتے ہیں، اس صورت میں اگر بعض اہل اسلام کا قول جو قاعدے کے خلاف اور مفسروں کے مخالف ہو، اور دوسرے مفسر اس کو رد کرتے ہوں، محمدی لوگ نہ مانیں تو کیا تعجب ہے۔

چوتھی وجہ

چہارم یہ کہ ماسوائے نص قرآنی کے احادیث صحیحہ سے جو تواتر معنوی کی حد کو پہنچی ہیں، انشقاق قمر کا حضرت ﷺ کے عہد میں آفتاب کے مانند روشن ہے، اور بہت صحابہ نے مثل عبداللہ بن مسعودؓ اور جبیر بن مطعمؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور انس بن مالکؓ اور حذیفۃ الیمانؓ وغیرہم نے اس کو روایت کیا ہے، اور محدثین احادیث صحیحہ سے اس کے تواتر کو اسی طرح یقینی مانتے ہیں جیسے کلام اللہ سے اس کے تواتر کو یقینی مانتے ہیں۔(۱)

=اس وجہ سے نہ تھا کہ وہاں کے لوگوں نے حق سمجھ کے قبول کیا ہو بلکہ انہوں نے اپنی عادت کے موافق اس کو نیا مذہب اور ظاہری احکام کی پابندیوں سے خالی پا کر بے تامل قبول کر لیا تھا۔۱۲منہؒ

(۱) علامہ ابن سبکی مختصر ابن حاجب کی شرح میں کہتا ہے کہ انشقاق قمر کا متواتر اور قرآن میں منصوص ہے۔۱۲منہؒ

اور حال اس کا یہ ہے کہ حج کے دنوں میں ایک رات کو کافر جمع تھے، اور حضرتؐ ان کو سمجھاتے تھے، انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ ٹھہرایا کہ ساحر کا سحر فلکیات میں دخل نہیں کرتا، شق قمر کا ان سے سوال کرو، اس کے موافق بھی سوال کیا، حضرتؐ نے شہادت کی انگلی کا اشارہ کیا چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور ناظرین نے اچھی طرح سے دیکھ لیا، اس پر حضرتؐ نے فرمایا شاہد (گواہ) رہو، پھر دونوں ٹکڑے مل گئے، ایک یہودی جو اس مجمع میں حاضر اور کفار کی صلاح میں شریک تھا ایمان لایا، اور ابو جہل اور کافروں نے کہا کہ اس نے سحر کیا ہے لیکن اس کا سحر سارے جہاں پر تو نہیں چلے گا ہم مسافروں سے جو اطراف سے آئیں گے دریافت کریں گے، جب مسافروں سے پوچھا انہوں نے اقرار کیا۔

فائدہ

چونکہ قرآن سے صراحت کے ساتھ انشقاق قمر کا ثابت ہے اور اہل اسلام اس کو معجزات پیغمبرؐ سے شمار کرتے تھے اور حضرت ﷺ کے وقت میں صدہا اور صحابہ کے عہد میں ہزارہا بلکہ لاکھوں آدمیوں کو قرآن کی آیات حفظ تھیں، اور عرب کے مشرکین اور یہود اور نصاریٰ کے سامنے پڑھی جاتی تھیں، اور صحابہ اور تابعین بالاتفاق اس معجزے کے مقر (اقرار کرنے والے) تھے، اور ان میں یہ معجزہ مشہور تھا، اور عرب کے مشرک لوگ خصوصاً ابو جہل اور ولید بن مغیرہ وغیرہما اور اسی طرح یہودی لوگ بڑے ہی دشمن اسلام کے تھے جنہوں نے حتی الوسع دین احمدی کے مٹانے کے لئے نہایت کوشش کی ہے، اور جان و مال تک اپنا دریغ نہیں رکھا اور رات دن اسی تلاش میں تھے کہ اس ملت اور ملت والوں کا کوئی عیب ہاتھ لگے، اس صورت میں اگر شق القمر ظہور میں نہ آیا ہوتا تو ان کو بڑی دست آویز ہاتھ لگتی، اور اہل اسلام کے ہزاروں جاہلوں کو مرتد کر

ڈالتے، جیسا معراج کی بابت مشرکوں نے استبعاد عقلی ظاہر کر کے بعضے ضعیف ایمانوں کو اہل اسلام میں سے مرتد کر دیا تھا، اور سارے جہاں میں مشتہر کر دیتے کہ دیکھو کیسا جھوٹ ہے اور دین اسلام میں شبہ ڈالنے کے واسطے دوسری چیز کی حاجت نہ پڑتی حالانکہ اس بات میں کسی نے دم نہ مارا، ورنہ ان کے شبہے اور مقولے اس باب میں تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں منقول ہوتے، جیسے ان کے شبہے اور مقولے معراج کے باب میں تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں، اور جیسے ان کے اور شبہے کتب حدیث اور اکثر تفاسیر میں اور بعض خود قرآن شریف میں منقول ہیں، پس ثابت ہوا کہ یہ واقعہ ان کے نزدیک مسلم تھا، اور اس کو مان کے سحر بتلاتے تھے، جیسا قرآن مجید میں منقول ہوا ہے۔

معجزۂ شق القمر پر منکرین کے شبہات کا جواب

اعتراض بہ طور معارضہ

اور اس پر مسیحیوں اور منکروں کا اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ حادثہ واقع ہوا ہوتا تو عیسائیوں اور ہنود وغیرہما کی تاریخ میں لکھا ہوتا اور ہر اقلیم کے لوگ اس کو دیکھتے۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ تو بالکل کمزور ہے نقلاً و عقلاً۔

ابطال کی چھ وجوہ نقلی کا بیان بطور معارضہ

پہلی وجہ نقلی ابطال کی

پہلی وجہ یہ کہ نوحؑ کے طوفان کے حادثہ کو دیکھو جو ایک برس کے قریب تک ممتد رہا تھا اور اس میں آدمیوں میں سے آٹھ نفر کے سواء اور دوسرے جانداروں میں سے

سوائے ایک ایک جوڑے کے جو کشتی میں آ گئے تھے سب نیست و نابود ہو گئے تھے، اور اس کا حال کتاب پیدائش کے ساتویں اور آٹھویں باب میں مرقوم ہے، اور پطر حواری بھی اپنے پہلے نامہ کے تیسرے باب کے بیسویں درس میں لکھتے ہیں (فارسیہ ۱۸۴۲ء):

"در ایام نوح در آوانیکہ کشتی رابساختند و دران چندے از نفوس یعنی ہشت نفراز طریق آب ناجی شدند"

(ہندیہ ۱۸۲۹ء):

"نوح کے زمانے میں جب جہاز تیار ہوتا تھا، اس جہاز میں تھوڑی سی جان یعنی آٹھ آدمی پانی سے بچائے گئے"۔

دوسری وجہ نقلی ابطال کی

دوسری وجہ یہ کہ یوشع کی کتاب کے دسویں باب میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۱ء)(۱)

"۱۲۔ یسوع نے خداوند کے حضور بنی اسرائیل کے آگے یوں کہا کہ اے آفتاب جبعون پر ٹھہرا رہ، اور اے ماہتاب تو وادی ایلون کے مقابل۔

۱۳۔ تب آفتاب نے درنگ کیا، اور ماہتاب کھڑا رہا یہاں تک کہ ان لوگوں نے اپنے دشمنوں سے انتقام لیا، کیا یہ کتاب الیسیر میں نہیں لکھا ہے، اور آفتاب آسمان کے بیچوں بیچ ٹھہرا۔

فائدہ

یہ جملہ "کیا یہ کتاب الیسیر میں نہیں لکھا ہے" اور ترجموں میں یوں ہے (فارسیہ ۱۸۳۸ء):

"ایا این خبر در رسالہ یاصار نوشتہ شدہ ست"

---

(۱) یہ درس سارا منقول نہیں ہوا بلکہ اس کے اخیر سے کئی جملے منقول ہوئے ہیں۔۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی۔

(فارسیہ ۱۸۴۵ء):

''ایادر کتاب یاشراین نوشتہ نشدہ است''

(عربیہ ۱۸۱۱ء):

" أليس هو مكتوباً في سفر المستقيم "

اور اگر چہ ان ترجموں کے اندر کتاب کے نام میں اختلاف ہے مگر سب سے بالاتفاق اتنا تو ثابت ہے کہ یہ معجزہ خود یوشعؑ نے نہیں لکھا بلکہ اور کسی شخص نے مدت کے بعد کتاب الیسیر سے لے کر لکھ دیا ہے، اور لکھنے والے نے بچشم خود نہیں دیکھا، اور خدا جانے کہ اس کا مصنف کس زمانے میں تھا، اور اس نے کس سے سن کر یا کس کتاب سے لے کر لکھا ہے۔

اور کتاب دوم سموئیل کے باب اول کے اٹھارہویں درس (۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ داؤدؑ کے عہد میں یا ان کے بعد ہوا ہے، اور یقیناً یوشع کی کتاب اس کے بعد تالیف ہوئی ہے اور جامعین تفسیر ہنری اور اسکاٹ کتاب یوشع کے پندرہویں باب کے ترسٹھویں درس سے استخراج کرتے ہیں کہ یوشع کی کتاب داؤد کے ساتویں سال جلوسی سے پہلے لکھی گئی ہے، جیسا انشاء اللہ اس کی تفصیل سترہویں سوال کے جواب میں آتی (۲) ہے، اور داؤدؑ یوشعؑ سے چار سو برس تخمینا بعد ہوئے ہیں تو اس حساب سے یوشع کی کتاب کا مؤلف صدہا سال یوشعؑ کے بعد ہوا ہے، اور باوجود اس کے اہل کتاب کے نزدیک یہ معجزہ توقفِ آفتاب (آفتاب کا ٹھہرا رہنا) کا معتبر ہے، اس صورت میں

---

(۱) وہ درس یوں ہے (ہندیہ ۱۸۴۲ء) اور فرمایا یعنی داؤد نے کہ بنی یہودا کو ریختہ قوس کا سکھلایا جاوے دیکھو وہ کتاب الیسیر میں لکھا ہے'' پس اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ الیسیر کا مصنف یا ہم عہد داؤد کے ہوگا یا بعد ان کے، وگرنہ داؤد کا حال کس طرح لکھتا۔ ۱۲ منہ''

(۲) پہلی ہدایت کے اندر ۱۲ منہ''

ان احادیث کی نسبت جن میں شق القمر کے معجزے کا بیان ہے، بعضے کا اعتراض اس طور پر کہ دیکھنے والے صحابیوں نے ان احادیث کو خود نہیں لکھا باطل ہے، جیسا ہم آگے چل کر انشاء اللہ ایسی بات کا ابطال بخوبی کریں گے، اور "تحقیق دین حق" کے تیسرے حصہ کے چوتھے باب میں لکھا ہوا ہے (صفحہ ۶۲ ۳ نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۶ء):

"یشوعا کی دعا سے آٹھ پہر تک آفتاب غروب نہ ہوا"

تیسری وجہ نقلی ابطال کی

دوسری کتاب سلاطین بیسویں باب کا گیارواں درس یوں ہے، (ہندیہ ۱۸۲۹ء):

"تب اشعیا پیغمبر نے یہواہ سے دعا مانگی، سو اس نے سایہ کو احاز کے درجوں میں دس درجے پیچھے، پھر آیا ان درجوں میں کہ جن سے ڈھل گیا تھا"

(فارسیہ ۱۸۴۸ء):

"واشعیاء پیغمبر سوے خداوند فریاد کرد و سایہ را دہ درجہ کہ آنقدر ہر ساعت احاز نشیب رفتہ بود باز گردانید"۔

اور کتاب اشعیا کے انتیسویں باب کے آٹھویں درس میں خدا تعالیٰ کا وعدہ مع اس کی وفا کے یوں مرقوم ہے (ہندیہ ۱۸۲۵ء):

"دیکھ میں احاز کے دائرے کے ڈھلے ہوئے سائے کو جس سے خورشید کی حرکت کے درجے معلوم ہوتے ہیں، دس درجے پلٹ کے پھر چڑھا لاؤں گا، چنانچہ آفتاب جن درجوں سے ڈہل گیا تھا، ان سے دس درجے پھر چڑھ گیا"

(فارسیہ ۱۸۳۸ء):

"اینک سایہ درجات را کہ بر ساعت شمس آحاز نشیب آمدہ است، آنرا

تادہ درجہ باز خواہم گردانید بنا بران ساعت شمس تادہ درجہ کہ نشیب آمدہ بود باز گردید"

ان تین وجھوں کو یہودی اور عیسائی بالاتفاق مانتے ہیں، اب ان وجوہ کو سنئے جنہیں فقط عیسائی مانتے ہیں۔

چوتھی وجہ نقلی ابطال کی

متی کے دوسرے باب میں مرقوم ہے کہ:

"مجوسی لوگ حضرت مسیح کی پیدائش کی علامت کے تارے کو دیکھ کر یورپ سے یروشلم میں آئے، اور وہاں سے بیت لحم یہودیہ کو چلے، اور وہ تارا ان کے آگے آگے چلتا تھا، یہاں تک کہ اس گھر پر جہاں حضرت مسیح پیدا ہوئے تھے ٹھہر گیا"۔

پانچویں وجہ

متی کے تیسرے باب میں ہے کہ:

"جناب مسیح پر اصطباغ کے بعد آسمان کے دروازے کُھل گئے، اور خدا کا روح کبوتر کے مانند ان پر اترا۔

چھٹی وجہ نقلی ابطال کی

صلیب کے واقعہ کے ذکر میں لوقا کے تیئسویں باب میں مرقوم ہے، (ہندیہ ۱۸۱۴ء):

"۴۴۔ اور چھٹی ساعت کے قریب ساری زمین پر اندھیرا ہوا اور نویں ساعت تک رہا۔

۴۵۔ اور آفتاب تاریک ہوا الخ"

(فارسیہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء ۱۸۴۱ء ۱۸۴۲ء):

۴۴۔ ”وقریب بساعت ششم از روز بود کہ ہمہ مرز و بوم راظلمتے فروگرفت وتابساعت نہم باقی بود۔

۴۵۔ وآفتاب تاریک شد الخ“

عربیہ ۱۸۱۶ء:

"٤٤۔ فعرضت على الأرض كلها ظلمة الخ"

٤٥۔ و أظلمت الشمس الخ"

(عربیہ ۱۶۷۱ء و ۱۸۲۱ء):

٤٤۔ "و إن الظلمة غشت الأرض كلها إلى الساعة التاسعة الخ۔

٤٥۔ و أظلمت الشمس الخ"

یہ چھ بڑے حادثے عہد عتیق اور جدید میں لکھے ہیں، اور سب مسیحی ان پر ایمان رکھتے ہیں، اور معترضین کی تقریر کے موافق میں سب عالم نے ان کو دیکھا ہوگا، اور چاہئے کہ مخالفوں کی تاریخوں میں بھی لکھے ہوئے ہوں، خصوصاً تینوں حادثے عہد عتیق والے، اس لئے کہ طوفان کا حادثہ جس کو موافق مختار قول مؤرخین انگریزی کے آج تک چار ہزار دو سو برس کی مدت گذری ہے، ایسا تھا جو ایک برس کے قریب تک ممتد رہا، اور اولا د آدمؑ سے سوا آٹھ آدمیوں کے اور کوئی نہیں بچا۔

پس چاہیے کہ سارے عالم والوں (میں) سے کسی کو اس میں شبہ نہ ہو، اور اسی طرح آفتاب کا آسمان کے بیچوں بیچ میں چار پہر تک ٹھہرے رہنا، اور اس دن کا آٹھ پہر کا دن ہونا بہت بڑا حادثہ ہے، اور اس کا علم بھی سب عالم والوں کو چاہیے، کیونکہ گہرا بادل بھی اگر کہیں ہوگا، تو آٹھ پہر کے دن ہونے کے علم کو مانع نہیں ہوسکتا، اور

جن افقوں میں اختلاف آفاق کے سبب اس وقت رات بھی ہوگی، تو وہاں بھی اس کا علم ضروری ہے کہ ان کی رات آٹھ پہر کی ہوئی ہوگی، اور اس حادثہ کو آج تک تخمیناً تین ہزار تین سو برس ہوئے ہیں، اور اسی طرح آفتاب کا دس درجے پیچھے پلٹ آنا حادثہ عظیم ہے، اور چونکہ دن میں تھا، سارے عالم کو معلوم ہوا ہوگا، اور اس حادثے کو آج تک تخمیناً دو ہزار پانسو اٹھتر برس کی مدت ہوئی۔

اور ان تینوں حادثوں میں سے ایک حادثہ کا حال بھی ہندیوں اور چینیوں اور خطا والوں اور مجوسیوں اور اگلے زمانے کے ترکوں کی تاریخ میں مندرج نہیں، بلکہ یہ سب تو نوحؑ کے طوفان کا بالکل انکار کرتے ہیں، اور محض جھوٹا افسانہ اور غلط بتلاتے ہیں، اور پنڈت لوگ (ہندوؤں کے عالم) تو یہ سن کر تمسخر کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ کنہیا اوتار کو آج تک مدت چار ہزار نو سو پچاس برس کی گذری ہے، اور اس حساب کے موافق کنہیا اوتار سات سو پچاس برس طوفان سے پیشتر تھے، اور اس وقت سے اب تک سیکڑوں نامور بستیاں اور شہر ہندوستان میں آباد ہیں، اور جب سے اب تک ہماری تواریخ کی شہادت سے، اور اسی طرح ہم لوگوں کے تواتر کے موافق ہر وقت میں کروڑوں آدمی ہندوستان میں پائے جاتے ہیں، اور اس میں ہمارے مذہب میں اور ہم ہندیوں کو کوئی شبہ نہیں، اور اس عرصہ میں یقیناً وہ بستیاں اور شہر اور سب ہندوستان کے آدمی ایسے طوفان عام سے غرق نہیں ہوئے، بلکہ کنہیا (۱) اوتار سے ہزار برس تخمیناً پہلے تک (کہ اہل کتاب غلطی سے اس مدت کو کل کائنات کی آفرینش کا مبدا بتلاتے ہیں) اور اس سے آج تک مدت پانچ ہزار آٹھ سو ستاون برس کی ظاہر کرتے ہیں، کبھی ایسا طوفان عام نہیں آیا، اور تین حادثے عہد جدید والے بھی ان لوگوں کی کسی تواریخ

---

(۱) اور اس وقت کی تاریخ مہا بھارت کہ پنڈت بیاس نے کنہیا اوتار کے زمانہ میں اسے تصنیف کیا ہے، اور اب تک موجود ہے۔

میں نہیں پائے جاتے، بلکہ یہودیوں کی کتابوں میں بھی ذکر ان کا نہیں، اور یہ لوگ ان کو جھوٹ بتلاتے ہیں، اور سیفیس یہودی بھی جن کو مسیحی بڑا مؤرخ معتبر اور منصف جانتے ہیں، ایک حادثہ کو بھی ان حادثوں میں سے نہیں لکھتا۔

پس اگر مخالف کے دفتر میں نہ ہونے سے کسی واقعہ کی تکذیب لازم آتی ہے تو غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ پادری لوگ ان چھ کے چھ حادثوں کا کہ ان میں سے تین عہد عتیق والے باعتبار ظہور اور مدت کے انشقاق قمر کے حادثے سے زائد ہیں، اور تین حادثے عہد جدید والے بھی اس سے کسی طرح کم نہیں، انکار کریں، ورنہ یقیناً یہ لوگ جناب مسیح کے قول کے جو درس پانچویں باب ساتویں متی میں منقول ہے، اور اس کی نقل مقدمہ کے تیسرے امر میں گذری، مصداق ٹھہریں گے، اور بلاشبہ ان کے اعتراض ویسے ہی ہونگے جیسے ان کے ہم وطنوں نے جن کو یہ لوگ اب برا کہتے ہیں حوادث مذکورہ کی نسبت اعتراضات اور تمسخرات کئے ہیں، بطور نمونہ کے بعض کو لکھتا ہوں۔

معجزہ طوفان کی بابت اولاً ان کا وہی پرانا اعتراض ہے جو اب منکرین نے ہم پر کیا۔

اور ثانیاً جان کلارک ملحد اسی کتاب کے تیسرے خط میں صفحہ ۵۴ کے اندر لکھتا ہے (نسخہ ۱۸۳۹ء) مطبوعہ لیڈس:

”یہ (یعنی طوفان کا حادثہ) فلسفہ کے علم کے خلاف ہے اور میں تعجب کرتا ہوں کہ اس پانی میں کیا مچھلیاں بھی ڈوب کر مرگئی ہوں گی“۔

اور جیسا (۱) درس ۵ باب ۶ پیدائش کے موافق سب انسانوں کے خیال بد تھے، تو آٹھ آدمیوں کو باقی کیوں رکھا؟ سب کو غارت کر کے پھر سرے سے

---

(۱) (نسخہ ہندیہ ۱۸۲۲ء مطبوعہ شیورام پور) میں وہ درس یوں ہے ”اور خدا نے جب دیکھا کہ اب انسان کی برائی زمین پر بہت ہوئی، اور ان کے دلوں کے تصور اور خیال روز بروز صرف بد ہوتے ہیں“۔۱۲ منہ رحمۃ اللہ علیہ۔

کیوں نہ پیدا کیا، اور اس اپنی پرانی پونجی کو کیوں باقی رکھا کہ جس کے سبب سے پھر برے برے خیال جاری رہے، کیونکہ موافق اس درس ۶ باب، متی ۷ کے ''کیا لوگ کانٹوں سے انگور یا اونٹ کٹاری سے انجیر حاصل کرتے ہیں، خراب درخت اچھا پھل نہیں لاسکتا''۔

اور نوحؑ تو ایک شرابی، چوپایہ، ظالم تھا، جیسا درس ۲۱ و ۲۵ (۱) باب پیدائش سے سمجھا (۲) جاتا ہے، تو پھر کس طرح کی امید تھی کہ اس سے اچھی اولاد ہوگی۔

اور دیکھو کہ اچھی نہ ہوئی (۳) جیسا افسیون کے نامہ کے باب ۲ کے درس تین (۴) سے اور زبور ۵۱ کے درس ۵ سے ظاہر ہے۔

پھر اس جگہ اور صفحہ ۹۳ میں بہت سے استہزا کرتا ہے، اور کلمات بے ادبانہ

---

(۱) نسخہ ہندیہ ۱۸۲۲ء میں یہ درس یوں ہے:

''۲۱۔ اور شراب پی، اور اسے نشہ ہوا، اور اپنے خیمے کے اندر کپڑے اتار پھینکے۔

۲۵۔ اور اس نے کہا کہ کنعان ملعون ہوگا کہ وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا''۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

(۲) رسالہ طریق الاولیا میں جو پادری ولیم اسمٹ کی تصنیف ہے مرقوم ہے: نوح کی خطا کہ طوفان کے بعد اس سے ہوئی ہیں اس کو چھپانا لازم نہیں یعنی وہ شراب پی کے متوالا ہوا۔ ۱۲ منہ

(۳) طریق الاولیاء میں ہے کہ طوفان کے بعد وہ (یعنی نوح) ساڑھے تین سو برس جیا اور اپنی بہت اولاد دیکھی کہ ان سے نئی دنیا آباد ہوئی، پر کیا وہ اگلوں سے اچھے تھے؟ ہرگز نہیں! افسوس ہزار افسوس کہ آدمی کیا اگلا کیا پچھلا گناہ سے بھرا ہے اور آپ کو پاک نہیں کرسکتا، دیکھو افسیون کے نامے اور اس رسالہ کے مصنف کے اقرار کے موافق اس ملحد کا قول کیسا چسپاں ہے۔ ۱۲ منہ

(۴) نسخہ ہندیہ ۱۸۳۹ء مطبوعہ کلکتہ میں یہ درس یوں ہے: ان لوگوں (یعنی نافرمان برداروں) کے درمیان ہم سب کے سب اپنی جسمانی شہوتوں میں اوقات بسر کرتے تھے اور جسم و جان کی خواہشیں پوری کرتے تھے اور دوسروں کی مانند طبیعت سے سزا کے لائق تھے، اور نسخہ ۱۸۴۱ء میں درس ۵ زبور کا یوں ہے، دیکھ میں نے برائی میں صورت پکڑی وہ گناہ کے ساتھ میری ماں نے مجھے پیٹ میں لیا ۱۲ منہ

بکتا ہے۔

اور معجزہ یوشع کی نسبت اولاً وہی پرانا اعتراض ہے جس کا ذکر گذرا۔

ثانیاً یوشعؑ کا یہ قول ہے کہ:

''اے آفتاب جیعون پر ٹھہرا رہ'' دلالت کرتا ہے کہ آفتاب متحرک اور زمین ساکن ہے، وگرنہ یوں کہتا ''اے زمین ٹھہری رہ'' حالانکہ یہ تو اس علم ہیئت کے موافق جس کو اب سارے یورپ کے حکماء حق اور اس کے خلاف کو محض باطل سمجھتے ہیں، بالکل خلاف ہے، شاید یوشعؑ ہیئت نہ جانتا ہوگا، یا یہ قصہ جھوٹا ہے۔

ثالثاً یہ قول ''اور آفتاب آسمان کے بیچوں بیچ ٹھہر رہا'' صاف دلالت کرتا ہے کہ آفتاب اس وقت جیعون کی نصف النہار کے دائرہ پر تھا، اور ٹھیک دوپہر کا وقت تھا، اور (یہ بات) کئی طرح سے مشکوک نظر آتی ہے۔

اس لئے (کہ) اول تو ایسے وقت مین یوشع کیوں گھبرا کے خدا سے اس معجزے کی درخواست کرتا، کیونکہ اس کے گھبرانے کی اس وقت میں کوئی وجہ نہ تھی اس لئے کہ مخالف شکست کھا چکے تھے، اور شدت سے مقتول ہوئے تھے، اور باوجود اس کے خدا نے باقیوں (میں) سے بے شمار کو آسمان سے پتھر برسا کے مار ڈالا تھا، اور اس غضب آسمانی سے جو مرے تھے، ان سے کہیں زیادہ تھے، جو بنی اسرائیل کی تلوار سے مارے پڑے تھے، جیسا کہ باب دسویں کتاب یوشع کے دسویں (۱) اور گیارہویں درس

(۱) نسخہ ۱۸۲۹ء وہ درس یوں ہے:

''اور یہواہ نے ان کو بنی اسرائیل سے شکست دلوائی اور جیعون میں انہیں بشدت قتل کیا اور اس ساری راہ مین جو بیت جبرون کے اوپر جاتی ہے وگہدا اور غریقا اور مقیدا تک انہیں مار کے ڈال دیا اور ایسا ہا کہ جب وہ بنی اسرائیل کے سامنے سے بھاگ نکلے اور بیت حبرون کے اترنے کی سمت گئے تو یہواہ نے غریقا تک آسمان سے ان پر پتھر برسائے اور وہ موے (مرے) اور وے جو پتھروں سے مارے گئے ان سے جنھیں بنی اسرائیل نے تہ تیغ کیا کہیں بہت تھے'' ۱۲ منہ

میں مصرح ہے، اس صورت میں باقی رہے ہوئے تھوڑے سے ہوں گے، اور بنی اسرائیل لاکھوں تھے، اور وقت بھی دو پہر باقی تھا، پس اتنے وقت میں لاکھوں مظفروں کے سامنے تھوڑی سی شکست پائی، اور آسمانی غضب کے ماروں کو مارا جانا بہت ہی آسان اور قریب القیاس تھا۔

دوم یہ کہ دو پہر کے وقت میں چاند کس طرح نظر آیا کہ اس کو بھی روکا، علاوہ اس کے، اس کے روکنے میں ان کے علم ہیئت کے موافق کچھ بھی فائدہ نہیں، بلکہ ایک لغو حرکت ہے۔

سوم یہ کہ اگر یہ معجزہ دو پہر کے وقت میں ثابت ہوا تو بنی اسرائیل کو ایسے وقت میں اس کا پورا یقین کس طرح آیا، اور کس طرح معلوم ہوا کہ آفتاب آٹھ پہر کامل مغرب کی جانب مائل نہیں ہوا، وہ تو ایک گھبراہٹ میں پھنسے تھے، اور ظاہر میں دن کے اندر کسی طرح کا شک نہ تھا کہ تمام ہونے پر ہے، اور تواریخ سے ثابت ہے کہ اس وقت کنعان کے رہنے والوں کے پاس نہ گھنٹہ ہوا کرتا تھا، نہ گھڑیال کہ اس کے وسیلہ سے اس قسم کی باتیں معلوم ہو جاتیں، اور ان وجوہ کا لحاظ کر کے بعض مفسر گھبرا اٹھا، اور کہتا ہے کہ غروب ہی کا وقت ہوگا، اور اس قول کا معنی الٹا پلٹا بیان کرتا ہے۔

رابعاً: جان کلارک ملحد یہ بھی کہتا ہے کہ باب آٹھویں پیدائش کے درس (۱) ۲۲ کے موافق خدا کا اقرار تھا کہ جب تک زمین ہے دن اور رات موقوف نہ ہوں گے، اور جب آفتاب اتنے عرصے تک غروب نہ ہوا تو رات تو اس وقت کی موقوف ہوگئی۔

اور اشعیا کے معجزہ کی بابت اولاً وہی پرانا اعتراض ہے۔

اور ثانیاً باب اڑتیسویں اشعیا میں ہے کہ:

---

(۱) نسخہ ۱۸۲۲ء میں وہ درس یوں ہے: "پر جب تک کہ زمین ہے بونا اور کاٹنا اور سردی اور گرمی اور ربیع اور خریف اور دن اور رات موقوف نہ ہوں گے"۔ ۱۲ منہ

"آفتاب جن درجوں سے کہ ڈھل گیا تھا ان سے دس درجے پھر چڑھ گیا"۔

اول تو اس سے آفتاب کی حرکت اور زمین کا سکون معلوم پڑتا ہے، اور یہ حکماء یورپ کے نزدیک باطل ہے۔

دوم یہ کہ ظاہر اور غیر ظاہر سے قطع نظر کرکے اس عبارت کے موافق تین احتمال نکل سکتے ہیں، یا تو دس گھنٹے دن ہٹ آیا ہو، یا آفتاب دس درجے آسمان کے اندر ہٹ گیا ہو، یا زمین کی حرکت پورپ سے پچھم کی طرف اس قدر ہٹ گئی ہو، اور یہ تینوں احتمال ان کے علم ہیئت کے موافق غلط نکلتے ہیں۔

اور تارے کی بابت اولاً وہی پرانا اعتراض ہے۔

اور ثانیاً یہ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجوم کے احکام سچے ہوتے ہیں، کیونکہ مجوسی لوگ تو کسی سچے نبی کے تابع نہیں، بلکہ آتش پرست ہیں، پس یہ بات ان کو یقیناً نجوم کے علم سے معلوم ہوئی ہوگی، اور وہ تارا اس کا نشان ہوگا، اب عیسائی اگر اس قصہ کو سچا جانتے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ نجوم کے احکام کو سچا سمجھیں، حالانکہ وہ تو اس کی تکذیب کرتے ہیں، اور باب اٹھارویں کتاب استثنا میں ہے (ترجمہ ہندیہ ۱۸۴۲ء):

"۱۰۔ تم میں کوئی ایسا نہ ہو کہ اپنے بیٹے یا بیٹی کو آگ میں گذر کروائے یا غیب کی بات بتاوے، یا برائی بھلائی کا شگونیا یا جادوگر بنے۔

۱۴۔ کیونکہ وہ گروہیں جن کو تو اپنے آگے سے ہانکتا ہے، غیب گویوں اور شگونیوں کی طرف کان دھرتے ہیں، پر تو جو ہے، خداوند تیرے خدا نے تجھ کو اجازت نہیں دی کہ ایسا کرے"۔

(ترجمہ فارسیہ ۱۸۳۹ء):

"۱۰۔ درمیاں شما کسے بناشد کہ پسر یا دختر خود را در آتش بگذارند و نہ

رمال ونہ منجم ونہ فال گیرونہ ساحر۔

۱۴۔ کہ این اقوام کہ سرزمین آنہارا وارث می شوی بقول منجماں وغیب گویاں گوش میکردند اما خداوند خدائے تو ترا بدین امر اجازت نداده است''۔

پس کھلے کھلے نجوم اور شگون کی ہجو ہے، اور صاف مرقوم ہے کہ اللہ تعالی نے اس کی اجازت نہیں دی، اور فاضل نورٹن جس کو عیسائی لوگ محقق گنتے ہیں، اپنی کتاب میں حکم کرتا ہے کہ یہ قصہ غلط ہے اور متی نے اس کو ہرگز نہیں لکھا۔

اور ثالثاً یہ کہ بیت لحم یروشلم سے جنوب کی طرف ہے، اور سبعہ سیارہ اور بعض دمدار ستاروں کی حرکت سچی مغرب سے مشرق کی طرف، اور بعض دمدار ستاروں کی حرکت سچی مغرب سے مشرق کی طرف، اور بعض دمدار ستاروں کی مشرق سے مغرب کی طرف ہے، ہاں بعض دمدار ستاروں کی حرکت کا دائرہ شمال سے جنوب کی طرف کچھ جھک جاتا ہے، مگر یہ حرکت زمین کی حرکت سے بہت سست ہے، اور مدت میں محسوس ہوتی ہیں، اور منزل کے تھوڑے سے فاصلہ پر تھوڑے وقت میں ہرگز ہرگز ایسی محسوس نہیں ہوتی کہ اعتبار کے قابل ہو، بلکہ ایسے وقت میں آدمی کی حرکت اس حرکت سے بہت زائد ہوتی ہے۔

اور رابعاً یہ کہ ممکن نہیں کہ کوئی ستارا گھر پر آکر ٹھہر جائے جس کے سبب چلنے والا ٹھہر جاوے، کیوں کہ یہ تو علم مناظر کے خلاف ہے، بلکہ ظاہر یوں ہے کہ پہلے چلنے والا ٹھہر جاتا ہے، پھر تارا ٹھہرا نظر آتا ہے، اور اسی طرح اور اعتراض اس قصہ پر وارد ہوتے ہیں، فاضل نورٹن خوب ہی کر گیا کہ اس قصے کو جھوٹا بتلا کے اپنا پیچھا چھوڑا گیا۔

اور اصطباغ کے وقت آسمان کے کھلنے کے بارے میں اولاً وہی پرانا اعتراض ہے۔

اور ثانیاً اس کے مضمون پر پادری صاحبوں کے ہم وطن لوگ بہت ہی استہزا

کرتے ہیں، جان کلارک استہزاءً لکھتا ہے کہ:

''مسٹرمتی نے اس جگہ ہم کوایک بڑی اطلاع سے محروم رکھا، اور وہ یہ ہے کہ یہ بات نہ بتلائی کہ جب آسمان کھلا، آیا بڑی بڑی پھاٹکیں (دروازے) اس کی کھلی تھیں، یادروازے یا کھڑکیں، اور پھر وہ آفتاب کے اُس طرف تھی یا اِس طرف، اوراس متی کی چوک سے ہمارے پادری حیران ہو کے سر پٹکتے ہیں کہ کہاں کہیں۔

پھر لکھتا ہے:

''اور یہ بھی اطلاع نہ دی کہ وہ کبوتر کیا ہوا، آیا کسی نے اس کو پکڑ کے پنجرے میں بند کیا تھا، یا انہوں نے اسے پھر الٹا پھرتا آسمان کی طرف دیکھا، اور انہوں نے اگر الٹا پھرتا دیکھا ہوگا تو اس صورت میں اتنی دیر تک آسمان کی پھاٹکیں کھلی رہی ہونگی تو انہوں نے آسمان کے اندر بناوٹ کو بھی خوب دیکھا ہوگا، اس لئے معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر دربان ہو جب تک پطرس وہاں پہنچا یہ کبوتر پہونچتا ہو۔

معجزہ شق القمر پر شبہات کے ابطال کی چھ عقلی وجوہ

اور عقلاً بھی چھ وجہ سے باطل ہے:

پہلی وجہ

اول یہ کہ یہ حادثہ شق القمر کا آدھی رات کو ظہور میں آیا، جیسا جناب شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے ترجمہ کے حاشیہ میں فائدہ کر کے لکھا ہے۔

''اور یہ وقت ان کے سونے اور غفلت کا ہے، خصوصاً موسم سرما میں کہ مکانوں کے اندر پڑے رہتے ہیں''۔

دوسری وجہ

دوسری یہ کہ حادثہ تھوڑی دیر رہا، اور اس سبب سے اس قدر گنجائش نہ تھی کہ بعض آدمی اور لوگوں کو جو اس سے کچھ دور ہوں جا کر دکھلاتے یا سوتے لوگوں کو جگا کر بتلاتے۔

تیسری وجہ

تیسری یہ کہ یہ حادثہ سب ملکوں والوں کو متوقع الحصول نہ تھا، کہ وقت متعین پر

امیدوار ہوتے، اور گو عرصہ تھوڑا ہی ہوتا دیکھ لیتے جیسے ہلال اور کسوف اور خسوف کو دیکھ لیتے ہیں، ہر ایک کی نظر آسمان کی طرف دن میں بھی ہر وقت نہیں رہتی، چہ جائے رات کے، اس سبب سے وہ لوگ جو امتحان کے درپے، اور انکشاف حال کے لئے آسمان کی طرف دیکھتے تھے، انہوں نے دیکھا اور اسی طرح ان لوگوں نے بھی جن کی نظر اتفاقاً اس وقت آسمان کی طرف تھی، کہ مسافروں نے مکہ کے مشرکوں کو خبر دی تھی، اور ''تاریخ فرشتہ'' کے گیارہویں مقالہ میں لکھا ہے کہ ملیبار کے ملک میں بھی لوگوں کو دکھائی دیا تھا، اور وہاں کا راجہ اسی معجزے کے سبب تحقیق کرنے کے بعد مسلمان ہو گیا تھا۔

چوتھی وجہ

چوتھی یہ کہ ممکن ہے کہ بعض جگہ گہرا بادل ہو، اور سب جگہ آسمان کا صاف ہونا ابر وغیرہ سے ضروری نہیں، دیکھو آٹھ دس کوس کی ہی مسافت میں یہ حال ہوتا ہے کہ بعض موسموں میں بعض جگہ ایسا گہرا بادل ہوتا ہے کہ آسمان بھی اچھی طرح نظر نہیں آتا اور بعض جگہ نشان بھی ابر کا نہیں ہوتا، اور موسم سرما میں بلاد شمالی والوں کو مانند بلاد فرنگ کے کثرت برف اور ابر سے کئی کئی دن اچھی طرح آفتاب کے دیکھنے کا بھی اتفاق نہیں پڑتا، چاند کا تو کیا ذکر، اور چاند بعض منازل میں بعض افقوں اور بعض قوموں پر ظاہر ہوتا ہے اور بعض پر نہیں، اور خسوف بعض شہر میں دکھلائی دیتا ہے، اور بعض میں نہیں، بلکہ اس جگہ فقط ان لوگوں کو خبر ہوتی ہے، جو نجوم کے علم میں دخل رکھتے ہیں۔

پانچویں وجہ

پانچویں وجہ یہ کہ ایسے حوادث کو تمام لوگوں کے دیکھنے کا اتفاق کم پڑتا ہے کہ ان کی خبر یقینی سمجھی جائے، اور عوام کا مؤرخین کے نزدیک اعتبار کم ہوتا ہے، لیکن ان

حادثوں کے بعد اگر ان کے آثار سے کوئی اثر باقی رہ جاتا ہے، جیسے اولوں اور مینہ اور آندھی سخت کی صورت میں، تو اس اثر کو دیکھ کر قول عوام کا سچا مانتے ہیں، اور اس حادثہ کے ظہور کے بعد کوئی اثر باقی نہیں رہا تھا، اس صورت میں اگر عوام نے دیکھا بھی ہو تو ممکن ہے کہ مؤرخین نے ایسے بڑے حادثے کے لکھنے پر جرأت نہ کی ہو(۱)۔

چھٹی وجہ

چھٹی یہ کہ مؤرخ اکثر حوادث ارضیہ کو لکھا کرتے ہیں، اور حوادث سماوی کو بہت کم، خصوصاً اگلے زمانہ کے مؤرخوں کو تو ایسے حوادث کے ضبط کا بہت ہی تھوڑا خیال تھا، ہاں تقریباً تین سو برس سے انگریزوں کو اس امر میں اہتمام ہے کہ اکثر غرائب حوادث ارضی اور سماوی کو لکھ لیتے ہیں اور اس عرصہ قریب تین سو برس میں جو حوادث ہوئے ہوں، شاید کہ دفتر میں اکثر ان کے ضبط ہوں، اور دوسری قوموں کو تو اب تک بھی ایسے حوادث کے ضبط کا اہتمام نہیں۔

دیکھو دمدار ستارا کہ ۱۲۵۹ھ بارہ سو انسٹھ ہجری میں آسمان پر نمودار ہوا تھا، اور ایک مہینے کے قریب باقی رہا تھا، گو اول دن بہت بڑا تھا، اور اس کے بعد روز بروز گھٹتا تھا یہاں تک کہ جاتا رہا، اور اس کے دیکھنے والے کرڑوں آدمی اب تک بھی موجود ہیں، حکماء انگلش اس کا طول انیس لاکھ چہتر ہزار میل کا بتلاتے تھے، اور بذریعۂ اخبار معلوم ہوا تھا کہ ان حکماء کا یہ بھی اظہار ہے کہ ۱۵۶۰ء پندرہ سو ساٹھ عیسوی میں بھی ایسا ستارا نکلا تھا، مگر اس سے کچھ چھوٹا تھا، غالب یوں ہے کہ یہ دونوں حادثے بھی

---

(۱) جناب مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم کا اس باب میں ایک رسالہ ہے جو اچھا لکھا ہے، اور اس میں یہ بات لکھتے ہیں:

''اما اہل فرنگ پس بسبب قلت ارتفاع قمر در غایتِ عرض جنوبی و بعد اقلیم ایشان در ناحیہ شمال اگر ندیدہ باشند محل تعجب نتواند شد''

پس اس کے موافق اہل فرنگ کے نہ دیکھنے کا ایک سبب اور بھی ظاہر ہوتا ہے۔۱۲ منہ

ہندوستان کے لوگوں کی اکثر تاریخوں اور دفتروں میں نہ ملیں گے، شاید کسی کسی ایک دو نے ضبط کیا ہو، پس ان حادثوں کو اگر زمانہ آئندہ میں کوئی شخص اکثر تاریخوں میں نہ پاوے اور ان شخصوں کی جن کو بواسطے ضبط ایک دو کے یا بواسطے تواتر کے یہ حادثے معلوم ہوں، تکذیب کرے متعصب ٹھہرے گا۔

پس ان وجوہ کا لحاظ کر کے کہا جاتا ہے کہ اگر حال انشقاق قمر کا مخالفوں کی تاریخ میں نہ پایا جاوے، تو کچھ تعجب (۱) نہیں، اور جب حال توقف آفتاب کا چار پہر ایک جگہ اور حال نوحؑ کے طوفان کا مخالفوں کی تاریخ میں منقول نہ ہو، اور باوجود اس کے یہودی اور عیسائی ان کو سچا سمجھتے ہوں، تو حال انشقاق قمر کا کس لئے کاذب ہو، بلکہ حق یہ ہے کہ مخالفوں کو اگر یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ ایسا امر معجزہ اس پیغمبر کا یا کرامت اس ولی کی ہے جس کا ہم انکار کرتے ہیں تو وہ اس معجزے یا کرامت کو نہیں لکھتے، بلکہ حتی المقدور اس کے چھپانے اور نام ونشان مٹانے میں کوشش کیا کرتے ہیں۔

دیکھو اعمال کے چوتھے باب میں یہودیوں کا حال حواریوں کی نسبت جب کہ پطرس حواری سے کرامت ظاہر ہوئی تھی، یوں مرقوم ہے (ہندیہ ۱۸۴۶ء):

"۱۵۔ آپس میں صلاح کرنے لگے کہ ہم ان آدمیوں سے کیا کریں، کیونکہ یروشلم کے سارے رہنے والوں پر یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے بڑا معجزہ دکھلایا ہم انکار نہیں کر سکتے۔

۱۷۔ پر تاکہ یہ لوگوں میں زیادہ مشہور نہ ہوئے آؤ ہم انہیں خوب بہکاویں کہ وہ اور کسی سے اس نام کا وعظ نہ کریں۔

---

(۱) غالب یہ ہے کہ انہی وجوہ نقلیہ اور عقلیہ کا لحاظ کر کے میزان الحق کے مؤلف نے اس معجزے کی نسبت ان شبہات کو نہیں لکھا، وگرنہ وہ تو رطب، یابس لکھنے پر بڑا ہی دلیر ہے۔ ۱۲ منہ

۱۸۔تب انہوں نے انہیں بلا کے حکم دیا کہ یسوع کے نام سے اور کبھی بات نہ کہو اور وعظ نہ کرو"

اور میزان الحق کے مؤلف نے عوام کے مغالطہ دینے کو اس جگہ کچھ لکھا ہے، اور اسی طرح صاحب "وجہتہ الایمان" نے، نیز اس رسالے کے مؤلف نے جس نے رقعہ مولوی نعمت علی کے جواب میں اس رسالے کو لکھا ہے جو کچھ بکا ہے، اس کو چھٹے سوال کے جواب میں انشاء اللہ نقل کر کے جواب دوں گا(۱)۔

(۱) اور چونکہ اس رسالہ کا پہلے پادریوں میں بڑا ہی رواج تھا، اور بہت لوگوں کے پاس وہ موجود ہے تو اس لحاظ سے اس سوال کے جواب میں ان شاء اللہ اس کی کتنی ایک غلطیاں بھی ظاہر کروں گا تا کہ کسی کو اس سے ٹھوکر نہ لگے۔۱۲منہ"

تیسرا معجزہ

ایک مشت خاک کا غزوۂ بدر میں شریک تمام کفار کی آنکھوں میں پہنچ جانا

آیت سترہویں سورۂ انفال میں جو نویں سی پارے کے سولہویں رکوع میں ہے، یوں واقع ہوا۔

''وما رمیت إذ رمیت ولکن اللہ رمی"

یعنی اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک جس وقت پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی۔

اور حال اس کا یہ ہے کہ بدر کی لڑائی میں جب کفار نظر پڑے حضرتؐ نے دعا کی، اس پر جبرئیل نے آ کے کہا کہ ایک مٹھی خاک کی لیکے کفار کے لشکر کی طرف پھینک دو، جب دونوں لشکر بھڑے اور لڑائی گرم ہوئی، حضرتؐ نے ایک مٹھی خاک کی لے کر کفار کے لشکر کی طرف پھینکی اور فرمایا:

''شاهت الوجوه"(۱)

اللہ کی قدرت سے ہر کافر کی آنکھ میں وہ خاک پہنچی، اور ان کی آنکھیں بھر گئیں اور اس سے خوف کھا کے بھاگے، مسلمانوں نے پیچھا کر کے بہت کو قتل کیا، اور بہت کو

---

(۱) یعنی بگڑ جایو ے منہ۔۱۲ منہ

قید، اور چونکہ ایک مٹھی خاک سے سب لشکر کفار کی آنکھوں کا بھر جانا محال عادی اور قدرت بشری سے خارج ہے پس یہ ایک معجزہ ہوا، اور حقیقت میں (۱) تین معجزوں پر مشتمل ہے۔

ایک تو یہ کہ اس مٹھی کی خاک سب کی آنکھوں میں پہنچی۔

دوسرا یہ کہ اس تھوڑی سی خاک سے سینکڑوں کفار کی آنکھیں بھر گئیں۔

تیسرا یہ کہ خوف کھا کر سب بھاگ اٹھے۔

صاحب میزان الحق لکھتے ہیں (نسخہ ۱۸۵۰ء):

میزان الحق کے مؤلف کے شبہ کا جواب

''ان کلمات میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ محمد نے فلاں فلاں معجزہ کیا، بلکہ بے تعیین اور بے تفصیل صرف اتنا ہی کہا ہے کہ تو نے نہیں ڈالا جس وقت ڈالا لیکن خدا نے ڈالا، سو دانشمندوں کے نزدیک ایسے غیر معین لفظوں سے معجزہ ثابت نہ ہوگا۔ ہاں مگر احادیث کے مضمون کے بموجب مفسرین یوں لکھتے ہیں کہ:

''غزوۂ بدر یا غزوۂ حنین میں محمد نے ایک مٹھی ریت کفار کے لشکر کی طرف ڈالی تھی الخ''۔

کہتا ہوں میں اس آیت سے بدلیل تاء خطاب کے اتنا تو صراحۃً اور نصاً معلوم ہوا کہ ایک امر خارق العادت حضرتؐ کے ہاتھ سے بطریق رمی کے صادر ہوا، اور تعیین اس کا احادیث صحیحہ اور تفاسیر ماثورہ معتبرہ سے یقینی ہے۔

پس اعتراض مذکور صرف ہم ہے، اور احادیث کا سند اور قابل دلیل کے ہونا دوسرے سوال کے جواب میں بیان کریں گے۔

پھر لکھتے ہیں:

---

(۱) اور چونکہ خدا نے اس امر کو اپنے رسول کے ہاتھ پر معجزے کے طور پر پیدا کیا تھا اس لئے اس فعل کو اپنی طرف نسبت کرتا ہے" ولکن الله رمی "۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی

''اگر بالفرض ہم قبول کریں کہ وہ حدیث صحیح ہے اور فی الحقیقت محمد نے دشمنوں کے لشکر کی طرف ریت ڈالی تب بھی اس سے معجزہ ثابت نہ ہوگا الخ''۔

کہتا ہوں میں یہ بات بہت ہی تعجب کی ہے کیونکہ جب پادری صاحب نے اس حدیث کو جو مفسرین نقل کرتے ہیں صحیح مان لیا، اور اس حدیث میں صاف مرقوم ہے کہ جبرئیلؑ کے کہنے کے موافق حضرتؐ نے وہ مٹھی پھینکی تھی، اور اللہ کی قدرت سے ہر کافر کے آنکھ میں جو مخالف لشکر میں تھا، اس ریت میں سے کچھ کچھ پہنچا تھا تو کون عقلمند ہے کہ نہ کہے گا کہ یہ امر موافق وحی کے تھا، اور ہر کافر کی آنکھ میں اس سے کچھ کچھ پہنچا، پیغمبر کا معجزہ ٹھہرا، اور وہ حدیث جو مفسروں نے نقل کی ہے یوں ہے:

"روی أنه لما طلعت القريش من العقنقل(۱)قال عليه السلام هذه قريش جاءت بخيلائها و فخرها يكذبون رسولك، اللهم إنی أسألك ما وعدتنی، فأتاه جبريل عليه السلام وقال له خذقبضة من تراب فارمهم بها، فلما التقى الجمعان تناول كفا من الحصباء فرمى بها فی وجوههم، وقال شاهت الوجوه، فلم يبق مشرك إلا شغل بعينه فانهزموا وردفهم المؤمنون فيقتلونهم و يأسرونهم ثم لما انصرفوا أقبلوا على التفاخر فيقول الرجل قتلت و أسرت''۔

یہ عبارت بیضاوی کی ہے، اور ترجمہ اس کا یوں ہے:

''مروی ہے کہ جب نکل آئے قریش ریت کے تودہ سے، فرمایا حضرتؐ نے یہ قریش ہیں جو آئے ہیں، غرور اور فخر کے ساتھ، جھٹلاتے ہیں رسول تیرے کو، اے خدا میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ چیز جس کا تو نے وعدہ کیا تھا''۔ پس آئے جبرئیلؑ حضرتؐ کے پاس اور کہا ان کو، لے تو ایک مٹھی خاک کی پس پھینک ان کی

(۱) عقنقل ریگ تودہ برہم نشستہ ۱۲ صراح

طرف، پس جب ملے دونوں لشکر، لی حضرتؐ نے ایک مٹھی کنکریوں اور خاک کی، پس پھینکا اس کو ان کے مونہوں کی طرف، اور فرمایا بگڑ جایوے منہ، پس نہ رہا کوئی مشرک کہ نہ پہنچی ہو اس کی آنکھ میں، پس بھاگ اٹھے اور مسلمانوں نے ان کا پیچھا کر کے ان کو قتل اور گرفتار کیا، پھر جب پھرے مسلمان فخر کرنے لگے، پس کہتا تھا ہر ایک کہ میں نے مارا اور گرفتار کرلیا۔

اور اس پچھلی بات سے اللہ صاحب نے مسلمانوں کو روکا، جیسا اسی آیت میں مذکور ہے:

"فلم تقتلوهم ولكنّ الله قتلهم"

(یعنی سو تم نے ان کو نہیں مارا لیکن اللہ نے ان کو مارا)۔

چوتھا معجزہ

دین اسلام کو غالب کرنے کی بشارتِ الٰہی

اور اس کا پورا ہونا

اٹھارہویں سیپارے کے تیرہویں رکوع میں سورۂ نور کی پچپنویں آیت یوں ہے:

وعداللّٰہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصّالِحات لیستخلفنهم فی الأرض کما استخلف الذین من قبلهم و لیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم و لیبدلنهم من بعد خوفهم أمناً،یعبدوننی لا یشرکون بی شئیاً۔

ترجمہ:— یعنی وعدہ دیا اللہ نے جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں، اور کئے کام نیک، البتہ خلیفہ کرے گا ان کو جیسے خلیفے (خلفاء) کئے تھے ان سے اگلوں کو اور البتہ جمادے گا، ان کو دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے لئے اور البتہ دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن، میری بندگی کریں گے، شریک نہ کریں گے میرا کسی کو۔

پس اس آیت میں خدا تعالیٰ نے مومنین صالحین صحابہؓ کے لئے جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے تین وعدے فرمائے۔

اول

اول یہ کہ ان میں سے سلطان اور خلفاء کرے گا، جیسے بنی اسرائیل میں سے

داؤدا اور سلیمان علیہما السلام وغیرہما کو خلفاء کر چکے ہیں۔

دوسرا

یہ کہ ان کے وقت میں اسلام کے مذہب کو جو اس کی پسند ہے، خوب ہی جمادے گا، اور رواج دے گا۔

تیسرا

تیسرا یہ کہ ان کا خوف جو کفار سے ہے، بالکل جاتا رہے گا، اور نڈر ہو کے اللہ کی عبادت کیا کریں گے، اور چونکہ لفظ منکم کا بصیغہ خطاب فرمایا ہے اور لفظ، لیستخلفنہم میں ان اشخاص کی طرف ضمیر جمع کی پھری ہے، اور جمع کا اطلاق حقیقۃً زبان عرب میں تین سے کم پر نہیں آتا، تو معلوم ہوا کہ اللہ صاحب اس اپنے وعدے کے موافق ان مؤمنین صالحین سے جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے، تین اشخاص یا زائد کو خلافت اور سلطنت عظمیٰ کے مرتبہ پر مثل داؤد اور سلیمانؑ کے پہنچاوے گا، اور ان کی خلافت کے عہد میں دونوں پچھلے وعدے بھی پورے کر دے گا، سو الحمد للہ کہ خلفاء اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان مؤمنین صالحین میں سے ایسی خلافت کے رتبہ پر پہنچا کر، یہ سب وعدے پورے کئے، اور اسی آیت کے موافق وہ حدیث بھی ہے، جو بخاری نے بسندِ کامل عدی بن حاتمؓ صحابی سے روایت کی ہے کہ:

''میں پیغمبرؐ کے حضور میں بیٹھا تھا، کہ ایک شخص نے آ کے فاقے اور مفلسی کی شکایت کی، پھر ایک اور شخص نے راہوں میں رہزنی کا شکوہ (۱) کیا، سو حضرت ﷺ نے دونوں کا شکوہ سن کر فرمایا:

---

(۱) یعنی قزاق لوٹتے ہیں، اور مسلمان سوداگروں کو کافروں کے ظلم سے راستہ چلنا مشکل ہو گیا ہے۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ علیہ

"یاعدی هل رأیت الحیرة فإن طالت بك حیاة فلترین الظعینة ترتحل من الحیرة حتی تطوف بالکعبة لا تخاف أحداً إلا الله و لئن طالت بك حیاةٌ لتفتحن کنوز کسری"۔

"ترجمہ:- یعنی اے عدی(۱) کیا تو نے حیرہ(۲) دیکھا ہے؟ پس اگر دراز ہوگی تیری زندگی تو دیکھے گا، عورت سفر کرنے والی کو کہ کوچ کرے گی حیرہ سے واسطے طواف خانہ کعبہ کے اس حال میں کہ نہ ڈرے گی کسی سے خدا کے سوا(۳)، اور اگر دراز ہوگی تیری زندگی البتہ کھولے جائیں گے کسری بن ہرمز بادشاہ فارس کے خزانے(۴)"۔

اور اس روایت کے آخر میں ہے کہ عدیؓ نے کہا: پس دیکھا میں نے کہ عورت سفر کرنے والی حیرہ سے کوچ کرتی ہے واسطے طواف خانہ کعبہ کے، اور نہیں ڈرتی سوا خدا کے کسی سے(۵)، اور تھا میں ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے کسری بن ہرمز بن نوشیرواں کے خزانے کھولے"(۶)۔

اور اسی آیت کے موافق وہ حدیث بھی ہے جس کو بخاری نے بسند کامل خباب

(۱) اس میں خطاب عدیؓ کی طرف کیا کہ صحابہ حاضرین بھی اس بشارت کو سن لیویں، اور جواب ان دونوں کا بھی حاصل ہو جاوے۔۱۲ منہ رحمۃ اللہ۔

(۲) حاء مہملہ کے زیر اور یاء تحتانیہ کے سکون کے ساتھ، ایک شہر کا نام ہے جو کوفہ کے نواح میں واقع ہے۔۱۲ منہ

(۳) اس میں اس شخص کے قول کا جواب حاصل ہوا جس نے رہزنی کا شکوہ کیا تھا اور یہ وعدہ موافق دوسرے اور تیسرے وعدے خدا کے ہے جو آیت مذکورۂ بالا میں مذکور ہے۔۱۲ منہ

(۴) یعنی بطور غنیمت کے مسلمانوں کے ہاتھ آویں گے اور ان میں تقسیم ہوں گے اور اس قول سے اس شخص کے قول کا جواب حاصل ہوا جس نے فقر کی شکایت کی تھی اور یہ وعدہ موافق پہلے وعدے کے ہے جو آیت مذکورۂ بالا میں مندرج ہے اور تینوں وعدے مندرجۂ حدیث کا ایفا عدیؓ کی زندگی ہی میں ہو گیا، چنانچہ ابھی آگے مذکور ہوتا ہے۔

(۵) یعنی کوئی ایسا نہ رہا کہ ایک عورت مسلمہ ضعیفہ کو راہ میں ٹوکے مرد مسلمان کا تو کیا ذکر۔۱۲ منہ

(۶) پس جیسا محمدؐ نے فرمایا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا۔۱۲ منہ۔

بن ارت صحابی سے روایت کی ہے کہ خباب بن ارت کہتے تھے کہ رسول خدا ﷺ کعبہ کے سایہ میں سر کے نیچے کملی رکھے ہوئے لیٹے تھے، اس حال میں ہم نے کافروں کا شکوہ کیا، اور ہم نے مشرکوں سے سختی اور تکلیف اٹھائی تھی، ہم نے کہا آپ مشرکوں پر کیوں دعائے بد نہیں کرتے کہ وہ ہم کو ستاتے ہیں، پس حضرتؐ اٹھ بیٹھے، اور آپ کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا(۱)، اور کچھ نصائح صبر فرما کے فرمایا:

"واللہ لیتمن ھذا الا مر حتی یسری الراکب من صنعاء إلی حضر موت لا یخاف إلا اللہ أو الذئب علی غنمه ولکنکم تستعجلون".

"یعنی اللہ کی قسم ہے البتہ یہ دین پورا ہوئے گا (اور تم آسانی سے دیکھو گے سختی کے بعد) یہاں تک کہ چلے گا سوار صنعا سے حضر موت تک اس حال میں کہ نہیں ڈریگا کسی سے مگر خدا سے یا بھیڑئے سے اپنی بکریوں پر، لیکن تم جلدی کرتے ہو"۔

یعنی قریب ہے کہ مشرکوں کا ظلم اور عذاب جاتا رہے گا، اور مسلمانوں کو ان کی قوت کے سبب ایسا امن حاصل ہو جاوے گا کہ وطن کا تو کیا ذکر، اطراف بعیدہ میں بھی ان کو کسی کا ڈر نہ رہے گا، یہاں تک کہ ایک سوار مسلمان تن تنہا صنعا سے حضر موت (۲) تک سیر کرے گا، اور اس کو کسی کافر سے راہ میں مطلقاً کچھ بھی اندیشہ نہ ہوگا، اور فقط اللہ ہی سے ڈرے گا کہ یہ اس کے ایمان کی قوت کی نشانی ہے یا بھیڑئے سے اپنی بکریوں پر، کہ وہ عادت سے خارج ہے۔

پس اب کی اپنی مظلومی اور قلت اور کافروں کے غلبہ اور بہتات پر نظر نہ کرو۔

اب دیکھنا چاہئے کہ جس وقت میں کہ یہ خبریں بطور پیشن گوئی کے بوساطت

---

(۱) ہماری بے صبری اور شکایت کے سبب ۱۲ منہ

(۲) یہ دونوں شہر یمن کے ملک میں ہیں، اور ان کے بیچ میں مسافت بہت ہے، ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی

قرآن شریف اور زبان وحی ترجمان رسول علیہ کے صادر ہوئیں کئی امر تھے کہ ان کے سبب سے کمال قوت ان پیشین گوئیوں کی ثابت ہوتی ہے۔

اول

اول یہ کہ ان پیشین گوئیوں کے وقت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تنگ دست تھے، اور کافروں کے خوف سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات دن تردد رہتا تھا، اور لڑائی کا سامان ان کے پاس نہ تھا، اور قواعد جنگ سے کما ینبغی آگاہ نہ تھے، اور نہ قواعد جہانگیری اور ضوابط ملکی سے آشنا، کس طرح آشنا ہوتے، نہ کوئی ان میں سے حکمراں تھا، اور نہ کسی نے کسی سرکار ذی اقتدار میں کسی حیلہ کے سبب مداخلت پائی تھی کہ اسی حیلہ سے کچھ واقفیت ان کو ایسے امور میں حاصل ہوتی۔

دوم

یہ کہ اس وقت میں بہت تھوڑے تھے، اور مخالف ان کے بیشمار، اگر چہ صرف مشرکینِ عرب ہی کا حساب کیا جائے تو بھی لاکھوں حصہ زائد تھے۔

سوم

یہ کہ مذہب کی دشمنی بہت بری ہوتی ہے کہ اس کے خاطر چمار اور حلال خور بھی جان دینے میں دریغ نہیں سمجھتا، چہ جائے سلاطین اور مردم نامور اور ذی عزت کے، اور مذہب کے خاطر مسلمانوں کے سب خون کے پیاسے اور گوشت کے بھوکے تھے، کیا مشرک کیا مجوسی، اور کیا اہل کتاب، اور ہر ایک اس مذہب کے مٹانے کے لئے کمر اپنی چست باندھتا تھا۔

اور اس وقت عرب اور تمام اس کے گرد و نواح میں زور و شور انہیں تین فرقوں کا تھا، کیونکہ عرب کے ملک میں اکثر اور اغلب تو مشرک اور بت پرست تھے، اور کچھ کچھ اہل کتاب بھی، اور ایران میں مجوسیوں کی سلطنت زور و شور سے قائم تھی، اور روم میں عیسائیوں کی سلطنت محکم تھی، اور دونوں سلطنتیں فوج اور خزانے کما ینبغی سے پُر، بلکہ اس وقت ربع مسکون میں انہیں تینوں فرقوں کے سوا کوئی دوسرا حکمراں نہ تھا، اس کے باوجود یہ پیشین گوئیاں تقریباً تیس (۱) برس کے عرصہ میں ظہور میں آئیں، اس طرح سے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زندگی میں مکہ اور خیبر اور بحرین اور اکثر عرب کا ملک اور سارا ملک یمن کا اہل اسلام کے قبضہ میں آ گیا، اور نجاشی بادشاہ حبشہ کا مسلمان ہو گیا، اور حبش کا ملک دارالاسلام بن گیا، اور ہجر کے مجوسی اور نواحِ شام کے بعض عیسائی جزیہ گذار ہوئے۔

اور صدیقؓ کی خلافت میں مذکورہ ملکوں کے سوا ملک فارس کے بعض علاقے اور بصری اور دمشق اور اس کے توابع ملک شام سے مسلمانوں کے تصرف میں آئے، اور فاروقؓ کی خلافت میں سارے شام کے ملک پر اور اسی طرح سارے مصر کے ملک پر اور فارس کے اکثر ملک پر مسلمان متصرف ہوئے، اور کسریٰ بادشاہ فارس نے ہر چند

---

(۱) اور اس جلد پھیلنے کے سب عیسائی مؤرخ بھی مقر ہیں، تاریخ ہند کا مؤلف جس نے اس کو وزیٹر جنرل ملک مغربی کی اعانت سے انگریزی تاریخوں سے منتخب کر کے ترجمہ کیا ہے اور وہ تاریخ ۱۸۵۳ء میں چھپی ہے، اول کچھ حال شروع اسلام کا لکھ کر یوں نقل کرتا ہے، ''غرض شجاعت ذاتی اور حرارت دینی سے ہر طرف کے ملکوں پر اتنے تھوڑے عرصہ میں غالب ہو گئے کہ نظیر اس کی کسی قوم کی تواریخ میں نہیں پائی جاتی، ملک کے ملک اور سلطنتیں کی سلطنتیں ان کے قبضے میں آئیں اور وہاں کے لوگوں نے پیروی دین اسلام کی قبول کی'' دیکھو انگریزی مورخین کے موافق صاف اقرار کرتا ہے کہ ایسے جلد غالب آ جانے کی نظیر کسی قوم کی تواریخ میں نہیں پائی جاتی۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی

کوشش کی، لیکن سوائے کسرِ شوکت اور اقبال اپنے کے کچھ نہ حاصل کیا(۱)، اور قیصر نے

---

(۱)اول باراس کے لشکر نے کہ دو ہزار اور سرداران کا جابان تھا، ملک فارس کے سرحد پر لشکر اسلامی سے کہ ان کا سردار ابی عبیدہؓ بن مسعود ثقفی تھے، شکست کھائی اور جابان گرفتار ہوا اور لشکر اسلام میں آکر مسلمان ہو گیا، دوسرے باراس کے بڑے لشکر نے کہ جس کا سردار جالینوس تھا مداین پر شکست کھائی، تیسرے بار لشکر اس کا دریائے فرات پر بسبب شہید ہو جانے ابوعبیدہ کے غالب آیا، چوتھے باراس کے بارہ ہزار لشکر نے جس کا سردار مہران بن مہرویہ تھا، لشکر اسلامی سے جس کا کہ سپہ سالار جریر بن عبداللہ تھے، بعد بڑی سخت لڑائی کے شکست پائی اور مہران مارا گیا اور اس فتح کے بعد بغداد لشکر اسلام کے قبضہ میں آ گیا، پانچویں باراس کا لشکر کہ ایک لاکھ بیس ہزار تھا اور سرداراس کا رستم، لشکر اسلام سے جس کے سپہ سالار سعد بن ابی وقاص تھے، مقام قادسیہ پر چار دن تک بڑی کوشش سے لڑا اور چوتھے دن رستم مارا گیا، اور فارس کے لشکر نے شکست کھائی، اور اس لڑائی میں لاکھ آدمیوں کے قریب فارسیوں میں سے مقتول اور اسیر ہوئے اور مسلمانوں میں سے کل تین ہزار شہید ہوئے اور غنیمت بیشمار اہل اسلام کے ہاتھ آئی، چھٹے بار جب لشکر اسلام دریائے دجلہ سے کہ ان دنوں بڑے طغیانی پر تھا، اور فارسیوں نے اپنی طرف دوسرے کنارہ پر کشتیوں کا بندوبست کر رکھا تھا، مدد الٰہی سے بدون پل اور کشتی کے سلامت پار ہوا، اس کا لشکر جس کا سپہ سالار خورزاد رستم کا بھائی تھا مداین پر لڑا وہاں بھی شکست کھائی اور خورزاد بھاگ گیا اور مدائین جو دارالسلطنت تھا، معہ تمام خزانوں اور اسباب بے قیاس کے لشکر اسلام کے قبضہ میں آیا، ساتویں بار ایک لشکر جرار جس کا سپہ سالار مہران بن بہرام تھا، مقام جلولاء پر لشکر اسلام سے کہ بارہ ہزار اور سردار اس کے ہاشم بن عتبہ سعد بن ابی وقاصؓ کے بھتیجے تھے، خوب ہی لڑا لیکن بدقسمتی سے مثل پہلی نوبتوں کے شکست کھا کر بھاگا، آٹھویں بار کہ یہ آخری لڑائی فارس کے لشکر کی عمرؓ کی خلافت میں ہے، اس کا لشکر سب اس کی عملداری کے دور دراز علاقوں سے آکر جمع ہوا اور ایک لاکھ پچاس ہزار شمار میں آیا اور سپہ سالاران کا بادشاہ فیروزان تھا، لشکر اسلام سے کہ تیس ہزار اور سپہ سالاران کا نعمان بن مقرن تھے، دو مہینے تک دور دور سے لڑتا رہا اور خندق سے جو گرد اپنے کھود رکھی تھی باہر نہ نکلا، بعد دو مہینے کے بدھ کے روز میدان میں نکل کر خوب لڑا، اور جمعرات کو بڑی سخت لڑائی ہوئی اور جمعہ کو بعد زوال کے کہ فی الحقیقت وقت زوال سلطنت فارسیوں کا تھا، فوج اسلامی نے حملہ کیا، اگرچہ نعمان بن مقرن شہید ہو گئے، لیکن لشکر اسلام نے فتح پائی اور اسی ہزار فارسی مقتول ہوئے اور باقی بھاگ اٹھے اور فیروزان چار ہزار کے ساتھ بھاگا، قعقاع بن عمر نے ہزار آدمی کے ساتھ اس کا تعاقب کر کے اس کو قتل کیا اور سب مال اور منال لشکر کفار کا معہ اس کے ملک کے لشکر اسلام کے قبضہ میں آیا، ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

بہتیرے ہاتھ پاؤں پیٹے لیکن سوائے قصور طالع (بدنصیبی) کے کچھ نہ (۱) دیکھا، اور خزانے اور اسباب بے حساب ان دونوں سلطنتوں کے مسلمانوں میں بٹ گئے، اور ان سب اقالیم میں فاش اور بے خوف اور اندیشہ کے توحید حق کی پھیل گئی اور شرک اور کفران اقالیم میں بعض جگہ سے مطلقاً نیست و نابود ہو گیا، اور بعض جگہ سے بہت کم ہو گیا، اور عثمانؓ کی خلافت میں، مغرب کی جانب اندلس کے آخری حصہ اور قیروان اور بحر محیط کے متصل تک اور مشرق میں بلاد چین تک سب ملک مفتوح ہو گیا اور کسری کا اس خلافت میں نام بھی مٹ گیا کہ ۳۰ھ تیسویں ہجری میں مارا گیا اور مشارق اور مغارب سے خراج آنے لگا۔

---

(۱) عمرؓ کی خلافت میں جب کہ ابو عبیدہؓ جراح سپہ سالار لشکر تھے، اول بار والی دمشق جو قیصر کا صوبہ تھا، بہت لشکر کے ساتھ دمشق کے قلعہ سے نکل کر اسلام کے لشکر سے لڑا اور شکست پا کر بھاگا، اور بہت آدمی اسکے لشکر سے مقتول ہوئے اور بعد شکست کے والی دمشق نے صلح کی اور ایک لاکھ دینار نقد دے کر جزیہ دینا قبول کیا اور دمشق کے قلعہ کو لشکر اسلام کے حوالے کر دیا، اور دوسرے بار بعلبک پر لڑائی ہوئی اور قیصر کا لشکر صبح سے دوپہر تک خوب لڑا، بعد دوپہر کے شکست کھا کر بھاگا اور بہت ان میں سے مقتول ہوئے، تیسرے بار فلسطین پر قیصر کا لشکر کہ ساٹھ ہزار تھا لشکر اسلامی کہ سینتیس ہزار تھا، مقابلہ پر آیا اور سخت لڑائی ہوئی اور قیصر کے لشکر نے پھر شکست پائی اور گیارہ ہزار آدمی اس لشکر کے مارے گئے، چوتھے بار حمص پر اور وہاں بھی قیصر کے لشکر نے شکست کھائی اور قلعہ وہاں کا مفتوح ہو گیا، پانچویں بار قیصر نے بڑی تیاری کر کے پانچ لاکھ سپاہ جمع کی اور ان میں سے چار لاکھ چھانٹ کر ماہان کو سپہ سالار اس کا مقرر کیا اور وہ اس لشکر جرار کے ساتھ یرموک پر آیا، اور وہاں لشکر اسلامی سے سخت لڑائی ہوئی آخر کو ماہان مارا گیا، اور ستر ہزار آدمی مقتول ہوئے اور باقی شکست فاش پا کر کے بھاگے، بعد اس شکست کے کمر قیصر کی ٹوٹ گئی اور فتح سے بالکل ناامید ہو گیا، اور اس ملک کو الوداع کہہ کے قسطنطنیہ کو روانہ ہوا، چھٹے بار دربند پر قیصر کا تیس ہزار کا لشکر دو ہزار لشکر اسلامی کے مقابلہ پر آیا چونکہ مسلمانوں سے بہت خوف ان کے دلوں میں بیٹھ گیا باوجود اس اپنی کثرت اور مسلمانوں کی قلت کے کچھ تھوڑی لڑائی لڑ کے بھاگ اٹھا، ساتویں بار بیت المقدس پر ایک بڑا لشکر اس کا فوج اسلامی کے مقابل ہوا اور ایک گھنٹہ کے عرصہ میں پیٹھ دے کر بھاگا، اور بہت آدمی ان سے مقتول ہوئے، پھر سب ملک شام کا مخالفوں سے خالی ہوا اور اہل اسلام کے قبضہ میں آیا پس ملک شام کی بابت غریب قیصر نے سات بار ہاتھ پاؤں پیٹے قصور طالع سے اس ملک کو چھوڑنا پڑا، ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی

حاصل کلام کا یہ ہے کہ موافق وعدے خدا اور رسول کے اتنے عرصۂ قلیل میں کئی سلطنتیں پائدار، کہ سینکڑوں برس سے ان کا تسلط بخوبی تھا، مٹ گئیں، اور تینوں فرقۂ مخالف نے اگرچہ مذہب اور سلطنت کا پاس کرکے بہت ہی کوشش کی لیکن بجھوائے۔

چراغے را کہ ایزد برفروزد　　　ہر آنکہ تف زند ریشش بسوزد۔

ان کی اس کوشش پر کچھ فائدہ مترتب نہ ہوا، اور اسلام کی عمل داری عرض میں کہیں تینتالیس چوالیس درجے تک جیسے باب المندب سے بلاد یونان تک اور کہیں پچاس درجے تک، جیسے حدود ترکستان کی حدود شمالی تک، اور طول میں نصف النہار لندن سے دس درجے غربی سے لے کر کسی جگہ ستر درجے تک، جیسے حدود شرقیہ فارس تک، اور کہیں بیاسی درجے تک جیسے حدود شرقیہ ترکستان تک بخوبی جم گئی، اور مضمون لا إله إلا الله کا اچھی طرح جلوہ گر ہو گیا، اور دنیا کے چاروں طرف میں مسلمان چین چان (چین وسکون) سے خدا کی عبادت کرنے لگے، اور کسی کافر کو اتنی قوت نہ رہی کہ اقالیم مذکورہ میں کسی مسلمان بوڑھیا کا متعرض ہو سکے، اور علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں اگرچہ اور ملک فتح نہ ہوا، مگر اسلام کی ترقی میں شک نہیں۔

پانچواں معجزہ

غلبۂ دین کی پیشین گوئی اور اس کا پورا ہونا

سیپارے اٹھائیسویں کے نویں رکوع میں آیت نویں سورۂ صف کی یوں ہے:

"هوالذی أرسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کلّه،ولوکره المشرکون"۔

ترجمہ:-یعنی وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت لیکر اور دین سچا، تاکہ اس کو غالب کرے ہر دین پر، پڑا (خواہ) برا مانیں مشرک۔

اور سیپارے چھبیسویں کے رکوع بارہویں میں سورۂ فتح کی آیت اٹھائیسویں یوں ہے:

"هوالذی أرسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله و کفی بالله شهیدا"۔

اور معنی پچھلے (آخری) جملہ کے یہ ہیں "اور بس ہے اللہ حق ثابت کرنے والا"۔

پس ان آیتوں میں دین محمدی کے سب دینوں پر غالب کردینے کا اللہ صاحب وعدہ فرماتے ہیں اور اسی کے موافق وہ حدیث ہے جو مقداد صحابیؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ فرماتے تھے:

"لا یبقی علی ظهر الأرض بیت مدر ولاوبر إلاأدخله الله کلمة الإسلام بعز عزیز أو ذل ذلیل إما یعزهم الله فیجعلهم

من أهلها أو يذلهم فيدينون لها۔

یعنی نہ باقی رہے گا زمین کے پشت پر کوئی مکان کیا شہر، کیا گاؤں، کیا بادیہ، اور صحرا، مگر لے آئے گا، اللہ اس میں کلمہ اسلام کو ساتھ عزت شخص کے، جو عزیز ہوتا ہے، یا خواری شخص کی جو ذلیل ہوتا ہے یا عزیز اور غالب کردے گا اس مکان کے لوگوں کو، پس کردے گا ان کو کلمہ والوں سے یا خوار کرے گا ان کو، پس تابعداری کریں گے اس کلمہ کی، یعنی کلمہ اسلام کی بشارت ہر جگہ شہریوں اور دیہاتیوں اور صحرا نشینوں کو پہنچ جائے گی پس بعضے ان سے مسلمان ہو جائیں گے اور بعض تابعدار جزیہ گذار''۔

پس دیکھو پیشین گوئی مندرجہ قرآن وحدیث کی کیسی ظہور میں آئی، کہ جزائر خالدات سے کہ ربع مسکون کی حد غربی ہے، بلاد چین تک کہ ربع مسکون کی حد شرقی ہے طول میں، اور سواحل جنوبیہ افریقیہ اور جزائر ہندوستان سے لے کر کہیں پینتالیس درجہ اور کہیں پچاس اور کہیں پچپن اور کہیں ساٹھ اور کہیں اس سے بھی زیادہ، جیسے دیار بلغار تک، عرض شمالی میں، عمل داری تابعین کلمہ اسلام کی ہوگئی، اور بڑے صوبوں میں سے ان ملکوں کے جو خوب آباد اں (آباد) تھے، کم باقی رہا ہو گا، جہاں ہزار گیارہ سو برس کے اندر مسلمانوں کی حکومت نہیں ہوئی، اور جس جگہ ان کی حکومت پہنچی کم ہوگا کہ سو برس سے کم رہی ہو، اور اکثر جگہ صرف جزیہ لینے پر بھی کفایت کی ہے۔

اور ولایات فرنگ (میں) سے بھی بہت ولایتوں میں (مثل اسپانیہ کے جس کو اب اندلس کہتے ہیں، اور اس جگہ مسلمانوں کی سلطنت آٹھ (۱) سو برس رہی، اور ۱۸۹۱ء میں ابو عبداللہ کے عہد میں وہ سلطنت مسلمانوں کے قبضہ

(۱) جیسا لب التواریخ کے دوسرے دفتر کے انتیسویں باب کی چوتھی فصل میں مرقوم ہے ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی

سے نکل گئی، اور مثل یونان اور ہنگری اور بلغار اور پرتگال کے اور مثل اطالیہ (اٹلی) کے جس کی زبان لاطن (لاطینی) کہلاتی ہے، اور اس زبان میں زمانہ سلف میں عیسائیوں کی کتب دینی ترجمہ اور تالیف ہوئی ہیں، حکومت اور سلطنت ہوئی، بلکہ جب سلطنت قیصر کی ان کے ہاتھ سے مغلوب ہوئی تو گویا تمام ولایات فرنگ مغلوب ہوگئیں کیونکہ زمانہ خلفاء کرام میں ولایات فرنگستان کے اکثر حاکم قیصر کے زیر حکومت ایسے تھے جیسے اب حاکم یمن اور مسقط اور مصر کے زیر حکومت دولت علیہ عثمانیہ "أبقاها الله تعالى" کے، اور اپنی حکومت میں مستقل اور خودمختار نہ تھے، اور یہ سلطنتیں جواب بڑی شوکت پر ہیں مثلاً سلطنت روسیہ جو قریب نصف فرنگستان اور ایشیائے روس کی مالک ہے، اور سلطنت انگلشیہ جواب بڑے زور وشور پر ہے، اس وقت میں کچھ بھی نہ تھی، بلکہ ایسا عروج سلطنت روسیہ کو تقریباً دو سو برس سے، اور سلطنت انگلشیہ کو اٹھارہویں صدی سے ہوا ہے۔

ولیم میور صاحب سلطنت قیصر کے بارے میں، جو زمانہ سلف میں تھی، اپنی تاریخ کلیسا اردو کے باب دوسرے کی دفعہ تیسری میں ستائیسویں صفحہ کے اندر بطور حاشیہ کے یوں لکھتے ہیں، نسخہ ۱۸۴۸ء:

''روما کے شہنشاہ کو قیصر کہتے تھے''۔

پھر اسی باب کی اکیسویں دفعہ میں بطور حاشیہ کے صفحہ سینتالیسویں کے اندر لکھتے ہیں:

روما اطالیہ کا صدر شہر اور شہنشاہوں کا دارالسلطنت تھا، قسطنطین کے عہد سے قسطنطنیہ دارالسلطنت مقرر ہوا''۔

پھر اسی دفعہ ۲۱ میں لکھتے ہیں:

''روما ایک بڑا شہر اور شہنشاہوں کا تخت گاہ تھا، بلکہ اس زمانے میں کہیں کوئی شہر اس کے برابر نہ تھا، اور اس کی جلال اور حشمت زیادہ از حد تھی، کیونکہ سب ملک گویا تمام دنیا اس کے تابع تھی''

پھر تیسرے باب کے پہلے حصہ کی تیسری دفعہ میں صفحہ ۶۹ کے اندر اس امر کی کہ وہاں دین عیسوی جلد پھیلا، وجوہات کے بیان میں یوں لکھتے ہیں:

''پہلے خدا تعالیٰ کے انتظام عجیب سے ان دنوں میں گویا تمام دنیا سلطنت روما کے تحت حکم (ماتحت) تھی۔''

پھر لکھتے ہیں:

''روما کا علاقہ تخمیناً پندرہ سو کوس لنبا (لمبا) اور ہزار کوس چوڑا تھا''

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اس بڑی سلطنت کے سلطان کو قیصر کہتے تھے، اور زمانۂ سلف میں دارالسلطنت اس کا روما تھا اور عہد قسطنطین سے قسطنطنیہ مقرر ٹھہرا، اور اس زمانۂ سلف میں گویا تمام دنیا کی سلطنتیں اس سلطنت کے زیر حکومت تھیں، اور علاقہ اس کا پندرہ سو کوس طولاً اور ہزار کوس عرضاً تھا، اور اس سلطنت کا حال یہ ہوا کہ خلفاء رضوان اللہ علیہم أجمعین کے زمانہ میں ایشیائے روم جو طول میں پانسو کوس اور عرض میں کچھ کم پانسو (۵۰۰) کوس تھا، اس کی حکومت سے نکل گیا، اور تب ہی سے یہ سلطنت قاہرہ یوماً فیوماً ضعیف ہونے لگی، اور رفتہ رفتہ اس کے حکام بغاوت پر سر اٹھانے لگے، اور آخر کومٹ گئی، اور جب یہ سلطنت مغلوب ہوگئی تو گویا سب ولایات فرنگ مغلوب ہوگئیں اور گویا سب پر اہل اسلام کا تسلط ہوگیا، جیسا جب نادر شاہ نے محمد شاہ شہنشاہ ہندوستان کو مغلوب کر لیا تھا تو گویا سارے ہندوستان پر اس کا تسلط ہوگیا تھا، گو صوبۂ دکن نے مثلاً اس کی اچھی طرح اطاعت نہ کی ہو، اور انشاء اللہ عہد کرامت مہد

امام مہدیؑ میں ایسی پیشین گوئیوں کی تکمیل حقیقی ہو جاوے گی کہ حقیقۃً سارے جہاں میں ملت اور حکومت اسلامی کے سوا اور ملت اور حکومت باقی نہ رہے گی جیسا کہ احادیث صحیحہ میں واقع (۱) ہے۔

(۱) اور بعضوں نے حدیث کے اندر لفظ الارض میں الف لام عہد کا مانا ہے اور اشارہ اس کا طرف زمین جزیرۂ عرب اور اس کے گردونواح کے کہا ہے پس اس کے موافق پیشین گوئی حقیقۃً کامل ہو چکی، ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی۔

چھٹا معجزہ

بیعتِ رضوان

ہجرت کے چھٹے برس حدیبیہ میں صحابہؓ نے جو قریب ایک ہزار پانسو کے تھے، درخت کیکر کے نیچے رسول ﷺ سے بیعت کی، جس کو ''بیعت الرضوان'' کہتے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ ان سے ان کے صدق اور اخلاص کی جہت سے راضی ہوا، اور سیپارے چھبیسویں کے گیارہویں رکوع میں سورۂ فتح کے اندر آیت اٹھارویں سے آیت اکیسویں تک اپنی خوشنودی کی خبر دی، اور کئی وعدے کئے، اور فرمایا:

"لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین إذیبایعونك تحت الشجرة، فعلم مافی قلوبهم فأنزل السكينة عليهم و أثابهم فتحاً قريباً، و مغانم كثيرةً يأخذونها، وكان الله عزيزاً حكيماً، وعدكم الله مغانم كثيرةً تأخذونها فعجّل لكم هذه و كفّ أيدى الناس عنكم، ولتكون آية للمؤمنين و يهديكم صراطاً مستقيماً، و أخرى لم تقدروا عليها قد أحاط الله بها، وكان الله على كل شئ قديراً۔

ترجمہ:- یعنی ۱۸۔ اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب ہاتھ ملانے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے، پھر جانا جو ان کے جی میں تھا (صدق اور اخلاص سے بیعت کے اندر) پھر اتارا ان پر چین اور آرام، اور دی ان کو ایک فتح نزدیک

(یعنی فتح خیبر کی) ۱۹۔ اور بہت غنیمتیں جو ان کو لیں گے (یعنی غنیمتیں خیبر کی) اور اللہ ہے زبردست حکمت والا، ۲۰۔ وعدہ دیا ہے تم کو اللہ تعالی نے بہت لوٹوں کا (یعنی اور لوٹیں خیبر کی لوٹوں کے سوائے جو قیامت تک ہاتھ آویں گی) تم ان کو لوگے، سو شتاب (جلدی) ملا دی تم کو یہ (یعنی خیبر کی لوٹیں) اور روکے ہاتھ لوگوں کے (یعنی خیبریوں اور ان کے ہم عہدوں بنی اسد اور بنی غطفان کے) تم سے، تا (تا کہ) ایک نشانی ہو (۱) مومنوں کے واسطے اور چلاوے تم کو راہ سیدھی، ۲۱۔ اور وعدہ دیا اور لوٹوں کا (یعنی ہوازن کی لوٹیں یا فارس اور روم کی) جو تمہارے ہاتھ نہیں آئیں، وہ اللہ کے قابو میں ہیں، اور ہے اللہ سب چیز کر سکتا۔

ان آیتوں میں اللہ تعالی نے کئی وعدے فرمائے، اور اکثر وفا ہوئے، اور انشاء اللہ باقی وفا ہو جاویں گے، اور اسی وعدۂ الٰہی پر حضرت ﷺ نے اعتماد کر کے ہجرت کے ساتویں برس خیبر کی طرف ارادہ کیا، اور وہاں کے یہودیوں سے لڑائی ہوئی، باوجود اس کے کہ ان کے قلعے مضبوط تھے، اور خوب لڑے، تب بھی خدا نے فتح دی، اور وہاں کی غنیمتیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں اور ہجرت کے آٹھویں برس غزوۂ حنین میں بے شمار لوٹ مسلمانوں کے ہاتھ لگی، اور حضرت ﷺ نے اس غزوہ میں اسباب اور نقد قریب پانچ لاکھ روپیہ کے مسلمانوں کو بخشا تھا، اور خلفاءؓ کی خلافتوں میں فارس اور روم کی لوٹ جو مسلمانوں کے ہاتھ آئی اس کا تو کیا حساب، اور خلفاءؓ کی خلافتوں کے بعد اور سلاطین اسلام کی سلطنتوں میں غنیمتیں بے حد مسلمانوں کو ملیں اور انشاء اللہ ملتی رہیں گی، اور عہد امام مہدیؓ میں سارا جہاں انہیں کی ملک ہو جائے گا۔

(۱) یعنی یہ روکنا یا یہ غنیمتیں خیبر کی نشانی ہوا پنے علو مرتبہ کی اللہ کے پاس یا نشانی ہو رسول کے صدق کی وقت پورے ہونے وعدے فتح خیبر کی اور ہاتھ لگنے غنیمتوں کے یا نشانی ہو اس بات کی کہ اسی طرح مکہ بھی فتح ہو جائے گا۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی

ساتواں معجزہ
فتحِ مکہ

آیت ستائیسویں سورہ فتح کی ہے:

"لتدخلن المسجد الحرام إن شاء الله آمنين محلقين رؤسكم و مقصرين لاتخافون فعلم ما لم تعلموا فجعل من دون ذلك فتحا قريباً".

ترجمہ:- یعنی البتہ تم داخل ہو گے ادب والی مسجد میں (یعنی کعبہ میں) اگر اللہ نے چاہا، چین سے بال مونڈتے اپنے سروں کے، اور کترتے، بے خطر، پھر جانا جو تم نہیں جانتے، پھر ٹھہرا دی اس سے ورے ایک فتح نزدیک (یعنی خیبر کی فتح)۔

اور سیپارے اٹھائیسویں کی رکوع دسویں میں آیت تیرہویں سورہ صف کی یوں ہے۔

"وأخرى تحبونها نصر من الله وفتح قريب، وبشر المؤمنين".

ترجمہ:- یعنی ایک اور چیز دی جس کو تم چاہتے ہو، مدد اللہ کی طرف سے اور فتح نزدیک، اور خوشی سنا ایمان والوں کو۔

اور یہ فتح جو محبوب تھی مکہ کی فتح ہے، کہ بسبب محبت وطن کے مہاجرین کو محبوب تھی۔

یا مراد اس فتح سے فارس اور روم کی فتح ہے۔

کشاف میں ہے:

"وفتح قريب أي عاجل و هو فتح مكة وقال الحسن فتح فارس والروم"

اور حسینی میں ہے:

''وفتح نزدیک کہ فتح مکہ است یا فتح فارس وروم''۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پورا کیا کہ آٹھویں سال ہجرت کے، دسویں تاریخ رمضان میں مکہ فتح ہوا، اور فارس اور روم کا ملک خلافت خلفاء رضی اللہ عنہم میں (فتح ہوا)۔

آٹھواں معجزہ

کفار کے مغلوب ہونے کی پیشین گوئی

سیپارے تیسرے کے رکوع دسویں میں آیت بارہویں سورۂ آل عمران کے اندر یوں واقع ہے۔

"قل للّذین کفروا ستغلبون"

''یعنی کہہ دے منکروں کو نزدیک ہے جو تم مغلوب ہوگے''

اور منکروں سے مکہ کے مشرک مراد ہیں یا یہودی لوگ۔

پس اللہ تعالی نے صاف فرمایا کہ ان کو کہد ے کہ تم مغلوب ہوگے، اور اس وعدہ کے موافق ظہور میں آیا کہ ہجرت کے آٹھویں سال رمضان کے مہینے میں مکہ فتح ہوا، اور وہاں کے مشرکوں کو کچھ بھی طاقت نہ رہی، اور سراسر مغلوب ہوئے، اور تابعدار بنے، اور اسی طرح یہود مغلوب ہوئے، ہجرت کے چوتھے سال بنی نضیر بعد لڑائی اور شکست کے جلاوطن ہوئے، اور ہجرت کے پانچویں سال بنی قریظہ مقتول ہوئے، اور ہجرت کے ساتویں سال خیبر والے ذمی اور جزیہ گذار بنے۔

نواں معجزہ

غزوۂ بدر کی پیشین گوئی

سورۂ قمر کی آیت چوالیسویں اور پینتالیسویں یوں ہے:

"أم يَقُولُونَ نحن جميع منتصر، سيهزم الجمع و يولون الدبر"۔

۴۴۔ کیا کہتے ہیں کہ ہم سب ہیں اکٹھے بدلا لینے والے، ۴۵۔ نزدیک ہے کہ شکست کھائے گا وہ گروہ اور بھاگیں گے پیٹھ دے کر۔

اور گروہ سے مراد عرب کے مشرک ہیں کہ اپنے اتفاق اور کثرت، اور مسلمانوں کی قلت اور افلاس پر نظر کر کے کہتے تھے کہ ہم کبھی مغلوب نہ ہوں گے، اور اللہ صاحب نے فرمادیا کہ عنقریب لڑائی میں مسلمانوں سے شکست اٹھاویں گے، اور ایسا ہی ہوا کہ ہجرت کے دوسرے سال رمضان کے مہینے کے اندر بدر (۱) میں شکست فاش اٹھائی، اور ان کا سارا غرور مٹ گیا، باوجودیکہ ہزار کے قریب تھے اور ہتھیاروں سے آراستہ اور مال اور اسباب ان کے پاس موجود تھا، بخلاف مسلمانوں کے کہ کل تین سو تیرہ تھے، جن میں مہاجرین ستر آدمی اور دو سو تینتالیس آدمی انصار سے تھے، اور ان کے گروہ میں کل دو گھوڑے تھے ایک مقدادؓ دوسرا زبیرؓ کے پاس۔

---

(۱) ایک جگہ ہے مکہ اور مدینہ کے بیچ میں جہاں ہر سال میں ایک دن میلا ہوا کرتا تھا اور ہر طرف سے عرب کے لوگ اس دن وہاں اسباب کی خرید و فروخت کے لئے اکٹھے ہوتے تھے۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی

دسواں معجزہ

غزوۂ بدر کے بارے میں ایک خاص پیشین گوئی

جب قریش کا قافلہ شام کے ملک سے ہٹا، اور اس کے ساتھ تجارت کا مال بہت تھا، اور چالیس سوار تھے، جبرئیلؑ نے اس کے پھرنے کی خبر دی، اس پر حضرت ﷺ نے ارادہ کیا، اور جب اس ارادہ کی خبر مکہ والوں کو پہنچی، ابوجہل لوگوں کو جمع کر کے لڑائی کے ارادہ سے نکلا، اور جبرئیلؑ نے حضرت کو آکر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دو جماعتوں سے ایک جماعت کا وعدہ کیا ہے، چاہو قافلے والوں کا مال لو، اور چاہو اس کافروں کے لشکر پر جو قافلے کی مدد کو آتا ہے فتح یاب ہو۔

حضرت ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا انہوں نے اپنی قلت اور بے سامانی پر نظر کر کے قافلے پر عزم کی صلاح دی، حضرت کو یہ صلاح پسند نہ آئی، اس پر بڑے بڑے صحابیوں نے مہاجرین اور انصار سے عرض کیا کہ حضرت کی رائے بہتر ہے، اور ہم دشمنوں کے مقابلے پر راضی ہیں، حضرت نے کوچ کیا، اور جب بدر میں پہنچے، حضرت ﷺ نے ستر کافروں کے مارے جانے کی جگہ جدا جدا ہاتھ رکھ کر معین کر دی، اس طرح پر کہ اس جگہ ابوجہل مارا جائے گا، اور اس جگہ فلانا اور اس جگہ فلانا وعلی ہذا القیاس۔

انسؓ کہتے ہیں کہ جس جگہ پر پیغمبر نے ہاتھ رکھ کر اس کو مقتل کافر کا فرمایا تھا اسی جگہ پر وہ کافر مارا گیا، چنانچہ اس کی تفصیل حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہے اور

اللہ تعالی نے اس اپنے وعدے کو جو جبرئیلؑ کی معرفت فرمایا تھا، اور صحابہ کے حال کو سورۂ انفال کی ساتویں آیت میں یوں ارشاد کیا ہے:

”وإذ يعدكم الله إحدى الطائفتين أنها لكم و تودون أن غير ذات الشوكة تكون لكم و يريدالله أن يحق الحق بكلماته و يقطع دابر الكافرين۔

یعنی یاد کرو اس کو کہ جس وقت وعدہ دیا تھا تم کو اللہ نے دو جماعت میں سے (یعنی قافلہ اور کافروں کے لشکر سے) کہ ایک تم کو ہاتھ لگے اور تم چاہتے تھے کہ جس میں (۱) کانٹا نہ لگے وہ تم کو ملے، اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کرے سچ کو اپنے کلاموں سے، اور کاٹے پیچھا کافروں کا۔

سو اللہ تعالی نے جیسا وعدہ فرمایا تھا ویسا ہی کیا، جیسا اوپر گذرا۔

(۱) یعنی قافلہ کہ اس میں آدمی تھوڑے تھے، اور ان آدمیوں کے پاس لڑائی کا سامان اچھا نہ تھا، ۱۲ منہ رحمۃ اللہ علیہ

گیارہواں معجزہ

غزوۂ احزاب میں فتح کی پیشین گوئی

اللہ تعالی نے صحابہ کے حق میں دوسرے سیپارے کے دسویں رکوع میں سورۂ بقر کی دوسو چودہویں آیت کے اندر یوں فرمایا:

''أم حسبتم أن تدخلوا الجنة ولما يأتكم مثل الذين خلوا من قبلكم مستهم البأساء والضراء وزلزلوا حتى يقول الرسول والذين آمنوا معه متى نصر الله ، ألا إن نصر الله قريب"۔

ترجمہ: یعنی کیا تم کو خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے، اور ابھی تم پر آئے نہیں احوال ان کے جو آگے ہو چکے تم سے، پہنچی ان کو سختی اور تکلیف، اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آئے گی مدد اللہ کی؟ سن رکھو، مدد اللہ کی قریب ہے''۔

یعنی یہ خیال مت کرو بلکہ تم بھی اگلے ایمان والوں کے موافق کافروں کے ہاتھ سے تکلیف اٹھاؤ گے، اور آخر تم کو اللہ کی مدد ہوگی، اور غالب ہو جاؤ گے، اور رسول ﷺ نے فرمایا تھا۔

"سيشتد الأمر باجتماع الأحزاب عليكم والعاقبة لكم عليهم"۔

یعنی قریب ہے جو تم پر جمع ہونے فوجوں کے سبب کار سخت ہو جائے گا، اور آخر تم کو ان پر غلبہ ہوگا۔

اور فرمایا تھا۔

"إنهم سايرون إليكم بعد تسع أو عشر"۔

یعنی البتہ وہ (یعنی فوجیں) تم پر آتے ہیں نو دس دن کے پیچھے۔

اور ایسا ہی ہوا کہ خدا اور رسول کے فرمودہ کے موافق قریش اور غطفان اور فزارہ اور یہود بنی نضیر جو مدینے سے نکالے گئے تھے اور یہود بنی قریظہ بارہ ہزار (۱۲۰۰۰)(۱) آدمی کے قریب لڑائی کے واسطے ہجرت کی پانچویں سال میں مدینہ پر چڑھ آئے اور اپنے مقدور ایک مہینے تک خوب لڑے، اور اپنی اس کثرت اور سامان کا لحاظ کر کے امید رکھتے تھے کہ مسلمانوں کا نشان اب کے دفعہ مٹ جائے گا، اور مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ کامل الایمان کہتے تھے کہ اب کے بار اور سخت آزمائش ہے، اور ضعیف الایمان کہتے تھے کہ اب کی بار نہ بچیں گے، اور اللہ تعالی نے اس اپنے اور اپنے رسول کے وعدے اور سچے مسلمانوں کی قوت ایمان کے بارے میں سیپارے اکیسویں کے رکوع انیسویں میں سورۂ احزاب کی بائیسویں آیت کے اندر یوں خبر دی ہے:

"ولما رأى المؤمنون الأحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله و رسوله و صدق الله و رسوله وما زادهم إلا إيماناً و تسليماً"

یعنی اور جب دیکھیں مسلمانوں نے فوجیں، بولے یہ وہی ہے جو وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اور سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول نے، اور بڑھا ان کو یقین اور اطاعت"۔

اور بحمد اللہ کہ خدا اور رسول کا وعدہ سچا نکلا اور مسلمانوں نے آخر الامر غلبہ اور فتح پائی۔

---

(۱) سورۂ احزاب کی تفسیر میں بیضاوی لکھتا ہے:

"وكانوا زهاء اثنى عشر ألفاً۔ ۱۲منہ رحمۃ اللہ تعالی

بارہواں معجزہ

فتح مکہ اور اشاعت اسلام کی پیشین گوئی

اللہ تعالی سورۂ نصر میں فرماتا ہے:

"إذا جاء نصر الله والفتح و رأيت الناس يدخلون في دين الله أفواجا،فسبح بحمد ربك" الخ

ترجمہ:۔یعنی جب آئے اللہ کی مدد اور فتح (یعنی مکہ کی فتح) اور دیکھے تو لوگ داخل ہوتے اللہ کے دین میں دَل کے دَل، پس بول اپنے رب کی خوبیاں الخ۔

اس میں وعدہ مدد اور مکہ کی فتح کا اور لوگوں کے دَل کے دَل داخل ہونے کا دین اسلام میں اللہ صاحب نے کیا تھا، سواس کو پورا کر دیا کہ آٹھویں سال ہجرت کے نصرت الٰہی سے مکہ فتح ہوا، اور ہجرت کے نویں اور دسویں سال لوگوں کے دَل کے دل دین اسلام میں داخل ہونے لگے، اور بنی اسد اور بنی فزارہ اور بنی مرہ اور بنی کنانہ اور بنی طی اور یمن اور شام اور عراق والے حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے۔

تیرھواں معجزہ

غلبۂ روم کی پیشین گوئی

جب ملک کی سرحد کی بابت خسرو پرویز فارس کے بادشاہ مجوسی اور قیصر روم مسیحی کے درمیان تنازع ہوا، اس پر خسرو نے شہر یار اور فرخار کو، کہ یہ دونوں آپس میں بھائی اور خسرو کے نامی امراء میں سے تھے بھاری لشکر دے کر قیصر پر بھیجا، لڑائی میں فارس کا لشکر غالب اور روم کا لشکر مغلوب ہوا، اور فارسیوں نے روم کے علاقہ کا کچھ ملک دبالیا، اور جب یہ خبر مکے میں پہنچی مشرک خوش ہوئے، اور مسلمانوں سے کہنے لگے کہ تم اور مسیحی کتاب والے ہو، اور ہم اور مجوسی غیر کتابی، پس جیسے ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آئے ویسے ہی ہم تم پر غالب آویں گے، اس پر اللہ تعالی نے وعدہ محکم فرمایا کہ دس برس کے اندر رومی بلا شک فارسیوں پر غالب ہو جاویں گے، اور سیپارے اکیسویں کے چوتھے رکوع میں سورۂ روم کے اندر آیت دوسری سے چھٹی تک اس وعدہ کو ذکر کیا، اور ان آیتوں کے نزول کے بعد حضرت صدیقؓ نے مشرکوں کو کہا کہ خدا کی قسم یقیناً رومی فارسیوں پر غالب آویں گے، مشرک جو دونوں سلطنتوں کے حال سے اس سبب سے کہ تجارت کے لئے دونوں ملکوں میں جاتے تھے واقف تھے، اور فارس کے لشکر کی قوت دیکھ رہے تھے کہ روم کا لشکر ان کے مقابلہ کا نہیں، یہ سن کر جھٹلانے لگے، اور ابی بن خلف نے کہا کہ کبھی ایسا نہ ہوگا، میں تجھ سے شرط کرتا ہوں، اس پر شرط یوں ہوئی کہ تین سال کی میعاد ہو جو ہارے دس اونٹ جوان دیوے۔

حضرت صدیقؓ نے یہ ماجرا حضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا حضرت

ﷺ نے فرمایا کہ بضع تین سے اوپر نو تک کو کہتے ہیں، جاؤ مدت اور مال میں بڑھا دو حضرت صدیقؓ نے جاکے نو برس کی مدت ٹھہرا کے سو اونٹوں پر شرط باندھی، اور اللہ تعالی نے رومیوں کو شکست کے بعد ساتویں سال میں فارسیوں پر غالب کر دیا، اور سبب اس کا یہ ہوا کہ خسرو پرویز نے چغل خوروں کی شرارت سے فرخار اور شہر یار پر بدگمان ہو کر چاہا کہ انہیں مروا ڈالے، وہ دونوں اس بات کی خبر پا کے قیصر سے جا ملے، اور ملت مجوسیت چھوڑ کر مسیحی بن گئے اور قیصر کے سپہ سالار ہو کر فارسیوں کو شکست دے کر کچھ ملک چھین لیا، اور جب یہ خبر عرب میں پہنچی مسلمان خوش ہوئے، اور حضرت صدیقؓ نے شرط کے سو اونٹ وصول کر کے حضرت ﷺ کے پاس لائے، حضرت ﷺ نے فرمایا کہ محتاجوں کو دے ڈال اور وہ آیات یہ ہیں:

"غلبت الروم، فی أدنی الأرض وهم من بعد غلبهم سيغلبون،فی بضع سنين، لله الأمرمن قبل ومن بعد،ويومئذ يفرح المؤمنون بنصر الله، ينصر من يشاء وهو العزيز الرحيم،وعد الله لا يخلف الله وعده، ولكن أكثر الناس لا يعلمون.

ترجمہ:- یعنی ۲۔ دب گئے ہیں رومی، ۳۔ لگتی زمین میں (۱) اور وے اس دبنے کے پیچھے اب غالب ہونگے، ۴ کئی سال میں (یعنی تین برس سے اوپر اور دس برس سے نیچے) اللہ کے ہاتھ ہے کام، پہلے اور پیچھے (۲) اور اس دن (یعنی جس دن رومی فارسیوں پر غالب ہونگے) خوش ہونگے مسلمان، ۵۔ اور اللہ کی مدد سے (اہل کتاب کو غیر کتاب والوں پر) مدد کرے جس کی چاہے، اور

---

(۱) یعنی عرب کی زمین سے قریب اور لگتی زمین میں۔ ۱۲ منہ رحمۃ اللہ تعالی۔

(۲) یعنی پہلے فتح پانے رومیوں کے جو وہ ان کی مغلوبی کا وقت ہے، اور پیچھے فتح کے جو وہ ان کے غلبہ کا وقت ہے، حاصل یہ کہ سب وقتوں میں خدا کا حکم نافذ ہے، اور یہ مغلوبیت اس کے ارادہ کے موافق ظہور میں آئی تھی، اسی طرح اس کے ارادہ کے موافق غلبہ بھی ظہور میں آجائے گا۔ ۱۲ منہ رحمۃ اللہ تعالی

وہی ہے زبردست رحم والا ،٦۔ اللہ کا وعدہ ہوا (واسطے غلبہ دینے روم کے فارس پر یا خوش کرنے مسلمانوں کے اس غلبہ پر) خلاف نہ کرے گا، اللہ اپنا وعدہ (اس لئے جھوٹ کو اس کے جناب پاک میں دخل نہیں) لیکن بہت لوگ نہیں جانتے (خدا کے وعدے کی صحت کو)"۔

ان آیات میں صاف مذکور ہوا کہ دس برس کے اندر رومی غلبہ پا جاویں گے، اور اس پر اللہ کا وعدہ ہے، اور اللہ اپنے وعدے کو یقیناً پورا کرے گا، اور ویسا ہی ہوا جیسا اوپر گذرا۔

میزان الحق والے کا شبہ

صاحب میزان الحق اس پیشین گوئی پر اپنی عادت کے موافق اعتراض کرتے ہیں کہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بالفرض ہم مان بھی لیں کہ مفسرین کا دعوی درست ہے کہ یہ آیت قبل اس کے کہ روم کا لشکر ایران کے لشکر پر غالب آوے نازل ہوئی، تب بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ محمد نے لشکر کشوں کی عادت کے موافق اپنے اصحاب کی تسلی کے لئے صرف گمان اور خورده بینی اور عاقبت اندیشی سے بیان کیا، اور ایسی باتیں ہر زمانہ میں عقلمندوں سے سننے میں آئیں ہیں، اور کتب مقدسہ کی پیشین گوئیوں اور ان آیات قرآن میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔

جواب چار وجہ سے

کہتا ہوں میں کہ یہ ارشاد ان کا کئی وجہ سے مردود ہے۔

پہلی وجہ

اولاً اس لئے کہ قول ان کا "اگر بالفرض" الخ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اول

پادری صاحب کے نزدیک مفسروں کا یہ دعوی ہی درست ہی نہیں کہ یہ آیت لشکر روم کے فتح پانے سے پہلے اتری ہو، اور یہ ایک بات بڑی تعجب کی ہے کہ جب اس باری (تعالی شانہ) کے قول میں یہ الفاظ ہوں۔

"سيغلبون في بضع سنين. ويومئذ يفرح المؤمنون.
وعد الله لا يخلف الله وعده"۔

تو پھر مفسروں کا دعوی اس بات میں کیوں نہ درست ہو، اس لئے جب سین مضارع پر داخل ہوتا ہے اس کو استقبال قریب کے ساتھ خاص کر دیتا ہے، پس لفظ سيغلبون فى بضع سنين کا یقیناً نص ہے اس پر کہ زمانۂ آئندہ میں دس برس سے کم میں رومیوں کا غلبہ فارسیوں پر ہو جائے گا، اسی طرح لفظ يومئذ يفرح المؤمنون کا دلالت کرتا ہے کہ زمانۂ آئندہ میں وقت حصول اس غلبہ کے مسلمان خوش ہونگے، اور اسی طرح لفظ وعد الله الخ کا، کیونکہ جو چیز ہو جائے اس کے لئے وعدہ اور اس میں خلف وعدے کی کیا معنی؟ شاید پادری صاحب جو تفسیر اور شرح کرنے میں قدرت کامل رکھتے ہیں، اور فیضان روح القدس (۱) سے مستفیض ہیں، اور بڑے محاورہ شناس عرب کی زبان کے ہیں، جیسا کہ بطور نمونہ کے کچھ سند اس کی کتاب کے مقدمہ کے امر چوتھے میں گذری، ان الفاظ کے معانی کچھ اور طرح سمجھے ہوں گے اور ان آیات کی تفسیر مفسروں کے خلاف اور ہی ڈھب سے کرتے ہوں گے مگر حیف (افسوس) کہ بیان نہ کیا کہ ہم لوگ بھی مستفید ہو جاتے (۲)۔

---

(۱) اگر ایسا ہی فیضان روح القدس کا ہے تو اس فیضان کو سلام اور تو کیا کہیں۔۱۲ منہ رحمۃ اللہ

(۲) مگر حق یہ ہے کہ ایسی باتیں تعصب یا لاعلمی کی ہیں، پادری صاحب ایسے ایسے اعتراضوں سے شاید اپنی قوم میں کچھ نام پیدا کرتے ہوں گے، مگر مسلمانوں میں تو ان کی ان باتوں سے کھلی (فضیحت) ہوتی ہے، اللہ ان کو ہدایت کرے۔۱۲ منہ

دوسری وجہ

ثانیاً اس لئے کہ جب پادری صاحب کے اقرار کے موافق محمد ﷺ عاقل اور عاقبت اندیش تھے، اور اپنی دانشمندی سے یہ بات کہہ دی تو اس صورت میں آیا ہوسکتا ہے کہ بڑی ضد سے کمال مضبوطی کے ساتھ ایسی بات کا دعوی کریں کہ اس کے وقوع میں کچھ بڑا فائدہ نہ ہو، اور صورت عدم وقوع میں نقصان ہو، اور سب عزت خاک میں مل جائے ، یہ تو شان کسی عاقل کی نہیں کہ باوجود عاقبت اندیش ہونے کے ایسی بات ایسے دعوے سے کہے، خصوصاً ایران اور روم کے بادشاہوں کی لڑائی میں کہ مآل کار اس کا بہ تعین مدت کسی عاقل کی سمجھ میں نہیں آتا، بالخصوص ایسے شخص کی سمجھ میں کہ کبھی اس کو کسی دربار سلطانی یا بارگاہ امیر کبیر میں مداخلت نہ ہوئی ہو، اور کسی معرکہ اور لڑائی سلاطین کے دیکھنے کا اتفاق نہ پڑا ہو۔

پس ایسا شخص باوجود دانشمندی اور عاقبت اندیشی کیوں کر منکروں کے سامنے جو سراسر اس کی مذلت کے خواہاں ہوں جزماً دعوی کرے کہ یہ خدا کا حکم ہے، اور یوں ہی ہوگا، اور اس میں ہرگز خلاف نہ ہوگا، اور کس طرح مدت کی تعیین کر کے اپنے معتقدوں کو کہے کہ منکروں سے شرط کرلو، اور خدا کا حکم یقیناً یوں ہی ہونے والا ہے۔

تیسری وجہ

ثالثاً اس لئے کہ گو عاقل لوگ کبھی کبھی ظناً اور تخمیناً بعض امور کہہ دیا کرتے ہیں، اور کبھی اتفاقاً ان کا کہا سچ ہوجاتا ہے، اور کبھی جھوٹ نکل آتا ہے، لیکن یہ نہیں کہتے کہ یہ خدا کا حکم ہے اور اگر کوئی جھوٹا دعویٰ نبوت کا کر کے بطور پیشنگوئی کے کوئی بات کہے، اور اس کو خدا کا حکم بتلادے، تو اللہ کی عادت ہے کہ وہ پیشین گوئی کبھی پوری نہیں ہوتی جیسا کہ یہ بات کتاب استثناء کے اٹھارویں باب سے سمجھی جاتی ہے، اور عبارت

اس کی یوں ہے (ہندیہ ۱۸۲۹ء):

''۲۱۔ اور اگر تیرے دل میں آوے کہ میں کیوں کر جانوں کہ یہ بات یہواہ کی کہی ہوئی نہیں۔

۲۲۔ تو جان رکھ کہ جب نبی یہواہ کے نام سے کچھ کہے، اور وہ جو اس نے کہا ہے باقی نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات یہواہ نے نہیں کہی، بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے تو اس سے مت ڈر''۔

(فارسیہ ۱۸۳۹ء):

''۲۱۔ وہر گاہ در دل خود اندیشہ کنی کہ سخنے کہ خداوند نگفتہ است، چگونہ بشناسیم۔

۲۲۔ بدانکہ چوں پیغمبرے خبرے بنام خداوند بگوید و آن امر برابر نیاید و بوقوع نہ پیوند د امریست کہ خدا انفرمودہ است بلک پیغمبر از روئے مغروری گفتہ است از ومترس''

پس اس سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ پیشین گوئی جھوٹے نبی کی واقع یا پوری نہیں ہوتی، اور اللہ اس کو اس میں جھوٹا کر دیتا ہے، تا کہ امتیاز اس کا سچے نبی سے ہو جائے۔

چوتھی وجہ

رابعاً قول ان کا کہ ''کتب مقدسہ کی پیشین گوئی'' الخ، یہ سچ ہے لیکن نہ اس معنی کر کے جو پادری صاحب سمجھے، بلکہ اس معنی کر کے کہ اکثر پیشین گوئیاں ان کتابوں کی ایسی ہیں کہ اگر نبوت کا منکر جس کو توریت اور انجیل اور قرآن سے کچھ کام نہ ہو ان پر اعتراض کرے کہ ان میں کچھ پیشین گوئی نہیں، بلکہ ایسی باتیں ہر عاقل کہہ دیتا ہے، اور سچی بھی ہو جاتی ہیں، تو اس کا جواب پادری صاحب سے چپ رہنے کے سوا کچھ نہ

بن پڑے، اور بعضے (۱) صرف بطور معمہ یا خواب کے ہیں کہ جس پر چاہو منطبق کرلو، اور بعض ایسی ہیں جیسے مجذوبوں کی بڑ مثل پیشین گوئیوں مشاہدات یوحنا کے اور فی الحقیقت ایسی پیشین گوئیاں قرآن وحدیث میں نہیں، چنانچہ اس کا بیان إزالة الأوهام کے تیسرے باب کی تیسری فصل میں میں نے کیا ہے۔

---

(۱) اور بعض ایسی ہیں کہ ہرگز پوری نہیں ہوئیں اور غلط نکل گئیں، جیسا انشاء اللہ دوسرے سوال کے جواب میں مثال ان کی آتی ہے۔

چودہواں معجزہ

حفاظت قرآن کا وعدہ

سیپارے چودہویں کے رکوع پہلے میں سورۂ حجر کی نویں آیت یوں ہے:

"إنانحن نزلنا الذكر و إنا له لحافظون"

یعنی تحقیق ہم نے آپ اتاری یہ نصیحت (یعنی قرآن) اور تحقیق ہم آپ اس کے البتہ نگہبان ہیں (یعنی ہر وقت میں زیادتی اور نقصان اور تحریف اور تبدیل سے)۔

اور سیپارے چوبیسویں کے رکوع انیسویں میں آیت بیالیسویں سورہ حم السجدہ کی یوں ہے:

"لايأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد"۔

یعنی اس کتاب پر جھوٹ کا دخل نہیں، آگے سے نہ پیچھے سے (یعنی کسی طرف سے) اتاری ہوئی ہے، سب حکمتوں والے سب خوبیاں سراہی گئے (کی طرف سے)

اور ایسا ہی ہوا کہ ہر چند کہ اکثر فرقوں میں سے مثل ملاحدہ اور قرامطہ اور معطلہ وغیرہم کے بڑے بڑے گمراہ گذرے، مگر کسی کو قدرت ایک کلمہ کی تغییر اور تبدیل کی نہ ہوئی، گو اپنی عاقبت گندی کرنے کو بہت اس کے در پے تھے، اور مسلمانوں کو ایک کلمے میں بھی شک میں نہ ڈال سکے۔

بے شک جس کی حفاظت کا خدا وعدہ کرتا ہو، اور اس کا وعدہ بلاشبہ سچا ہے تو آدمی کی کیا مجال کہ اس میں کچھ تصرف بیجا کرے۔

حکایت

ایک عیسائی انصاف کی راہ سے فرماتے تھے کہ:

''حقیقت میں یہ بھی ایک بڑی پیشین گوئی ہے، کیونکہ قریب ساڑھے بارہ سو برس کے گذرے، اور اس کتاب میں کسی طرح کا تغیر نہیں ہوا۔

پس جیسا کہا تھا ویسا ہی اب تک لوگ برابر دیکھتے چلے آئے، اور اس کے الفاظ کی صحت کا وہ رتبہ ہے کہ مکتب میں جا کر بچوں خورد سال سے الفاظ کی صحت معہ اعراب کے دریافت کرلو، اور ہر زمانے میں لاکھوں اس کا حافظ رہتا چلا آیا، اور اب بھی لکھوکھا (لاکھوں لاکھ) ہیں، یہ رتبہ تو کسی زمانہ میں بھی توریت اور انجیل کو نہیں ملا''

کہتا ہوں میں اس منصف نے یہ بات تو کمالِ انصاف سے کہی ہے۔

پندرہواں معجزہ

مکہ مکرمہ واپسی کی بشارت

مروی ہے کہ جب حضرت علیہ ﷺ نے مکے سے مدینہ کو ہجرت کی، اور جحفہ میں پہنچے، آپ کو اس وقت مکہ جو آپ کا اور آپ کے آباء واجداد کا وطن تھا یاد آیا، اس وقت اللہ صاحب نے وعدہ فرمایا کہ ہم تم کو ضرور ہی مکے میں پھیر لاویں گے، اور یہ آیت پچاسویں سورۂ قصص کی جو سیپارے بیسویں کے رکوع بارہویں میں ہے، نازل فرمائی۔

"إن الذی فرض علیك القرآن لرادّك إلی معادٍ" الخ

ترجمہ:- یعنی جس شخص نے حکم بھیجا تجھ پر قرآن کا وہ پھیر لانے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ (یعنی مکہ میں) الخ

اور اس وعدہ کو پورا فرمایا جس کا بیان ساتویں معجزہ میں گذرا۔

جناب شاہ عبدالقادر صاحب اس جگہ بطور فائدہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہ آیت اتری ہجرت کے وقت، یہ تسلی فرمائی کہ پھر مکے میں آؤ گے سو خوب طرح آئے، پورے غالب ہو کر۔

اور جلالین میں ہے:

"لرادك إلی معاد إلی مكة وكا ن اشتاقها"

سولہواں معجزہ

یہود کا موت کی تمنا نہ کرنا

پہلے سیپارے کے گیارہویں رکوع میں سورۂ بقر کی چورانویں اور پچانویں آیت یوں ہے۔

”قل إن كانت لكم الدار الآخرة عند الله خالصة من دون الناس فتمنو الموت إن كنتم صادقين ولن يتمنوه أبدا بما قدمت أيديهم ،والله عليم بالظالمين“۔

ترجمہ:- یعنی ۹۴۔ تو کہہ اگر تم کو ملتا ہے گھر آخرت کا اللہ کے یہاں الگ سوائے اور لوگوں کے (جب تمہارا گمان ہے کہ یہودیوں کے سوا کوئی جنت میں نہ جائے گا) تو تم مرنے کی آرزو کرو (کیونکہ موت نیکوں کے لئے جنت کی وصول کا وسیلہ ہے اور جنت تمہارے نزدیک محبوب ہے اور وسیلہ محبوب کا بھی محبوب ہوتا ہے) اگر سچ کہتے ہو، ۹۵۔ اور یہ آرزو ہرگز کبھی نہ کریں گے جس واسطے آگے بھیج چکے ہیں ہاتھ ان کے (برے برے عمل جیسے پیغمبر ﷺ اور قرآن پر ایمان نہ لانا، اور توریت کو محرف کرڈالنا اور غیران کے) اور اللہ خوب جانتا ہے گنہ گاروں کو۔

اورسیپارے اٹھائیسویں کے رکوع گیارہویں میں ساتویں آیت سورۂ جمعہ کی یوں ہے:

"ولا یتمنونه أبداً بما قدمت أیدیهم، والله علیم بالظالمین"

اور اس آیت کے معنی یہ ہیں جو پنچانویں آیت سورۂ بقر کے ہیں جن کا بیان ابھی ہو چکا، فقط اتنا فرق ہے کہ لفظ "ولن یتمنوہ" میں بہ نسبت "ولا یتمنونه" کے تاکید ہے، اور تمنی کے معنی عرب کی لغت میں یہ ہیں کہ شخص کسی چیز کی آرزو کا اظہار کرے، اور اپنی زبان سے کہے کہ کاش کے فلانی چیز مجھے مل جائے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب چورانویں آیت سورۂ بقر کی اتری، حضرت ﷺ نے یہودیوں کو جمع کیا، اور فرمایا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ایک ہی بار اپنی زبان سے کہدو "اللهم أمتنا"۔

قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ جو کوئی تم سے یہ کلمہ کہے گا اس کا تھوک خناق مہلک کا مادہ بن کر اس کے گلے کو بند کر دے گا، اور وہ فوراً مر جائے گا۔

یہودیوں نے اس کلمہ کے کہنے سے انکار کیا، اس پر آیت پچانویں سورۂ بقر کی اتری، اور اللہ صاحب نے تاکید سے فرمایا کہ "لن یتمنوہ أبدا" الخ یعنی یہ آرزو ہرگز کبھی نہ کریں گے الخ اور حضرت ﷺ نے فرمایا "والله لن یتمنوہ أبداً"۔ یعنی اللہ کی قسم کہ یہ آرزو کبھی نہ کریں گے۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ اگر یہودی موت کی آرزو کریں، ہر شخص ان کا اپنے ہی تھوک سے خناق کے مرض میں گرفتار ہو کر مر جائے اور زمین پر کوئی یہودی باقی نہ رہے۔

(۱) اور ظاہر ہے کہ مخالفوں کے نزدیک بھی رسول اللہ ﷺ بڑے ہی عاقل،

دور اندیش تھے، اور عاقل، دور اندیش بڑی ضد سے اپنے مخالفوں سے کبھی ایسی بات نہیں کہتا کہ اس کے وقوع میں کچھ بڑا فائدہ نہ ہو، اور صورت عدم وقوع میں ساری عزت اس کی خاک میں مل جائے جیسا ہم نے تیرہویں معجزہ میں بیان کیا۔

(۲) اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہودی پر لے درجے کے دشمن تھے اور ان دنوں اسلام کے مٹانے کے لئے منصوبے باندھا کرتے تھے، اور اسلام اور اسلام والوں کے عیب ڈھونڈھا کرتے تھے، اور جھوٹ طوفان بول کر بیسوں تہمتیں مسلمانوں کے سروں پر تھوپتے تھے۔

(۳) اور یہ بھی ظاہر ہے کہ امتحان کے وقت ہر کوئی اپنے مخالف کی ذلت چاہا کرتا ہے، اور اس کی خطا کو جہاں تک ہو سکے خوب ہی مشہور کیا کرتا ہے۔

(۴) اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عاقل کو مقابلے میں اپنی حفظ آبرو کا بڑا ہی پاس ہوتا ہے۔

پس اس صورت میں اگر رسول اللہ ﷺ اپنے دعوے میں سچے نہ ہوتے، اور وحی کے ذریعہ سے ان کو یقین کامل نہ ہوتا تو ہرگز ہرگز ایسا دعوی اتنی بڑی تاکید سے نہ کرتے۔

اور اسی طرح ان یہودیوں کو دل سے اگر اس بات کا اعتقاد نہ ہوتا کہ یہ نبی ہے، اور ہم یقیناً ہلاک ہو جائیں گے، اور زمین پر ہمارا نشان نہ رہے گا، اور اسی طرح ان کا اپنے مذہب کو نہ چھوڑنا دنیا کی طمع سے یا باپ دادوں کی تقلید سے نہ ہوتا تو ایک دفعہ اپنے الزام کے رفع کرنے کو ان کو اتنا کلمہ اپنی زبان سے کہہ دینا کیا بڑی بات تھی، بلکہ ضرور حضرت ﷺ کے مقابلے میں آ کر کہہ دیتے اور خوب ہی شہرت دیتے کہ دیکھو کیسا جھوٹا ہے کہ خدا کی طرف سے کیا کہتا تھا، اور آپ کیا ہی بڑا بول بولتا تھا، اور ہم

نے تمنا کی ہم کو کچھ بھی نہ ہوا، اور نہ یہود کا نشان زمین سے مٹا، پس جب انہوں نے یہ تمنا نہ کی تو اب دیکھو کہ یہ پیشین گوئی کیسی سچی نکلی۔

اور جاننا چاہیئے (۱) کہ یہ کلام ان یہودیوں کے ساتھ ہے جو ہم عصر رسول اللہ ﷺ کے تھے اور عناداً نبوت کا انکار کرتے تھے جیسا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے:

"إنما هو لأولئك الذين كانوايعاندون و يجحدون نبوة النبي بعد أن عرض،وكانت المحاجة معهم باللسان دون السيف "

اور ''ابد'' لغت میں بمعنی دہر کے ہے، اور معنی "لن يتمنوه ابدا" کے یہ ہیں "لن يتمنوه ما عاشوا"۔

یعنی اپنے جیتے جی نہ آرزو کریں گے جیسا مدارک میں ہے اور مرجانا ان کا وقت تحدی کے امر ممکن تھا، اور ہر ممکن موافق وعدۂ الٰہی کے تحدی اور اظہار معجزے کے وقت واجب الوقوع ہو جاتا ہے لیکن اس جگہ وجوب ان کی آرزو پر معلق تھا، اگر اس وقت جب کہ رسول اللہ ﷺ نے تحدی کی وہ آرزو ان سے ظہور میں آتی بلاشک مرجاتے، لیکن چونکہ وہ آرزو اس وقت ظہور میں نہ آئی نہ مرے۔

---

(۱) جیسا مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے بیضاوی کے حاشیہ میں تصریح کی ہے ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی

سترہواں معجزہ

یہود کے بارے میں ذلت ومسکنت پیشین گوئی

پہلے سیپارے کے ساتویں رکوع میں سورۂ بقر کی اکسٹھویں آیت کے اندر یوں ہے:

" وضربت عليهم الذلة و المسكنة الخ "

یعنی اور ڈالی گئی ان پر (یعنی یہودیوں پر) ذلت اور محتاجی۔

اور چوتھے سیپارے کے رکوع تیسرے میں آیت ایک سو گیارہویں اور ایک سو بارہویں سورۂ آل عمران کی یوں ہے:

''لن يضروكم إلا أذى، وإن يقاتلوكم يولوكم الأدبار ثم لا ينصرون ، ضربت عليهم الذلة أينما ثقفوا إلا بحبل من الله و حبل من الناس وباؤوا بغضب من الله و ضربت عليهم المسكنة" الخ

ترجمہ:-۱۱۱۔ ''یعنی وہ (یعنی یہود) تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے مگر تھوڑا ستانا (جیسے تم کو رغبت دینی کفر کی طرف یا تم پر کسی طرح کا بہتان باندھ دینا، یا تم کو دھمکی دے کر ڈرانا) اور اگر تم سے لڑیں گے تو تم سے پیٹھ دیں گے (یعنی بھاگ جاویں گے) پھر ان کو مدد نہ ہوگی ،۱۱۲۔ مارے گئی ہے ان پر ذلت جہاں پائے جاویں سوائے دست آویز اللہ کے، اور دستاویز لوگوں کے، اور کمالائے اللہ کا غصہ، اور ماری گئی ان پر محتاجی الخ۔

اور جناب شاہ عبدالقادر صاحب اس جگہ بطور فائدے کے حاشیہ پر یوں لکھتے ہیں:

''یہود دنیا میں کہیں اپنی حکومت سے نہیں رہتے بغیر دستاویز اللہ کے کہ بعض رسمیں توریت کی عمل میں لاتے ہیں اس کے طفیل سے پڑے ہیں، اور بغیر دستاویز لوگوں کے یعنی کسی کے رعیت ہیں، اس کی پناہ میں پڑے ہیں ان آیتوں میں دو چیز فرمائی۔

(۱) ایک یہ کہ یہودی ہمیشہ ذلیل اور محتاج رہیں گے۔

(۲) دوسری یہ کہ جب تم سے لڑیں گے شکست کھاویں گے۔

اور ایسا ہی ہوا کہ یہودی جہان میں کہیں ریاست نہیں رکھتے، اور غیر کی عمل داری میں رہتے ہیں، کیا مسلمانوں کی کیا عیسائیوں کی اور ہر جگہ ذلیل ہیں اور اسی طرح اکثر فقیر ہیں کیونکہ اپنی بدقسمتی سے جزیہ اور ٹکس اور طرح طرح کا ڈانڈ (ڈنڈ) انہیں ہر جگہ دینا ہوا ہے، اور اگر شاذ و نادر کوئی ان میں غنی ہوتا ہے، ڈانڈ کا خوف کر کے افلاس کو ظاہر کرتا ہے، کوئی انگریزی تاریخوں میں دیکھئے کہ حضرات عیسائیوں نے ان کی جان و مال پر کیسے کیسے ظلم کئے ہیں (۱) اور جب مسلمانوں سے لڑے شکست پائی، گو لڑائی کے پہلے بہت کچھ شیخی کرتے تھے، اور بہت کچھ واہی تباہی باتیں بکا کرتے تھے، مثلاً ہجرت کے دوسرے سال میں جب بدر کی لڑائی میں مسلمان فتح یاب ہوئے یہود بنی قینقاع کو جن کا مسلمانوں سے یہ فتح بہت ناگوار گذری، اور حسد سے باتیں بیہودی بکنے لگے، اور کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسی قوم سے لڑ کر فتحیاب ہوا، جن کو لڑائی میں مہارت نہ تھی، اگر ہم سے لڑے تو اسے حقیقت معلوم ہو، اور عہد نامہ توڑ ڈالا، اور لڑائی پر تیار ہوئے، اور یہ

(۱) اور انشاء اللہ کچھ اس کا بیان اسی سوال کے جواب کے آخر میں اثبات رسالت کی نویں وجہ کے اندر بھی آوے گا۔ ۱۲ منہ

سات سو آدمی جنگی تھے، جن میں سے تین سو زرہ پوش، اور پندرہ دن اپنے قلعوں میں لڑے، پندرہ دن کے بعد گرفتار ہوئے، اور جلاوطن کئے گئے۔

اور ایسا ہی کچھ حال بنی نضیر اور بنی قریظہ اور یہود خیبر کا ہوا جیسا چھٹے اور آٹھویں معجزے میں بیان اس کا گذرا۔

نوٹ: بیسویں صدی میں یہود کی حکومت ''اسرائیل'' کے قیام اور بہ ظاہر اس کے استحکام سے بنو اسرائیل سے متعلق بعض آیات قرآنی پر ظاہر بینوں کو جو شبہ پیش آتا ہے، اس کے ازالہ کے لئے معارف القرآن جلد اول سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریر نقل کی جاتی ہے، یہ تحریر سورہ بقرہ کی آیت ۶۱ کے تحت ہے۔ (عتیق احمد)

''یہود پر ابدی ذلت کا مطلب اور اسرائیل کی موجودہ حکومت سے شبہ اور اس کا جواب

آیات مذکورہ میں یہود کی سزا دنیا میں دائمی ذلت ومسکنت اور دنیا وآخرت میں غضب الٰہی کو بیان کیا گیا ہے۔

ان کی دائمی ذلت ومسکنت کا مفہوم جو ائمہ تفسیر صحابہ وتابعین سے منقول ہے اس کا خلاصہ ابن کثیر کے الفاظ میں یہ ہے:

"لا یزالون مستذلین من وجدھم استذلھم وضرب علیھم الصغار"۔

یعنی وہ کتنے ہی مالدار بھی ہو جائیں ہمیشہ تمام اقوام میں ذلیل وحقیر ہی سمجھے جائیں گے، جس کے ہاتھ لگیں گے ان کو ذلیل کرے گا، اور ان پر غلامی کی علامتیں لگا دے گا۔

امام تفسیر ضحاک بن مزاحم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ان کی ذلت

ومسکنت کا یہ مفہوم نقل کیا ہے کہ:

"هم اهل القبالات يعني الجزية".

مطلب یہ ہے کہ یہودی ہمیشہ دوسروں کی غلامی میں رہیں گے، ان کو ٹیکس وغیرہ ادا کرتے رہیں گے، خود ان کو کوئی قوت واقتدار حاصل نہ ہوگا۔

اس مضمون کی ایک آیت سورۂ آل عمران میں ایک زیادتی کے ساتھ اس طرح آئی ہے:

"ضربت عليهم الذلة أينما ثقفوا إلا بحبل من الله وحبل من الناس".

جمادی گئی ان پر بے قدری جہاں کہیں جائیں گے، مگر ہاں ایک تو ایسے ذریعہ سے جو اللہ کی طرف سے ہو، اور ایک ایسے ذریعہ سے جو آدمیوں کی طرف سے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے ذریعہ کا مطلب تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے قانون میں امن دے دیا ہو، جیسے نابالغ بچے، عورتیں، یا ایسے عبادت گذار جو مسلمانوں سے لڑتے نہیں پھرتے، وہ محفوظ ومامون رہیں گے، اور آدمیوں کے ذریعہ سے مراد معاہدۂ صلح ہے، جس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مسلمانوں سے معاہدۂ صلح کا یا جزیہ دے کر ان کے ملک میں رہنے کا ہو جائے، مگر الفاظ قرآنی میں من الناس فرمایا ہے من المسلمین نہیں، اس لئے یہ صورت بھی محتمل ہے کہ دوسرے غیر مسلموں سے معاہدہ صلح کا کر کے ان کی پشت پناہی میں آجائیں تو مامون رہ سکتے ہیں، پھر یہ استثناء حبل من اللہ اور حبل من الناس کا اگر بقول کشاف استثناء متصل قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ یہود ہمیشہ ہر جگہ ذلیل وخوار رہیں گے، بجز ان دو صورتوں کے کہ یا تو اللہ کے عہد کے ذریعہ ان کے بچے، عورتیں وغیرہ اس ذلت وخواری سے نکل جائیں، یا معاہدۂ صلح کے ذریعہ یہ اپنے آپ کو ذلت وخواری سے بچالیں، اور جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے

معاہدۂ صُلح کے ذریعہ ذلت وخواری سے نکلنے کی صورت مسلمانوں سے معاہدۂ صلح کر کے بھی ہوسکتی ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ دوسری قوموں سے معاہدہ صلح کا کر کے ان کے سہارے ذلت وخواری سے محفوظ رہیں۔

یہ سب تقریر استثناء متصل کی تقدیر پر ہے، اور بہت سے حضرات مفسرین نے اس کو استثناء منقطع قرار دیا ہے، تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اپنی ذلت اور اپنی قومی حیثیت سے تو ذلیل وخوار ہی رہیں گے، گو قانون الٰہی کی وسعت میں آکر ان کے بعض افراد اس سے محفوظ ہو جائیں گے، یا دوسرے لوگوں کا سہارا لے کر ذلت وخواری پر پردہ ڈال دیں،

اس طرح سورۂ بقرہ کی آیت کی وضاحت سورۂ آل عمران کی آیت سے پوری ہوگی، اور اسی سے وہ تمام شبہات بھی دور ہو گئے جو آج کل فلسطین میں یہودیوں کی حکومت قائم ہونے کی بناء پر بہت سے مسلمانوں کو پیش آتے ہیں، کہ قرآن کی قطعی ارشادات سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہودیوں کی حکومت کبھی قائم نہ ہوگی، اور واقعہ یہ پایا جاتا ہے کہ فلسطین میں ان کی حکومت قائم ہوگئی، جواب واضح ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کی موجودہ حکومت کی حقیقت سے جو لوگ باخبر ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ حکومت درحقیقت اسرائیل کی نہیں ہے بلکہ امریکہ اور برطانیہ کی ایک چھاؤنی سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں، یہ اپنی ذاتی طاقت سے ایک مہینہ بھی زندہ نہیں رہ سکتے، یوروپین طاقتوں نے اسلامی بلاک کو کمزور کرنے کے لئے ان کے بیچ میں اسرائیل کا نام دے کر ایک چھاونی بنائی ہوئی ہے، اور اسرائیلی ان کی نظروں میں بھی ان کے فرماں بردار غلام سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے، صرف قرآن کریم کے ارشاد بحبل من الناس کے سہارے ان کا اپنا وجود قائم ہے، وہ بھی ذلت کے ساتھ، اس لئے موجودہ اسرائیلی حکومت سے قرآن کریم کے کسی ارشاد پر ادنیٰ شبہ بھی نہیں ہوسکتا۔

اس کے علاوہ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہود، نصاریٰ اور

مسلمانوں میں سب سے پہلے یہود ہیں، ان کی شریعت، ان کی تہذیب سب سے پہلی ہے، اگر پوری دنیا میں فلسطین کے ایک چھوٹے سے قصبہ پر ان کا تسلّط کسی طرح ہو بھی گیا، تو پوری دنیا کے نقشہ میں یہ حصہ ایک نقطہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اس کے بالمقابل نصاریٰ کی سلطنتیں اور مسلمانوں کے دور تنزل کے باوجود ان کی سلطنتیں، بت پرستوں کی سلطنتیں، لا مذہبوں کی حکومتیں جو جگہ جگہ مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہیں اُن کے مقابلہ فلسطین وہ بھی آدھا، اور اس پر بھی امریکہ، برطانیہ کے زیر سایہ کوئی تسلّط یہودیوں کا ہو جائے تو کیا اس پوری قوم یہود پر خدا تعالیٰ کی طرف سے لگائی ہوئی دائمی ذلّت کا کوئی جواب بن سکتا ہے؟

(معارف القرآن جلد اول ص ۲۳۷، ۲۳۸)

اٹھارواں معجزہ

کفار کے دل میں رعب ڈالنے کی پیشین گوئی

سیپارے چوتھے کے رکوع ساتویں میں سورۂ آل عمران کی ایک سوا کانویں آیت کے اندر یوں ہے۔

''سنلقي في قلوب الذين كفروا الرعب بما أشركوا بالله ما لم ينزل به سلطاناً ومأواهم النار''الخ

ترجمہ:- یعنی قریب ہے جو ڈالیں گے ہم کافروں کے دل میں ہیبت، اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس کو جس کی اس نے سند نہیں اتاری (یعنی بت جن کے شریک ٹھہرانے کی کوئی حجت اور سند نہیں) اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے الخ۔

اور حال اس کا یہ ہے کہ جب مشرکوں نے بدر کی لڑائی میں شکست پائی مکہ میں جا کر پھر لشکر کی تیاری کی، اور ہجرت کے تیسرے سال میں تین ہزار آدمی جنگی کی جمعیت سے جن میں سات سو زرہ پوش تھے، مدینہ کی طرف کوچ کیا، اور اس لشکر میں دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے، اور حضرت ﷺ نے اپنے خواب کے موافق فرمایا تھا کہ اس لڑائی میں مجھ پر مصیبت پہنچے گی، اور بعضے اصحاب میرے مقتول ہوں گے، اور ایک آدمی میرے اہل بیت سے مارا جائے گا، اور حضرت ﷺ کی مرضی یہ تھی کہ مدینے

سے باہر نہ جاویں مگر امیر حمزہ اور سعد بن عبادہ اور نعمان بن مالک اور بعض اور اصحاب کے اصرار اور ہٹ سے ہجرت کے تیسرے سال شوال کی چھٹی کو جمعہ کے روز عصر کی نماز کے بعد کوچ کیا، اور ساتویں شوال ہفتہ (۱) کے روز دونوں لشکر آ مقابل ہوئے، اس وقت مسلمان سات سو نفر کے قریب تھے، اس لڑائی میں مسلمان مغلوب اور کافر غالب آئے، اور امیر حمزہ شہید ہوئے، اور اسی طرح اور چند نفر (لوگ) لیکن اللہ تعالی نے کافروں کے دلوں میں باوجود ایسے غلبہ کے ایسی ہیبت ڈالی کہ بلا سبب لڑائی کو چھوڑ کر مکہ کی طرف چل پڑے، اور چلنے کے وقت ابوسفیان نے آواز دی کہ اے محمد! اگر تیری مرضی ہو تو ہم پھر لڑیں گے، اور بدر کا میلہ ہمارے اور تیرے لئے اس وعدہ کا زمانہ ہے، حضرت ﷺ نے فرمایا انشاء اللہ اور حضرت ﷺ مدینہ کو کھڑے ہوئے۔

پھر کافروں کو منزل پر پہنچنے کے بعد خیال آیا کہ ہم نے کیا ہی برا کام کیا کہ اتنی محنت اٹھائی، اور لشکر جمع کر کے آئے، اور غلبہ پا کر محمد کے بہت اصحاب کو مار ڈالا، اور باوجود اس کے پھر کار ادھورا چھوڑ کر ہٹ کھڑے ہوئے، آؤ ہٹ چلیں، اور اب کی بار اہل اسلام کا بالکل نشان کھودیں سو اس امر کا مشورہ کر کے ہٹنے کا ارادہ مصمم کیا جب یہ خبر مدینے میں پہنچی حضرت ﷺ نے اتوار کے دن جو لڑائی سے اگلا دن تھا ان کی تنبیہ کے لئے کوچ کیا، اور رات کو حمراء الاسد میں منزل کی اور کافروں نے جب یہ سنا تو سنتے ہی سب چوکڑی بھول گئے اور ہاتھ پاؤں گم کر کے مکہ کی طرف بھاگ اٹھے۔

سو اللہ تعالی نے جیسا فرمایا تھا کہ میں مشرکوں کے دلوں میں ہیبت ڈال دوں گا ویسا ہی ہوا کہ باوجود اپنے ایسے غلبہ کے ایسے ہیبت زدہ ہوئے کہ ہٹ پڑنے کے سوا اور کچھ نہ سوجھا۔

---

(۱) جلالین میں ذیل آیت ۱۲۱ سورۂ آل عمران کے ہے "خرج النبي صلى الله عليه وسلم بألف أو إلا خمسين رجلا والمشركون ثلثة آلاف و نزل بالشعب يوم السبت سابع شوال سنة ثلاث من الهجرة الخ" ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی۔

انیسواں معجزہ

غزوۂ احزاب

جنگ احزاب میں جس کا ذکر گیارہویں معجزہ میں بھی گذرا کافر لوگ قریب ایک مہینہ کے لڑے، اس کے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کی دعا مانگی اور وہ دعا قبول ہوئی، اور اثر قبولیت کا ظاہر ہوا کہ پروا باد (ہوا) چلنے لگی، اور ایسی ٹھنڈ تھی کہ اس نے ان کے سارے لشکر میں کھلبلی ڈالدی، سارے لشکر میں جہاں آگ تھی بجھ گئی، اور سب کے سب بھوکے رہے، اور چراغ گل ہو گئے اور گھوڑے ان کے چھوٹ گئے، اور فرشتوں نے اتر کے ان کے خیموں کی طنابیں کاٹ ڈالیں، اور میخیں اکھاڑ پھینکیں، اور چونکہ موسم سردی کا تھا کافر یہ حال دیکھ کر گھبرا اٹھے، اور طلحہ بن خویلد اسدی چلا اٹھا کہ محمد نے تم پر جادو کیا ہے بھاگو بھاگو، اس کے بعد سب بھاگ اٹھے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

بے درد سر نیزہ وامد شدِ شمشیر آن فتح کہ مفتاح امان بود برآمد

اور اللہ صاحب سیپارے اکیسویں کے رکوع اٹھارویں میں آیت نویں سورۂ احزاب کے اندر اس امر سے یوں خبر دیتا ہے:

''یـا أيها الذين آمنوا اذكر وا نعمة الله عليكم إذجاءَ تكم جـنـود فـأرسلنا عليهم ريحاً وجنوداً لم تروها ، وكان الله بما

تعملون بصیراً ۔

ترجمہ:- یعنی اے ایمان والو یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب تم پر آئیں فوجیں، پھر ہم نے بھیجی ان پر باد (پروا) اور وے فوجیں جو تم نے نہیں دیکھی (یعنی فرشتے) اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھتا۔

اور حضرت نے فرمایا ہے:

''نصرت بالصبا و أهلكت عاد بالدبور"

یعنی میں مدد دیا گیا پروا باد (پُروا ہوا) سے، اور عاد کی قوم پچھوا باد (ہوا) سے ہلاک ہوئی۔

بیسواں معجزہ

قرآن کریم

سیپارے پندرہویں کے رکوع دسویں میں سورۂ بنی اسرائیل کی اٹھائیسویں آیت یوں ہے:

"قل لئن اجتمعت الإنس والجن علی أن یأتوا بمثل هذا القرآن لا یأتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیراً"۔

ترجمہ:۔ یعنی کہہ اگر جمع ہوئیں انسان اور جن اس پر کہ لاویں ایسا قرآن (یعنی فصاحت اور بلاغت اور معنی کی لطافت میں اس کے مانند ہو، اور ہر ترکیب اس کی اپنے موقع پر اور تعقید لفظی اور معنوی اور کلمات کے تنافر اور وحشت سے خالی ہو) نہ لاویں گے ایسا قرآن اگر چہ مدد کریں ایک کی ایک۔

یعنی اگر سب آدمی اور جن کہ ان میں کروڑوں عرب کی زبان کے ماہر بھی بخوبی ہوں، اور فصاحت اور بلاغت میں کمال رکھتے ہوں، ایک دوسرے کے مددگار ہو کر چاہیں کہ ایسا قرآن فصیح اور بلیغ بنا لاویں تو ممکن نہیں۔

اور سیپارے بارہویں کے رکوع دوسرے میں سورۂ ہود کی تیرہویں آیت یوں ہے:

"أم یقولون افتراه ، قل فأتوا بعشر سور مثله مفتریات وادعوا من استطعتم من دون الله إن کنتم صادقین"۔

یعنی کیا کہتے ہیں باندھ لایا ہے اس کو (یعنی قرآن کو) تو کہہ تم لاؤ ایک دس سورتیں ایسی باندھ کر، اور پکارو جس کو پکار سکو اللہ تعالی کے سوا اگر ہو تم سچے (یعنی اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ قرآن میں نے بنا لایا ہے تو تم بھی دس سورتیں اس کی مانند فصاحت اور بلاغت اور معنی کی لطافت میں اور اس بات میں کہ ہر ترکیب ان کی اپنے موقع پر اور تعقید لفظی اور معنوی اور کلمات کے تنافر اور وحشت سے خالی ہو، اور ہر تشبیہ اور مجاز اور ہر کنایہ اس کا لطافت کے ساتھ استعمال میں آوے بنا لاؤ، کیونکہ تم بھی میرے مثل عربی ہو، اور نظم اور نثر میں مجھ سے بہت زائد مہارت رکھتے ہو، اور بڑے بڑے خطبے اور اچھے اچھے قصیدے بناتے ہو، اور تم میں ہزاروں بلکہ لاکھوں یکتائی کا دعوی کرتے ہیں، اور جو بدون مدد کے یہ کام تم سے نہ بن سکے تو اللہ کے سوا جس کو چاہو مددگار اپنا ٹھہرالو اور اس کام کو انجام دو)

اور سیپارے گیارہویں کے رکوع نویں میں سورۂ یونس کی اڑتیسویں آیت یوں ہے:

"أم يقولون افتراه قل فأتوا بسورة مثله وادعوا من استطعتم من دون الله إن كنتم صادقين" ۔

یعنی کیا لوگ کہتے ہیں یہ بنا لایا اس کو (یعنی قرآن کو) تو کہہ تم لے آؤ ایک سورہ ایسی، اور پکارو جس کو پکار سکو اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو۔

اور اس آیت کی معنی کی توضیح اوپر کی آیت کی توضیح پر قیاس کرلو۔

اور سیپارے پہلے کے رکوع تیسرے میں سورۂ بقر کی آیت تیئسویں اور چوبیسویں یوں ہے۔

"و إن كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا فأتو بسورة من مثله ، وادعوا شهداء كم من دون الله إن كنتم صادقين ،

فإن لم تفعلوا و لن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة أعدت للكافرين"۔

ترجمه :-یعنی ۲۳۔اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر (جو چالیس برس کی عمر تک امی محض تھا، اور اس نے کبھی ایک مصرعہ نظم یا فقرہ نثر کا نہ کہا تھا، اور لکھا تھا) تو لاؤ ایک سورہ اس قسم کی، اور بلاؤ اپنے معبودوں کو (کہ تمہاری مدد کر کے حاجت روائی کریں) اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو، ۲۴۔ پھر اگر نہ کر سکو (باوجود اپنی اس کثرت اور شہرت کے اور اس دعوے فصاحت کے نظم اور نثر میں اور کثرت مبالغہ میرے معارضہ کی طلب میں اور بڑے حریص ہونے اپنے کے میرے مقابلہ اور تذلیل کے لئے) اور البتہ نہ کر سکو گے تو بچو آگ سے جس کی چھپٹیاں (لکڑی کی چھیلن) ہیں انسان اور پتھر، تیار ہے منکروں کے لئے۔

دیکھو آیت سورۂ بنی اسرائیل کے موافق پہلے عموماً دعوی کیا کہ اگر سب آدمی اور جن اکٹھے ہو جاویں تو ایسا قرآن نہ بنا سکیں، پھر جب منکروں سے سارے قرآن کا معارضہ نہ ہو سکا، تو اس سے سہل کر کے سورۂ ہود میں فرمایا گیا کہ دس ہی سورتیں قرآن کے مثل بنا لاؤ، جب اس میں بھی ان کا عجز ظاہر ہوا تو سہل کر کے فرمایا گیا کہ ایک ہی سورہ (کہ ادنی مقدار اس کی تین آیت) کے موافق بنا لاؤ، جیسا کوئی خوشنویس کامل مثلاً اپنے منکروں اور مخالفوں سے کہے کہ اس میرے لکھے ہوئے کے مثل خوبی اور لطافت میں لکھ لاؤ، جب وہ اس سے عاجز ہوں تو سہل کر کے کہے کہ دس سطریں ایسی لکھ لاؤ، اور جب اس قدر میں بھی عاجز ہوں تو حجت قطع کرنے اور الزام کے پورے کرنے کو کہے کہ ایک ہی سطر ایسی لکھ لاؤ۔

پس ان آیتوں سے حضرت ﷺ کی نبوت پر تین طرح سے دلالت سمجھی جاتی ہے۔

رسالت محمدی پر دلالت کی تین وجوہ

پہلی وجہ

اول یہ کہ ان آیات میں منکروں کو کہا گیا کہ انسان اور جن کی طاقت نہیں کہ قرآن کی مثل بناویں، اور تم سب کہ میرے مثل عربی ہو، اور ہزاروں بلکہ لاکھوں تم (میں) سے دعوی بڑی فصاحت اور بلاغت کا رکھتے ہیں، اور نظم اور نثر میں ان کو دستگاہ کامل ہے، اور بڑے بڑے خطبے اور اچھے اچھے قصیدوں کے بنانے میں مشاق ہیں، اگر قرآن کو تعصب سے میرا کلام کہتے ہو تو اپنے سچے ہونے کے لئے ایک دس ہی سورتیں بلکہ ایک ہی سورہ قرآن کے مثل بنالاؤ، اور بغیر مدد کے نہ بنا سکو تو جسے اچھا سمجھو اس کو مددگار ٹھہراؤ، اور اس کی مدد سے اس کار کو انجام دو، اور اس مقدمہ میں ان کو بڑی ہی غیرت دلائی، اور تاکید سے علانیہ دعوی کر کے کہا کہ کبھی ایک سورہ کے قدر بھی تم سے نہ بن سکے گا، اور ملامت اور تہدید اور وعید ظاہر کی۔

اور اس وقت مخالفوں میں فصیح کیا ناثر (نثر نگار)، اور کیا ناظم ا عر) بے شمار موجود تھے، اور مسلمانوں کے گوشت کے بھوکے اور خون کے ۔ بہ شدت تھے، یہاں تک کہ اسلام کے مٹانے کے لئے اگر ان کی جان اور ان کا سب مال بھی برباد ہوتا تو ان کو دریغ نہ تھا، اور رات دن اسی کوشش میں لگے رہتے تھے، اور اپنے مقدور بھر کوئی دقیقہ کوشش کا فروگذاشت نہ کیا، اور ہر طرح کی تدبیریں کیں، اور آخر کو نوبت ان کی گرفتاری اور جلاوطنی اور بچوں اور جوروؤں کی اسیری کی پہنچی، اور ان سے آخر میں کچھ بھی مطلوب نہ تھا، بلکہ بقدر ایک ہی سورہ (کہ ادنیٰ مقدار اس کی تین آیت ہے) مطلوب تھا، اور وہ بھی باعتبار فصاحت اور بلاغت کے کہ جس میں وہ دعوی یکتائی کا

رکھتے تھے، نہ باعتبار اور وجوہ اعجاز کے جن کا ذکر فائدے میں آتا ہے۔

پس اگر ان کی قدرت میں ہوتا تو فوراً کرتے اور کبھی نہ چوکتے، اور اس سہل امر کو چھوڑ کر اپنی جانیں اور لاکھوں لاکھ روپیہ لڑائیوں میں برباد نہ کرتے، اور اپنی نوبت مارے جانے اور جلاوطنی اور بربادی کو نہ پہنچاتے، جیسے حضرت ﷺ کے اصحاب اور خطباء کا مقابلہ اپنی قدرت میں دیکھ کر اس سے نہ چوکے، چنانچہ حسان بن ثابت سے ہمیشہ مقابلہ رہا، لیکن جب باوجود امور مذکورۂ بالا کے عاجز بن بیٹھے، اور سب ذلت اختیار کی تو یہ عجز اور ذلت کا اختیار کرنا دلیل صریح قرآن کے اعجاز کی ہے۔

دلالت کی دوسری وجہ

دوسری یہ کہ بطور پیشین گوئی کے آیت بنی اسرائیل اور بقر میں تاکید کے ساتھ بیان ہوا کہ "لئن اجتمعت الإنس والجن الخ" اور "لن تفعلوا" اور ویسا ہی ظہور میں آیا۔

چنانچہ آج تک کہ عرصہ بارہ سوستر برس کا گذرا، اور اس عرصہ میں لاکھوں اہل علم دین احمدی کے دشمن گذرے، کوئی معارضہ چھوٹی سی سورت کا بھی نہ کر سکا، اگرچہ کئی مغروروں نے اپنے اپنے وقت میں یہ تو کہا کہ اس کے مثل ہم بھی بنا دیتے ہیں مگر بعضے نے تو ان میں سے یہ جھوٹا دعوی فقط زبانی ہی کیا، اور درپے معارضہ کے نہ ہوا، لیکن اس سے کیا ہوتا ہے، بھنگڑ (بہت بھنگ پینے والا) بھنگیر خانہ میں ایسی بہت سی خرافاتیں بکا کرتے ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ بھی سہی (۱) بھلا کیا ہوتا ہے جو کوئی کہے کہ ہمارے گھر کی چڑیا بادشاہ کے باز کو شکار کرتی ہے اور ہماری بکری شیر ببر کو مار لیتی ہے۔

اور بعضے نے باوجود اس دعوے کے درپے معارضہ کے ہو کر کچھ تالیف بھی کی،

---

(۱) موافق محاورۂ اہل دہلی صحیح است

لیکن آخر کو اپنی قدرت سے خارج دیکھ کر نادم ہوا، اور تائب ہو گیا، جیسا فائدے میں ابن مقفع اور یحیی بن حکم غزالی کا حال بیان ہوگا، اور اگر مخالفوں کو اس سے انکار ہو تو کسی کا کلام مقابل میں لاویں۔

دلالت کی تیسری وجہ

تیسری یہ کہ حضرت علیہ السلام مخالفوں کے نزدیک بھی عاقل اور باریک بین اور دور اندیش تھے، اور صاحب میزان الحق ہی جو بڑا ہی اسلام کا دشمن ہے بہ ناچاری تمام اس اقرار سے کچھ مفر نہیں دیکھتا، اور میزان الحق کے تیسرے باب کی چوتھی فصل میں لکھتا ہے (نسخہ اردو مطبوعہ ۱۸۵۰ء صفحہ ۲۱۷):

> ''محمد کی صفات میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ صاحب فہم و فراست اور باریک بین اور دانا اور دنیوی کاموں میں ماہر، اور اس کا ظاہری چال چلن بھی خوب پسندیدہ اور فقرا اور مساکین پر مہربان، اور اپنے یار اور اصحاب اور خویش و اقرباء پر صاحب احسان تھا''۔ الخ

اور ان مکتوبات سے جن کو حل الاشکال کے آخر میں شامل کر دیا ہے مکتوب آخر کے آخر میں محمد علیہ السلام کے حق میں (نسخہ ۱۸۴۷ء صفحہ ۶۱ میں) یوں لکھا ہے:

> ''ایک دانا و عاقل سردار و لشکر کش تھا''

اور کسی صاحب فہم، باریک بین، دنیاوی کاموں کے ماہر، عاقل و دانا کا یہ کام نہیں کہ ایک ایسی بات میں دعوی کر بیٹھے کہ مخالف اس کو کر سکتے ہوں، اور اس میں جھوٹا ٹھہر کے سب عزت اس کی برباد ہو جاوے، اور ایسی بات میں اپنے مخالفوں کے سامنے جو اس کے گوشت کے بھوکے اور خون کے پیاسے ہوں بڑی ضد سے دعوی کرے، اور ان کو عار دلاوے اور کہے کہ اگر تم اس بات کو کر دو گے تو میرا اور تمہارا فیصلہ

ہو جاوے گا حاشا وکلا۔

پس یقیناً ثابت ہوا کہ ان کو موافق اللہ تعالیٰ کے وعدے کے یقین کامل اور اعتقاد واثق تھا کہ خدا کبھی اپنے وعدے کی مخالفت نہ کرے گا، اور کوئی منکر آدمی ہو یا جن تین آیت کے بقدر مثل اس کے نہ بنا سکے گا۔

پس معلوم ہوا کہ جیسا ان کا ظاہری چال وچلن خوب اور پسندیدہ تھا ویسا ہی ان کا باطن خوب ہی الہام اور نبوت کے نور سے مزین تھا، گو منکر اپنی شرارت سے کچھ کچھ بک کر اپنی عاقبت خراب کریں جیسا یہود نے حضرت عیسیٰؑ کے انکار سے اپنی عاقبت گندی کی ہے۔

اعجاز قرآن کا بیان

فائدہ

قرآن کے اعجاز کے بیان میں

فائدہ

جاننا چاہئے کہ حضرت ﷺ کے زمانے میں عرب کے ملک میں شعر شاعری اور فصیح عبارت میں نثر اور نظم کے لکھنے کا بڑا ہی چرچا تھا، اور خطیب کامل اور شاعر یکتا کی اس زمانہ میں ان کے نزدیک بہت ہی عزت تھی، اس لئے اعلی ادنی اس میں توغل رکھتا تھا، اور لاکھوں آدمی اپنے کمال اور یکتائی کا دعوی کرتے تھے، سو اللہ تعالی نے منجملہ اور معجزات محمد ﷺ کے کہ امی محض تھے، اور چالیس برس کی عمر تک کبھی ایک شعر موزون بھی نہ کہا تھا، اور نہ ایک فقرہ نثر کا تالیف کیا تھا، اور نہ کسی معلم کی صحبت پائی، اور نہ کسی ناظم (شاعر) اور ناثر (نثر نگار) سے کچھ سیکھا تھا، قرآن کو ایک ایسا معجزہ گردانا کہ مدعیوں کے سب دعوے اس نے مٹا دئے، جیسا موسیٰؑ کے زمانہ میں جادو کا بہت زور و شور تھا، تو ان کے منجملہ معجزات کے عصا کا معجزہ ایسا کیا تھا کہ جادو اور ٹونے کی سب فروغ کھودی تھی، اور عیسیٰؑ کے زمانہ میں چونکہ طب کے علم کا بڑا رواج تھا تو ان کے بھی منجملہ معجزات کے اندھے، لولے، لنگڑے کی شفا بخشی کو ایسا معجزہ کر دیا تھا کہ منکروں کے انکار کی جگہ نہ رہی۔

اورنقل ہے کہ عرب کے شاعروں نے قصاید سبعہ معلقہ کو معارضہ کی نیت سے کعبہ کے دروازے پر لٹکا رکھا تھا، جب قرآن اترا، اس کی فصاحت اور بلاغت دیکھ کر عاجز ہوئے، اور ان کو اتار لیا، اور باوجود اس دشمنی اور اس اپنی کثرت اور اس دعوے کے تین آیت کے بقدر قرآن کی مثل نہ بنا سکے، جیسا بیسویں معجزے میں مذکور ہوا، اور مجبوراً ان کو اس کے اعلیٰ درجے کی بلاغت کا اقرار کرنا پڑا، لیکن کبھی کبھی بے حیائی سے کافروں کی عادت قدیم کے موافق اس معجزے کو سحر بتلاتے تھے، چنانچہ اس قسم کے ان کے قول کئی جگہ قرآن میں منقول ہوئے ہیں، مثلاً سیپارے پچیسویں کے رکوع نویں میں سورۂ زخرف کی آیت تیسویں یوں ہے:

"ولما جاء هم الحق قالوا هذا سحر و إنا به كافرون"

ترجمہ:- یعنی اور جب پہنچی ان کو سچی بات (یعنی قرآن) کہنے لگے یہ جادو ہے اور ہم اس کو نہ مانیں گے۔

بیضاوی میں ہے:

"زادوا(۱) شرارة فضمّوا إلى شركهم معاندة الحق و الاستخفاف به فسموا القرآن سحراً و كفروا به و استحقروا الرسول"

اور جلالین میں ہے:

"ولما جاء هم الحق القرآن الخ"

اور سپارے چھبیسویں کے پہلے رکوع میں سورۂ احقاف کی ساتویں آیت یوں ہے:

"و إذا تتلى عليه آياتنا بينات قال الذين كفروا للحق لما

---

(۱) یعنی بڑھ گئے کافر شرارت میں، سو ملایا انہوں نے حق کے انکار اور اس کے استخفاف کو اپنے شرک کے ساتھ، پس نام رکھا قرآن کا سحر، اور انکار کیا اس کا اور حقیر سمجھا رسول کو ۱۲ منہ رحمہ اللہ۔

جاء هم هذا سحر مبين"

ترجمہ:- یعنی اور جب سنائی ان کو ہماری باتیں کھلی، کہتے ہیں منکر سچی بات (یعنی قرآن) کو جب ان تک پہنچی یہ جادو ہے صریح"۔

جلالین میں ہے:

"قال الذین کفروا منهم للحق أی فی القرآن لما الخ"

اور سیپارے انتیسویں کے رکوع پندرہویں میں سورۂ مدثر کی چوبیسویں آیت یوں ہے:

"فقال إن هذا إلا سحر يؤثر"

ترجمہ:- پھر بولا (یعنی ولید بن مغیرہ) نہیں یہ مگر جادو جو چلا آتا ہے۔

پس دیکھو کافر لوگ قرآن کو سحر اور سحر مبین اور سحر یؤثر کہتے تھے، اور ظاہر ہے کہ اگر قرآن خارق للعادت نہ ہوتا تو اس پر ایسے الفاظ کا اطلاق نہ کرتے، لیکن چونکہ قرآن ان کے نزدیک خارق للعادت تھا، اور اس کی بلاغت اور فصاحت کو اپنی قدرت سے خارج سمجھ کے عناداً کفار کی قدیم عادت کے موافق ایسا کچھ کہتے تھے، جیسے کافر لوگ حضرت موسیٰؑ کے معجزات کو عناداً ''سحر'' اور ''سحر مفتری'' اور ''سحر مبین'' کہتے تھے، اور حضرت عیسیٰؑ کے معجزات پر سحر مبین کا اطلاق کرتے تھے، چنانچہ خدائے تعالیٰ ان کے اقوال کو قرآن میں نقل کرتا ہے:

مثلاً حضرت موسیٰؑ کے معجزات کی نسبت فرعون کا قول سیپارے سولہویں کے رکوع بارہویں میں سورۂ طٰہٰ کی ستانویں آیت کے اندر یوں نقل کرتا ہے:

''قال أجئتنا لتخرجنا من أرضنا بسحرك يا موسى"۔

ترجمہ:- یعنی بولا (یعنی فرعون) کیا تو آیا ہے ہم کو نکالنے کو ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اے موسیٰ۔

دیکھو فرعون نے موسیٰ کے معجزات کو سحر بتلایا۔

پھر اس کے تابعین کا قول انہیں معجزات کی نسبت سیپارے انیسویں کے رکوع سولہویں میں سورۂ نمل کی تیرہویں آیت کے اندر یوں منقول ہے:

"فلما جاء تهم آياتنا مبصرة قالو اهذا سحر مبين"

ترجمہ:-یعنی پھر جب پہنچیں ان کے پاس ہماری نشانیاں سمجھانے کو بولے یہ جادو ہے صریح۔

اس میں موسیٰ کے معجزات کو سحر مبین کہا، پھر انہیں کا قول سیپارے بیسویں کے رکوع ساتویں میں سورۂ قصص کی چھتیسویں آیت کے اندر یوں منقول ہے:

"قالوا ما هـذا إلا سحر مفترى وما سمعنا بهذا في آبائنا الأولين"

ترجمہ:-یعنی بولے اور کچھ نہیں یہ جادو ہے جوڑا ہوا، اور ہم نے سنا نہیں یہ اپنے اگلے باپ دادوں میں۔

اس میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو "سحر مفتری" کہا، اور حضرت عیسیٰ کے معجزات کی نسبت سیپارے ساتویں کے رکوع پانچویں میں سورۂ مائدہ کی ایک سو تیرہویں (۱۱۳) آیت کے اندر یوں ہے:

"فقال الذين كفرو منهم إن هذا إلا سحر مبين"

ترجمہ:-یعنی تو کہنے لگے جو کافر تھے ان میں (یعنی بنی اسرائیل میں) اور کچھ نہیں یہ (یعنی معجزات عیسوی) جادو ہے صریح۔

پس ایسے مقامات میں قرآن پر اطلاق سحر کا ایسا ہے جیسے موسیٰ اور عیسیٰ کے معجزات پر، اور قرآن کے ناظر پر یہ بات مخفی نہیں کہ جہاں اس میں کافروں کے قول کے اندر انبیاءؑ کے کسی امر کی نسبت لفظ سحر کا مندرج ہے یقیناً وہ امر خارق للعادت ہے

کہ ان بے ایمانوں نے عناداً اس امر پر ایسا اطلاق کیا ہے۔

بہرحال منکر بھی قرآن کو امر خارق للعادت سمجھتے تھے اور عناداً ایسا کچھ کہتے تھے اور جسے خدا نے توفیق دی وہ اس عناد کو چھوڑ کر فقط اسی معجزے کی وجہ سے ایمان بھی لایا ہے، اور سب اہل علم نے کیا مخالف، اور کیا موافق، اس کی فصاحت اور بلاغت کا اقرار کیا ہے، کیونکر اس بات کا اقرار نہ کریں۔

چنانچہ خطابی کہتا ہے کہ:

"کلام کی خوبی تین چیز سے ہوتی ہے:

اول

یہ کہ الفاظ اس کے فصیح اور شیریں ہوں۔

دوم

یہ کہ ان الفاظ کی نظم دلچسپ اور خوب مرتبط ہو۔

سوم

یہ کہ مضمون اس کا اچھا ہو"

اور یہ تینوں امر کلام مجید میں کمال درجہ پر متحقق ہیں، کیونکہ الفاظ اس کے ایسے شیریں اور فصیح اور ملیح ہیں کہ ان سے زائد امکان کے درجہ میں نہیں، اور نظم اس کی اس خوبی اور لطافت کے ساتھ ہے کہ اس سے بڑھ کرنا ممکن ہے، اور معانی اس کے لطیف ہیں، جن میں خدا کی ذات اور صفات اور مثل ان کے کا بیان ہے۔

اور سیل جو بڑا عیسائی عالم ہے ترجمۂ قرآن کے مقدمہ کے اندر لکھتا ہے (نسخہ ۱۸۳۶ء والا جو لندن میں مطبوع ہوا):

"عموماً مانا گیا ہے کہ قریش کی زبان میں جو بہت عمدہ عرب کی زبان میں

ہے قرآن نہایت ہی لطیف لکھا گیا ہے، اور یہ بھی مانا گیا ہے کہ قرآن عربی کے زبان کا نمونہ ہے''۔

پھر لکھتا ہے:

''میں بہت نمونوں (میں) سے ایک ہی نمونہ لکھتا ہوں کہ جس سے معلوم ہو جاوے کہ حقیقت میں اس کتاب کے اسلوب اور انشاء کی ان لوگوں نے جو بڑے واقف اور ماہر اس زبان کی تھے تعریف کی ہے۔

ایک شعر لبید بن ربیعہ کے قصیدہ کا (جو بڑا ذہین اور شاعر مشہور ہے) کعبہ میں لٹکایا گیا تھا، اور یہ ایک عزت تھی جو اس کے لئے کہ جس کا مضمون بہت ہی عالی ہو، کی جاتی تھی، اور کسی شاعر کی جرأت نہ ہوئی کہ اس کے مقابل میں کچھ بناوے لیکن قرآن کی (ا) پہلی سورت جو اس کے مقابلہ میں رکھی گئی، اور لبید نے جو بت پرست تھا جب اس سورت اول کی آیتیں دیکھی، دیکھتے ہی ایمان لایا، اور اقرار کیا کہ ایسا کلام الہام کے سوا ممکن نہیں''۔

دیکھو یہ عالم عیسائی کیا کہتا ہے، اور اقرار کرتا ہے کہ اس کو بھی بہت نمونے اس بات کے معلوم تھے، مگر ان میں سے اس نے ایک ہی نمونہ کو لکھا ہے، اور اس کے اظہار کے موافق لبید بن ربیعہ جو بڑے ذہین اور شاعر مشہور تھے فقط اعجاز قرآن کا دیکھ کر مسلمان ہو گئے ہیں، اور انہوں نے دیکھتے ہی اقرار کیا کہ ایسا کلام الہام کے سوا ممکن نہیں۔

سبحان اللہ! اہل لسان کا تو یہ حال ہوا، اور میزان الحق کے مؤلف جن کو ایک

(ا) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ تکمیل الایمان میں لکھتے ہیں کہ چون سورہ ''اقرا باسم ربک'' کہ اول آیت قرآنست نزول یافت آنحضرت فرمود تا بر عادت فصحائے عرب کہ در سخن تعصب و تفاخر داشتند آنرا نیز بر در کعبہ بیاویختند دیگر ہر کرا نظر بروے افتادو در متانت کلام و طرز سخن می نگریست حیران می گشت و اعتراف می کرد کہ این کلام بسخن آدمیان نماند و اتیان مثل آن از قدرت بشر بیرون است۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی

سطر عربی عبارت کی صحیح پڑھنی نہیں آتی، قرآن کی فصاحت اور بلاغت میں انکار سے پیش آویں۔

بہر حال کیا کریں، یہ تو پادریون کی عادت ہے، اور ہم اس جگہ دوسرے نمونوں کو ناظرین کی تفریح خاطر کے لئے تواریخ اور سیر اور حدیث اور تفسیر کی کتابوں سے نکال کر کئی حکایتوں میں لکھتے ہیں۔

پہلی حکایت

عثمان بن مظعون نقل کرتے ہیں کہ:

''مجھے دین اسلام میں شبہ تھا، جب یہ آیت سورۂ نحل کی جو سیپارے چودہویں کے رکوع انیسویں میں ہے اتری:

"إن الله يأمر بالعدل والإحسان و إيتاء ذى القربى و ينهى عن الفحشاء والمنكر والبغى يعظكم لعلكم تذكرون"۔

ترجمہ:- یعنی اللہ حکم کرتا ہے بیچ کی راہ کو (سب چیز میں، کیا اعتقادیات۱ اور کیا عملیات۲ اور کیا اخلاق۳، مثل توحید (۱) کے کہ انکار اور شرک کی بیچ میں ہے، اور مثل ادا کرنے فرائض (۲) اور واجبات کے کہ بیچ میں ہے، نہ کرنے اور بالکل دنیا چھوڑ دینے کے جو ہر کسی سے اس کا بن پڑنا محال عادی ہے، اور مثل سخاوت (۳) کے کہ بخل اور اسراف کے بیچ میں ہے اور مثل شجاعت کے کہ نامردی اور تہور کے بیچ میں ہے) اور حکم کرتا ہے بھلائی کا (یعنی بندگی میں باعتبار کمیت اور کیفیت کے، باعتبار کمیت کے مثل ادائے نوافل، اور امور خیر کے جو فرض نہیں، اور باعتبار کیفیت کے مثل اس کے کہ بندگی کے وقت میں اللہ کو حاضر

---

(۱) یہ مثال امر اعتقادی کی ہے۔

(۲) یہ مثال امر عملی کی ہے۔

(۳) یہ مثال اخلاق کی ہے۔

ناظر سمجھیں) اور حکم کرتا ہے دینے کو ناتے والے (رشتہ دار) کے (یعنی جس چیز کی انہیں حاجت ہو) اور منع کرتا ہے بے حیائی کو (مثل زنا اور لواطت اور غیر ان کے) اور نا معقول کام کو (مثل قتل اور چوری اور قزاقی اور غیبت اور بہتان اور چغلخوری وغیرہا کے) اور سرکشی کو (مثل غرور اور تکبر کے) تم کو سمجھاتا ہے، شاید تم یاد رکھو۔

اور اس آیت کو میں نے سنا، اور سنتے ہی میرے دل کا شبہ مٹ گیا، اور میں مسلمان ہو گیا، پھر میں نے اس آیت کو ولید بن مغیرہ کے سامنے پڑھا، سن کر بولا اے میرے بھتیجے پھر پڑھ، میں نے پھر پڑھا، سن کر بولا:

"واللہ إن لہ لحلاوۃ و إن علیہ لطلاوۃ وإن أعلاہ لمثمر و إن أسفلہ لمغدق وماھو بقول البشر و إنہ یعلو وما یعلی علیہ"

ترجمہ:- یعنی خدا کی قسم یہ کلام میٹھا ہے، اور البتہ اس کو وہ رونق اور تازگی ہے کہ اور کلام کو نہیں، اور البتہ اوپر اس کا میوے دار اور نیچا اس کا تازہ ہے، اور نہیں یہ قول آدمی کا، اور البتہ یہ غالب ہوگا سب کلاموں پر اور مغلوب نہ ہوگا۔

اور اکثم بن صفی کہ عرب میں مشہور حکیم تھا، اس آیت کی فصاحت اور بلاغت اور مضمون کی خوبی کو معلوم کر کے مسلمان ہو گیا تھا کہ باوجود اختصار کے سب امور کو جامع ہے۔

دوسری حکایت

ابوذر رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ:

"جب محمد ﷺ کی رسالت کا شور وغل پڑا، میں نے اپنے بھائی انیس کو جو بہت بڑے شاعر تھے، اور بارہا شاعروں کو زک دے کر غالب آئے تھے، اور خدا کی قسم کہ ان سے بڑا کوئی شاعر میں نے نہیں دیکھا، حضرت ﷺ کا حال

دریافت کرنے کو مکہ بھیجا، اور جب وہاں پہنچ کر دریافت کر کے آئے میں نے پوچھا کہ وہاں کے لوگ کیا کہتے ہیں؟ بولے کہ شاعر اور کاہن، مگر خدا کی قسم کہ میں بھی شاعر ہوں، اور کاہنوں کا کلام میں نے سنا ہے، وہ شاعر نہیں، اور نہ کاہن، بلکہ اپنے دعوے میں سچا ہے، اور منکر اس کے جھوٹے"۔

اور یہ امر ابوذرؓ کے اسلام کا ایک سبب ہوا۔

تیسری حکایت

ابن مُقفع بڑا فصیح اور بلیغ اپنے وقت کا تھا، صرف غرور کی راہ سے مدعی ہوا کہ میں اسی طرز پر ایسا کلام لکھوں گا، اور اپنی بہت مدت اس خیال خام میں اس نے کھوئی، اور کچھ اس طرز پر لکھا آخر کو ایک روز اس کا گذر ایک مکتب پر ہوا، سنا کہ ایک لڑکا سورۂ ہود کی یہ آیت چوالیسویں جو سیپارے بارہویں کے رکوع چوتھی میں ہے

"وقيل يا أرض ابلعي ماءك و ياسماء أقلعي و غيض الماء و قضي الأمر واستوت على الجودي و قيل بعداً للقوم الظالمين"۔

پڑھتا ہے، سن کر متحیر ہوا، اور گھر آ کے سب اپنے لکھے کو محو کیا، اور قسم کھا کے کہا کہ اس کلام کو کوئی معارضہ نہیں کر سکتا، اور یہ آدمی کا کلام نہیں (۱)

چوتھی حکایت

یحیی بن حکم غزالی نے کہ اندلس میں بلیغ اور فصیح تھا، چاہا کہ ایک سورہ اخلاص کے برابر اس کے مثل لکھے نہ لکھ سکا، اور آخر کو توبہ کر کے مسلمان کامل بن گیا۔

---

(۱) اس آیت کی وجوہ فصاحت میں سے صاحب کشاف اور بیضاوی نے بعضے وجوہ لکھے ہیں، وہاں دیکھو۔۱۲ منہ رحمۃ اللہ۔

پانچویں حکایت

ابوعبید لکھتا ہے کہ:

''ایک اعرابی نے ایک شخص کو یہ قول "فاصدع بما تؤمر جو سیپارے چودہویں کے رکوع چھٹے میں سورۂ حجر کی چورانویں آیت کے اندر ہے پڑھتے سنا سجدے میں گر پڑا، جب اس سے پوچھا کہ تو نے سجدہ کس کو کیا؟ بولا اس کلام کی فصاحت کو''۔

چھٹی حکایت

ایک اعرابی نے ایک شخص سے یہ قول" فلما استيئسو ا منه خلصوا نجياً" جو سورۂ یوسف کی اسیویں (۸۰) آیت ہے سنا، بولا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی مخلوق اس کلام کے مثل پر قادر نہیں۔

ساتویں حکایت

اصمعیؒ نے جو بڑا عالم، لغوی اور مفسر اور محدث تھا، اور فصاحت میں بے نظیر، ایک لڑکی کو دیکھا کہ نہایت پاکیزہ اور فصیح کلام بولتی ہے، سن کر اس کی فصاحت سے تعجب کیا، اس لڑکی نے معلوم کر کے کہا کہ آپ میرے قول سے کیا تعجب کرتے ہیں، اور فصیح جانتے ہیں، دیکھو اس خدا کے قول کو:

''وأوحينا إلى أم موسى أن أرضعيه فإذا خفت عليه فألقيه فى اليم ولا تخافي ولا تحزني إنار آدوه إليك وجاعلوه من المرسلين"۔

کہ ایک ہی آیت میں دو امر اور دو نہی، اور دو بشارت کو کس فصاحت اور بلاغت سے جمع کیا ہے، اور جاننا چاہئے کہ یہ آیت سیپارے بیسویں کے رکوع چوتھے

میں سورۂ قصص کی ساتویں آیت ہے، اور ایسی ہی فصیح ہے سورۂ حم سجدہ کی چوتیسویں آیت جو سیپارے چوبیسویں کے رکوع انیسویں میں واقع ہے:

"ولا تستوي الحسنة ولا السئية، ادفع بالتي هي أحسن فإن الذی بينك و بينه عداوة كأنه ولي حميم".

ترجمہ:- یعنی اور برابر نہیں بھلائی اور برائی (یعنی بھلائی برائی کے برابر نہیں ہوتی، اور اسی طرح برائی بھلائی کے) دفع کر برائی کو اس چیز کے ساتھ جو بھلی ہے (یعنی اگر کوئی تجھ سے برائی کرے تو اس سے بھلائی کر اس طور سے اگر وہ بد دعا کرے تو اچھی دعا کر، اور اگر وہ ہجو کرے تو تعریف کر، اور اگر وہ تیرے بیٹے کو مار ڈالے تو اس کے بیٹے کو دشمنوں کے ہاتھ سے چھٹا، اور اسی طرح جو وہ کسی طرح کی تجھ کو ایذاء پہنچائے تو اس کو کسی طرح کی راحت پہنچا، بقول ے

بدی را بدی سہل باشد جزاء اگر نیکی أحسن إلى من أساء)

پھر جو تو دیکھے تو جس میں اور تجھ میں دشمنی تھی جیسے دوست دار ہے ناتے والا (یعنی اس کرنے سے دشمن بھی بڑا دوست بن جاتا ہے)۔

اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ اہل زبان کو جاہل ہو یا عورت یا بچہ شعور والا، ذوق اور سلیقے کے سبب اپنی زبان میں وہ تمیز ہوتی ہے کہ ویسی تمیز دوسرے کو اگرچہ فاضل ہو مشکل ہوتی ہے۔

آٹھویں حکایت

ایک روز ولید نے حضرت ﷺ کو قرآن پڑھتے سنا، اپنی قوم سے جا کر کہا کہ واللہ! میں نے محمد سے ایک کلام سنا ہے کہ وہ نہ آدمی کا کلام ہے اور نہ جن کا، اس کی شیرینی اور تازگی اور (زیادہ) ہے، اور اس کا اعلیٰ میوے دار اور اس کا اسفل تازہ، غالب ہے سب کلاموں پر،

اور مغلوب نہ ہوگا۔

قریش نے سن کر کہا کہ افسوس ولید فریفتہ ہوا، اور اس کی فریفتگی سے سب قریش ٹھوکر کھائیں گے، ابوجہل سن کر غمگین اس کے پاس آیا، اور عجز اور ملامت کر کے اس کو اس بات پر برانگیختہ کیا کہ قرآن کے حق میں قریش کے سامنے کچھ کہے کہ ان میں سے کسی کے دل میں محمد ﷺ اور قرآن کا اعتقاد نہ بیٹھے، اس پر شقاوت ازلی سے ابوجہل کے خاطر قریش سے کہنے لگا کہ تم محمد کو دیوانہ کہتے ہو، اور جانتے ہو کہ وہ سب سے زائد عقل مند ہے، اور تم اسے کاہن کہتے ہو، اور جانتے ہو کہ کاہن کا کوئی نشان اس میں نہیں پایا جاتا، اور تم اس کو جھوٹا بتلاتے ہو، اور وہ جھوٹا نہیں، اور تم کہتے ہو کہ وہ شاعر ہے اور اس کی باتیں شعر کے مشابہ نہیں، انہوں نے سن کے کہا کہ: یہ سب سچ ہے پھر آپ بتلائیں کہ کیا کہا کہیں (کریں)؟ یہ سن کر سوچا اور بولا کہ: اس کا کلام جادو ہے جو بابل والوں سے سیکھ آیا ہے، کیا نہیں دیکھتے کہ اس سے جورو اور خاوند اور باپ اور بیٹے اور مالک اور غلام میں جدائی ڈالتا ہے، یہ سن کر لوگ خوش ہو گئے۔

اور اس کی اس خباثت پر اللہ تعالی سورۂ مدثر میں کچھ لے دے کر کے (لعن طعن کر کے) آیت چوبیسویں اور پچیسویں میں یوں فرماتا ہے:

''فقال إن هذا إلاسحر يؤثر ، إن هذا إلاقول البشر''۔

ترجمہ:- یعنی ۲۴۔ پھر بولا نہیں یہ مگر جادو ہے چلا آتا، ۲۵۔ نہیں یہ مگر کہا ہے آدمی کا۔

نویں حکایت

''عتبہ بن ربیعہ جو بڑے اشقیاء سے تھا ایک دن قریش کی مجلس میں بیٹھا تھا، حضرت ﷺ کو مسجد کے ایک گوشے میں تنہا بیٹھے دیکھ کر اپنی قوم سے کہنے لگا کہ میں اس شخص کے پاس جا کر کچھ رغبت مال اور دولت کی دے کر اس کو اس کار (کام) سے ہٹاتا ہوں، اور حضرت ﷺ کے پاس آیا، اور بہت کچھ مال اور منال کی طمع دی، حضرت ﷺ نے فرمایا کہ: اے ابوالولید کیا کہہ چکے، وہ بولا: ہاں! حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اولاً جو میں کہوں سن لو، اور اس کے بعد جو دل میں آئے کرو، اور سورۂ حم سجدہ کو جو سیپارے چوبیسویں میں ہے، پڑھنا شروع کیا، عتبہ سنتے ہی مدہوش اور حیرت زدہ ہوا، اور جب حضرت ﷺ سجدے کی آیت پر پہنچے، آپ نے سجدہ کیا، پھر فرمایا: کیا سنا تم نے جو میں کہتا ہوں؟ بولا ہاں! اور آپ اسی کار میں مشغول رہیں اور کسی سے نہ ڈریں، اور اپنی قوم سے آ کر کہنے لگا کہ: واللہ! میں نے وہ کلام سنا کہ کبھی ویسا نہ سنا تھا، اور واللہ کہ وہ شعر نہیں، اور نہ کہانت ہے، اے گروہ قریش تم اس کو اس کے کار سے نہ روکو، اور واللہ اس کلام کو بڑی شان ہوگی، اور تم جانتے ہو کہ وہ جو تمہارے حق میں کہتا ہے جھوٹ نہیں ہوتا، اور جو دعا کرتا ہے رد نہیں ہوتی، اب خوف یہ ہے کہ کہیں تم پر عذاب نازل نہ ہو''۔

اور اسی طرح اوروں سے منقول ہے، طوالت کا خوف کر کے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔

ان مذکورہ بالا واقعات سے واضح ہے کہ ان لوگوں نے جو زبان عرب سے خوب ہی واقف اور اہل زبان تھے قرآن کی بلاغت کے علو درجہ کا اقرار کیا ہے، اور ان میں سے بعض جو منکر تھا اور اس کو اللہ نے توفیق دی، مسلمان بھی ہو گیا مثل لبیدؓ و عثمان بن مظعونؓ وغیرہما کے۔

اور کیا ہی اچھی بات بعض علماء نے کہی ہے کہ:

''اگر یہ قرآن جنگل میں رکھا ہوا ملتا، اور نہ معلوم ہوتا کہ کس نے رکھا ہے تو بھی عقول سلیمہ اس کی وجوہ لفظی اور معنوی کا ملاحظہ کر کے گواہی دیتیں کہ یہ بشر کا کلام نہیں، اور جس صورت میں کہ معرفت ایسی راست ترین خلق کی کہ جن کو نبوت کے دعوے سے پہلے سب امین اور راست گو سمجھتے تھے، اور نبوت کے دعوے کے بعد ان کی نبوت ادلہ عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت ہوئی ہو، ہم تک پہنچا، تو ان وجوہ کی اطلاع کے بعد سوائے متعصب عنید کے کسی کو انکار اور شبہ کی جگہ نہیں۔

اور اسی طرح بعض علماء کا یہ قول بھی بہت معقول ہے کہ:

''یہ معجزہ ہمارے پیغمبر کا ان کے اور معجزوں کی نسبت اور اسی طرح اور انبیاء کے معجزات کی نسبت اس وجہ سے عجیب اور واضح تر ہے جو ان اور معجزات کو ابتداءً منکرین خارق للعادت سمجھتے تھے، تو اول ہی سے ارادہ اور کوشش مقابلہ کی نہیں کرتے تھے، اور اول ہی سے ان کو ان کے حصول کی طمع اور توقع نہ ہوتی تھی، خلاف اس معجزے کے جو ایک کلام ہے ان کے کلام کی جنس سے اور الفاظ اور معانی اس کے معلوم ہیں، اور ان کو فصاحت اور بلاغت میں بڑا ہی دعوی تھا، تو اول بار غور کے پہلے ان کو اس کے مثل کے حصول کی طمع اور توقع تھی، اور مقابلے کا ارادہ کرتے تھے، اور کوشش کے بعد آخر کو جانتے تھے کہ قدرت بشری سے خارج ہے، اور نادم ہوتے تھے، اور عقل سلیم بے تعصب کے نزدیک یہ عجز جو بیشمار تھے قرآن کے اعجاز کی ایک دلیل ہے''۔

کہتا ہوں میں کہ سوائے ان دو باتوں کے جو ان دو عالموں نے فرمائیں، تین باتیں اور بھی گذارش کے لائق ہیں۔

پہلی

ایک یہ کہ قرآن میں عجائب میں سے یہ ہے کہ عرب کی زبان کا ماہر تلاوت

کے وقت دلیل اور مدلول اور حجت اور حکم پر ایک ہی بار میں اطلاع پاتا ہے کیوں کہ اس کی فصاحت اور بلاغت اس بات کی حجت اور دلیل ہے کہ یہ خدا کا کلام اور امر اور نہی اور وعدہ اور وعید مدلول اور حکم (کا جامع ہے)۔

دوسری

دوسری یہ کہ یہ معجزہ اب تک باقی ہے، اور انشاء اللہ تعالی قیامت تک باقی رہے گا، اور زمانہ حضرت ﷺ کی مثل اس کے بام اعجاز سے آوازہ "فأتوا بسورة" کا منکروں کی سرزنش کیلئے باوجود دعوی "لن تفعلوا۔ ولئن اجتمعت الإنس والجن الخ" کے بلند (۱) رہے گا، بخلاف معجزات اور انبیاء بنی اسرائیل کے کہ انہیں کے بعض اوقات کے ساتھ مخصوص تھے، اور ان اوقات کے بعد سوائے ذکر کے کچھ ان کا اثر باقی نہ رہا، چہ جائے اس عہد کے جو بعد ان انبیاء کے آیا۔

تیسری

تیسری یہ کہ جب قرآن کا اعجاز ثابت ہوا، اور سب سے مختصر سورہ کا مقدار معجزہ ٹھہرا، تو اور ہر ہر تین آیت اس کی معجزہ مستقل ہیں، اور قرآن کی آیتیں کوفہ کے قاریوں کے شمار کے مطابق بسم اللہ کے سوا ۶۲۳۷ ہیں، تو اس حساب سے قرآن ۲۰۷۹ معجزات پر مشتمل ہے، سو اس قدر معجزات احمدیہ اب تک باقی ہیں، اور انشاء اللہ قیامت تک باقی رہیں گے، والحمد لله على ذلك۔

اور جاننا چاہیئے کہ قرآن کی فصاحت اور بلاغت کما ینبغی اہل لسان کو ذوق اور سلیقے سے معلوم ہوتی تھی، اور جو اہل لسان نہیں ان کے لئے علماء اسلام شکر اللہ

---

(۱) کیوں نہ رہے کہ آپ کی شریعت موبد (دائمی) ہے، پس چاہئے کہ کوئی معجزہ آپ کا ابداً باقی رہے۔ ۱۲ منہ رحمۃ اللہ تعالی

مساعیھم نے ایک اچھا طریقہ نکال دیا، کہ اس کے طفیل سے غیر اہل لسان بھی اہل لسان کے قریب قریب ہو گئے ، اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے بڑی ہی کوشش سے کئی فن مثل صرف اور نحو اور لغت اور معانی اور بیان اور بدیع وغیرہ تصنیف کئے ، اور ہر فن میں ان فنون میں سے بہت کتابیں لکھیں، کہ اب بھی جو ان علوم سے بخوبی واقف ہو خصوصاً علم معانی اور بیان میں بڑی دستگاہ کامل رکھتا ہوا، اچھی طرح اس کی وجوہ اعجاز پر واقف ہوسکتا ہے۔

سکاکی کہتا ہے کہ:

''قرآن کا اعجاز دریافت ہوتا ہے لیکن اس کی پوری وصف نہیں ہوسکتی اور لذت واقعی اس سے وہ اٹھاتا ہے جو علم معانی اور بیان میں دستگاہ کامل رکھتا ہو''۔

اور چونکہ قرآن باعتبار وجوہ بلاغت اور فصاحت نیز باعتبار اور وجوہ کے کہ فصاحت اور بلاغت کے سوا ہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آدمی کا کلام نہیں بلکہ خدا کا کلام ہے، تو اس جگہ دونوں قسموں سے کچھ کچھ لکھا جاتا ہے۔

اعجازِ قرآن کی عجیب و عظیم وجوہ

فصاحت اور بلاغت کی دس (۱۰) وجوہ

پہلی وجہ

شاعروں اور ناثروں (نثر نگاروں) کی (عرب والے ہوں یا عجم والے) فصاحت اور بلاغت غالباً خال اور خد، اور زلف اور خط اور قد اور ناز اور ادا، اور شراب اور کباب اور ہجر اور وصل اور شادی اور غمی اور باغ اور بزم اور رزم اور اس کے مانند کے بیان میں جن میں بدائع اور صنائع کی اقسام کو خوب ہی گنجائش ہوا کرتی ہے، کیونکہ ان چیزوں کی طرف اکثر آدمیوں کی طبائع متوجہ ہوتی ہیں، اور قدیم سے ہر وقت میں ہر ملک کے شاعر کسی نہ کسی امر میں ان امور سے ایک نہ ایک مضمون نیا اور اچھا نکالتے رہے ہیں، تو ان اسباب سے آدمی بشرطیکہ سلیم الذہن ہو، محنت کر کے کسی نہ کسی امر کے ان امور سے بیان میں کمال حاصل کر سکتا ہے، اور قرآن شریف تو ان چیزوں کے بیان میں نہیں بلکہ اس میں بیان ذات اور صفات الٰہیہ اور قوانین عبادات اور معاملات اور محاسن اخلاق اور حالات آخرت کا، اور ترغیب زہد اور قناعت اور مال کے خرچ کرنے کی اللہ کی راہ میں اور صبر کرنے کی مصیبتوں پر اور توجہ کرنی آخرت کی طرف اور مانند اس کے ہے، اور بلاشبہ فصاحت اور بلاغت کا دائرہ ان چیزوں کے بیان میں بہت ہی تنگ ہے، اور تشبیہات بلیغہ اور استعارات دقیقہ کی کماینبغی رعایت کرنی ان

چیزوں میں بشر کی قدرت میں نہیں۔

اگر کسی شاعر فصیح یا ناثر بلیغ کو فرمائش کرو کہ نو دس مسائلِ فقہ یا نو دس عقیدے مثلاً رنگین عبارت میں باوجود رعایت امور مذکورہ بالا کے لکھ لا، اور مسئلے اور عقیدے کی صورت میں فرق نہ آوے تو اس سے کبھی یہ بات نہیں بن پڑتی، اور قرآن شریف باوجودیکہ ایسے ہی چیزوں کے بیان میں ہے، بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر ہے، اور اچھی طرح اس میں علم بدیع کے محسنات لفظی اور معنوی کے، اور اسی طرح علم معانی اور بیان کے قواعد کی رعایت ہوئی ہے۔

فصاحت کی دوسری وجہ

قرآن میں طریقہ صدق کی رعایت آخری درجے میں ہے، اور باوجود اس کے بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر ہے، اور نظم میں یا نثر میں اگر ناظم یا ناثر مبالغہ اور جھوٹ سے احتراز کرے تو اس کا کلام بلاغت سے گر کے رکاکت کو پہنچتا ہے، جیسا کہ مشہور ہے " أحسن الشعر أكذبه ". (سب سے اچھا شعر وہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹا ہو)

فصاحت کی تیسری وجہ

وہ کلام جو بہت بڑا ہوتا ہے اس میں سب جگہ بلاغت اور فصاحت کی رعایت بہت دشوار ہوتی ہے اور وہ کسی نہ کسی جگہ اعلیٰ درجہ بلاغت پر نہیں رہتا، اور قرآن شریف باوجود اس قدر طوالت کے سب جگہ اعلیٰ درجہ بلاغت پر ہے، اور اس کی ترکیب اپنے موقع پر، اور تعقید لفظی اور معنوی سے خالی ہے، اگر کوئی زبان داں فقط یوسفؑ کے قصہ ہی کو دیکھے کہ باوجود اس درازی کے کس آب وتاب سے مذکور ہے تو یقیناً اس کے اعجاز کا معترف ہو جائے۔

فصاحت کی چوتھی وجہ

شاعر ہو یا ناثر اگر کسی قصہ یا کسی مضمون کا بیان دو بارہ کرے اس کا کلام دوسری دفعہ کا لطیف معلوم نہیں ہوتا، اور قرآن شریف میں انبیاء کے قصص اور مبدء اور معاد کی حالات اور احکام اور صفات الٰہیہ کئی کئی بار مذکور ہوئی ہیں، کسی دفعہ طوالت سے اور کسی دفعہ اختصار سے، اور ہر بار میں لطف زائد پیدا کیا ہے، اور بلاغت کا درجہ اعلی محفوظ رہا ہے، اور یہ بات بلغاء کے نزدیک بڑی ہی مشکل اور قدرت بشری سے خارج ہے۔

فصاحت کی پانچویں وجہ

شاعر ہو یا ناثر اس کو غالباً بعضے مضمون کے بیان میں سلیقہ زائد ہوتا ہے، اور بعض میں کم، بعضے تعریف میں اور بعضے ہجو میں اور بعضے بیان بزم اور بعضے بیانِ رزم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں، مثلاً عرب کے شاعروں میں امرء القیس عورتوں کے حسن اور گھوڑوں کی تعریف میں، اور نابغہ بیان رزم اور اعشی بیان بزم اور زہیر بیان حاجت میں بے نظیر ہیں، اور فارسی والوں میں نظامی اور فردوسی بیان رزم میں اور سعدی غزل میں اور انوری قصائد میں بہت اچھے ہیں، اور قرآن شریف کا حال یہ ہے کہ ہر مطلب کے بیان میں ترغیب ہو یا ترہیب، زجر اور توبیخ ہو یا وعظ اور حکمت، معاد کا حال ہو، یا مبدء کا یا غیر ان کا یکساں ہے، اس حد تک کہ لاکھوں مخالف فصیح اور بلیغ اس وقت میں تھے کسی کو کسی جگہ کسی مطلب کے بیان میں انگلی رکھنے کی جگہ نہ ملی، باوجود اس کے کہ کئی بار ان کو اس بات پر ابھارا جیسا بیسویں معجزے میں بیان اس کا گذرا۔

فصاحت و بلاغت کی شاہکار بعض آیات قرآنی

اور اس جگہ برائے برکت بعض آیات لکھ دیتے ہیں مثلاً ترغیب میں یہ قول جو سیپارے اکیسویں کے رکوع پندرہویں میں سورۂ سجدہ کی سترہویں آیت ہے:

"فلا تعلم نفس ما أخفی لهم من قرة أعين جزاء بما كانوا يعملون"

ترجمہ:- یعنی سو کسی جی کو (کیا فرشتۂ مقرب اور کیا نبی مرسل) معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے ان کے لئے (یعنی ان لوگوں کے لئے جو محض اللہ کے خوف اور اس کی رحمت کی لالچ سے اس کی عبادت کرتے ہیں اور اپنے مال کو اچھے کاموں میں خرچ کرتے ہیں) جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی (یعنی وہ چیز جس سے آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں) حدیث قدسی میں آیا ہے:

"أعددت لعبادي الصالحين ما لا عين رأت ولا أذن سمعت ولا خطر على قلب بشر"

ترجمہ:- یعنی میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے تیار کی ہے وہ چیز جسے آنکھوں نے نہیں دیکھا، اور نہ کانوں نے سنا، اور نہ آدمی کے دل پر گذری) بدلا اس کا جو کرتے تھے (اخلاص اور صدق سے بغیر ریا کے، اور جیسے وہ عبادت چھپی کرتے تھے، اور اس پر اللہ کے سوائے کوئی مطلع نہ ہوتا تھا، ایسا ہی اس کا بدلا اللہ صاحب دے گا۔

روزے کہ روم ہمرہ جانان بچمن — نے لالہ وگل بینم و نے سرو وسمن
رازیکہ میان من و او گفتہ شود — من دانم واو داند و دیگر دل من)

اور ترہیب میں یہ قول جو سیپارے تیرہویں کے رکوع پندرہویں سورۂ ابراہیم کے اندر واقع ہے:

"وخاب كل جبار عنيد، من ورآئه جهنم و يسقى من

ماء صديد ، يتجرعه ولا يكاد يسيغه و يأتيه الموت من كل مكان وما هو بميت ، ومن ورائه عذاب غليظ"۔

ترجمہ:-یعنی نامراد ہوا (عذاب کی خلاصی سے) جو سرکش تھا (اور سرکشی سے حق کا انکار کرتا تھا، یا اللہ کی عبادت سے منہ موڑتا تھا) ضد کرنے والا، پیچھے اس کے (یعنی اس کی زندگی کے پیچھے) دوزخ ہے (جس میں ڈالا جاوے گا) اور پلاویں گے، اس کو پانی پیپ کا (جو دوزخیوں سے بہے گی) گھونٹ گھونٹ پیتا ہے اس کو (برے دکھ کے ساتھ) اور گلے سے نہیں اتار سکتا (بو اور تلخی کے سبب) اور چلی آتی ہے اس پر موت (یعنی موت کی سختیاں) ہر جگہ سے (یعنی ہر طرف سے یا اس کی جوڑ جوڑ سے) اور وہ نہیں مرتا (تاکہ مر کر عذاب سے چھوٹ جائے) اور اس کے پیچھے ہے مار گاڑھی (کہ ہمیشہ دوزخ کے اندر اسی عذاب میں رہے گا)۔

اور زجر اور توبیخ میں یہ قول جو سیپارے بیسویں کے رکوع سولہویں میں سورۂ عنکبوت کی چالیسویں آیت ہے۔

"فکلاً أخذنا بذنبه فمنهم من أرسلنا عليه حاصبا ، ومنهم من أخذ ته الصيحة، ومنهم من خسفنا به الأرض ، ومنهم من أغرقنا، وملكان الله ليظلمهم ولكن كانوا أنفسهم يظلمون"

ترجمہ:-یعنی پھر سب کو (جن کا ذکر اوپر اس آیت کے اندر ہو چکا ہے) پکڑا ہم نے اپنی اپنی گناہ پر، پھر کوئی تھا کہ اس پر بھیجا پتھر اور باد سے (جیسے لوط کی قوم) اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑنے (جیسے مدین والے اور ثمود کی قوم) اور کوئی تھا کہ اس کو دھنسا دیا ہم نے زمین میں (جیسے قارون) اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبا دیا (جیسے نوحؑ کی قوم، اور فرعون اور اس کے لوگ) اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے (اور بے گناہ ان کو سزا دے کیوں کہ یہ تو اس کی عادت نہیں) پر تھے وہ اپنا آپ برا کرتے (کہ کفر اور گناہ کر کے ایسے ایسے عذاب میں پھنسے)

اے کہ حکم شرع رارد میکنی — راہ باطل میروی بد میکنی
چوں تو بد کردی بدی یابی جزا — پس بدیہا جملہ باخود میکنی

اور وعظ اور عبرت میں یہ قول جو سیپارے انیسویں کے رکوع پندرھویں میں سورۂ شعراء کے اندر واقع ہے:

"أفرأيت إن متعناهم سنين ، ثم جاءهم ما كانوا يوعدون، ما أغنى عنهم ما كانوا يمتعون"۔

ترجمہ:- یعنی بھلا دیکھ تو اگر برتنے دیا، ہم نے ان کو کئی برس، پھر پہنچا ان پر جس کا ان سے وعدہ تھا (یعنی عذاب) کیا کام آوے گا ان کے جتنا برتتے رہے۔

یعنی دنیا کی نعمتیں کچھ بھی اللہ کے عذاب کو دفع نہ کریں گی، آرے: (ہاں)

جہاں بیوفا ئیست مردم فریب — کہ از دل ربا ید قرار وشکیب
نگر تا بجا ہش نگردی اسیر — نیفتی پے مالش اندر ذحیر
کہ آندم کہ مرگ اندر آمدز راہ — نہ مالت کند دستگیری نہ جاہ

اور الٰہیات میں یہ قول جو سیپارے تیرھویں کے رکوع آٹھویں میں سورۂ رعد کے اندر واقع ہے۔

"الله يعلم ما تحمل كل أنثى وما تغيض الأرحام و ما تزداد وكل شئ عنده بمقدار ، عالم الغيب والشهادة الكبير المتعال"

ترجمہ:- یعنی اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے مادہ (اس طور پر کہ یہ نر ہے یا مادہ، گورا ہے یا کالا، برا ہے یا اچھا، اور مثل اس کے) اور سکڑتے ہیں پیٹ میں اور بڑھتے ہیں (باعتبار بدن بچے کے یا مدت کے یا عدد بچے کے) اور ہر چیز کی ہے اس کے پاس گنتی (کہ اس سے وہ چیز نہ بڑھ سکتی اور نہ گھٹ سکتی) جاننے والا ہے چھپے اور کھلے کا (کوئی امر ایسا نہیں کہ اسے معلوم نہ ہو) سب سے بڑا اوپر

فصاحت کی چھٹی وجہ

ایک مضمون میں جب کوئی اور مضمونِ مخالف کا ذکر آ جاتا ہے تو اکثر کلام کی سلسلے بندی اچھی طرح نہیں رہتی، اور وہ کلام فصاحت اور بلاغت سے گر جاتا ہے اور قرآن میں اکثر ایک قصے سے دوسرے قصے کی طرف اور ایک ذکر سے دوسرے ذکر کی طرف منتقل ہونا بہت ہے، اور ہر رکوع اس کا معانی مختلفہ پر مثل امر اور نہی اور وعدے اور وعید اور امثال اس کے پر مشتمل ہے، پھر بھی اس کے اجزا اور آیات میں اچھی طرح کا ارتباط ہے کہ اس کو دیکھ کر عرب کے بلیغوں کی عقل نے چکر کھایا ہے۔

فصاحت کی ساتویں وجہ

یہ خوبی ہے کہ اکثر جگہ بہت مضمون کو تھوڑے الفاظ میں ادا کرتا ہے اور وہ الفاظ بھی ملیح ہوتے ہیں مثلاً یہ قول باری تعالیٰ کا "ولکم فی القصاص حیوٰۃٌ" جو سورۂ بقر کی آیت ایک سو نواسی (۱۸۹) میں ہے، باوجود قلت الفاظ اور حروف کے بہت معانی پر مشتمل ہے، اور اس کے مناسب دو حکایتیں لکھتا ہوں۔

پہلی حکایت

ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں سوتے تھے، جب آنکھ کھلی دیکھا کہ روم کے امراء میں سے ایک امیر جو مسیحی مذہب اور عرب کی زبان سے خوب ہی ماہر تھا، سر کے برابر کھڑا ہوا کلمہ شہادت پڑھ رہا ہے، حضرت عمرؓ نے اس کا حال اور اس کے اسلام کا سبب پوچھا، بولا کہ میں نے ایک مسلمان قیدی سے کچھ تمہاری کتاب کا کلام سنا، اور سن کر غور و فکر کیا اس پر معلوم ہوا کہ جو کچھ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے دین اور دنیا کے امر میں نصیحت فرمائی ہے، وہ سب قرآن کی ایک ہی آیت میں باوجود

اختصار کے مذکور ہے اور وہ آیت (۱) یہ ہے:

"ومن یطع اللّٰہ ورسولہ و یخش اللّٰہ و یتقہ ،فأولئك ھم الفائزون"

ترجمہ:- یعنی جو کوئی حکم پر چلے اللہ اور رسول کے (سب چیز میں، کیا اعتقادیات مثلاً خدا کو موجود، واحد، منزہ از جسم اور جہت اور جمیع معائب اور نقائص سے، اور قادر، قدیم، علیم، سمیع، بصیر، مرید، متکلم، خالق، رازق، حکیم ،مقدس، عادل، عالم، راست باز، رحمٰن، رحیم صبور، حافظ محیی، ممیت سمجھے اور کیا عملیات مثلاً نماز اور زکوۃ اور حج ادا کرے، اور خیرات اور مسافر نوازی اور حاجت روائی محتاج کی گو وہ دشمن ہی ہو کرتا رہے، اور ہمسایہ اور ناتے والے کے ساتھ سلوک کرے، گو وہ بدسلوکی کرتے ہوں اور ماں اور باپ کا ہر طرح سے قولاً اور فعلاً ادب کرے اور ان کے حکم کی اطاعت یہاں تک کرے کہ اگر وہ کہیں کہ تو اپنا سارا مال کسی کو دے ڈال یا اپنی جورو کو چھوڑ دے تو ان کے حکم سے منہ نہ موڑے، اور ہر بڑے کی تعظیم اور ہر چھوٹے پر شفقت اور محبت کرے، اور بت پرستی اور کفر اور زنا اور لواطت نہ کرے بلکہ شہوت کی نظر سے بھی کسی عورت اجنبیہ کی طرف نہ دیکھے، اور چوری اور دغابازی نہ کرے، اور جھوٹ نہ بولے اور جھوٹی گواہی نہ دے، اور کسی کو گالی نہ دے، اور نہ کسی کی غیبت کرے، اور نہ کسی پر بہتان باندھے، اور نہ چغلخوری کرے، اور نہ یاوہ گوئی اور نہ عیب گیری اور نہ سخن چینی اور نہ مسخراپن اور نہ چُہل ٹھٹا بے جا، اور نہ لطیفہ گوئی بے موقع، اور نہ شراب پیئے، اور نہ مست ہوئے، اور کیا اخلاق مثلاً مسکینی اور حلم اور عفو اور راستی اور صلح جوئی اور رحم اور غصے کا کھانا اختیار کرے، اور ارادہ رکھے کہ برائی کا بدلا بھلائی دوں گا، اور عبادات بدنی اور خیرات میں ریا نہ کرے بلکہ ان سب چیزوں میں خالص نیت رکھے، اور زہد اور قناعت اور سخاوت اور اسی طرح ہر نیک چیز کی محبت

(۱) یعنی سورہ نور کی باونویں آیت جو سیپارے اٹھارویں کے رکوع تیرہویں میں واقع ہے۔۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی

اور ہر بدی کی نفرت کو اپنا خُلق بنائے، اور اپنے دل میں آپ کو سب سے حقیر سمجھے، تکبر اور شیخی اور حسد اور طمع کو اپنے دل میں جگہ نہ دے، اور اپنے نسب اور مال دولتِ دنیا پر کبھی فخر نہ کرے، اور صبر اور شکر اور توکل کو خوب ہی مضبوط پکڑے، اور امانت دار رہے، اور اسی طرح اور اعتقادیات اور عملیات اور اخلاق سے جو ناشائستہ ہے اس سے ہاتھ اٹھاوے، اور جو بایستہ (مناسب) ہے اسے لے لے، چنانچہ اس سب امور کی تفصیل قرآن کے اور مقامات میں اور احادیث صحیحہ میں آئی ہے۔

بہر حال یہ سب امور "مَن یطع اللہ ورسولہ" کی تحت میں داخل ہیں) اور ڈرتا رہے اللہ سے (اپنے گناہوں اور تقصیروں کے سبب سے) اور بچ کر چلے اس سے (یعنی اس کے غصے سے نہ اب گناہ کرے اور نہ آگے کو ارادہ گناہ کا رکھے، اور اس کے اوامر کو بجالاتا اور نواہی سے بچتا رہے) سو وہ لوگ ہیں مراد کو پہنچے (کیونکہ دو جہاںؑ کے فلاح کا حصول خدا اور رسول کی فرماں برداری اور خدا کے خوف اور پرہیز گاری کے سوا متصور نہیں" آرے۔

اینک رہ گر مقصد اقصیٰ طلبی ونیک عمل از رضائے مولی جوئی

دیکھو عیسائی کیا سچا تھا کہ جو کچھ مسیحؑ بلکہ بنی اسرائیل کے دوسرے انبیاء نے بھی دین اور دنیا کے امر میں بطور نصیحت کے فرمایا ہے، وہ سب کا سب اجمالاً کمال اختصار کے ساتھ اس میں مذکور ہے۔

کشاف اور حسینی میں ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے وقت کے علماء سے درخواست کی کہ مجھ کو ایک ایسی آیت بتلا دو کہ کافی ہو، انہوں نے اس آیت کو بتلایا۔

دوسری حکایت

سیپارے آٹھویں کے رکوع دسویں سورۂ اعراف کی آیت اکتیسویں کی تفسیر

کے ذیل میں صاحب کشاف نقل کرتا ہے کہ ایک طبیب حاذق عیسائی مذہب نے جو ہارون رشید کا نوکر تھا، ایک روز حسین بن علی بن واقد سے پوچھا کہ تمہاری کتاب میں علم طب سے کیوں کچھ منقول نہیں، حالانکہ علم (یعنی کامل اور نافع) دو ہیں (۱) علم ابدان (۲) اور علم ادیان، حسین نے کہا کہ ہماری کتاب میں اللہ تعالی نے سارے علم طب کو آدھی آیت میں جمع کر دیا ہے، طبیب عیسائی نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے، بولا یہ:

"کلوا واشربوا ولا تسرفوا"

پھر اس نے پوچھا کہ تمہارے رسول سے اس امر میں کیوں کچھ منقول نہیں، بولا کہ ہمارے رسول نے بھی ساری طب کے علم کو تھوڑے لفظوں میں جمع کر دیا ہے، اس نے پوچھا وہ کون سے الفاظ ہیں، بولا:

"المعدة بیت الداء و الحمیة رأس کل دواء و أعط کل بدن ما عودته"

طبیب عیسائی انصاف سے بولا کہ تمہاری کتاب اور تمہارے نبی نے جالینوس کی کچھ حاجت نہ رکھی۔

یعنی سب کچھ جو حفظ صحت اور ازالۂ مرض میں کام آئے بیان کر دیا، اور کچھ نہ چھوڑا کہ جالینوس کے بیان کی حاجت رہے۔

اور آیت کے معنی یہ ہیں:

کھاؤ (یعنی سب چیز جو کھانے کے لائق ہے) اور پیو (یعنی سب چیز جو پینے کے لائق ہے) اور حد سے مت بڑھو (اس طور پر کہ حرام کو کھانے پینے لگو یا حرص سے بہت کھاؤ پیو، اور مال کو منع کام میں اُڑاؤ)۔

سعدیؒ اس آیت کو نقل کر کے بعض معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اور کہتے ہیں:

نچند ان بخور کز دہانت براید نچند انکہ از ضعف جانت برآید

اور حدیث کے معنی یہ ہیں ''معدہ'' گھر ہے دکھ کا، اور ''پرہیز'' سردار ہے ہر دوا کا، اور دے تو ہر بدن کو جو عادت کر رکھی ہو اس کی تو نے۔

فصاحت کی آٹھویں وجہ

اس کا اسلوب فصاحت اور بلاغت کے ساتھ شاعروں اور نثر نگاروں کے طریقے کے مخالف اس ڈھنگ پر واقع ہوا ہے کہ کسی فصیح نے نہ کبھی دیکھا تھا اور نہ سنا تھا، خصوصاً سورتوں کی اوائل اور اواخر میں، کیونکہ ناثروں اور شاعروں کا زور و شور غالباً انہیں مقامات میں بہت ہوتا ہے، اور حکمت اس میں یہ ہے کہ ان کے کلام سے بالکل ممتاز رہے، اور کسی متعصب کو کسی جملہ پر بالخصوص ان مقامات کے اندر سرقہ کا احتمال نہ (۱) ہو۔

فصاحت کی نویں وجہ

باوجود کمال اختصار کے جمیع علوم اور معارف کو محیط ہے، بلکہ حقیقت میں سب اولین اور آخرین کے علوم کا خلاصہ ہے، تقریباً بارہ سو ستر برس سے بڑے بڑے عالم مختلف فنون کے اپنے اپنے حوصلے اور استعداد کے موافق اس دریائے ذخار سے دقائق اور نکات کے موتی نکالتے ہیں، اور ہنوز روز اول ہے، اور وہ دریائے قعر آب تک ویسا ہی مالا مال ہے، کیا اچھا کسی نے کہا ہے:

وکل (۲) العلم فی القرآن لکن تقاصر عنه إفهام الرجال

اور باوجود ایسے اختصار اور احاطے کے درجہ فصاحت اور بلاغت کا محفوظ ہے۔

(۱) اور اس امر پر سارے فصحاء منکرین بھی فریفتہ اور متحیر تھے۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی

(۲) یعنی سب علم قرآن میں ہیں لیکن لوگوں کی عقلیں ان کے ادراک سے قاصر ہیں۔

فصاحت اور بلاغت کی دسویں وجہ

جزالت اور عذوبت (شیرینی) کی صفتوں کو جامع ہے حالانکہ یہ دونوں صفتیں بمنزلہ متضادین کے ہیں پس اتنے بڑے مجموعہ میں سب جگہ ان کا مجتمع ہونا بڑی دلیل اس مجموعہ کی کمال بلاغت کی ہے۔

فصاحت و بلاغت کے علاوہ

دوسرے وجوہِ اعجاز

پہلی وجہ

بہت پیشین گوئیوں پر مشتمل ہے کہ اکثر ان کی اپنے اپنے وقت پر پوری ہوگئی ہیں اور پوری ہوتی ہیں، اور ان شاء اللہ باقی بھی اپنے اپنے وقت پر پوری ہو جاویں گی، جیسا کہ ذکر ان کا نمونہ کے طور پر اوپر گذرا۔

دوسری وجہ

قرآن کریم مشتمل ہے لوگوں کے دل کی پوشیدہ باتوں پر جن کا انہوں نے قولاً یا فعلاً کسی طرح کا اظہار نہیں کیا تھا اور ویسا ہی نکلا اور انہوں نے مان لیا۔

تیسری وجہ

قرآن مشتمل ہے زمانہ ماضی کی خبروں پر باوجودیکہ رسولؐ امی تھے اور ایسے لوگوں میں پرورش پائی تھی کہ بت پرست تھے، اور اکثر جاہل کہ لکھنا اور پڑھنا کچھ نہ جانتے تھے اور اہل کتاب کی ایسی صحبت نہ پائی تھی کہ احتمال ہو کہ ان سے سیکھ لیا ہے۔

چوتھی وجہ

حفظ ہونا اس کا اللہ تعالی نے بہت آسان کر دیا ہے جیسا سورۂ قمر کی سترہویں

اور بائیسویں اور اکتیسویں اور چالیسویں آیت میں فرماتا ہے:

"ولقد یسرنا القرآن للذکر"

یعنی اور ہم نے آسان کر دیا قرآن کو حفظ کرنا

اور یہ امر اب تک ہر ایک کے مشاہدے میں ہے کہ اہل اسلام کے گیارہ گیارہ، بارہ بارہ برس کے لڑکے شہروں میں بعض بعض محلّہ میں کئی کئی ہوتے ہیں، اور بڑی عمر والوں کا تو کیا ذکر ہے، اور ہندوستان میں کوئی قصبہ جس میں مسلمان رہتے ہوں، ایسا کم ہے کہ اس جگہ ایک دو حافظ نہ ہو، اور پانی پت میں جو چھوٹی سی بستی ہے سو حافظ سے زائد نکلے گا، اور پنجاب میں چھوٹے چھوٹے گاؤں میں بھی اکثر ایسا ہے کہ ایک ایک دو دو حافظ ہوتے ہیں، اور گمان غالب ہے کہ باوجود اس بے فکری اور رواج علم کے جو جناب ملکہ انگلستان کی مملکت فراخ میں عیسائیوں کو حاصل ہے کوئی مسیحی انجیل یا توریت کا حافظ نہ ہوگا، اور شاید اگر ہو، تو ایک دو ہی ہو اور یہی حال یہود کا توریت کی نسبت ہے۔

پانچویں وجہ

نزول کے دن سے آج تک ایک ایک حرف اس کا تغیر اور تحریف سے محفوظ ہے، اور کوئی اس کی تغیر پر قادر نہیں ہوا جیسا کہ معجزے چودہویں میں بیان اس کا گذرا۔

چھٹی وجہ

ہر امر کے بیان میں دینی ہو یا دنیاوی اس کے دوسرے طرف کا بھی بیان ملحوظ رہتا ہے، اور ہر مقام میں ترغیب ہو یا ترہیب عنایت ہو یا عتاب، ہر چیز کا بیان اتنا ہی ہے جتنا چاہئے، اور یہ خوبی ہرگز ہرگز آدمی کے کلام میں ممکن نہیں، کیونکہ وہ تو ہر حال میں اسی حال

کے موافق بولتا ہے، غصے میں مہربانی والوں کی اور مہربانی میں غصہ والوں کی طرف دھیان نہیں رکھتا، اور دنیا کے بیان کے وقت آخرت کا بیان اور آخرت کے بیان کے وقت دنیا کا بیان اس کو یاد نہیں رہتا، اور بے پروائی میں عنایت کا ذکر اور عنایت میں بے پروائی کا ذکر زبان پر نہیں گذرتا، اور غصے میں خطا سے زائد الزام دیتا ہے۔

ساتویں وجہ

قرآن مشتمل ہے ان امور کے بیان پر جو حقیقت میں مفادِ دارین کا خلاصہ ہیں، اور گویا انبیاء علیھم السلام کے ارسال سے وہ امور غرض اصلی وعلت غائی ہیں، اور قرآن کا کوئی رکوع بلکہ کوئی بڑی آیت ایسی نہیں کہ اس میں کسی امر کا ان امور سے بیان نہ ہو، اور وہ امور یہ ہیں:

پہلا امر

صفات کاملہ الٰہیہ کا بیان، مثل اس کے کہ اللہ تعالیٰ واحد اور قدیم اور غیر متغیر اور قادر اور حکیم اور خبیر اور آسمان و زمین کا خالق اور عالم اور سمیع اور بصیر اور متکلم اور رازق اور رحمٰن اور رحیم اور صبور اور عادل اور سب سے زبردست اور مقدس اور محیی اور ممیت وغیرہا ہے۔

دوسرا امر

تنزیہہ اس کی جمیع معائب اور نقائص سے، مثل اس کے کہ حدوث اور تغیر اور عجز اور جہل اور ظلم اور جسمیت اور جہت وغیرہا سے پاک ہے۔

تیسرا امر

توحید خالص کی طرف دعوت، اور شرک سے اور اسی طرح تثلیث سے کہ بلاشبہ شرک کا ایک شعبہ ہے روک ٹوک۔

چوتھا امر

انبیاء علیہم السلام کا ذکر خیر۔

پانچواں امر

انبیاء کا بری ہونا گوسالہ پرستی اور بت پرستی اور دوسرے افعال قبیحہ سے جیسا اہل کتاب کی کتابوں میں لکھ رکھا ہے۔

چھٹا امر

ان لوگوں کی تعریف جو انبیاء پر ایمان لائے۔

ساتواں امر

ان کے مخالفین کی مذمت

آٹھواں امر

سب انبیاء پر عموماً اور مسیح پر خصوصاً ایمان لانے کی تاکید۔

نواں امر

اس امر کا وعدہ کہ بالآخر مومنین انبیاء کا غلبہ ان کے منکرین پر ہوتا ہے۔

دسواں امر

حقیقت قیامت کے دن کی اور جزاء سزا کی اس دن میں۔

گیارواں امر

جنت اور جہنم کا ذکر۔

بارہواں امر

اس عالم فانی کی بے ثباتی کا ذکر۔

تیرہواں امر

بہتری اور پائیداری اس عالم بقا کا ذکر۔

چودہواں امر

اشیاء کی حلت اور حرمت ۔

پندرہواں امر

تدبیر المنزل کے احکام۔

سولہواں امر

احکام سیاسات مدنی کے۔

سترہواں امر

اللہ اور اہل اللہ کی محبت پر تحریص۔

اٹھارہواں امر

معرفت اور حقیقت کی باتیں جو وصول الی اللہ کا ذریعہ ہیں۔

انیسواں امر

فاسقوں اور بے ادبوں کی صحبت اور ہم نشینی پر تہدید۔

بیسواں امر

عبادت مالی اور بدنی میں خالص نیت رکھنے کی تاکید۔

اکیسواں امر

ریا اور شہرت طلبی پر تہدید۔

بائیسواں امر

اخلاق کی تہذیب کے لئے مجملاً اور مفصلاً تاکید۔

تیئسواں امر

برے اخلاق وعادات پر مفصلاً اور مجملا تہدید۔

چوبیسواں امر

اخلاق حسنہ مثل علم اور تواضع اور کرم اور شجاعت اور عفت وغیرہا کی ستائش۔

پچیسواں امر

برے اخلاق مثلاً غضب اور تکبر اور بخل اور بزدلی اور ظلم وغیرہ کی مذمت۔

چھبیسواں امر

تقوی کی نصیحت۔

ستائیسواں امر

ذکر الٰہی اور عبادت کی ترغیب۔

اور اس میں شک نہیں کہ یہ سب امر عقلاً اور نقلاً محمود ہیں اور قرآن میں ان کا بار بار بہت جگہ ذکر آیا ہے، اور اکثر جگہ براہین عقلیہ اور نقلیہ سے مدلل ہوئے ہیں، حالانکہ یہ علوم اور معارف عرب کے لوگوں کو نہ تھے، اور نہ ان کے پاس حکمت اور نبوت کی کوئی کتاب تھی۔

تنبیہ

قرآن کریم میں قصوں کے تکرار کے اسباب

تنبیہ

چونکہ عرب کے لوگ اکثر مشرک اور بت پرست تھے، اور خدا کی توحید اور انبیاء کی نبوت اور قیامت کے آنے کا بالکل انکار کرتے تھے، اور دوسرے ملک والوں میں سے بھی بعض ان تینوں چیزوں کا عرب والوں کی طرح محض انکار کرتے تھے، اور بعضے ان میں کچھ کچھ افراط اور تفریط کرتے تھے، تو اس لئے قرآن کے اندر ذکر شدہ امور میں سے ان تین امروں کا ذکر بہت آیا ہے، اور قصص انبیاء کی تکرار کے اور بھی کئی سبب ہیں:

تکرارِ قصص کا پہلا سبب

چونکہ قرآن فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے اس لئے اس میں ان قصص کو اللہ تعالی نے بار بار ذکر کیا، کہیں لمبے طور پر اور کہیں مختصر طور پر، اور ہر جگہ بلاغت کے اعلی درجہ پر رکھا، اور پچھلے بار اگلے بار سے زائد لطیف معلوم کرایا اور یہ بات بلغاء کے نزدیک بڑی ہی مشکل بلکہ قدرت بشری سے خارج تھی تو اس سے معلوم کرایا کہ اگر قرآن بشر کا کلام ہوتا تو اس میں یہ بات نہ پائی جاتی۔

تکرارِ قصص کا دوسرا سبب

چونکہ مخالفین کو صاف کہا گیا تھا کہ اگر تم کو کچھ شک ہو تو تم ایک ہی سورہ کے

بقدر ایسا کلام بنالاؤ تو احتمال تھا کہ وہ کہتے کہ جو الفاظ اس کے بیان کے تھے تو نے استعمال کر لئے یا کہتے کہ ہر ایک کا طریقہ بیان کا طوالت اور اختصار میں جدا طور پر ہوتا ہے اگر ہم ایک طریقہ نہ نبھا سکیں تو کچھ ڈر نہیں یا کہتے کہ یہ تو قصہ ہے، اور قصص میں بلاغت کا دائرہ تنگ ہوتا ہے، اور تجھ سے اتفاقاً بن پڑا، اگر تجھ کو دعوی ہے تو تو ہی ایسا بنا لا، اور جب ان قصص کو مختلف لفظوں اور مختلف طریقوں میں لایا گیا تو ان تین عذروں کی جگہ نہ رہی اور الزام کی گنجائش زائد ہوئی کہ کہہ سکیں کہ تم کسی لفظوں سے کسی طریقہ پر جو اپنے نزدیک ممکن سمجھو مذکورہ مقدار میں بنالاؤ۔

تکرارِ قصص کا تیسرا سبب

چونکہ بعض بعض وقت حضرت ﷺ اپنی قوم کی شرارت اور ایذاء سے ملول ہو جاتے تھے جیسا کہ سیپارے چودہویں کے رکوع چھٹے میں سورۂ حجر کی ستانویں آیت میں فرماتا ہے:

"ولقد نعلم أنك يضيق صدرك بما يقولون"

ترجمہ: یعنی اور ہم جانتے ہیں کہ تیرا جی رکتا ہے، ان کی باتوں سے۔

سو اللہ تعالی حضرت ﷺ کی تسلی کے لئے کسی قصے کو ان قصص میں سے نقل کرتا ہے جیسا سیپارے بارہویں کے رکوع دسویں میں سورۂ ہود کی ایک سو بیسویں آیت میں فرماتا ہے:

"وكلا نقص عليك من أنباء الرسل ما نثبت به فؤادك وجاء ك فى هذه الحق و موعظة و ذكرى للمؤمنين"۔

ترجمہ:- یعنی اور سب بیان کرتے ہیں ہم تیرے (۱) پاس رسولوں

---

(۱) یعنی تا کہ تجھے معلوم ہو کہ اگلے انبیاء کو بھی منکروں نے ایسی ہی تکلیفیں دی ہیں، اور ان کے ساتھ بھی شرارتیں کی ہیں، اور انہوں نے صبر کیا ہے پس تو بھی دل کو تسلی کر، اور ان کی ایذاء پر صبر کر۔ ۱۲ منہ

کے احوال جس سے تسلی دیں تیرے دل کو، اور آئی تجھ کو اس سورت میں تحقیق
بات اور نصیحت اور سچوٹی ایمان والوں کو۔

اور اسی لئے اکثر جگہ ہر وقت کے مناسب ان قصوں سے اس قدر نقل ہوتا ہے کہ تسلی میں دخل رکھے، اور زائد متروک ہوتا ہے، اور کچھ نہ کچھ بعد والے ذکر میں اگلے ذکر سے نیا فائدہ ہوتا ہے۔

تکرار قصص کا چوتھا سبب

چونکہ اگلوں کا حال پچھلوں کیلئے حقیقت میں نصیحت کے قبول کرنے اور عبرت کے پکڑنے کا وسیلہ ہے، اور اللہ تعالی اکثر جگہ مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہے، اور منکروں کو عبرت دلاتا ہے، تو جب مسلمان کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے یا جب نئے گروہ مسلمان ہوتے یا جب کافروں کو عبرت دلانی منظور ہوتی اور ان قصص میں سے کسی قصے کا ذکر مناسب ہوتا اس پر بقدر مناسب اس کے نقل ظہور میں آتی، اور جب یہ معلوم ہوا تو صاحب ''دلیل واضح'' (۱) کا یہ اعتراض کہ قصص کے تکرار میں کچھ فائدہ نہیں جہالت ہے اور بس۔

---

(۱) عربی زبان میں ایک رسالہ ہے جس کو ۱۲۰۰ھ میں کسی عیسائی نے بنایا تھا، اور اس کا رد بعض علماء اسلامی نے ۱۲۱۵ھ میں اچھا لکھا ہے اور نام اس کا قول فاضح رکھا ہے

آٹھویں وجہ

مسلمانوں کے حق میں اور اسی طرح بعض ان منکرین کے حق میں جن کا دل مصداق "ختم الله علی قلوبهم " اور مدلول " فهي كالحجارة أو أشد قسوة " کا نہیں، یہ امر یقینی ہے کہ قرآن کی تلاوت سے دل میں اللہ کا خوف اور اس کے ذکر کا ذوق اور شوق پیدا ہوتا ہے، جیسے سیپارے تیئیسویں کے رکوع سترہویں میں سورۂ زمر کی تیئیسویں آیت میں خود اللہ تعالی فرماتا ہے:

" تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم و قلوبهم إلى ذكر الله "

ترجمہ: یعنی بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کی جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے، پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں، اور ان کے دل اللہ کی یاد پر۔

اور اس جگہ کے مناسب چھ حکایتیں لکھتا ہوں:

پہلی حکایت

نجاشی حبشہ کے بادشاہ نے اپنے دربار میں پادریوں اور راہبوں کو جمع کر کے مسلمانوں کو جو حضرت ﷺ کے حکم سے وہاں ہجرت کر کے گئے تھے، بلوایا اور قرآن پڑھنے کا حکم دیا، اس پر جعفر بن ابی طالبؓ نے سورۂ مریم کو پڑھا، بادشاہ اور قسیس اور

راہب سن کر بہت روئے اور اقرار کیا کہ یہ کلام اللہ ہے اور بادشاہ مسلمان ہوگیا، اور کہا کہ بے شک محمد ﷺ نبی ہیں کہ جن کی خبر مسیحؑ نے دی تھی کہ میرے بعد ایک نبی آوے گا، اور اسی وقت سے حبشہ میں اسلام پھیلا۔

دوسری حکایت

ستر آدمی عیسائی جو عالم تھے، نجاشی کے بھیجے ہوئے، حضرت ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ نے سورۂ یٰسین ان کے سامنے پڑھی، وہ سن کر روئے، اور ستر کے ستر مسلمان ہوگئے، اور نجاشی (۱) اور اس کے دربار والوں یا ان ستر شخصوں (۲) یا دونوں (۳) کے حق میں سیپارے ساتویں کے پہلے رکوع میں سورۂ مائدہ کی چھیاسویں آیت کے اندر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے:

"وإذا سمعوا ما أنزل إلى الرسول ترى أعينهم تفيض من الدمع مما عرفوا من الحق ، يقولون ربنا آمنا فاكتبنا مع الشاهدين"۔

ترجمہ: یعنی جب سنیں جو اترا رسول پر تو دیکھی ان کی آنکھیں ابلتی ہیں آنسوؤں سے اس پر جو پہچانی بات حق، کہتے ہیں اے رب ہم نے یقین کیا سو تو لکھ ہم کو ماننے والوں کے ساتھ۔

تیسری حکایت

ایک عیسائی قرآن کو ایک شخص سے سن کر کھڑا ہوگیا، اور رونے لگا، جب لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا بولا کہ اس کلام کی خوبی اور لطافت سے خود بخود دل امنڈ آتا ہے اور ہیبت کھاتا ہے۔

---

(۱) جیسا کہ مختار بیضاوی اور امام فخر الدین رازی کا ہے، اور یہی ابن عباس سے مروی ہے۔۱۲ منہ رحمہ اللہ

(۲) یہ مختار جلالین کا ہے۔۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ

(۳) یہ مختار کشاف کا ہے۔۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ

چوتھی حکایت

قاضی نوراللہ شوستری اپنی تفسیر میں لکھتا ہے کہ:

''جب ملا علی قوشجی ماوراء النہر سے روم کو گیا، ایک یہودی عالم اسلام کی تحقیق کو اس کے پاس آیا، اور ایک مہینے تک برابر مناظرہ کرتا رہا، اور اس عرصے میں ایک دلیل بھی مُلّا کی اس کی عقل میں نہ جچی، اتفاقاً ایک روز صبح کو بحث کے لئے آیا، اور جب ملا کے گھر کے دروازے پر پہنچا اس وقت ملا اپنے گھر کے کوٹھے پر قرآن پڑھتا تھا، اور ملا بہت ہی بد آواز تھا، اس نے قرآن سنا اور باوجود اس بد آوازیِ ملا کے قرآن کے پڑھنے نے اس قدر اس عالم یہودی کے دل میں اثر کیا کہ ملا کے پاس آکر کہنے لگا کہ مجھ کو مسلمان بنالو، ملا نے مسلمان کرنے کے بعد تعجب سے پوچھا کہ تم نے ایک مہینے کے مناظرے میں کبھی کسی دلیل کو اچھی طرح تسلیم نہیں کیا، پھر اسلام لانے تمہارے کا سبب کیا ہوا؟ وہ بولا کہ میں نے اپنی عمر میں کوئی بد آواز آپ سا نہیں دیکھا تھا، اور آج جو میں بحث کے لئے آتا تھا جب دروازے پر پہنچا آپ کو قرآن پڑھتے سنا، اور باوجود اس بد آوازی کے اپنے دل میں قرآن کا اثر کمال کے درجے کو پایا، اس سے جانا کہ یہ وحی ہے اور مسلمان ہو گیا''۔

پانچویں حکایت

جبیرؓ بن مطعم نقل کرتے ہیں کہ اسلام لانے سے ایک روز پہلے نماز مغرب کے وقت میں نے حضرت ﷺ کو نماز میں سورۂ طور پڑھتے سنا جب ان آیات کو سنا:

"أم خلقوامن غير شئ أم هم الخالقون، أم خلقوا السموات والأرض،بل لا يوقنون، أم عندهم خزائن ربك أم هم المصيطرون"

سنتے ہی میرا دل میرے اختیار سے نکل گیا، اور میرے ایمان کا وسیلہ بنا۔

''معنی آیات کے یہ ہیں ۳۵۔ یا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ (جو خدا کی عبادت سے منہ پھیرتے ہیں) یا وہی ہیں بنانے والے (اپنی جانوں کے) یا انہوں نے بنائے آسمان اور زمین، کوئی نہیں پر یقین نہیں کرتے (کیونکہ اگر یقین کرتے تو اس کی عبادت سے منہ نہ پھیرتے) کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے (یعنی خزانے روزی کے کہ جس کو چاہیں نبوت دے دیں یا خزانے علم کے کہ اس سے جان لیں کہ کون نبوت کے لائق ہے، اور کون نہیں) یا وہ سرکش ہیں (کہ جو چاہیں سو کر بیٹھیں)۔

چھٹی حکایت

عتبہ بن ربیعہ سورۂ حٰمٓ کے سننے سے مدہوش ہو گیا تھا جیسا اوپر گذرا۔

نویں وجہ

اور یہ خاص ایمان والوں کے لئے ہے کہ قرآن کے بار بار پڑھنے یا سننے سے دل نہیں گھبراتا اور نہ نفرت کھاتا ہے، بلکہ اور رغبت بڑھتی ہے، خلاف آدمیوں کے کلام کے کہ کیسا ہی فصیح ہو اس کے بار بار پڑھنے اور سننے سے طبع کراہت کرتی ہے۔

دسویں وجہ

باوجود اس طوالت اور بیان احکام اور قصص مختلفہ کے تناقض اور اختلاف سے مبرا ہے، اور بہ نظر اکثر ان وجوہ لفظیہ اور معنویہ مذکورہ کے اللہ تعالیٰ سیپارے پانچویں کے رکوع آٹھویں میں سورۂ نساء کی آیت بیاسیویں کے اندر یوں فرماتا ہے:

"أفلا یتدبرون القرآن ، ولو کان من عند غیر الله

لوجدوا فيه اختلافا كثيرا"۔

ترجمہ: کیا غور نہیں کرتے منافق قرآن میں، اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے تو پاتے اس میں بہت تفاوت۔

یعنی اس کے معانی میں تناقض ہوتا، اور بعض پیشین گوئیاں اور بعض اظہار ضمائر اور بعض قصص صادق ہوتے اور بعض کاذب اور عبارت اس کی بعضے جگہ فصیح ہوتی ہے اور بعض جگہ غیر فصیح، اور بعض جگہ اعلیٰ درجہ بلاغت پر ہوتی، اور بعض جگہ نہیں، اس لئے کہ آدمیوں کی قوت ناقص سب باتوں میں کفایت نہیں کرتی، اور اس کا کلام خلل سے خالی نہیں ہوتا۔

قرآن کے بارے میں

پادریوں کے شبہات

اور ہم نے بیسویں معجزے سے یہاں تک قرآن کے کلام اللہ ہونے اور اس کے اعجاز کی بابت جو کچھ ذکر کیا اس کے ملاحظہ سے ناظر منصف کو اس بات میں کچھ بھی اشتباہ نہ رہے گا کہ قرآن کلام اللہ اور ایک معجزہ رسول اللہ کا ہے، اور ہم کو کچھ حاجت نہیں کہ اس امر میں کچھ اور لکھیں، لیکن چونکہ فرقہ پروٹسٹنٹ کے وہ پادری لوگ جو عوام اور جہال مسلمانوں کی اغوا کے لئے اپنی قوم سے تنخواہیں پاتے ہیں انصاف کو چھوڑ کر بطور مغالطہ دہی کے بعض بعض شبہات جہال فریب (جاہلوں کو دھوکا دینے والے) کیا کرتے ہیں، اگر ہم ان کو نقل کر کے جواب نہ دیویں تو وہ اپنی عادت کے موافق ہماری ایک دلیل کی طرف بھی نہ دیکھیں گے، اور بطور معارضہ کے انہیں شبہات کو نقل کر کے عوام میں اس کو جواب ظاہر کریں گے، اس لئے ان کی نقل کی مع اس کے جواب کے حاجت پڑی گو یہ بحث بڑھ جائے۔

چاہیئے کہ ناظرین ملول نہ ہوں کہ یہ بھی فائدے سے خالی نہیں، اور چونکہ اب تک ''میزان الحق'' کے مولف کہ جن سے رجب کے مہینے ۱۲۷۰ھ بارہ سو ستر ہجری میں مجمع عام کے اندر میرا مباحثہ ہوا تھا، اور وہ بفضل اللہ مغلوب ہوئے تھے، ان پادریوں میں ممتاز ہیں، اور ان کی تالیفات کا ان میں اعتبار ہے تو ان شبہات کو ان کی تالیفات

سے نقل کر کے جواب دوں گا، وباللہ التوفیق۔

پادری صاحب نے چند مقامات ایسے نکالے ہیں جن میں ان کی زعم میں اختلاف معنوی اور تناقض ہے۔

منجملہ ان کے پانچ اختلاف کو قوی سمجھ کر اپنے اخیر خط میں مراسلات کے اندر اور ایک اختلاف کو بہت ہی قوی سمجھ کر ''کشف الاستار'' کے جواب میں لکھا ہے، اور عبارت خط کی یوں ہے جو قول قول کر کے لیتا ہوں، (نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۷ء صفحہ ۵۴)

قول ان کا

''اس کی (یعنی قرآن کی) آیات میں اختلاف معنوی بہت سا ملتا ہے''

کہتا ہوں میں کہ قرآن کی آیات میں تو ایک جگہ بھی اختلاف معنوی نہیں، پس ایسا دعوی یا تو اس سبب سے کیا ہے کہ ان آیات کے معانی اچھی طرح ان کے فہم میں نہیں آئے تو لحاظ ظاہر کا کر کے دھوکا کھا گئے یا اپنی عادت کے موافق جان بوجھ کر دھوکا دیتے ہیں، اور یہی احتمال قوی ہے۔

ہاں کتب مقدسہ کی آیات میں جن کو پادری صاحب اپنا دین وایمان سمجھتے ہیں اختلاف معنوی بہت سا ملتا ہے، جیسا انشاء اللہ دوسرے اور سترہویں سوال کے جواب میں مفصل آتا ہے۔

پہلا اختلاف پادری صاحب کے زعم کے مطابق

قول ان کا

''چنانچہ بہتیری آیات میں بیان ہوا ہے کہ خدا رحمٰن ورحیم ہے اور اس کے برخلاف سورۂ اعراف کی ۱۸۰ آیت اور سورۂ ہود کی ۱۹ آیت میں کہا ہے کہ خدا نے بہت جن اور آدمی کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے''

کہتا ہوں میں دونوں جگہ حوالہ غلط ہے، نہ آیت اسیویں سورۂ اعراف اور نہ انیسویں سورہ ہود میں یہ بات لکھی ہے بلکہ اول آیت تو یوں ہے:

ولوطا إذاقـال لـقومه أتـاتون الفاحشة ما سبقكم بها من أحد من العالمين۔

ترجمہ: یعنی اورلوط کو بھیجا جب کہا اس نے اپنی قوم کو کیا کرتے ہو بے حیائی، تم سے پہلے یہ نہیں کی کسی نے جہاں میں۔

اوردوسری آیت یوں ہے:

"الذين يـصـدون عن سبيل الله و يبغونها عوجا ، وهم بالآخرة هم كافرون"

ترجمہ: یعنی جو روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی، اور وہ ہیں آخرت سے منکر۔

پس ان دونوں آیتوں میں پادری صاحب کے دعوی کا کچھ پتا نہیں لگتا اور اسی طرح آگے بھی آیتوں کا حوالہ غلط دیتے ہیں، اس لئے پادری صاحب کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ چونکہ قرآن کی آیات کا آپ سے شمار اچھی طرح نہیں ہوسکتا تو آیت کا عدد نہ لکھا کریں بلکہ سورہ یا رکوع کا حوالہ دے کر عبارت قرآن کو بعینہ نقل کر دیا کیجئے کہ خود مسلمان اس سے معلوم کرلیں گے، اور آپ کی تکذیب نہ کریں گے، شاید پادری صاحب نے کسی ترجمہ میں دیکھ کر یا کسی سے مضمون کو سن کر لکھا ہے، اور یہ دھوکا سورۂ اعراف کی ایک سوانا سیویں آیت سے جو سیپارے نویں کے رکوع بارہویں میں واقع ہے اور سورۂ ہود کی ایک سوانیسویں آیت سے جو سیپارے بارہویں کے رکوع دسویں میں واقع ہوا ہے (ہواہو) کیونکہ آیت اول یوں ہے۔

"ولقد ذرأنا لجهنم كثيراًمن الجن والإنس"

ترجمہ: یعنی اور ہم نے پیدا کئے ہیں دوزخ کے لئے بہت جن اور آدمی۔

یعنی وہ جن اور آدمی جن کا ہمارے علم میں حال معلوم تھا کہ وہ اپنے جیتے جی کفر پر رہیں گے۔

اور آیت دوسری یوں ہے:

"و تمت کلمة ربك لأملأن جهنم من الجنة والناس أجمعين"

ترجمہ:- یعنی اور پورا ہوا تیرے رب کا لفظ کہ البتہ بھر دوں گا دوزخ جنوں اور آدمیوں سے اکٹھے الخ۔

یعنی دونوں کے گنہ گاروں سے اکٹھے یا دونوں سے اکٹھے نہ ایک سے، اور ان آیتوں سے بھی دھوکہ کھانا محض خطا ہے، اس لئے کہ آیت اول کا مطلب اتنا ہی ہے کہ جو لوگ ہمارے علم میں مقرر تھے کہ جیتے جی کفر پر رہیں گے اور خاتمہ ان کا اسی حالت پر ہوگا وہ جہنمی ہیں، اور عرب کا محاورہ ہے کہ جو شخص کسی چیز یا اس کے موجبات میں بڑا توغل رکھتا ہو اس کے حق میں یوں بولتے ہیں:

"ماخلق فلان إلا لكذا"

ترجمہ:- یعنی فلانا مخلوق نہیں مگر اس چیز کے واسطے۔

پس اس محاورے کے موافق ان لوگوں کے حق میں بھی جو بڑے متوغل جہنم کے موجبات میں ہیں، یہ کہنا صحیح ہوا کہ جہنم کے لئے مخلوق ہیں، اور دوسری آیت کا مطلب فقط اتنا ہی ہے کہ اللہ تعالی کا وعید پورا اور کامل ہے کہ وہ دوزخ کو جن اور آدمی کے گنہ گاروں سے بھر دے گا۔

پس یہ دونوں آیتیں ان آیات کے ساتھ جن میں خدا رحمان اور رحیم کہا گیا ہے، کچھ بھی منافات نہیں رکھتی ہیں، کیونکہ کسی آیت میں ان آیات سے یہ نہیں کہ آخرت میں

اس کی رحمت سب کے واسطے ہوگی کیا مومن اور کیا کافر، تاکہ یہ دونوں آیتیں مخالف نکلیں، بلکہ جا بجا تصریح ہے کہ اُس عالم میں کفار اور فساق کو عذاب دے گا اور اس کی رحمت فقط ایمان ہی والوں کے لئے ہوگی، نہ سارے اولادآدم کے لئے، جیسا سیپارے دوسرے کے رکوع گیارہویں میں سورۂ بقر کی آیت دوسواٹھارہویں یوں ہے:

"إن الذين آمنوا والذين هاجروا وجاهدوا فی سبیل الله أولئك يرجون رحمة الله".

ترجمہ:- یعنی جولوگ ایمان لائے، اور جنہوں نے ہجرت کی، اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے۔

پھر سیپارے آٹھویں کے رکوع چودہویں میں سورۂ اعراف کی چھٹویں آیت یوں ہے:

"إن رحمة الله قريب من المحسنين"

ترجمہ:- یعنی بیشک رحمت اللہ کی نزدیک ہے نیکی والوں سے۔

اور اگر کہو کہ جب اس کو علم ازلی سے معلوم تھا، کہ یہ جن اور انس گنہ گار کفر پر اصرار کریں گے تو رحمت کا مقتضیٰ یہ تھا کہ انہیں پیدا ہی نہ کرتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً اس صورت میں تناقض جو معترض کی غرض ہے ثابت نہیں ہوتا، کیوں کہ کسی قرآن کی آیت میں نہیں کہ رحمت کا مقتضیٰ یہ ہے، اور ثانیاً کوئی دلیل عقلی یا نقلی اس کی مقتضی نہیں۔

اور عیسائیوں بلکہ جہاں کے سارے ملت والوں پر بھی یہ اعتراض بعینہ وارد ہوتا ہے، عیسائیوں پر اس لئے کہ ان کے نزدیک بھی خدا کا علم ازلی ہے اور وہ ہر مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے جانتا تھا کہ فلانا آخر دم تک ایسا ایسا کرے گا، اور فلانا ایسا ایسا، اور وہی مخلوق میں ارادہ اور قوت اور شہوت پیدا کرتا ہے۔

پس اس کے موافق اس کو ازل سے یہ بات معلوم تھی کہ یہودی لوگ ہم عہد مسیح کے ان کو تکلیفیں پہنچاویں گے، اور مصلوب کریں گے، اور اس فعل بد کے سبب عذاب اور جہنم کے مستحق ہوں گے، اور باوجود اس کے ان کو پھر پیدا کیا، اور ان کو ارادہ اور قوت بھی دی، اور اسی طرح فرعون اور بڑے کافروں کا حال خیال کرنا چاہیے، اور اسی طرح شیطان کی نافرمانی اور اس کے بہکانے کا حال ازل سے معلوم تھا۔

پس اگر مقتضائے رحمت وہی ہوتو عیاذ أبالله لازم آئے کہ خدا ظالم ہووے۔

دوسرا اختلاف پادری صاحب کے زعم کے مطابق

قول ان کا

''پھر قرآن کی بعض آیات میں کہا گیا کہ خدا عادل ہے مگر اور آیتوں میں اس کے برخلاف لکھا ہے کہ خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا اور جس کو چاہتا ہے ضلالت میں لے جاتا ہے، اور بعضوں کو بے ایمانی قسمت کیا، اور پھر ان کو سخت سزا دیتا ہے، مثلاً سورۂ یٰسین کے ۸ آیت اور سورۂ انعام ۳۸ اور ۲۵ آیت اور سورۂ بنی اسرائیل کی ۱۴ آیت اور سورۂ بقر کی ۶، ۷ آیتوں میں مذکور ہے''

یہاں بھی بعض جگہ حوالہ غلط ہے، اور صحیح آیت انتالیسویں سورۂ انعام کی ہے نہ آیت اڑتیسویں اور سورۂ بنی اسرائیل کی چودھویں آیت ہرگز معترض کے مدعا سے مناسبت نہیں رکھتی، شاید جناب معترض اس سورہ کی سولھویں آیت سے ٹھوکر کھاتے ہوں گے، اور ان آیات سے اور بعض احادیث سے جو ان کی مثل ہیں۔

جواب یہ ہے کہ ظاہر میں ان سے دو امر سمجھے جاتے ہیں۔

ایک ہدایت اور گمراہ کرنے کی نسبت خدا کی طرف اور خدا کا ہونا خالق شر کا،

دوسرا التقدیر کا ثبوت۔

امر اول کے شواہد

اور عہد عتیق اور جدید کی کتب میں ایسے درس بے شمار ہیں بعض اس جگہ لکھنے میں آتے ہیں، موسیٰ کے خطاب میں خدا تعالیٰ کا قول کتاب خروج کے اندر کئی جگہ یوں منقول ہے۔

(ہندیہ ۱۸۲۹ء درس ۲۱ باب ۴ کا):

''میں اس کے (یعنی فرعون کے) دل کو سخت کروں گا کہ وہ ان لوگوں کو جانے نہ دے گا۔

درس ۳ باب ۷ کا:

''اور میں فرعون کے دل کو سخت کروں گا'' الخ۔

درس ۱ باب ۱۰ کا:

''میں نے اس کے دل کو اور اس کے نوکروں کے دل کو سخت کر دیا ہے''۔

اور درس ۱۵ و ۱۹ باب ۸، اور درس ۳۵ باب ۹ میں یوں ہے کہ:

''فرعون (۱) کا دل سخت ہو گیا، جیسا یہواہ نے کہا تھا''۔

اور درس ۲۰ و ۲۷ باب ۱۰، اور درس ۱۰ باب ۱۱ میں یوں ہے۔

''یہواہ نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا''

ان سب درسوں میں سخت کرنے دل کی نسبت خدا کی طرف ہے

اور درس (۲) ۳ یا ۴ باب ۲۹ استثناء میں ہے، (ہندیہ ۱۸۲۹ء):

''یہواہ نے تم کو وہ دل جو سمجھے اور وہ آنکھیں جو دیکھیں اور وہ کان جو سنیں آج تک نہیں دیئے''۔

---

(۱) یہ خلاصہ ہے بعینہ عبارت نہیں۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۲) یہ تردید اردو اور فارسی کے ترجموں کے باعتبار ہے کہ اردو میں تیسرا اور فارسی میں چوتھا درس کر کے لکھا ہے۔ ۱۲ منہ۔

اوراسی درس کا حوالہ پولوس مقدس نامہ رومیہ کے گیارہویں باب کے آٹھویں درس میں دے کر لکھتے ہیں، (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''چنانچہ لکھا ہے کہ آج تک خدا نے انہیں اونگھنے والی روح اور اندھی آنکھیں اور بہرے کان دئے ہیں''۔

اور باب چھٹے کتاب اشعیا میں ہے، (فارسیہ ۱۸۳۸ء):

''۹۔ ہر دو این قوم را بگو کہ بشنوید لیکن درک مکنید بہ بینید لیکن دریافت مکنید۔

۱۰۔ دل ایں قوم را گندہ گردان و گوشہا ایشان را گراں نما و چشم ہائے ایشان را تیرہ کن، مبادا کہ ایشان از چشمان بہ بینند و بگوشہا بشنوند و بدلہا بفہمند و توبہ کنند و من ایشان را شفا بخشم''۔

اور انہیں درسوں کا جناب یوحنا باب بارہویں کے درس چالیسویں میں حوالہ دے کر لکھتے ہیں، (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''اس نے ان کی آنکھیں اندھی کیں، اوران کے دل سخت کئے ہیں، تا نہ ہوئے کہ آنکھوں سے دیکھیں، اور دل سے سمجھیں، اور پھر جاویں اور میں انہیں چنگا کروں۔

اور درس دسویں باب انتیسویں کتاب اشعیاء میں ہے، (فارسیہ ۱۸۳۸ء):

''خداوند روح خواب گراں بر شما ریختہ است وچشمہائے شما را بستہ است وبر انبیاء وسرداران وخواب بینان حجاب انداختہ است''

(فارسیہ ۱۸۴۵ء)

''خداوند بر شما روح خواب سنگین ریختہ چشمانِ شما را بست وپیغمبران و روساء شما را کہ از پیش بینا اند محجوب کردہ است''

(ہندیہ ۱۸۴۳ء):

''خداوند نے تم پر سلانے والی روح کو غالب کیا ہے، اور تمہاری آنکھوں یعنی بینوں کو بند کیا، اور تمہارے سروں یعنی غیب بینوں پر نقاب ڈالا''

اگر چہ ہر ایک ان تین مترجمین میں سے اپنی اپنی گاتا ہے، مگر ہمارا مطلب نہیں جاتا، اور ان عبارتوں سے صاف واضح ہے کہ اللہ ہی نے بنی اسرائیل کے دل اور آنکھوں اور کانوں پر پردہ ڈال دیا ہے، اسی سبب سے وہ امر حق کو نہیں سمجھتے، اور اچھی چیز کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے، اور حقانی بات کانوں سے نہیں سنتے اور گمراہ کرنے کے معنی ظاہر میں اس سے زیادہ کیا ہوں گے۔

اور درس سترہویں باب ترسٹھویں اشعیاء میں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۳ء):

''اے خداوند کیوں تو نے ہمیں اپنی راہوں سے گمراہ کیا، اور ہمارے دل کو سخت کیا کہ تجھ سے نہ ڈریں الخ۔

اس میں تو صاف صاف دل کے سخت کرنے اور گمراہ کرنے کی نسبت خدا کی طرف ہے۔

اور درس ۹ باب چودہویں کتاب خرقیال میں خدا تعالیٰ کا قول یوں ہے (عربیہ ۱۸۳۱ء):

''والنبي إذا ضل وتكلم بكلام فأنا الرب أضللت ذلك النبي''

(فارسیہ ۱۸۳۸ء):

''وہر گاہ پیغمبر در گفتن چیزے فریفتہ شدہ باشد منکہ خداوندم آن پیغمبر را فریفتہ ام''

(ہندیہ ۱۸۴۳ء):

''اور وہ نبی جو فریفتہ ہووے اور بات بولے تو میں خداوند نے اس نبی کو فریفتہ کیا''

اس میں تو اللہ صاحب کھلم کھلا فرماتے ہیں کہ جب یہ بہکے تو میں بھی اس

کو بہکاتا ہوں۔

اور باب بائیسویں کتاب اول سلاطین میں ہے (ہندیہ ۱۸۲۹ء):

''پھر میخانے کہا کہ تم یہواہ کے سخن کو سنو، میں نے یہواہ کو اس کی کرسی پر بیٹھے دیکھا، اور آسمانی سارا لشکر اس کے داہنے بائیں ہاتھ کھڑا تھا۔

۲۰۔ اس دم یہواہ نے فرمایا کہ احاب کو کون ترغیب دے گا، تا کہ وہ چڑھ جاوے اور راموث جلعاد پر جاپڑے تب ایک کچھ بولا اور ایک کچھ۔

۲۱۔ اس وقت ایک روح نکل کے یہواہ کے سامنے آکھڑی ہوئی اور بولی کہ میں اسے ترغیب دوں گی۔

۲۲۔ پھر یہواہ نے فرمایا کس طرح سے؟ وہ بولی میں جاؤں گی، اور جھوٹی روح بن کے اس کے سارے نبیوں کے منہ میں پڑوں گی، یہواہ بولا تو اسے ترغیب دے گی اور غالب بھی ہوگی، جا ایسا کر۔

۲۳۔ سو دیکھ یہواہ نے تیرے ان سب نبیوں کے منہ میں جھوٹی روح ڈالی ہے، اور یہواہ نے تیری بابت بری خبر دی ہے''

جاننا چاہیے کہ وہ نبی جن کے حق میں میخا پیغمبر فرماتے ہیں:

''کہ یہواہ نے تیرے ان سب نبیوں کے منہ میں جھوٹی روح ڈالی ہے''۔

موافق درس چھٹی اس باب کے چار سو نفر کے قریب تھے، اور موافق درس مذکور اور درس بارھویں کے سب نے بالاتفاق احاب شاہ اسرائیل کو خبر دی تھی کہ راموث پر چڑھ جا کہ یہواہ اسے بادشاہ کے قبضے میں کر دے گا، اب اس جگہ موافق عدد متبرک تثلیث کے جس کو پادری صاحب نجات کا مدار سمجھتے ہیں تین باتیں غور کی قابل ہیں:

پہلی بات

ایک یہ کہ بنی اسرائیل میں کیا ہی نبوت کا زور تھا کہ ایک ہی وقت میں ایک ہی

جگہ چار سو (۴۰۰) نبی تو ایسے بزرگ زاد تھے، خدا جانے سارے ملک میں کتنے ہوں گے؟ اور جب بنی اسرائیل میں نبوت کے دعوے کا یہ حال ہو تو ہم اگر ادلہ (دلائل) کا لحاظ کر کے عیسائیوں کے پولوس مقدس کی نبوت کو اسی قسم کی جانتے ہیں تو کیا تعجب ہے۔

پس اگر بالفرض یہ جناب مدعی اپنی نبوت کے ہوئے ہیں ایسی روح بہکانے والی کے بہکانے سے یہ دعویٰ ان سے سرزد ہوا ہے اور بس۔

دوسری بات

دوسری یہ کہ اس کے موافق اللہ صاحب بھی ارباب کونسل کی طرح کرسی پر بیٹھتے ہیں، اور اپنے آسمانی لشکر کے ساتھ مخلوق کے اغوا کے لئے مشورہ کیا کرتے ہیں اور ایسی روحیں بھیجا کرتے ہیں جو آ کر بہکایا کرتی ہیں۔

پس اب پادری صاحب فرماویں کہ غریب مخلوق کا کیا قصور ہے؟ اور خدا کی یہ کیسی عدالت ہے؟

تیسری بات

تیسری یہ کہ اللہ صاحب کو تو یہ بات منظور تھی کہ کوئی اخاب کو بہکاوے اور انہیں نے مشورہ کر کے ایک روح کو بہکانے کے لئے بھیجا تھا، تو میکا پیغمبر نے خدا کی کونسل کے مشورہ کا کیوں پردہ پھاڑا، چاہیئے تھا کہ چپ رہتے اور کچھ نہ کہتے، یا کہتے کہ تو نہ چڑھ یا خدا کی خوشی کا لحاظ کر کے آپ بھی بہکاتے، جیسا اس روح نے بہکایا تھا، اور پولوس جن کو نبوت پادری صاحب کے یہاں مسلم ہے تھسلنیکیوں کے نامہ دوم کے باب دوم میں لکھتے ہیں، (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

"۱۱۔ خدا ان کے پاس فریب کی تاثیر کو بھیجے گا یہاں تک کہ وہ جھوٹ پر

ایمان لاویں گے۔

۱۲۔ تاکہ وہ سب جو کلام حق پر ایمان نہ لا کے ناحق سے راضی ہیں سزا پاویں۔

دیکھو اس میں جناب پولوس ارشاد کرتے ہیں کہ خدا خود ہی فریب کی تاثیر کو بھیجتا ہے تاکہ اس کے سبب وہ لوگ جو حق سے راضی نہیں جھوٹ پر ایمان لا کے سزا پاویں۔

دیکھئے فریب کی تاثیر کو آپ بھیجنا اور پھر سزا دینا کیسا انصاف ہے۔

اور درس ساتویں باب پینتالیسویں کتاب اشعیاء میں ہے، (فارسیہ ۱۸۳۸ء):

''سازندۂ نور و آفرینندۂ تاریکی منم صلح دہندہ و ظاہر کنندۂ شر، منکہ خداوندم ایں ہمہ اشیا را بوجود می آرم''۔

اور درس اٹھتیسویں باب تیسرے مراثی یرمیا میں ہے، (فارسیہ ۱۸۳۸ء):

''آیا خیر و شر از دہان خداوند صادر نمی شود''

اور درس ۱۲ باب ۱ کتاب میکا میں ہے، (عربیہ ۱۸۳۱ء):

"فإن الشر نزل من قبل الرب إلى باب يروشلم"

(فارسیہ ۱۸۳۸ء):

''اما ہر بدی بر دروازۂ یروشلم از خداوند نازل شد''

طریق الحیات کے قول کا رد

ان میں صراحۃً مرقوم ہے کہ شر اور خیر دونوں خدا سے صادر ہوتے ہیں، اور خالق شر کا بھی خدا ہے، اور پادری صاحب ایک دلیل عقلی ''طریق الحیات'' کے صفحہ ستاسیویں میں یوں لکھتے ہیں، (نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۷ء):

''اگر شر خدا سے ہو تو خدا کامل و منزہ اور پاک اور مقدس نہیں ہو سکتا اور درحالانکہ خدا کی ذات پاک ہے، اور ان صفتوں کا مٹنا محال ہے، پس ظاہر ہے

کہ خدا سے شر کا صادر ہونا کسی طرح ممکن نہیں''۔

اور یہ دلیل نقلاً اور عقلاً مردود ہے، نقلاً تو اس کی رد میں قول ان تینوں نبیوں کے کافی ہیں، اور عقلاً اس لئے کہ اللہ تعالی کے سفیدی اور سیاہی اور تمام اعراض کے خالق ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ سفید اور کالا اور مثل ان کے ہو، اسی طرح اس کے شر کے خالق ہونے سے نہیں لازم آتا کہ وہ شریر ہو بلکہ کسب کرنے والا جو اس کے ساتھ متصف ہے شریر ہوگا، اور اس کے پیدا کرانے میں حکمت ویسی ہی ہے جیسے شیطان کے پیدا کرنے میں، اور اسی طرح شہوت اور حرص کے پیدا کرنے میں آدمیوں کے اندر اور فرعون اور قاتلین مسیح کو قوت اور دولت دینے میں حکمت ہے، گو علم اس کی ہم کو اچھی طرح معلوم نہ ہو، چنانچہ جناب معترض بھی بعض امور میں لاچار ہو کر اسی ''طریق الحیات'' کے صفحہ نواسیویں میں یوں لکھتے ہیں:

''اگر تو پوچھے کہ کیا خدا شیطان کو شریر ہونے سے روک نہیں سکتا تھا، اور کیوں نہ روکا، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر خدا چاہتا کہ شیطان و آدم کو گناہ و شر سے روکے تو البتہ یہ بات اس کی قدرت کاملہ سے مشکل نہ تھی اور وہ اپنی بے انتہا حکمت سے یہ بھی کر سکتا تھا کہ ایسے طور سے (اس طرح سے) روکے کہ اختیار مٹ نہ جائے، مگر اس صورت میں کہ حاکم علی الاطلاق نے شر کو منع نہیں کیا تو یقین ہوتا ہے کہ حکمت کی راہ سے ہوگا جو خدا نے شیطان اور آدم کو گناہ سے نہ روکا''

پھر لکھتے ہیں کہ:

''وہ حکمت الٰہی جو شر نہ روکنے میں ہے، صرف اس عالم میں ایمان دار اور پاک لوگوں پر ظاہر و آشکار ہوگی''۔

اور حضرت عیسیٰ ان شہروں کے جن میں انہوں نے معجزے دکھائے تھے، اور وہاں کے لوگ ایمان نہ لائے تھے، حق میں لعن اور نفریں کے بعد یوں فرماتے ہیں، جو

متی کے گیارھوں باب میں مرقوم ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''۲۵۔ اسی وقت یسوع کہنے لگا، اے باپ آسمان اور زمین کے مالک، میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے ان چیزوں کو حکیموں اور غافلوں سے چھپایا، اور لڑکوں پر کھولا۔

۲۰۱۔ ہاں باپ ایسا ہونے میں تیری رضامندی تھی''۔

اور درس اکیسویں باب دسویں لوقا میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''اس گھڑی یسوع دل میں بہت خوش ہو کے بولا، اے باپ آسمان اور زمین کے مالک میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تو نے ان سب باتوں کو حکیموں اور داناؤں سے چھپایا اور لڑکوں پر ظاہر کیا، یوں ہی ہووے اے باپ کہ تیری نگاہ میں یہی اچھا معلوم ہوا''

جناب مسیح اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حقیقت اور حقانیت کو حکماء اور عقلاء سے چھپایا، اور نادانوں پر کھولا، خدا کی رضامندی ظاہر کرتے ہیں، اور دل میں بہت خوش ہو کر دعا کرتے ہیں ''یوں ہی ہووے''۔

دیکھو حکماء اور عقلاء کے حق میں خدا کی طرف سے یہ امر اضلال اور گمراہ کرنا ہے، اور خدا تعالیٰ کو وہی مرغوب اور اچھا لگا، اور اسی پر مسیح نے کہ مسیحیوں کے نزدیک خدا کے نبی بلکہ خود ہی خدا ہیں، بہت دل میں خوش ہو کے دعا مانگی کہ ''یوں ہی ہووے''۔

کتب عہد عتیق و جدید سے یعنی تقدیر کے شواہد

یہاں تک شواہد امر اول کے تھے۔

اب امر دوسرے کے شواہد سنئے

درس چودھویں باب تیئسویں کتاب ایوب میں ہے (فارسیہ ۱۸۳۸ء):

''ہر چہ برائے من مقدر شدہ است بوقوع خواہد رسانید''

(ہندیہ ۱۸۴۳ء):

''وہ میری قسمت کو پورا کرے گا''

اور درس نویں زبور ایکسوانچاسویں میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۱ء):

''تا کہ جوان کی تقدیر میں لکھا ہوا تھا انہیں پہنچے''

اور باب دوسرے کتاب صفونیا میں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۳ء):

''۱۔ تم اپنے کو جمع کرو اور جمع ہو اے بے حیا لوگو

۲۔ اس سے آگے کہ تقدیر اسی دن کو جو بھوس کے مانند جاتا رہے گا وجود میں لائے'' الخ

اور جناب مسیح کا قول اپنے حق میں اور یہودا اسکریوطی کی مذمت میں باب بائیسویں لوقا کے درس بائیسویں میں یوں ہے (فارسیہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء ۱۸۴۱ء):

''فرزند انسان برحسب تقدیر می رود لیکن وائے برانکس کہ اور اتسلیم می نماید''

اس میں اپنی گرفتاری کو بہ حسب تقدیر فرماتے اور پکڑوانے والے کو عذاب کا مستحق بتلاتے ہیں اور مسیحیوں کے نزدیک یہ شخص یقیناً جہنمی ہے۔

پس دیکھو ان درسوں میں صاف تقدیر کا اثبات ہے، اور باب آٹھویں نامہ رومیہ میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''۲۹۔ جنہیں اس نے (۱) پہلے سے جانا ان کو اپنے بیٹے کے ہم صورت ہونے کے لئے تقدیر کئے الخ

۳۰۔ اور اس نے جن کی تقدیر کی انہیں بلایا'' الخ

ان درسوں سے واضح ہے کہ ازل ہی سے مقدر تھا کہ کون کون مسیح پر ایمان لاوے گا، اور باب نویں نامہ رومیہ میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

---

(۱) یعنی خدا نے

"۱۰۔ ربقا بھی ایک سے یعنی ہمارے باپ اضحاق سے حاملہ ہوئی۔

۱۱۔ اور جب لڑکی پیدا نہ ہوئی تھی اور نہ کچھ نیک یا بدکام کیا تھا تا کہ خدا کی مرضی برگزیدگی میں، جو کاموں سے نہیں بلک (بلکہ) قبول کرنے والے سے ہے ثابت رہے۔

۱۲۔ اس لئے اسے کہا گیا کہ بڑا چھوٹے کی خدمت کرے گا۔

۱۳۔ جیسا لکھا ہے کہ میں نے یعقوبؑ سے محبت کی، اور عیسی سے نفرت کی۔

۱۴۔ تو ہم کیا کہیں خدا کے پاس بے انصافی ہے، ایسا نہ ہووے۔

۱۵۔ کہ وہ موسیٰ سے کہتا ہے میں جس پر چاہوں رحم کروں گا، اور جس پر میں چاہوں مہر کروں گا۔

۱۶۔ پس یہ نہ چاہنے والے سے نہ تلاش کرنے والے سے بلکہ رحیم خدا سے ہے۔

۱۷۔ اور کتاب فرعون سے کہتی ہے کہ میں نے اسنے لئے تجھے بڑھایا کہ تیرے وسیلے سے اپنی قدرت ظاہر کروں اور میرا نام تمام روئے زمین میں مشہور ہوئے۔

۱۸۔ پس وہ جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے سخت کرتا ہے۔

۱۹۔ پس تو یہ مجھ سے کہے گا پھر وہ کیوں قامت کرتا ہے؟ اس کے ارداہ کو کون رد کرتا ہے؟

۲۰۔ اے آدمی تو کون ہے جو خدا سے تکرار کرتا ہے کیا کاریگری کاریگر کو کہہ سکتی ہے کہ تو نے مجھے کیوں ایسا بنایا۔

۲۱۔ اور کمہار کیا مٹی پر مختار نہیں کہ وہ ایک ہی لونڈے (گندھی ہوئی مٹی) میں سے ایک باسن (برتن) حرمت والا اور دوسرا بے حرمت بنا دے"۔

اس عبارت میں درس دسویں سے تیرہویں تک تقدیر کی حقیقت اور درس چودہویں سے اٹھارویں تک یہ بات کہ خدا فاعل مختار ہے، جس کو چاہے ہدایت کرتا

ہے اور جس کو چاہے گمراہ، بیان ہوئی ہے، اور درس انیسویں میں اس بات کو کہ پھر بندوں کو ان کے فعلوں پر ملامت کیوں ہے، بطور شبہ کے ذکر کر کے درس بیسویں اور اکیسویں میں جواب اس کا یوں ہے:

''کہ وہ مالک ہے، اور اس کو اپنی ملک میں ہر طرح کا اختیار ہے، آدمی کا مقدور نہیں کہ دم مارے، کمہار مٹی پر اختیار رکھتا ہے کہ ایک ہی لونڈے (گندھی ہوئی مٹی) سے ایک اچھا باسن (برتن) اور دوسرا برا بنا دے، مٹی کچھ نہیں کہہ سکتی، آرے۔ (ہاں)

گل راچہ مجال است کہ گوید بہ کلال　　کز بہر چہ سازی و چرامی شکنی

کیا اچھی بات حضرت اشعیا اپنی کتاب کے باب پینتالیسویں کے درس نویں میں فرماتے ہیں:

''واویلا اس پر جو اپنے خالق سے جھگڑتا ہے، وہ تو ٹھیکرا زمین کے ٹھیکروں میں سے ہے، کیا مٹی کمہار کو کہہ سکتی ہے کہ تو کیا بناتا ہے؟ کیا تیری دستگاری کہہ سکتی ہے کہ تیرے ہاتھ نہیں''۔

اور درس ساتویں باب دوسرے نامہ پہلے کرنتھیوں میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''بلکہ ہم وہ حکمت الٰہی بولتے ہیں جو چھپی ہوئی، یعنی وہ پوشیدہ حکمت جسے خدا نے زمانے کے آگے ہماری بزرگی کے لئے مقرر کیا تھا''

اور نامہ انیسویں کے باب پہلے میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''۵۔ اس نے اپنی نیک مرضی کے موافق یسوع مسیحؑ کے وسیلہ سے ہم کو اپنے لے پالک ہونے کے لئے اور اپنے فضل کی بزرگی کی تعریف کے لئے ہماری تقدیر کی۔

۱۱۔ جس سے ہم نے میراث پائی، اور اس کی قضا کے موافق جو اپنی مرضی کی صلاح کے مطابق سب کچھ کرتا ہے مقرر کیے گئے''۔

اور درس گیارہواں فارسی ترجموں میں یوں ہے:

''کہ بسبب او میراث نیز شدیم یعنی بر حسب تقدیر آں کس کہ بر وفق ارادہ مصلحت آمیز خود ہمہ امور را بظہور می رساند مقدر شدیم''

اور یہودا کے نامہ کے چوتھی درس میں یوں ہے (فارسیہ ۱۸۴۱ء):

''مردے چند مخفیانہ داخل شدہ اند کہ از قدیم ایں جزا بر آنہا مقدر شدہ بود'' الخ۔

جب ان درسوں پر جو تھوڑے سے بطور نمونہ کے مرقوم ہوئے (۱) تجھ کو اطلاع ہوئی تو جان کہ دونوں اعتراض پادری صاحب کے بعینہ ان کی کتب مقدسہ پر وارد ہوتے ہیں، اس طور پر کہ بہت سے درسوں میں ان کتب کے بیان ہے کہ خدا رحمٰن اور رحیم ہے، اور بعضے درسوں میں بیان ہوا کہ خدا عادل ہے، اور برخلاف ان دونوں باتوں کے بہت درسوں میں بیان ہوا ہے۔

پس جناب معترض سے پوچھا جاتا ہے کہ ان مذکورہ بہت سے درسوں کے لحاظ سے اپنے زعم میں خدا کو غیر عادل اور غیر رحمٰن سمجھ کر کتب مقدسہ میں بھی اختلاف معنوی کے قائل ہوتے ہو یا نہیں؟ اگر ہوتے ہو تو تمہارا سراسر انصاف ہے، اور تمہاری نسبت سب انبیاء اور کتب کی طرف برابر دیکھ کے ہم کو صبر آ جاوے گا، اور اگر قائل نہیں ہوتے، اور ان درسوں میں تاویل کرتے ہو تو وہی تاویل قرآن کی آیات میں بھی کر کے اپنے ان قولوں سے توبہ کرو۔

اور افسوس کہ جناب معترض خیال نہیں کرتے کہ ہمارے فرقے کے پیشواؤں نے کیا کچھ کہا ہے، اور میرا اعتراض ان پر پہلے پڑے گا۔

---

(۱) اور انشاء اللہ اور شواہد بہ طور الزام دوسرے سوال کے جواب میں پادریوں کے چوتھے شبہ کے جواب کے اندر اس قدر ذکر کروں گا، تفصیل سے کہ معترض یا، ان کے حامی کو پھر حوصلہ ایسے ایسے اعتراضوں کا نہ ہوگا۔ ۱۲ منہ

پادری طامس انگلش (Tamis) کیتھولک مذہب، اپنی کتاب ''مرأۃ الصدق'' میں جس کو اس نے بحکم پادری مریا آنجلو کے انگریزی سے ترجمہ کر کے چھپوایا ہے، یوں لکھتا ہے، (نسخہ ۱۸۵۱ء صفحہ ۴۲)

''ان (۱) کے پہلے نصیحت کرنے والوں نے وہ بد اور مکروہ باتیں سکھلائیں (۲) یعنی خدا گناہ کا موجد ہے، اور یہ کہ انسان (۳) گناہ سے بچنے پر مختار نہیں ہے، اور یہ کہ دس (۴) حکموں پر عمل کرنا غیر ممکن ہے، بڑے (۵) سے بڑے قصور خدا کی نظر میں انسان کو نقصان نہیں پہنچاتے، ایمان (۶) فقط انسان کو بچاوے گا کہ ہم فقط ایمان سے انصاف کئے گئے ہیں، یہ بہت مفید اور تسلی کی بھری ہوئی تعلیم ہے، اور اصلاح (۷) دین کا باپ یعنی لوتھر کہتا ہے:

کہ فقط ایمان رکھو، اور بغیر روزہ کی سخت کشی اور پرہیز کے بار کے، بغیر اعتراف کی تکلیف اور نیک کاموں کی سختی کے یقین جانو، تم بچائے جاؤ گے، تمہارے واسطے نجات ایسی تحقیق (یقینی) اور بے شک ہے، جیسے خود مسیحؑ کے واسطے، ہاں گناہ کرو، اور خوب دلاوری سے گناہ کرو، فقط ایمان رکھو، اور تمہارا ایمان اگرچہ تم ایک دن میں ہزار دفعہ حرام کاری یا خون (کرو)، صرف ایمان رکھو، اور میں کہتا ہوں کہ تمہارا ایمان تم کو بچاوے گا۔

اور کیتھولک ہرلڈ کی نویں جلد کے صفحہ ۲۷۷ میں جناب لوتھر پیشوائے فرقے پروٹسٹنٹ کی سات جلدوں سے کئی قول منقول ہیں، ان میں سے بعض کو لکھتا ہوں کہ پیشوائے ممدوح فرماتے تھے کہ:

---

(۱) (یعنی) پروٹسٹنٹ کے فرقے کے ۱۲

(۲) انسٹ ایل ۳ باب ۱۲ (۳) کتاب عام نماز

(۴) لوتھراپ یاسم ۱۲ (۵) کولون تعلیم ۱۲

(۶) انسٹ ایل ۱۲ (۷) سپر الی ۱۲

''آدمی کی طبیعت گھوڑے کے مانند ہے، اگر اس پر خدا چڑھ بیٹھا تو جاتی ہے جس طرح خدا چاہتا ہے اور اگر شیطان اس پر سوار ہوا تو جاتی ہے جس طرح شیطان لے جاتا ہے اور وہ از خود کسی سوار کو پسند نہیں کر سکتی بلکہ سوار خود کوشش کرتے ہیں کہ کون اس کو حاصل کرے اور اس پر قابض ہو جاوے''۔

دیکھو اس کے موافق انسان کیسا مجبور ہے، اور پادریوں کے زعم کے موافق یہ بات شریروں کے واسطے کیا ہی اچھا عذر ہے، اور فرماتے تھے کہ:

''جس شخص نے اصطباغ پایا، تو اس کی نجات نہیں جاتی، گو وہ کیسے ہی سخت گناہ کرے، اس لئے کہ کوئی گناہ اس کو بد یقینی کے سوا ملعون نہیں کرتا''۔

اور فرماتے ہیں کہ:

''پوپ کے پیرو سکھاتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ پر ایمان لانا اس شرط پر بے گناہ ٹھہراتا ہے کہ خدا کے احکام کی بھی حفاظت رہے، اور یہ صریح حضرت مسیح کا انکار اور ایمان کا مٹانا ہے''

اور فرماتے ہیں کہ:

''جب مقدس کتابوں میں حکم ہووے کہ یہ نیک کار کرو، تو سمجھ لو کہ وہ کتابیں حکم کرتی ہیں، اس نیک کام کے نہ کرنے کو، اس لئے تو انہیں نہیں کر سکتا''۔

سبحان اللہ! جناب مصلح کا یہ کلیہ تو کیا ہی اچھی کنجی مقدس کتابوں کے مطلب سمجھنے کے لئے ملی، سو اس کے موافق مثلاً چونکہ متی کی انجیل کے پانچویں اور چھٹے اور ساتویں باب میں احکام منقول ہیں، سو ان کا مطلب یہ ہے کہ انہیں نہ کریں۔

تیسرا اختلاف پادری صاحب کے زعم کے مطابق

قول ان کا ''پھر بعض آیتوں میں مثلاً سورۂ بقر کی ۲۵۶ آیت میں لکھا ہے کہ دین کی بابت زور اور زبردستی نہ ہونا چاہئے، مگر اور آیتوں میں اس کے برخلاف فرمایا گیا کہ دین کے حق میں جہاد اور غیر ملت پر سختی کرنا، اور ان کو جو محمدی دین چھوڑ دیویں قتل کرنا، مثلاً سورۂ نساء کی ۷۲ اور ۸۸ آیت اور سورۂ تحریم کی ۹ آیت اور سورۂ انفال کی چالیسویں آیت میں''۔

یہاں بھی حوالہ غلط ہے بلکہ صحیح یوں ہے کہ آیت ۷۴ یا ۷۶ سورۂ نساء کی بہتر ویں کی جگہ اور ۸۹ بجائے ۸۸ سورۂ نساء کی، اور آیت ۳۹ بجائے ۴۰ سورۂ انفال کی لکھنی چاہئے۔

پھر کہتا ہوں کہ جس آیت کو جناب معترض منسوخ سمجھتے ہیں، اور اس پر یہ بے ہودہ اعتراض کرتے ہیں سرے سے وہ آیت موافق قول مختار مفسروں کے منسوخ ہی نہیں۔

اس لئے کہ وہ آیت یوں ہے۔

''لا إکراہ في الدین قد تبین الرشد من الغي'' الخ۔

یعنی اکراہ نہیں دین میں (کیونکہ اکراہ حقیقت میں اس کو کہتے ہیں کہ غیر کے ذمے وہ فعل لازم کرے کہ جس میں اس کے نزدیک کچھ خیر نہ ہو، اور دین اسلام تو ایسا نہیں کہ اس کی خوبی غیر کو معلوم نہ ہو بلکہ) کھل چکی ہے، صلاحیت بے راہی سے (یعنی کھلی دلیلوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ دین اسلام اچھا اور سعادت کا وسیلہ ہے، اور کفر اور شرک برا اور شقاوت کا ذریعہ ہے)۔

یہ معنی موافق مختار بیضاوی کے ہیں اور اس آیت کے اور معنی بھی تفسیروں کے اندر بیان ہوئے ہیں جن کے موافق منسوخ نہیں نکلتے، ان کو تفسیروں میں دیکھو، اور اگر بالفرض منسوخ بھی ہو، جیسا کہ بیضاوی اور کشاف اسے ضعیف قول کر کے لکھے ہیں، تو

اس صورت میں بھی اس اعتراض سے بخدا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب معترض کے دل پر تعصب نے ایسا پردہ ڈال دیا ہے کہ ان کو موٹی بات بھی نہیں سوجھتی، خدا کا غضب بعضِ احکام کے نسخ سے تناقض معنوی ثابت کرتے ہیں، اگر یہ تناقض کا سبب ہو تو عیسوی مذہب کا بالکل تپڑ الٹ جائے گا، اور بدترین شکل میں یہ اعتراض الٹا انجیل پر پڑے گا جیسا کہ انشاء اللہ چودہویں سوال کے جواب میں یہ امر خوب ہی کھل جائے گا، اور وہاں یہ بھی ظاہر ہو جائے گا کہ احکام میں تناقض جب ہوتا ہے کہ وہ احکام مختلفہ ایک ہی جہت سے ایک ہی زمانہ میں ایک ہی مکلّف کی نسبت سے ہوویں۔

چوتھا اختلاف پادری صاحب کے زعم کے مطابق

قول ان کا

''پھر روز قیامت کی حق میں سورۂ سجدہ کی ۴ آیت میں مذکور ہے کہ وہ ہزار برس کے برابر ہوگا، اور سورۂ معارج کی ۴ آیت میں لکھا ہے کہ پچاس برس کا ہوگا، اور سورۂ نحل کی ۷۹ آیت میں کہا ہے کہ روز قیامت کا کام ایک نگاہ میں ہوگا''۔

یہاں بھی صحیح یوں ہے کہ آیت ۷۷ بجائے ۷۹ کے اور پچاس ہزار برس بجائے پچاس برس کے لکھنے چاہئیں۔

پھر کہتا ہوں کہ اس جگہ بھی اختلاف معنوی نہیں، اور سورۂ سجدہ کی آیت قیامت کے حال کے بیان میں نہیں، کیوں کہ وہ آیت اور اس کے معنی یوں ہے:

"يدبر الأمر من السماء إلى الأرض ثم يعرج إليه في يوم كان مقداره ألف سنة مما تعدون"۔

یعنی تدبیر سے اتارتا ہے کام (یعنی کام دنیاوی) آسمان سے زمین تک (بواسطے فرشتوں کے جو اس کام پر موکل ہیں) پھر چڑھتا ہے اس کے طرف (یعنی اس

کے آسمان کی طرف اور مراد اس سے اوپر کی جانب دنیا کے آسمان کی ہے) ایک دن میں جس کا میانا (پیمائش) ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں۔

یعنی فرشتہ ایک دن میں اتنی مسافت قطع کرتا ہے کہ اگر آدمی اس کو قطع کرے تو ہزار برس کی مدت لگے، اور معنی بھی اس آیت کی تفاسیر میں مذکور ہیں، اور دوسری آیت کے کئی معنی ہیں۔

ایک (۱) یہ کہ چڑھتے ہیں فرشتے اور جبرئیل طرف محل امر اس کے کے (یعنی جس جگہ ان کو حکم ملتا ہے) ایک دن میں کہ میانا (پیمائش) اس کا پچاس ہزار برس ہے (یعنی اگر آدمی کے سیر کا لحاظ کر کے دنیا کے سالوں پر قیاس کریں):

کہ فرشتے ایک دن میں اتنی مسافت پر جاتے ہیں کہ اگر بالفرض آدمی اپنی سیر سے وہاں تک جاوے تو اتنی مدت طویل چاہیے۔

دوسرا (۲) یہ کہ اس آیت اور اسی طرح پہلی آیت میں بعض بعض معاملات کی مدتوں کا بیان ہے، اس طرح پر کہ بعض معاملات کی مدت آغاز سے انجام تک ہزار برس اور بعضے کی پچاس ہزار برس ہے کہ اس میں ملائکہ موکلہ اس امر سے فراغت پاتے ہیں، اور ان دونوں صورتوں میں اس آیت کو معترض کی مدعا سے کوئی تعلق نہیں۔

تیسرا (۳) یہ کہ چڑھیں گے فرشتے اور جبرئیل اس کی طرف اس دن میں (یعنی قیامت کے دن میں) کہ میانا اس کا پچاس ہزار برس ہے۔

تو اس صورت میں یہ آیت قیامت کی مدت کے بیان میں ہے، یا تو اس معنی کر کے کہ کافروں کو شدت کے سبب اس قدر مدت معلوم ہوگی، یا حقیقت میں اتنی ہی ہوگی، اور وہ تمام دن دنیا کے برسوں کے حساب سے پچاس ہزار برس کے برابر ہوگا، اور اس کا ٹکراؤ سورۂ نحل کی آیت کے ساتھ نہیں، اس لئے کہ سورۂ نحل کی آیت میں بیان

قیامت کے قائم ہونے اور اس کے اثر کے منتشر ہونے کا ہے کہ ایک آن میں ہو جائے گا، اور اس دن کی مدت کا بیان اس میں منظور نہیں، اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ:

نہیں کام قیامت کا (یعنی اس کے قائم ہونے کا جلدی اور سہولت میں) مگر جیسے لپک نگاہ کی بلکہ اس سے بھی نزدیک (اس لئے کہ اللہ تعالی خلقت کو دفعۃً اپنے حکم سے زندہ کرے گا، اور امر دفعی آنی ہوتا ہے)۔

اور اس میں کفار کے استبعاد کو دور کرنا منظور ہے کہ وہ مردوں کے زندہ ہونے کو ایک بڑا ہی امر مستبعد سمجھتے تھے، سو اللہ تعالی نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ امر کچھ بعید اور مشکل نہیں، بلکہ ایسا سہل اور جلد ہوگا، جیسے تمہاری لپک کی نگاہ جلد اور سہل ہوتی ہے۔

اور اگر اس آیت میں بھی اس دن کی مدت کا بیان مانو تو بھی تناقض نہیں، اس لئے کہ:

آیت کے معنی یہ ہیں، کہ اگر چہ وہ دن باعتبار شدت کے کافروں کو پچاس ہزار برس کا معلوم ہوگا، یا نفس الامر میں اس کی مدت اتنی ہی ہوگی، مگر اللہ کی قدرت کا لحاظ کر کے ایسا سمجھنا چاہیے کہ نگاہ کی لپک کے برابر ہوگا، بلکہ اس سے بھی کمتر۔

اور اسی کے قریب قریب ہے جو زبور نویں کی درس چوتھی میں خدا تعالی کے خطاب میں واقع ہے، (ہندیہ ۱۸۴۱ء):

''ہزار برس تیرے آگے ایسے ہیں جیسے کل کا دن جو گذر گیا، اور جیسے ایک پہر رات''۔

پانچواں اختلاف پادری صاحب کے زعم کے مطابق

قول ان کا:

''پھر سورۂ نساء کی ۱۶۹ آیت اور سورۂ تحریم کی ۱۱۲ آیت میں یسوع مسیح کی بابت کہا ہے کہ وہ کلمہ خدا کا اور روح خدا کا ہے''۔

''پس اس بات سے قرآن نے اقرار کیا ہے کہ مسیح آدمی اور نبی اور مخلوق سے بھی بڑا ہے مگر اس کے برخلاف اور آیتوں میں لکھا ہے کہ وہ صرف آدمی اور نبی تھا''

کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ آیت ایک سو اکہترویں سورۂ نساء کی اور آیت بارہویں سورۂ تحریم کی، بجائے ایکسو انہترویں اور ایک سو بارہویں کے لکھنی چاہئے اور سورۂ تحریم کی تو بالکل بارہ ہی آیات ہیں، اس میں سو کی زیادتی کس طرح کھپ سکے۔

پھر کہتا ہوں کہ اس جگہ بھی اختلاف معنوی کا اثبات محض زعم باطل ہے اور بس، اس زعم کا رد اس کتاب کے مقدمہ میں چوتھے امر کے اندر گذرا ہے۔

چھٹا اختلاف پادری صاحب کے زعم کے مطابق

اور جب ان پانچ اختلافات مندرجہ مراسلے کی (جو بدرجہ حواس خمسہ پادری صاحب کے صاحب استفتار کے مقابلہ میں مرقوم ہوئے تھے) سستی کھل گئی، اب اختلاف چھٹا کہ جس کو بہت ہی قوی سمجھ کر ''کشف الاستار'' کے جواب میں مجتہد صاحب لکھنوی کے مقابل ''حل الاشکال'' مطبوعہ ۱۸۴۷ء کے صفحہ ۶۴ میں لکھتے ہیں، سنئے فرماتے ہیں:

''ہاں اگر انجیل کی معانی اور عمدہ مطالب میں خلاف اور فرق ہوتا مثلا

ایک آیت میں کہا ہوتا کہ مسیح مر گیا، اور دوسری میں کہ نہیں مر گیا، جیسا کہ قرآن میں ہے تو البتہ یہ ایک بات ہوتی" انتھی ملخصاً۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن میں وہ بات گرفت کے قابل ہے کہ ایک آیت میں اس کے یوں ہے کہ مسیحؑ مر گئے اور دوسری میں اس کا انکار لکھا ہوا ہے، اور یہ بالکل غلط ہے، کسی دو آیت کے معنی کسی تفسیر معتبر یا ترجمہ معتبر کے موافق ایسے نہیں دیکھنے میں آئے، ورنہ پادری صاحب بتلاویں کہ وہ دو آیتیں کون سی ہیں، اور کس معتبر مفسر یا معتبر مترجم نے ان کے ایسے معنی لکھے ہیں۔

شاید جناب پادری صاحب کو (جو بڑی آشنائی عرب کی لغت سے رکھتے ہیں، چنانچہ مقدمہ کے اندر تشریح اس کی ہوئی ہے) ایسے معنی سب مفسروں اور مترجموں کے خلاف کھل گئے ہوں گے یا روح کے الہام سے ایسا یا کچھ معلوم ہوا ہوگا یا کسی نے سورۂ آل عمران کی آیت پچپنویں اور سورۂ نساء کی آیت ایک سوستانویں سے ہی ان کو دھوکا دیا ہوگا، مگر کچھ ہو بالکل غلط ہے، اور دوسری صورت میں کوئی نہ چونکے، اس لئے کہ کتب مقدسہ کے موافق اللہ ہی کے حکم سے روح کبھی کبھی غلط الہام کیا کرتی ہے، چنانچہ میخا پیغمبر کی تصریح کے موافق روح نے خدا کے حکم سے چار سو نبیوں کو ایسا ہی فریب دیا تھا، جیسا کہ ابھی جلدی ذکر اس کا گذرا، اگر وہ پادری صاحب کو بھی جو ایک ہی ہیں، دھوکہ دیوے تو کیا تعجب ہے۔

آیت ۵۵ سورۂ آل عمران کی چھ توجیہیں

اور آیت ۵۵ سورۂ آل عمران کی یوں ہے:

"إذ قال الله يا عيسى إني متوفيك ورافعك إلى و مطهرك "الخ

شاہ عبدالقادر صاحب اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

''جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰؑ میں تجھ کو پھر لوں گا (یعنی تجھ کو لے لوں گا، اور قبض کرلوں گا، زمین سے) اور اٹھالوں گا اپنی طرف (یعنی اپنے آسمان کی طرف جو کرامت کا محل اور ملائکہ کا مقام ہے) اور پاک کردوں گا، کافروں سے (یعنی ان کی ہمسائیگی اور برے قصد سے)

اور اس صورت میں لفظ متوفيك کا بمعنی قابضك کے ہے، جیسا بولتے ہیں، توفيت مالي یعنی قبض کیا، اور پھر لیا میں نے اپنے مال کو۔

اور یہی معنی جلالین میں مذکور ہیں، یا لفظ" متوفيك "کا بمعنی ''مستوفي اجلك" کے ہے، اور معنی یوں ہے۔

''جس وقت کہا اللہ نے اے عیسی تجھ کو تیری زندگی کی مدت پوری کردوں گا (یعنی تو اپنی عمر مقرر تک پہنچے گا، اور مخالف تجھے قتل نہ کرسکیں گے) اور اٹھالوں گا اپنی طرف'' الخ۔

یا بمعنی ''مستوفي عملك " کا ہے اور اس میں بشارت ہے عیسیٰؑ کو ان کی اطاعت اور اعمال کی قبولیت کے لئے اور معنی یوں ہے۔

''جس وقت کہا اللہ نے اے عیسی میں پورے اور کامل کروں گا، تیرے عملوں کو اور اٹھالوں گا ان کو اپنی طرف'' الخ

یا متوفی بمعنی" مستوفی "کے ہے، اور حذف مضاف کا نہیں اور معنی یوں ہے:

''جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰؑ میں پورا اور کامل لے لوں گا تجھ کو (یعنی بدن اور روح سمیت) اور اٹھالوں گا تجھ کو اپنی طرف'' الخ۔

اور اس صورت میں اس ارشاد سے فائدہ یہ ہے کہ آسمان کی طرف عیسیٰؑ کی روح مع بدن کے اٹھائی گئی ہے، کوئی فقط روح کو بغیر بدن کے نہ سمجھے، یا ''متوفيك" بمعنی ''أجعلك كالمتوفي "کے ہے، کیوں کہ ایک چیز کا اطلاق اس کی مثل پر جائز

اور کثیر ہے، اور معنی یوں ہے:

''جس وقت کہا اللہ نے! اے عیسیٰ میں تجھ کو مردہ کے مانند کردوں گا (یعنی باعتبار انقطاع خبر اور اثر کے زمین سے)''

یا متوفیك بمعنیٰ ''متوفی جسمك بالنوم '' کے ہے، جیسا سورۂ زمر کی اس آیت بیالیسویں میں جو سیپارے چوبیسویں رکوع دوسرے میں ہے:

''اللّٰہ یتوفی الأنفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھاالخ''

ترجمہ:۔ یعنی اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا (اور کھینچ لیتا ہے) ان جانوں کو جو نہیں مریں ان کی نیند میں الخ۔

اس آیت میں لفظ متوفی کا اطلاق نیند کی حالت پر آیا ہے۔

پس اس صورت میں معنی یوں ہیں،

جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ میں تجھ کو کھینچ لوں گا، سوتے ہوئے (تا کہ عروج کے وقت آسمان کی طرف خوف نہ لگے) اور اٹھالوں گا)

کیوں کہ ربیع بن انس سے روایت ہے کہ عیسیٰ نیند کی حالت میں اٹھائے گئے، اور اسی طرح اور معنی ہیں:

اور تفسیر کبیر میں ان معانی کا بیان ہوا ہے، اور کسی معتبر مفسر یا مترجم نے نہیں لکھا کہ مسیحؑ مر گیا، پھر اٹھایا گیا، البتہ بیضاوی نے آخر میں ایک قول کسی مجہول شخص کا جو وہ موافق مذہب نصاری کے کہتا ہے، بلفظ'' قیل ''نقل کیا ہے، اور ایسے شخص مجہول کے قول کا کیا اعتبار، جیسا کہ شق القمر کے معجزے کے بیان میں بیان اس امر کا بخوبی ہو چکا ہے۔

اور اگر پادری صاحب کو اپنی عادت کے موافق کسی مفسر یا مترجم سے کچھ کام

نہیں، اوران کی تفسیروں اور ترجموں کو غلط سمجھتے ہیں، اور لفظ ''متـــوفيك'' کو بمعنی "مميتك" کے لیتے ہیں، اور یوں معنی کرتے ہیں کہ:

''جس وقت کہا اللہ تعالیٰ نے اے عیسیٰؑ تجھ کو ماروں گا، اور اٹھالوں گا'' الخ۔

تو کہتا ہوں کہ:

اولاً یہ قول پادری صاحب کا کسی مسلمان پر حجت نہیں، اور یہ دعویٰ ان کا محض ایک باطل دعویٰ ہے اور بس، جب تک کہ ثابت نہ کریں کہ یہ ترجمہ اور تفسیر جس کو مترجم یا مفسر کرتے ہیں، عرب کے محاورہ کے خلاف ہے۔

ثانیاً پھر بھی تناقض نہیں ہوتا، اس لئے کہ واو عطف کا ترتیب کو نہیں چاہتا، جیسا کہ علم نحو میں مفصل مرقوم ہے، اور اس جگہ کافیہ کی عبارت مع عبارت شرح ملا کے لکھی جاتی ہے:

''فالواوللجمع مطلقا لا ترتيب فيها فقوله لا ترتيب فيها بيـان لاطلاقهـا أي لا تـرتيـب فيها بين المعطوف والمعطوف عليه بمعني انه لا يفهم هذا الترتيب منهاوجودا او عدماً''

پس اب معنی یوں ہوسکتے ہیں:

''اے عیسیٰ تجھ کو ماروں گا (یعنی بعد نزول کے آسمان سے) اور اٹھالوں گا (یعنی اب)''

اور اگر پادری صاحب محاورہ لغت عرب کے برخلاف اور قوانین نحویہ کے برخلاف دعویٰ باطل کریں کہ نہیں ''واؤ'' ضرور ہی ترتیب کے لئے ہوتا ہے، اور لفظ "متــوفيك" کا اس جگہ بمعنی "مـميتك" ہے اور بس، تو اولاً ایسے ادعا باطل کو کون سنتا ہے، اور ثانیاً پھر کہتا ہوں کہ اب بھی تناقض نہیں کیوں کہ جب آپ کو مترجموں اور مفسروں اور عرب کی لغت اور قوانین نحویہ سے کچھ کام نہیں تو آیت ایک سوستانویں

سورۂ نساء کے معنی یوں کیجئے گو مترجم اور مفسر وہ معنی نہ کرتے ہوں، اور ہمارے نزدیک گو پسند نہ ہوں۔

"وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم"

یعنی نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا (یعنی اگرچہ ظاہر میں مارا، اور سولی پر چڑھایا تھا، لیکن چونکہ ان کی غرض اصلی اس فعلِ بد سے مسیحؑ کا نیست و نابود کر دینا تھا اور وہ حاصل نہ ہوئی اور مسیحؑ موت کے قبضے میں نہ رہے بلکہ پھر جی اٹھے تو گویا نہ مارا اور نہ سولی دیا) لیکن مشتبہ ہوا امر ان کے لئے (جو اپنے زعم میں سمجھتے ہیں کہ ہم مسیحؑ کو سولی دے کر بالکل نیست و نابود کر چکے)۔

اور پادری صاحب خود اس قسم کی تاویل جناب مسیح کے اس قول میں جو لوقا کے آٹھویں باب میں ہے:

''۵۲۔ اور سب اس کے لئے رو پیٹ رہے تھے، پر اس نے ان سے کہا مت روو وہ مر نہیں گئی پر سوتی ہے۔

۵۳۔ وہ اس پر ہنسے کہ جانتے تھے وہ مر گئی ہے''

بجواب استفسار صفحہ ایک سو اٹھارویں حل الاشکال میں یوں کرتے ہیں: مسیحؑ کی (۱) مراد ان الفاظ سے یہ تھی کہ تیری لڑکی اگرچہ مر گئی، پر موت کے قبضہ میں نہ رہے گی بلکہ پھر جی اٹھے گی۔

پس جیسے مسیحؑ کے اس قول میں توجیہ کرتے ہیں، ویسے ہی توجیہ قرآن کی آیت میں کرلیں۔

جاننا چاہیئے کہ قرآن میں اختلاف کے مقامات جو مسیحیوں کے زعم میں بڑے

---

(۱) اسی طرح آدم کلارک اس کا مفسر مشہور جناب مسیح کے اس قول کی تاویل باب نویں متی کے درس چوبیسویں کے ذیل میں کرتا ہے، اور یوں لکھتا ہے ''یعنی ایسی نہیں مری جو موت کی حالت میں رہے بلکہ جی اٹھے گی، جیسے آدمی نیند سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی۔

مضبوط اور اعتبار کے قابل ہیں یہی ہیں، جن کو پادری صاحب نے قوی سمجھ کر ''کشف الاستار'' اور ''استفسار'' کے مصنفوں کے مقابلہ میں تصریحاً لکھا ہے، اور بعضے اور مقام بھی ہیں، جن کو پادری صاحب اپنی بعض تالیفات میں یا اور پادریوں نے لکھا ہے، مگر وہ تو قابل التفات کے بھی نہیں، اور یہ لوگ بھی جانتے ہیں کہ ایسے ہمارے شبہات لغو ہیں، مگر کیا کریں کہ بعض اسباب سے مغالطہ دہی کی ان کو بڑی ضرورت ہے۔

دیکھو ان کے ہم وطنوں نے جن کو یہ لوگ اب ملحد قرار دیتے ہیں، اس قسم کے بلکہ ان سے بڑھ کر ان کی کتب مقدسہ میں بہت سے اختلاف نکالے ہیں، چنانچہ ہم نے بطور نمونہ کے ان کی کتابوں سے ستر اختلاف کو جو فقط خدا کی ذات اور صفات کے بیان میں واقع ہیں نکال کر کتاب اعجاز عیسوی کے مقصد دوم کے آخر میں لکھدئے ہیں، ناظرین ان کو دیکھیں۔

اعجاز قرآن پر چار مزید شبہات

اور پادری صاحب نے اپنی آخرت سنوارنے کو محض تعصب کی راہ سے چار شبہے اور بھی میزان الحق کے تیسرے باب کی دوسری فصل میں قرآن کے اعجاز کی بابت تحریر فرمائے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں (نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۰ء صفحہ ۱۶۹):

> ''اگر بالفرض ہم قبول کریں کہ قرآن کی عبارت اس کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل بھی ہو تو پھر ایک ناقص دلیل ہے، اس جہت سے کہ اس دلیل کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں، جو عربی زبان میں خوب واقفیت رکھے ہیں، اور اور لوگوں کو لازم پڑے گا کہ علماء کے کہے بموجب مان لیں کہ قرآن کی عبارت کی افضلیت نہایت کے مرتبہ پر ہے، اور اسی سبب وہ خدا کا کلام ہے، لیکن جو شخص غور کرے گا وہ پھر بھی اس شبہ میں رہے گا کہ شاید عرب کے علماء سہو سے ایسے خیالوں میں پڑے ہیں، کیوں کہ بنی آدم کیا عالم کیا جاہل، سہو وخطا سے

مبرا نہیں ہیں، اور پھر وہ یہ بھی سوچے گا کہ علماء لوگ جو ایسا دعوی کرتے ہیں شاید اس جہت سے کرتے ہیں کہ یہ قرآن کے مطیع ہیں، اور منظور انہیں یہ ہے کہ لوگ قرآن کے مطیع و معتقد ہو جائیں، تو اس سبب سے ہماری ریاست و عزت بڑھ جائے گی، اور اسی سبب سے وہ علماء اب تک اپنے دنیوی فوائد کے لئے اس بات میں متفق رہے ہیں"۔

اور اس کلام میں یہ قول ان کا:

"اس دلیل کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو عربی زبان، میں خوب واقفیت رکھتے ہیں" سچ ہے، اور باقی سب لغو، اور سبب مذکور سے اس کو دلیل ناقص سمجھنا صرف تعصب اور مغالطہ دہی ہے اور بس، کیوں کہ جب اولاً اور بالذات یہ معجزہ فصحاء عرب کے (جن میں ان دنوں دعوی یکتائی کا فصاحت اور بلاغت کے اندر لاکھوں آدمی کرتے تھے، اور فصاحت اور بلاغت کا زور وشور ان دنوں میں بہت ہی تھا) عاجز کرنے کے لئے تھا، اور وہ سب عاجز ہو گئے، اور بعض تو انصاف کر کے فقط اسی معجزے کو دیکھ کر مسلمان بھی ہو گئے، تو ان کی نسبت اس کا اعجاز بخوبی ثابت ہو گیا جیسا کہ ہم نے تفصیلاً اس کو اوپر بیان کیا، اور اوروں کی نسبت بھی اس کے اعجاز کا ثبوت اس طرح یقینی ہے کہ عرب کی زبان کے ماہروں میں سے جب کروڑہا ثقہ آدمی نے اس کے اعجاز پر گواہی دی، اور ان کی گواہی تواتر سے ثابت ہوئی، تو پھر سوائے متعصب عنید کے کوئی انکار نہیں کر سکتا، اور حقیقت کا طالب اس باب میں شبہ میں نہیں پڑ سکتا، اور اگر کروڑوں آدمی کی گواہی بھی یقین کو مفید نہیں تو چاہئے کہ معجزات موسویہ اور عیسویہ بھی ناقص دلیل ہوں، کیوں کہ ان کو اس زمانہ کے لوگوں میں سے بھی صرف بعضوں ہی نے دیکھا تھا نہ سب نے، اور اس زمانہ کے بعد اور زمانہ حال کا تو کیا ذکر، بلکہ بہت ہی ناقص دلیل ہوں، اس لئے کہ قرآن کا اعجاز تو اب بھی اس شخص کو معلوم ہو سکتا ہے، جو

ان علوم میں جن کا ذکر اوپر گذرا دخل رکھتا ہو، بخلاف ان معجزات کے کہ سماع کے سوائے کوئی وجہ ان کے ثبوت کی نہیں۔

اور یہ قول ان کا:

''اور اس سبب سے وہ خدا کا کلام ہے''

اگر اس سے غرض یہ ہے کہ مسلمان لوگ فقط اسی سبب سے اس کو کلام اللہ جانتے ہیں، تو یہ قول غلط ہے اس لئے کہ مسلمان اس سبب کو بھی منجملہ اور اسباب کے کہ کچھ تھوڑوں کا ان میں سے ذکر اوپر ہوا مانتے ہیں نہ کہ فقط اسی ایک سبب سے قرآن کو خدا کا کلام جانتے ہیں، اور اگر غرض یہ ہے کہ یہ سبب ایک سبب منجملہ اسباب سے نہیں بن سکتا، اس لئے کہ اس میں وہ دو احتمال نکلتے ہیں جو اس کے بعد ذکر کئے تو جان لیں کہ وہ دونوں احتمال بدترین صورت میں معجزات عیسویہ کی نسبت بھی نکلتے ہیں۔

احتمال اول کی تقریر معجزات عیسویہ اور موسویہ کی نسبت

احتمال اول اس طرح پر کہ جو شخص غور کرے گا، اس شبہ میں پڑے گا کہ اگلے چند مسیحی جو غالباً مچھوے (مچھلی پکڑنے والے) اور چھوٹی قوموں سے اور بے علم تھے ،سحر اور معجزے یا معجزے اور شعبدے یا عمل شیطانی اور رحمانی میں تمیز نہ کر کے بے تمیزی اور سہو سے ایسے خیالوں میں پڑے ہوں، کیوں کہ بنی آدم کیا عالم کیا جاہل سہو اور خطا سے مبرا نہیں خصوصاً وہ جاہل جو چھوٹی قوموں سے ہوں، اور ساحر اور شعبدے باز اور جن کے آشنا اور شیطان کے مرید اکثر ایسی باتیں دکھلا کے بھولوں اور بے وقوفوں کو اپنی جال میں پھانس لیتے ہیں، بلکہ عاقل لوگ بھی ان کے پھندے میں پڑ جاتے ہیں۔

باب آٹھویں اعمال میں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''۹۔ اس سے آگے شمعون نامیدہ ایک شخص شومروں میں ظاہر ہوا تھا، جو جادوگری کرتا تھا، اور ''میں بڑا شخص ہوں'' یہ کہہ کے شومرونی لوگوں کو بہلاتا تھا۔

۱۰۔ اور چھوٹے بڑے سب اس پر ایمان لا کے کہتے تھے کہ یہ شخص خدا کی بڑی قدرت ہے۔

۱۱۔ اور وہ اس سبب سے کہ اس نے ایک مدت سے انہیں جادو کر کے بہلایا تھا، اس کے مرید ہو رہے تھے''۔

فرقۂ فریمنشن کے حالات

دیکھو انہیں دنوں میں اس ساحر نے سحر کے زور سے سب چھوٹے بڑے شومرونی لوگوں کو اپنا معتقد اور مرید کر لیا تھا، تو جہال کم ذات مفلسوں کا بہکنا کیا بڑی بات ہے، اور جان برون بشب پادری نے بت پرستی کے بیان کے ذیل میں بائبل ڈکشنری کے اندر فرقہ فری مشن کا حال یوں لکھا ہے کہ:

''وے اپنی دیول کو نماز کے لئے نہیں جاتے اور نہ نماز پڑھتے ہیں، مگر ان کا طریقہ یہ ہے کہ ایک مکان بنا کر روشنی سے آراستہ کرتے ہیں، اور سب فری مشن وہاں جمع ہوتے ہیں، تب ایک ان میں سے اٹھ کر سب کا لباس اتار کے ایک ایک بالشت کا ٹکڑا بافتہ کا ان کی کمر سے باندھتا ہے کہ جس میں ان کا آگا چھپے اور پیچھا کھلا رہے، پھر یہ تھوڑی سی مار ان کی چوتڑوں پر مار کر ترواریں علم کئے ہوئے ان کی ہاتھوں میں دیتا ہے، اور وہ ''برادر برادر'' کہتا ہے، بعد اس کے ان کا پادری ایک صندوق کھول کے اس میں ہڈیاں نکال کر ایک پتلا آدمی کی شکل صندوق پر جماتا ہے، اور سیاہ چادر پر جو تختہ پر پڑی ہوتی ہے، کچھ کچھ پڑھ کر موگری سے مارتا ہے، تو وہ پتلا کھڑا ہو جاتا ہے، اور وہ لوگ جو ترواریں (تلواریں) علم کئے کھڑے رہتے ہیں، سب اس پتلے کی پرستش کر کے اس کو

تروار یں مار کر گرا دیتے ہیں، اور مار توڑ کر اس کی ہڈیوں کو صندوق میں مقفل کر کے کچھ کچھ آپس میں بولتے جاتے ہیں، اور "برادر برادر" کہتے ہوئے، باہر نکلتے ہیں، اور یہ بھید کسی سے نہیں کہتے، اور اگر کوئی کہے کہ تم میں یہ طریقہ بد کیا ہے؟ تو کہتے ہیں کہ یہ طریقہ ہمارا تو نہیں بلکہ یعقوب کی امت کا ہے"۔

دیکھو اگر یہ تحریر جان برون کی صحیح ہے، تو اب تک سحر کا ایسا زور ہے کہ پُتلا منتر کے زور سے جی کر کھڑا ہو جاتا ہے، اور اس فرقے میں لاکھوں لاکھ بلکہ کڑوڑ ہا مسیحی عاقل داخل ہو گئے ہیں، اور داخل ہوتے چلے جاتے ہیں، حالانکہ توریت اور انجیل کے رو سے بت پرست ٹھہرتے ہیں، لیکن اتنا غنیمت ہے کہ جو مسیحی اس فرقے میں ملتا ہے، اسے تثلیث کے عقیدے سے کہ فی الحقیقت صریح شرک ہے، توبہ کرنی پڑتی ہے، کیوں کہ اگر توبہ نہ کرے، تو وہ اپنے میں نہیں ملاتے، اور اس عقیدے والے کو بت پرستوں کے مثل مشرک سمجھتے ہیں، خدا ان کو اس اپنی بت پرستی سے بھی جس کو جان برون نے لکھا ہے، اگر سچ ہو تو چھٹائیو۔

بہر حال سحر کے زور میں شک نہیں، اور ان کے کتب مقدسہ کی رو سے سحر کا بہت کچھ زور شور اور اس کی سچائی معلوم ہوتی ہے، اس حد تک کہ ان کتب کے موافق انبیاء بنی اسرائیل کے معجزات اور ساحروں کے سحر میں بعضے اوقات کچھ بھی تمیز نہیں نکل سکتی، دیکھو حضرت موسیٰ کے کئی معجزات کے مقابل ساحروں نے ویسا ہی کر دیا تھا، مثلاً جب حضرت موسیٰ نے دریا پر عصا مار کے اس کا پانی سب لہو کر دیا تھا، تو اس کے مقابلہ میں جادوگروں نے بھی ویسا ہی کر دیا تھا، کتاب خروج کے ساتویں باب کے بائیسویں درس میں ہے، (ہندیہ ۱۸۲۹ء):

"تب مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا" الخ

اور اسی طرح جب حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ کے حکم سے بے شمار

مینڈک مصر کی زمین پر چڑھادئے تو اس کے مقابلہ میں جادوگروں نے بھی ویسا ہی کردیا، اسی کتاب کے آٹھویں باب کے ساتویں درس میں ہے:

''اور جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا، اور مصر کی زمین پر مینڈک چڑھائے''۔

پس سحر کا احتمال جیسا معجزات عیسویہ کی نسبت ہوسکتا ہے، ویسا ہی ان معجزات موسویہ کی طرف بھی ہوسکتا ہے، اور وہی احتمال پادری صاحب کا جاری ہے کہ ''شاید اس وقت کے بعض لوگوں نے جو ان چیزوں کو دیکھا تھا ان کو سحر اور معجزے میں تمیز نہ ہوئی، کیوں کہ بنی آدم سہو اور خطا سے مبرا نہیں''۔

اور زمانۂ سلف میں جن کی آشنائی کا بڑا زور تھا، اور ان کی کتب مقدسہ کے موافق معلوم ہوتا ہے کہ جن کے آشناؤں کو بڑی قوت ہوتی ہے، اور یہ لوگ ان کے وسیلے سے غیب کی باتوں پر مطلع ہوتے ہیں، اور جس مردے کو چاہتے ہیں گو وہ نبی ہی ہو، اور مدت کا مرا ہوا ہو، جلا کر حاضر کرلیتے ہیں، اور مسیحؑ اور ان کے بعد میں سلیمانؑ کے منتروں کا بڑا ہی رواج اور زور شور تھا، اور ان منتروں کے جاننے والے خواہ باایمان ہوں، خواہ بے ایمان ان کے وسیلے سے بیماریوں کو چنگا کرتے تھے، اور جن بھوت کو نکال دیتے تھے۔

صموئیل کی پہلی کتاب کے باب اٹھائیسویں میں ہے (ہندیہ ۱۸۲۹ء):

''۷۔ تب شاول نے اپنے خادموں کو کہا: ایسی عورت کو کہ جس کا یار دیو ہو، میرے لئے تلاش کرو تا کہ میں اس کے پاس جاؤں، اور اس سے پوچھوں، سو خادموں نے اس سے کہا کہ دیکھ عین دور کے بیچ ایک عورت ہے، جس کا یار دیو ہے۔

۸۔ سو شاول نے اپنی پوشاک اتاری، اور دوسری پوشاک پہنی اور گیا، اور دو شخص اس کے ساتھ ہوئے، اور رات کو اس عورت کے پاس پہنچا، اور اسے کہا

مہربانی کر کے میرے لئے اپنے یار دیو سے مشورہ کیجئے، اور اس کو میرے لئے
چڑھایئے جس کو میں کہوں گا۔

۱۱۔ تب وہ عورت بولی میں کس کو تجھ پر چڑھاؤں، وہ بولا سموئیل کو
میرے لئے چڑھا۔

۱۲۔ سو اس وقت اس عورت نے صموئیل کو دیکھا، اور بلند آواز سے چیخ
ماری، اور اس عورت نے شاول کو کہا، تو نے مجھ سے کیوں دغا کی تو شاول ہے۔

۱۳۔ تب بادشاہ نے اسے کہا: ہراساں مت ہو، تو نے کیا دیکھا، اس
عورت نے شاول کو کہا کہ میں نے معبودوں کو دیکھا کہ زمین سے چڑھتے ہیں۔

۱۴۔ تب اس نے اسے کہا کہ اس کی شکل بتا، وہ بولی کہ ایک بوڑھا آدمی
اوپر کو جاتا ہے، اور لحاف اوڑھے ہوئے ہے، تب شاول نے دریافت (جان لیا)
کیا کہ وہ صموئیل ہے، اور اس نے منہ کے بل گر کے زمین پر سجدہ کیا۔

۱۵۔ تب صموئیل نے شاول کو کہا تو نے کیوں مجھے بے چین کیا کہ مجھے
چڑھایا؟ شاول بولا میں بڑے رنج میں ہوں الخ۔

۱۶۔ سو صموئیل نے کہا الخ۔

۱۹۔ سو خدا بنی اسرائیل کو تجھ سمیت فلسطانیوں کے ہاتھ میں گرفتار
کروائے گا، اور کل تو اور تیرے بیٹے مجھ (میرے) پاس ہوں گے، اور یہواہ
اسرائیلی لشکر کو بھی فلسطانیوں کے قابو میں کر دے گا۔

دیکھو اس عورت دیو کے یار کو کہ اس نے صموئیل پیغمبر کو جو مدت سے مر گئے تھے، زندہ کر کے حاضر کیا، گو ان کو بے چینی ہوئی، اور شاول کو پہچان گئے، گو بھیس بدل کے گیا تھا، اور اپنے آپ کو چھپاتا تھا، اور شاول نے صموئیلؑ سے حال پوچھ لیا، اور جیسا صموئیلؑ نے فرمایا تھا، ویسا ہی ہوا، جیسا کہ اس کتاب کے تیسویں باب میں مرقوم ہے۔

اور اعمال کے سولھویں باب کے سولھویں درس میں ہے، (فارسیہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء و ۱۸۴۲ء):

''از اتفاقات در وقتیکہ بہ نماز خانہ میر فتیم کنیز کے کہ روح خبر دہندہ دراو بود واز علم غیب بجہت مالکانش مبلغے نفع پیدا می نمود مارادو چار شدہ''

اسکے موافق وہ لونڈی خبیث روح کی مدد سے غیب کی خبریں دیتی تھی، اور غیب کے علم سے اپنے خاوندوں کے لئے بہت کمائی کر دیتی تھی۔

اور یوسیفس مؤرخ جو عیسائیوں میں بڑا مؤرخ منصف گنا جاتا ہے، اپنی تاریخ کی کتاب آٹھویں کے باب دوسرے میں لکھتا ہے کہ:

''سلیمان نے بہت ایسے منتریں بنائی تھیں کہ جن سے بیماریوں کو تخفیف ہو، اور ایسے عمل جن سے جنات اور دیویوں کو نکالا جاوے اور وہ پھر نہ آویں اور وہ عمل آج تک خوب جاری ہیں، کیونکہ میں نے دیکھا کہ الیعازر میرے ہموطنی (ہم وطن) نے اس پی سین بادشاہ اور اس کے بیٹوں اور اس کے سرداروں اور تمام سپاہیوں کے حضور میں لوگوں سے جنون اور دیووں کو نکالا، اور ترکیب اس کے نکالنے کی یہ تھی کہ شخص دیوزدہ کی ناک میں ایک چھلا رکھ کر نتھنیوں کی راہ سے دیو کو نکال لیتا تھا، اور جبھی وہ دیوزدہ گر جاتا تھا، بعد اس کے اس جن سے اقرار لے لیتا تھا کہ پھر نہ آئے، اور اس وقت سلیمانی منتر پڑھتا تھا، اور سلیمان کا نام لیتا جاتا تھا، اور لوگوں کے یقین کرانے کو ایک برتن پانی کا بھرا ہوا تھوڑی دور رکھوا دیتا تھا کہ جن کے نکالنے کے بعد اس کو حکم کرتا تھا کہ اس برتن کو الٹ دے، اور وہ جن الٹ دیتا تھا''۔

دیکھو اس بڑے مؤرخ کی تحریر کے موافق ان عمل اور منتروں میں کیا ہی تاثیر تھی کہ بیماریوں کو تخفیف اور جنات کو ان کے وسیلے سے نکالا جاتا تھا، اور وہ عمل اس مؤرخ کے عہد تک خوب ہی جاری تھے، اور اس کے ہم وطنی (ہم وطن) نے اس کے

اور دوسرے صدہا آدمیوں کے حضور لوگوں سے جنات کو نکالا تھا، اور اس انجیل مروج الحال کے موافق جھوٹے مسیحیوں اور جھوٹے پیغمبروں کو بھی بڑے بڑے معجزات اور کرامات کے دکھلانے کی قدرت ہوتی ہے، باب چوبیسویں متی کے چوبیسویں درس میں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے، اور ایسے بڑے معجزے اور کرامتیں دکھلائیں گے کہ اگر ممکن ہوتا تو وہ برگزیدوں کو ہی گمراہ کرتے''

اور جناب پولوس تھسلینکیوں کے دوسرے نامہ کے باب دوسرے کے نویں درس میں دجال کے حال میں یوں لکھتے ہیں، (ہندیہ ۱۸۴۱ء):

اور اس کا آنا شیطان کے کیئے سے کامل قدرت اور جھوٹے عجائب و غرائب کے ساتھ ہوگا۔

(ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''اور اس کا آنا شیطان کے کارگر ہونے کے مطابق ہر طرح کی قدرت اور جھوٹے عجائب غرائب سے''

اور مشاہدات کے باب تیرہویں میں ہے، (ھندیہ ۱۸۴۴ء):

''۱۳۔ اور بڑے عجائب ظاہر کیئے یہاں تک کہ آدمیوں کی نظر میں آسمان سے زمین پر آگ برسایا۔

۱۴۔ اور جن معجزوں کو اس حیوان کے سامنے دکھانے کی قدرت اسے دی گئی تھی، ان سے زمین کے رہنے والوں کو دغایا'' الخ۔

اور ہزاروں (۱) بھانمتی اور مداری لوگ لوگوں کے سامنے تماشا دکھلانے کے

---

(۱) اور مرقس کے نویں باب کے اڑتیسویں درس سے سمجھا جاتا ہے کہ ایک آدمی حضرت عیسی نبی کے وقت میں جھاڑ پھونک کر دیو بھوت کھو دیتا تھا اور وہ نہ نبی تھا اور نہ حضرت عیسی کا شاگرد۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

وقت ایک آدمی کا سر کاٹ ڈالتے ہیں، پھر انہیں کے سامنے اسی دھڑ کے ساتھ ملا کر کہتے ہیں، کہ اٹھ کھڑا ہو، وہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اور سانپ کو نیولے سے ٹکڑے ٹکڑے کرا کے پھر جوڑ کر تو نبی بجاتے ہیں، اور وہ پھر اچھا اور زندہ ہو کر چلنے لگتا ہے، اور جاہل لوگ ایسی ایسی باتوں سے نہایت تعجب کرتے ہیں، اور سیکڑوں عامل اور سیانے لوگ اب بھی جن بھوت کو عمل کے زور سے نکال دیتے ہیں، بعضے تو علوی اور بعضے سفلی کے زور سے اور بعضے بیماریوں کو اچھا کر دیتے ہیں۔

اس صورت میں اب اگر کوئی پادری صاحب کی طرح انصاف کو چھوڑے اور اپنی عاقبت کا لحاظ نہ کرے تو کہہ سکتا ہے کہ اگر بالفرض ہم مان بھی لیں کہ یہ معجزات مسیحیہ جو اس انجیل مروج میں مرقوم ہیں، مسیح نے کئے ہیں، اور ایسے بے سند نہیں جیسے اور بہت سے معجزات جو اور انجیلوں میں جن کو یہ لوگ اب جھوٹی گنتے ہیں مرقوم ہوئے ہیں، اور نہ ایسی جھوٹی کہانیاں ہیں، جیسے ہفت سیر حاتم اور الف لیلہ کی کہانیاں، تو بھی کون سی دلیل ہے کہ مسیحؑ نے سحر کے زور یا منتروں کی وساطت یا جنوں کی آشنائی یا شیطان کی مدد سے نہ کئے ہوں۔

اور چونکہ دجال بھی صاحب کرامات اور معجزات ہوگا، اور دعوی خدائی کا کرے گا، اور ویسا ہی مسیحیوں کے نزدیک ایسا دعوی مسیحؑ نے بھی کیا ہے، تو اب کون سی دلیل ہے کہ دجال جھوٹا ہو، اور جناب مسیحؑ سچے ہوں، اور یہودی دجال کی خدائی کے معترف کافر ہوں، اور عیسائی جناب مسیح کی الوہیت کے قائل مومن شمار کئے جاویں، اور کیا دلیل ہے کہ بعض معجزات مسیحیہ قسم شعبدہ بازی سے نہ ہوں، جیسے مداری اور بھانمتی کر دکھلاتے ہیں، چنانچہ یہودی لوگ سلف سے خلف تک اور لاکھوں لاکھ آدمی ہم وطن پادری صاحب کے جن میں ہزاروں آدمی علم عقلی اور نقلی میں بھی خوب مہارت رکھتے

ہیں، اور پادری صاحب ان کو اپنی تحریرات میں دہریے اور ملحد لکھتے ہیں، ایسا ہی کچھ بکتے ہیں، اور جناب مسیح کے ہم عصر یہود کا حال تو خود اسی انجیل مروج الحال میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ "دیوؤں کے سردار کی مدد سے جن بھوت کو نکالتا ہے، اور فریبیا (فریب کرنے والا) بتلاتے تھے اور ان کے معتقدوں پر طعن کرتے تھے"۔

باب نویں متی کے درس چوبیسویں میں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

"فروسیوں نے کہا کہ وہ دیووں کے سردار کی مدد سے دیووں کو نکالتا ہے"

اور بعض متعلمین کی فہمایش میں ان کا قول انجیل یوحنا کے ساتویں باب میں یوں منقول ہے، (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

"۴۸۔ تب فروسیوں نے جواب دیا کیا تم نے بھی فریب کھایا ہے؟ کیا سرداروں یا فروسیوں میں سے کوئی اس پر (یعنی عیسیٰ پر) ایمان لایا ہے؟

۴۹ پر یہ لوگ جو شریعت کو نہیں جانتے ملعون ہیں۔

اور ملحدانہ اقوال کو اگرچہ ہمارا دل نہیں چاہتا کہ نقل کریں، مگر بمجوائے "نقل کفر کفر نباشد" ناچاری کی راہ سے لوگوں کی آگاہی کے لئے فقط ایک صاحب اکسی ہومو کا قول نقل کرتا ہوں، اور اس کا ترجمہ موافق (نسخہ ۱۸۱۳ء) کے جو دار السلطنت لندن میں چھپا ہے کرتا ہوں، صفحہ ۴۴ میں لکھتا ہے کہ:

"ایک انجیل میں جس کا نام نی ٹی وٹی آف میری ہے، اور اب اس کو اناجیل کاذبہ میں شمار کرتے ہیں، مذکور ہے کہ مریم بیت المقدس کی خدمت کے واسطے محرر ہو کے سولہ برس کی عمر تک وہاں رہی تھی، اور فادر جیروم زاویرنے اس مذکور کو صحیح اور مختار سمجھا ہے، سو اب یہ شبہ ہوتا ہے کہ بیت المقدس کے کاہنوں میں سے کسی کاہن کا مریمؑ کو حمل رہ گیا ہوگا، اور اس کاہن نے اس کو یہ بات سکھلا دی ہوگی کہ یوں کہو کہ مجھے روح القدس کا حمل رہ گیا ہے"

اور پھر لوقا کی تحریر پر بڑا استہزاء کرتا ہے، اور پھر لکھتا ہے کہ:

''یہود کے نزدیک یہ حال یوں ثابت ہے کہ ایک سپاہی زادہ مریم پر عاشق تھا، اور اس کی ناشایستہ حرکت سے یہ عیسائیوں کا مسیحؑ پیدا ہوا ہے، اور اس پر یوسف نجار نے ناراض ہو کر اس بد دیانت جورو کو چھوڑ دیا تھا، اور بابل کو چلا گیا تھا، اور مریم یسوع کو مصر لے گئی تھی اور یسوع نے وہاں شعبدہ بازی سیکھی، اور سیکھنے کے بعد اس شعبدہ بازی دکھلانے کو ملک یہودیہ میں آیا''۔

پھر لکھتا ہے

''ایسی بیہودہ کہانیاں بت پرستوں میں بھی بہت مشہور ہیں، مثلاً وہ مانتے ہیں کہ ان کا ایک معبود جس کا ہنروا نام ہے، جو پڑ کے مغز سے پیدا ہوا ہے، اور بے کس جوپٹر کی ران میں رہا ہے، اور چین والوں کا معبود جس کا نام فُو ہے، ایک کواری لڑکی سے پیدا ہوا ہے، اور وہ لڑکی مدعی تھی کہ آفتاب کی کرن سے مجھے حمل رہ گیا ہے''۔

دیکھو یہ ملحد کیا بکتا ہے، اور مسیحؑ کی سب کرامات اور معجزات کو شعبدہ بازی سمجھتا ہے۔

دوسرے احتمال کی تقریر معجزات عیسویہ اور موسویہ کی نسبت

اور احتمال دوسرا اس طرح پر کہ جو شخص غور کرے گا وہ یہ بھی سوچے گا کہ اگلے مسیحی گواہیں تمیز بھی ہوگئی ہو، لیکن شاید اس جہت سے کہتے ہوں کہ یہ مسیحؑ کے معتقد تھے، اور ان کو یہ منظور تھا کہ مسیح کے لوگ معتقد اور مطیع ہو جاویں، اور اس سبب سے ہماری عزت اور ریاست بڑھ جاوے، اور دنیا کی سلطنتیں اور نعمتیں ہاتھ آویں، اور اسی سبب سے سب قسیس لوگ اب تک مدت دراز سے اوروں کے فریب دینے کو اپنے فوائد دنیوی کے لئے اس امر میں متفق ہوں، جیسا کہ بت پرستوں کے پنڈت اور علماء

ایک مدت دراز سے اسی سبب سے اب تک آپس میں ایک زبان ہوکر اپنے اوتاروں کی بہت سی کرامتیں نقل کرتے ہیں، حالانکہ بت پرستوں کے علماء مسیحی علماء سے زیادہ نہیں، چنانچہ سیاح اور تواریخ داں (تاریخ داں) اس بات کو خوب جانتے ہیں، اور قرینہ بھی اس بات کو چاہتا ہے، کیوں کہ پہلے طبقے کے مسیحیوں میں سے سب سے بڑے مرتبے والے مسیحؑ کے بارہ حواری ہیں، جن کے حق میں عموماً اور جناب پتر کے حق میں خصوصاً اس انجیل مروج الحال کے اندر بہت کچھ مرقوم ہے، مثلاً باب دسویں متی میں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

"۱۔ اس نے اپنے بارہ مرید کو پاس بلا کر انہیں قدرت بخشی تا کہ ناپاک روحوں کو نکالیں، اور ہر طرح کی بیماری اور ہر قسم کے آزار سے شفا بخشیں۔

۲۔ اور بارہ حواریوں کے نام یہ ہیں:
پہلا شمعون[1] جو پتر کہلاتا ہے، اور اس کا بھائی اندریاہ[2] اور زبدی کا بیٹا یعقوب[3] اور اس کا بھائی یوحناہ[4]۔

۳۔ فلپ[5] اور برتھلمی[6]، تھوماہ[7] اور باجدار متی[8] الفی کا بیٹا یعقوب[9] اور لبّی[10] جس کا لقب تہدی تھا۔

۴۔ اور شمعون[11] کنعانی اور یہودیای[12] ایش کریوتی جس نے اسے پکڑوادیا۔

۸۔ بیماروں کو چنگا کرو، کوڑیوں کو پاک کرو، مردوں کو جلاؤ، دیووں کو دور کرو، تم نے مفت پایا ہے، مفت دو"

اور لوقا کے باب بارہویں کے درس بارہویں میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

"جو تمہیں کہنا چاہیے، روح قدس اسی گھڑی تمہیں سکھادیں گے"۔

اور یوحنا کے باب بیسویں کے درس بائیسویں میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''اس نے یہ کہہ کے ان پر پھونک کے کہا، تم روح قدس لو''

اور باب اٹھارویں متی کی اٹھارویں درس میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

میں تم سے سچ کہتا ہوں، جو کچھ تم زمین پر باندھو گے، آسمان پر باندھا جائے گا، اور جو کچھ تم زمین پر کھولو گے، آسمان پر کھولا جائے گا''

اور باب سولھویں متی میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''۱۸۔ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پتر ہے، اور میں اس پتھر پر اپنا کلیسہ بناؤں گا، اور دوزخ کی سازش اس پر فتح مند نہ ہوگی۔

۱۹۔ اور میں آسمان کی بادشاہت کی کنجیاں تجھے دوں گا، اور جو کچھ تو زمین پر باندھے گا، آسمان پر باندھا جائے گا، اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا، آسمان پر کھولا جائے گا''۔

اور یوحنا کے اکیسویں باب میں مصرح ہے کہ:

''جناب پتر سب مریدوں سے حضرت مسیحؑ کے ساتھ محبت رکھتے تھے، اور جناب مسیح نے آخری وقت میں تین بار ان کو فرمایا تھا کہ تو میری بھیڑیں چرا''۔

اور میزان الحق کے دوسرے باب کی ساتویں فصل میں ہے، (نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۰ء):

''۱۴۳ حواری خدا کے رسول اور پیغمبری کے مرتبہ میں بلکہ اس سے بھی بالاتر تھے، اس دلیل سے کہ اگرچہ اگلے پیغمبروں میں بھی روح القدس کی قوت اور معجزوں کی قدرت تھی لیکن اتنے نہ تھے کہ کسی دوسرے کو بھی روح القدس کی قوت دے سکیں، یہ رتبہ صرف حواریوں ہی کو ملا تھا''۔

ان عبارتوں کے موافق حواری لوگ مسیحؑ کے برگزیدے اور روح القدس سے

مستفیض تھے، اس حد تک کہ ہر کہنے کی بات ان کو روح القدس سکھاتا تھا، اور بھوت پلید کے نکالنے اور ہر طرح کی بیماری سے شفا بخشنے کی، یہاں تک کہ کوڑھیوں کے اچھا کرنے، اور مردوں کو جلانے کی بھی قدرت رکھتے تھے، اور گویا تقدیر ربانی ان سب کی عموماً اور جناب پطرس کی خصوصاً محکوم تھی کہ جس چیز کو یہ باندھتے یا کھولتے تھے، وہی بندیا کھل جاتے تھے، اور جناب پطرس حواری اوروں سے زائد یہ بزرگی بھی رکھتے تھے کہ مسیح کے کلیسا کی بنیاد اور مسیح کے عاشق اور آسمان کی بادشاہت کی کنجیوں کے مالک تھے، اور پادری صاحب کے اقرار کے موافق حواری لوگ خدا کے رسول اور موسیٰ اور اگلے پیغمبروں سے افضل تھے، تو اب اس جگہ طوالت کا خوف کر کے انہیں حضرات کا حال کچھ تھوڑا سا نقل کریں گے، اور جب ان کا حال معلوم ہو گیا، تو اس طبقے کے اور لوگوں کے حال کو ہر کوئی ان حضرات کے حال پر قیاس کر لے گا۔

پس حال ان کا سنئے۔

بارہ حواریوں کا حال کتب مقدسہ سے

اول

اول یہ کہ متی کے سولہویں باب کے آٹھویں درس میں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء):

"اے کم اعتقاد تم اپنے دل میں کیوں گمان کرتے ہو" الخ۔

(عربیہ ۱۶۷۱ء و ۱۸۲۱ء):

"ماذا تفکرون فی نفوسکم یا قلیل الإیمان الخ"۔

اس میں جناب مسیح حواریوں اور مریدوں کو کم اعتقاد اور قلیل الایمان فرماتے ہیں۔

دوم

دوم یہ کہ متی کے سترہویں باب کے اندر اس حال کے بیان میں کہ حواری ایک جگہ دیو کو نہ نکال سکے تھے، یوں مرقوم ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء):

"۱۹۔ تب مریدوں نے خلوت میں یسوع پاس آ کے کہا: ہم اسے کیوں دور نہ کر سکے؟

۲۰۔ یسوع نے ان سے کہا اپنی بے ایمانی کے سبب سے، کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں اگر تمہیں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو تو اگر تم اس پہاڑ کو کہو کہ یہاں سے وہاں چلا جاوہ چلا جائے گا، اور تمہارے نزدیک کوئی کام محال نہ ہوگا۔

۲۱۔ لیکن اس قسم کا دیو بغیر دعا اور روزے کے دور نہیں ہوتا"

اور درس بیسواں ترجمہ عربیہ مذکورہ میں یوں ہے:

"فقال لهم يسوع لعدم إيمانكم فإني الحق أقول لكم إنه لو كان لكم إيمان مثل حبة خردل لقلتم لهذا الجبل انتقل من ههنا إلى هنالك فينتقل ولا يكون لكم شئ غير ممكن".

اس میں جناب مسیحؑ حواریوں اور اور مریدوں کو فرماتے ہیں کہ بے ایمان ہیں، اور رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں رکھتے، اور روزہ اور نماز ادا نہیں کرتے، اب تعجب یہ ہے کہ جب ان حضرات حواریین کو کہ پادری صاحب کے اقرار کے موافق خدا کے رسول اور اور انبیاء سے افضل ہیں، رائی کے دانہ کے برابر ایمان نہ ہو، تو اب اور انبیاء بنی اسرائیل کے ایمان کا کیا ٹھکانہ رہا۔

سچ ان کی کتب مقدسہ کے موافق تو کچھ بھی ٹھکانہ نہیں، دیکھو، سلیمان پیغمبر نے بڑھاپے میں بت پرست ہو کے بتخانہ بنوایا، اور ہارون پیغمبر نے آپ ہی گوسالہ پرستی کی، اور بنی اسرائیل سے بھی کروائی، اور حضرت لوطؑ نے اپنی بیٹیوں سے زنا کیا، اور وہ

زنا سے حاملہ ہوکر بچے جنیں، اور حضرت داؤد نے اوریا کی جورو سے زنا کیا، اور وہ بھی حاملہ ہوکر بچہ جنی، چنانچہ سلیمانؑ کا (حال) دوسرے سوال کے جواب میں اور ہارونؑ اور لوطؑ اور داؤد علیہم السلام کا حال سترہویں سوال کے جواب میں آئے گا، اور دوسرے انبیاء اسرائیل بھی اکثر زنا کاری کرتے تھے، اور جھوٹ بولتے تھے، اور شرابیں پی کے مست بن بن کے گمراہی اور کج روی کی باتیں کیا کرتے تھے۔

کتاب یرمیا کے باب چھٹے کے درس تیرہویں اور باب آٹھویں کے درس دسویں میں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۳ء):

''چھوٹے سے بڑے تک سب اپنے کو لالچ میں دیتے، اور نبی سے کاہن تک سب جھوٹ سے چلتے ہیں''

اور اسی کتاب کے باب تیئسویں میں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۳ء:)

''۹۔ نبیوں کے باعث سے میرا دل میرے اندر چور ہورہا ہے الخ۔

۱۱۔ نبی اور کاہن دونوں ناپاک ہیں، ہاں میں نے اپنے گھر میں ان کی برائی پائی، خداوند کہتا ہے۔

۱۳۔ اور میں نے سمروں کے نبیوں میں نادانی دیکھی ہے، انہوں نے بعل سے نبوت کی، اور میرے لوگ اسرائیل کو گمراہی میں ڈالا۔

۱۴۔ یہی میں نے یروشلم کے نبیوں میں ہولناک چیز دیکھی، وہ زنا کاری کرتے اور جھوٹ سے چلتے ہیں، بدکاروں کے ہاتھوں کی بھی وہ تقویت دیتے ہیں، یہاں تک کوئی اپنی برائی سے نہیں پھرتا، وہ سب مجھے سدوم کی مانند ہیں، اور اس کے باشندے عمورہ کی مانند۔

۱۶۔ رب الافواج یوں کہتا ہے کہ ان نبیوں کی باتیں مت سنو، جو تم کو نبوت کرتے ہیں، وہ تم کو باطل کراتے، وہ اپنے دل کی رویت (خیال) کہتے ہیں، نہ خداوند کے منہ کی کہی ہوئی''

اور کتاب اشعیاؔ کے اٹھائیسویں باب کے ساتویں درس میں ہے (فارسیہ ۱۸۳۸ء):

''ہم کاہن وہم نبی بسبب مسکر گمراہ شدند، از مے بیہوش گشتند، بسبب مسکر کجرو شدند، در عالم رویا گمراہ شدند، در راہ عدل لغزیدند''

اور کتاب صفنیاہ کے تیسرے باب کے چوتھے درس میں یروشلم کی مذمت یوں ہے (ہندیہ ۱۸۴۳ء):

''اس کے نبی لاف زن اور بے ایمان ہیں، اس کے کاہنوں نے مقدس کو ناپاک کیا ہے، وہ شریعت سے باہر گئے ہیں''

اسی طرح اور جگہ مرقوم ہے۔

سوم

سوم یہ کہ مرقس کے چھٹے باب کے درس بانویں میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء ۱۸۴۶ء):

''وہ اپنی سخت دلی کے سبب سے روٹیوں کے معجزے کو نہ سمجھتے تھے''

اس میں مسیحؑ کے حواری اور اور (دوسرے) مرید سخت دل کہے گئے۔

چہارم

چہارم یہ کہ متی کے باب چھبیسویں میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء):

''۱۴۔ تب ان بارہ سے ایک نے جس کا نام یہوواہ ایش کریوتی تھا، سردار اماموں پاس جا کر کہا۔

۱۵۔ اگر میں اسے (یعنی عیسیٰؑ کو) تمہارے حوالہ کروں تم مجھے کیا دو گے، انہوں نے اسے تیس روپیہ دینے کا اقرار کیا۔

۱۶۔ اس وقت سے وہ قابو ڈھونڈتا رہا کہ اسے پکڑوا دے۔

۳۰۔تب وہ گیت گا کے زیتون کے پہاڑ کو گئے۔

۳۱۔اس وقت یسوع نے ان سے کہا تم سب آج کی رات مجھ سے بیزار ہو گے'' الخ

۳۳۔ پطرس نے جواب دیا، اگر تجھ سے سب بیزار ہوئیں میں کبھی بیزار نہ ہوں گا۔

۳۴۔یسوع نے اس سے کہا کہ میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج تو مرغ کی بانگ دینے سے آگے تین بار میرا انکار کرے گا۔

۳۵۔ پطرس نے اس سے کہا: اگر میرا مرنا تیرے ساتھ ضرور ہو تو بھی تیرا انکار نہ کروں اور سب مریدوں نے بھی یہی کہا۔

۳۸۔تب اس سے کہا، میرا دل مرنے تک بہت غمگین ہے تم یہاں میرے ساتھ جاگتے رہو۔

۳۹۔اور وہ تھوڑی دور جا کے اندھے منہ گرا الخ

۴۰۔ تب مریدوں کے پاس آیا، اور انہیں سوتے پا کے پطرس سے کہا: کیا تم ایک گھڑی میرے ساتھ جاگ نہ سکے۔

۴۱۔جاگو اور دعا مانگو الخ۔

۴۲۔ پھر وہ دوبارہ گیا الخ۔

۴۳۔ اور وہ آ کے انہیں پھر سوتے پایا کہ ان کی آنکھیں نیند سے بھریں تھیں۔

۴۴۔اور انہیں چھوڑ کر پھر گیا الخ۔

۴۵۔پھر اپنے مریدوں کے پاس آ کے ان سے کہا اب سوتے اور آرام کرتے رہو، دیکھو وقت نزدیک آ پہنچا الخ۔

۴۷۔جس وقت وہ یہ کہہ رہا تھا یہوداہ جو ان بارہ میں سے ایک تھا، سردار، امام اور لوگوں کے مشائخ کی طرف سے تلواریں اور سونٹے لئے ہوئے بڑی

جماعت کو ساتھ لے کے آیا۔

۵۰۔ تب وے آپہنچے اور اسے دستگیر کیا اور پکڑلیا۔

۵۶۔ اس وقت سب مرید اسے چھوڑ کے بھاگے۔

۵۷۔ جنہوں نے یسوع کو دستگیر کیا تھا وہ سردار امام قیافہ (کائفہ) پاس جہاں کاتب اور مشائخ جمع ہوئے تھے اسے لے گئے۔

۵۸۔ اور پطرس اس کے پیچھے سردار امام کے دیوان خانہ تک چلا گیا، اور اندر جا کے نوکروں کے ساتھ بیٹھا تھا، تاکہ انجام دیکھے۔

۶۹۔ جب پطر باہر دیوان خانے میں بیٹھا تھا، ایک لونڈی اس پاس آئے بولی کہ (تُو) یسوع جلیلی کے ساتھ بھی تھا۔

۷۰۔ پر اس نے سب کے آگے انکار کر کے کہا میں نہیں سمجھتا تو کیا کہتی ہے۔

۷۱۔ اور جب وہ دہلیز میں باہر گیا ایک دوسرے نے اسے دیکھ کر ان سے جو وہاں تھے کہا: یہ شخص بھی یسوع ناصرت کے ساتھ تھا۔

۷۲۔ اس نے قسم کھا کے پھر انکار کیا کہ میں اس شخص کو نہیں جانتا۔

۷۳۔ اور تھوڑی دیر پیچھے وہ جو وہاں کھڑے تھے پطر پاس آ کے بولے: بے شک تو بھی انہیں میں سے ہے کہ یہ تیری بولی سے ظاہر ہوتا ہے۔

۷۴۔ اس وقت اس نے لعنت کرنا اور قسمیں کھانا شروع کیا کہ میں اس شخص کو نہیں جانتا، اور اسی وقت مرغ نے بانگ دی''۔

اور اسی طرح یہ حال مرقس کے چودہویں باب اور لوقا کے بائیسویں باب میں مرقوم ہے۔

اور بعض درس مرقس کے باب کے یوں ہیں:

''۳۱ تب اس نے بار بار کہا، اگر تیرے ساتھ میرا مرنا ضرور ہو، تو بھی

کبھی تیرا انکار نہ کروں گا، ان سبھوں نے بھی ویسا ہی کہا۔

۴۰۔ پھر وہ آ کے انہیں سوتے پایا، اور پطر سے کہا، اے شمعون تو سوتا ہے، کیا تو ایک گھڑی جاگ نہ سکا۔

۴۱۔ پھر تیسرے بار آ کے ان سے کہا کیا تم اب بھی سوتے ہو، اور آرام کرتے ہو، بس ہی وقت آ پہنچا الخ۔

۴۶۔ اور انہوں نے اس پر ہاتھ بڑھا کے اسے پکڑ لیا۔

۵۰۔ تب وہ سب اسے چھوڑ کے بھاگ گئے۔

۵۱۔ مگر ایک جوان جو سوتی چادر اپنے بدن پر اوڑھے تھا، اس کے پیچھے ہو لیا، اور جوانوں نے اسے بھی پکڑا۔

۵۲۔ پر وہ سوتی چادر ان کے ہاتھوں میں چھوڑ کر ننگا بھاگا۔

چند قابل غور باتیں

اب یہاں کئی باتیں غور کے قابل ہیں:

پہلی

پہلی یہ کہ حضرت مسیحؑ کے سب حواری اور مرید پرلے درجے کے ضعیف الایمان اور نامردے اور بیوفا تھے کہ ان کی گرفتاری کے وقت ان کو تن تنہا چھوڑ کر سب اڑ گئے، باوجودیکہ بڑا دم وفا کا بھرتے تھے۔

دوسری

دوسری یہ کہ اگر نامردی اور بیوفائی کے سبب ان کو جناب مسیحؑ کے ساتھ گرفتار ہو جانا یا جان کا دینا مشکل تھا، تو کیا یہ بھی مشکل تھا کہ جناب مسیحؑ کے ارشاد کے موافق، اور ان کی بے چینی اور غمگینی کا لحاظ کر کے اس رات میں جاگتے رہتے، مگر نہ جاگے، اور

سو ہی رہے، اور جناب مسیحؑ نے پہلی بار جگا کر شکایت کے طور پر سب کو عموماً اور جناب پتر حواری کو خصوصاً فرمایا کہ کیا تم ایک گھڑی میرے ساتھ نہ جاگ سکے؟ اور اے شمعون تو سوتا ہے، کیا تو ایک گھڑی جاگ نہ سکا؟ اور افسوس کہ اس شکایت کا بھی کسی نے خیال نہ کیا پھر چین سے سو رہے، یہاں تک کہ تیسری بار آپ نے دق ہو کر فرمایا: کیا تم اب بھی سوتے ہو، اور آرام کرتے ہو؟ بس ہی وقت آ پہنچا۔

اور ظاہر ہے کہ ان کو اگر ذرا بھی محبت مسیحؑ کی ہوتی، تو کبھی ان کو ایسے وقت میں نیند نہ آتی، دنیاداروں کا یہ حال ہے کہ اگر ان کے کسی عزیز پر بڑی بے قراری ہوتی ہے، تو اس وقت بے چین ہو کر گھبرا اٹھتے ہیں، اور ان کی آنکھوں سے صاف نیند اڑ جاتی ہے

تیسری

تیسری یہ کہ یہودا ایش کریوتی خدا کے رسول اور مسیح کے برگزیدے حواری اور صاحب کرامات مستفیض بروح القدس کو دیکھو کہ بمقتضائے رسالت کے کرامت کی راہ سے روح القدس کے فیضان کے موافق اس نے کیا کیا؟ کہ فقط تیس ہی روپیہ کی لالچ سے بے ایمان ہو کر جناب مسیحؑ کو پکڑوا دیا، اور آپ دوزخ کا کندا بنا، غریب مچھوری (مچھیرا) تھا، تیس روپیہ بھی اس کو ایک بڑی ہی دولت معلوم ہوئی کہ اس نقدی پر آخرت کا ادھارا سے پسند نہ آیا، سبحان اللہ! ایسے بھی خدا کے رسول اور روح القدس سے بھر پور ہوتے ہیں، حضرات عیسائیوں کے نزدیک نبوت بھی کیا ہے، ایک امر ذلیل ہے۔

چوتھی

چوتھی یہ کہ جناب پتر حواری نے جو مسیحؑ کے کلیسے کی بنیاد اور ان کے عاشق اور نائب اور آسمان کی بادشاہت کی کنجیوں کے مالک تھے، اور تقدیر ربانی گویا ان کی محکوم تھی، اپنی جلالت کے موافق اور عشق عیسوی کے مطابق کئی امر اس وقت میں کیئے۔

اولاً

کئی بار جناب مسیح کے قول کی تکذیب کی، باوجودیکہ دوسرے مرتبے میں مسیحؑ نے تاکیداً یوں فرمایا تھا کہ:

''میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ تو آج مرغ کے بانگ دینے سے آگے تین بار میرا انکار کرے گا۔
پھر بھی تکذیباً بار بار کہوں گئے (کہتے گئے)
کہ کبھی انکار نہ کروں گا، گو تمہارے ساتھ میرا مرنا ہو''۔
چنانچہ مرقس کے اکتیسویں درس سے سمجھا جائے۔

ثانیاً

باوجود اس عشق اور محبت کے اور اس بڑے بول کے گرفتار ہوتے ہی جناب مسیح کے اڑ گئے، اور افسوس اس قدر بھی نہ ٹھہرے، جس قدر وہ سوتی چادر والا جوان ٹھہرا تھا، اور چادر چھوڑ ننگا بھاگتا نظر آیا۔

ثالثاً

دروغ حلفی کی راہ سے جھوٹی قسم کھا کے کہا'' کہ میں اس شخص کو نہیں جانتا،'' شاید یہ امر بھی روح القدس کے الہام سے کیا ہو بلکہ اس جگہ خود روح القدس ہی ان کی زبان پر بولا ہو کیوں کہ جناب مسیح نے فرمایا تھا: جو تمہیں کہنا چاہیے، روح القدس تمہیں سکھاوے گا لیکن اس صورت میں روح القدس کے الہام میں تناقض ہوتا ہے کیوں کہ متی کے پانچویں باب کے چونتیسویں درس میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''میں تم سے کہتا ہوں ہرگز قسم نہ کھانا الخ''۔

پس اس کے موافق سچی قسم بھی شریعت عیسویہ میں درست نہیں، چہ جائے

جھوٹی قسم کے۔

رابعاً

اعظم الحوارین (سب سے بڑے حواری) کے اتنے مبالغہ کا کہ قسمیں کھائیں، اور لعنت کا کوئی سبب نہ تھا، کیوں کہ یہود کو بالذات کچھ بڑی مزاحمت جناب مسیحؑ کے شاگردوں سے نہ تھی، شاید اگر ظاہر ہو جاتا تو انہیں وہاں سے نکال دیتے یا کچھ برا بھلا کہہ بیٹھتے۔

پس اتنے امر کے خوف سے کیا اتنا مبالغہ چاہیے؟

خامساً

جب جناب اعظم الحوارین نے اپنی زبان سے لعنت کی تو اب پوچھا جاتا ہے کہ بموجب اس وعدہ مسیحی کہ:

> ''میں آسمان کی بادشاہت کی کنجیاں تجھے دوں گا، اور جو کچھ تو زمین پر باندھے گا، آسمان پر باندھا جائے گا، اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا، آسمان پر کھولا جائے گا''

اس لعنت پر کیا اثر مرتب ہوا، اگر وعدہ سچا ہے، تو لعنت کے پڑنے اور ملعون ہونے سے کچھ چارا نہیں اگر وعدہ سچا نہیں، تو یہ اور ہی گل کھلا۔

مسیحیوں سے بعید نہیں کہ شق اول کو اختیار کریں کیوں کہ ملعون ہونا ان کے نزدیک کچھ برا نہیں، خود عقیدہ رکھتے ہیں کہ جناب مسیحؑ ملعون ہوئے، اور اس عقیدے کو باعث افتخار سمجھے ہیں، اور جناب پولوس اس کو کمال کشادہ پیشانی سے اپنے نامہ کے تیسرے باب کے تیرہویں درس میں گلیتوں کو یوں لکھتے ہیں (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

> ''مسیحؑ نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے

بدلے ملعون ہوا''

سبحان اللہ! افراط وہ کہ جناب مسیح کو خدا کہیں اور تفریط یہ کہ ان کو ملعون سمجھیں ، ذات عیسوی کیا ہے، اچھی صفات متضادہ کی جامع ہے، ہم غریب اس عقیدے کو کیا سمجھیں، ہمیں عقل کہاں؟ لیکن اتنا جانتے ہیں کہ اس مروجہ توریت کے موافق جو خدا پر لعنت کرے اور اس کو برا کہے سنگساری اس کی واجب ہے، بلکہ خدا کا کیا ذکر جو ماں باپ کو لعنت کرے، وہ بھی واجب القتل ہے۔

دیکھو اس شخص کا حال جس نے حضرت موسیٰ کے عہد میں خدا کو لعنت کی۔

کتاب القوانین کے چوبیسویں باب میں یوں مرقوم ہے (ہندیہ ۱۸۲۹ء):

۱۳۔ پھر یہواہ نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا۔

۱۴۔ کہ اسے جس نے لعنت کی ہے، خیمہ گاہ کے ہی باہر نکال لے جا، اور سب اس کے سننے والے اپنے ہاتھ اس کے سر پر رکھیں، اور ساری جماعت اسے سنگساری کرے۔

۱۵۔ اور تو بنی اسرائیل سے کہہ دے کہ جو کوئی اپنے خدا پر لعنت کرے گا، اپنے گناہ کو اٹھاوے گا۔

۱۶۔ اور وہ جو یہواہ کے نام کو بد کہے گا، ضرور جان سے مارا جائے گا، ساری جماعت البتہ اسے سنگسار کرے گی، خواہ وہ مسافر ہو خواہ متوطن، جب اس نے کفر بکا تو وہ جان سے مارا جائے گا''۔

اور اسی کتاب کے باب بیسویں کے نویں درس میں ہے، ہندیہ ۱۸۲۹ء:

''اور جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعن کرے، البتہ مار ڈالا جائے گا، الخ''

پنجم

پنجم یہ کہ مرقس کے باب ۱۶ کے درس ۱۴ میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء):

''آخر اس نے ان گیارہوں کو جب وہ کھانے بیٹھے تھے، دکھائی دے کے ان کی بے ایمانی اور سخت دلی کے سبب ملامت کی'' الخ۔

اس میں مصرح ہے کہ جناب مسیحؑ نے عروج کے وقت بھی گیارہ حواریوں کو ان کی سخت دلی اور بے ایمانی پر ملامت کی ہے۔

چھٹی

ششم یہ کہ یوحنا کی بارہویں باب کے چھٹے درس میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء):

وہ (یعنی یہوداہ ایش کریوتی) چور تھا، اور تھیلی ساتھ رکھتا تھا، اور جو کچھ اس میں پڑتا تھا، اسے لے جاتا تھا۔

دیکھو یوحنا حواری یہوداہ کے حق میں کیا گواہی دیتے ہیں، اور اسی چور کو خدا نے اپنا رسول اور مسیحؑ نے اپنا برگزیدہ حواری بنایا تھا، واہ چور بھی خدا کے رسول ہوتے ہیں۔

ساتویں

ہفتم یہ کہ متی کے سولہویں باب تیئسویں درس میں ہے (عربیہ ۱۶۷۱ء و ۱۸۲۱ء:

''فالتفت وقال لبطرس اذهب عني يا شيطان إنك أنت لي شكا لأنك أنت لي شكا لأنك ما تفعلن فيما الله لكن فيما للناس''۔

(فارسیہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء و ۱۸۴۲ء):

''او التفات نمودہ پطرس را گفت اے شیطان از عقب من برو کہ موجب صدمہ من ہستی زیرا کہ سرشت تو از الہیات نیست بلکہ از انسانیات است''۔

(ہندیہ ۱۸۴۲ء):

''پر اس نے پھر کے پطر سے کہا اے شیطان مخالف میرے سامنے سے دور ہو تو میرے لئے ٹھوکر کھلانے والا پتھر ہے کیوں کہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمی کی باتوں کا خیال رکھتا ہے'' الخ۔

(ہندیہ ۱۸۴۱ء):

''اس نے متوجہ ہو کے پتھر کو کہا کہ اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو'' الخ

دیکھو حضرت مسیح جناب پطر کو شیطان اور اپنا مخالف اور ٹھوکر کھلانے والا پتھر اور خدا کی باتوں کا خیال نہ رکھنے والا اور الہیات کی سرشت سے بے نصیب فرماتے ہیں، اور جب اس بڑے حواری کا یہ حال ہو تو اور کے حال کو کیا سمجھیں۔

اٹھویں

ہشتم یہ کہ جناب پولوس گلاتیوں کے دوسرے باب میں لکھتے ہیں: (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''۱۱۔ جب پطر انتاخیا میں آیا تب میں نے روبرو اس سے مقابلہ کیا کہ وہ ملامت کے لائق تھا۔

۱۲۔ کہ وہ اس کے آگے کہ بعضے آدمی یعقوب کی طرف سے آئے غیر ملکیوں کے ساتھ کھایا کرتا، جب وہ آئے تب وہ مختونوں کے ڈر سے پیچھے ہٹا اور الگ ہو گیا۔

۱۳۔ اور باقی یہودی بھی اس کے ساتھ مکر کرنے لگے، یہاں تک کہ برنباہ بھی ان کے مکر میں آ گیا۔

۱۴۔ جب میں نے دیکھا کہ یہ انجیل کی حقیقت کے موافق راہ راست

پر نہیں چلتے میں نے سبھوں کے سامنے پطر سے کہا کہ جب کہ تو یہودی ہو کر یہودیوں کے طور پر نہیں، لیکن غیر ملکیوں کے طور (طرح) اوقات کاٹتا ہے، پس تو کس واسطے غیر ملکیوں کو یہودیوں کے طور پر چلنے کی تکلیف دیتا ہے"۔

دیکھو جناب پولوس جناب پطر حواری کو خصوصاً اور بر بناہ اور دوسرے مسیحیوں کو عموماً ریا کار اور مکار فرماتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: انجیل کے موافق راہ راست پر نہیں چلتے، اور جناب پطر انجیل کے حکم کے خلاف غیر ملکیوں کو تکلیف دیتے تھے کہ یہودیوں کے طور پر چلیں۔

نویں

نہم یہ کہ گلاتیوں کے نامہ کے باب دوسرے کے درس بارہویں اور تیرہویں کے موافق جن کی نقل ابھی گذری معلوم ہوتا ہے کہ جناب پطر حواری نے مختونوں کے ڈر سے تقیہ کیا، اور بر بناہ اور مسیحیوں نے بھی ان کے دیکھا دیکھی یہی طریقہ برتا، اور یہ لوگ جیسا خود تقیہ کرتے تھے، اوروں کو بھی صلاح تقیہ کی دیتے تھے۔

اعمال کے اکیسویں باب میں جناب پولوس کے یروشلم کے آنے کا اور حواریوں اور دوسرے مسیحیوں کے ان کو صلاح دینے کا حال یوں مرقوم ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء):

"۲۰۔ بھائی تو دیکھتا ہے کہ کتنے ہزار یہودی ایماندار ہیں، اور سب کے سب شریعت کے غیرت مند ہیں۔

۲۱۔ انہوں نے تیری خبر پائی ہے کہ تو سارے یہودیوں کو جو غیر ملکیوں میں ہیں، موسیٰ سے پھرنے سکھلا کے کہتا ہے: اپنی اولاد کا ختنہ نہ کرو، اور دستوروں پر نہ چلو۔

۲۲۔ پس کیا ہے؟ جماعت بے شک جمع ہوگی، کیوں کہ وہ سنیں گے کہ

تو آیا ہے۔

۲۳۔ تو وہی کر جو ہم تجھے کہتے ہیں، ہمارے پاس چار مرد ہیں، جنہیں نذر ادا کرنا ہے۔

۲۴۔ ان کو لیکے آپ کو ان کے ساتھ پاک کر، اور ان کے سر منڈانے میں جو خرچ ہے، اسے دے، تو سب جان جائیں گے کہ وہ باتیں جو انہوں نے تیرے حق میں سنی ہیں کچھ نہیں ہیں بلکہ تو آپ بھی دستور پر چلتا ہے۔

۲۵۔ اور غیر ملکیوں میں سے جو ایمان لائے ہیں، ہم نے یوں ٹھہرا کے انہیں لکھ بھیجا کہ بتوں کی قربانیوں سے اور لہو اور گلا گھونٹا جانور کھانے سے اور زناکاری سے پرہیز کرو اور اور کچھ نہ مانو۔

۲۶۔ تب پاول نے ان مردوں کو لیا اور دوسرے دن ان کے ساتھ پاک ہو کے بڑی عبادت گاہ میں داخل ہوا، اور یہ خبر دی کہ پاک ہونے کے مقرری (مقررہ) دن تمام ہونے کے بعد ہر ایک کے لئے قربانی گذارنی جائے گی''۔

دیکھو سب حواریوں اور مسیحیوں نے جناب پولوس کو تقیہ کی صلاح دی، اور ان کے کہنے سے جناب پولوس نے تقیہ کی راہ سے اپنے عقیدے کے خلاف توریت کے دستور پر چلنا اختیار کیا، اور پاک ہو کے چار مردوں کو ساتھ لے کر بڑی عبادت گاہ میں نذر ادا کرنے والوں کی طرح گئے، مگر افسوس کہ یہ تقیہ ان کا کام نہ آیا، اور قید ہو گئے، جیسا اسی باب میں مرقوم ہے، اور ان حواریوں کو دیکھو کہ غیر ملکیوں کو تو لکھ بھیجا تھا کہ چار چیزوں سے پرہیز کرو، اور اور کچھ نہ مانو اور خود تقیہ سات آٹھ برس تک عروج مسیحؑ کے بعد بھی خلاف حکم انجیل کے یہود کی رسوم اور دستورات کے پابند تھے، چنانچہ یہی مروجہ انجیل اور مسیحیوں کی تاریخ اس بات کے شاہد ہیں، اور ولیم میور صاحب اپنی تاریخ کے پہلے باب کے اکیسویں دفعہ میں لکھتے ہیں، نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۸ء صفحہ:

''۱۴۔ اب تک رسول صرف یہودیوں اور سامریوں کو جو بنی اسرائیل کی

کھوئی ہوئی بھیڑ کہلاتے تھے نصیحت اور وعظ کرتے تھے، اگرچہ مسیح نے صاف حکم دیا تھا کہ تمام دنیا میں جا کے سب قوموں کو شاگرد کرو، اور نہ صرف یہودیہ اور سامریہ میں بلکہ زمین کے حد تک گواہ ہو کے میری خوشخبری سناؤ، تو بھی یہودی عادت اور موسیٰ کی شریعت کے موافق اس قدر پابند رہے کہ یہودیوں کے سوا اوروں کو نجات کی خبر نہیں دیتے تھے، اور یہودیوں کے دستور کے بموجب چلتے تھے، خصوصاً اس امر میں کہ غیر قوموں سے کمال پرہیز اور امتیاز رکھتے، یہاں تک کہ کسی اور ملک اور ذات کے آدمی کے ساتھ کھانا پینا بھی منع جانتے، اور اکثر یہودی رسمیں اور قاعدے مثل ختنہ کے واجب اور ضرور جانتے تھے''

اور اس تاریخ سے اس کے بعد بھی سمجھا جاتا ہے کہ ۴۱ء تک یہی حال تھا، اور اس سنہ میں جناب پطرس نے ایک خواب دیکھ کر غیر قوموں کی طرف بھی توجہ کی، اب دو حال سے خالی نہیں کہ یہ حواری اور مسیحی یا تو باوجود جناب مسیح کے ایسے احکام قطعی ہونے کے رسوم اور دستورات کی اس قدر پابندی میں محض نفسانیت اور سرکشی کرتے تھے، یا یہودیوں کے خوف سے تقیہ برتتے تھے، اور ظاہر یہی ہے کہ کیوں کہ جناب پطرحواری اور برنباہ اور مسیحیوں نے انطاکیہ میں بھی انہیں کے ڈر سے تقیہ اختیار کرلیا تھا، جس پر جناب پولوس نے بہت بڑی لے دے کی تھی۔

اور دیکھو جناب پولوس کو کہ جناب پطر حواری پر تقیہ کرنے سے لے دے کریں، اور آپ ان کی صلاح سے اپنی محافظت کو تقیہ کی جال میں پھنسیں، اور کچھ ایک دفعہ بھی نہیں بلکہ تقیہ کو اپنا شیوہ کریں، مثلاً گرفتاری کے بعد جب ان کا مقدمہ فیلکس حاکم کے سامنے رجوع ہوا، وہاں بھی تقیہ کی راہ سے جھوٹ بولا۔

اعمال کے چوبیسویں باب کے سترہویں درس میں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''بہت برسوں کے بعد میں اپنے ملکیوں کے لئے خیرات اور قربانی لے

کے حاضر ہوا تھا"۔

(عربیہ ۱۸۲۱ء):

"وأنا جئت بعد سنين كثيرة لأعطي صدقة إلى بني شعبي ولأقرب قربانا و أوفي نذراً"

ترجمہ:- یعنی میں بہت برسوں کے بعد آیا تھا تا کہ اپنی قوم کو خیرات دوں اور قربانی گذرانوں اور نذر ادا کروں۔

حالانکہ یہ قول "قربانی گذرانوں اور نذر ادا کروں" محض جھوٹ اور تقیہ کی راہ سے ہے، اس واسطے نہ آئے تھے، ہاں یہاں آ کے حواریوں اور مسیحیوں کی صلاح سے تقیہ کی راہ سے نذر والوں کی صورت بنا کر عبادت گاہ میں گئے تھے، اور وعدہ کیا تھا کہ مقررہ دن تمام ہونے کے بعد ہر ایک کے لئے قربانی گذرانی جائے گی، جیسا اوپر بیان ہوا، اور اسی طرح روم میں وہاں کے یہودیوں سے تقیہ کی راہ سے جھوٹ بولا۔

اعمال کے اٹھائیسویں باب کے سترہویں درس میں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

"تین دن کے بعد پاول نے معتبر یہودیوں کو باہم بلایا اور جب وہ اکٹھے آئے ان سے کہا اے بھائیو! میں نے اپنی قوم اور اپنے باپ دادوں کی دستور کے برخلاف کوئی کام نہیں کیا......" الخ۔

(فارسیہ ۱۸۴۱ء):

"و پاول بعد از سہ روز بزرگان یہود را باہم خوانده چوں جمع شدند ایشان را گفت: اے برادران با وجود یکہ از من برخلاف قوم یا رسوم پدران ہیچ صادر نگشتہ است" الخ۔

حالانکہ یہ بات "میں نے اپنی قوم اور اپنے باپ دادوں کی رسوم کے برخلاف" الخ محض غلط ہے، اور یہ جناب توریت کے احکام ظاہریہ اور یہود کے

دستورات کو بالکل نکمے جانتے تھے۔

چنانچہ اسی مروجہ انجیل میں بہت اس کے شواہد مذکور ہیں، مثلاً گلاتیوں کے نامہ کے تیسرے باب میں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''۱۰۔ وہ سب جو شریعت پر عمل کرنے کا بھروسہ رکھتے ہیں، لعنت میں گرفتار ہیں الخ۔

۱۱۔ پر کوئی خدا کے نزدیک شریعت سے نیک نہیں گنا جاتا۔

۱۳۔ مسیحؑ نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلے ملعون ہوا'' الخ

اور افسیوں کے نامہ کے دوسرے باب کے پندرہویں درس میں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''اور اپنا جسم دے کے (یعنی مسیحؑ نے) دشمنی کو یعنی شریعت کے عملی حکموں کو دور کیا'' الخ

عربیہ ۱۸۱۱ء:

" أبطل شريعة(۱)الوصايا بمعتقداته "

یعنی عیسی نے اپنے دین اور مذہب کے سبب شریعت وصایا یعنی توریت کے احکام کو باطل کر دیا''۔

اور گلاتیوں کے نامہ کے باب تیسرے میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''۲۳۔ ایمان کے آنے سے آگے ہم شریعت کے بند میں قید تھے اور اس ایمان کے واسطے جو ظاہر ہونے والا تھا باہم بند تھے''۔

۲۴۔ پس شریعت ہمارا استاد ٹھہرا کہ ہم کو مسیحؑ تک پہنچا دے تا کہ ہم

---

(۱) اور ترجمہ عربیہ ۱۸۲۶ء میں یہ جملہ یوں ہے "أبطل تجده العداوة عن ناموس أحكام السنن" منہ رحمۃ اللہ

ایمان سے نیک گنے جاویں"۔

۲۵۔ پر جب ایمان آ چکا، تو ہم استاد کے تابع نہیں رہتے"

اور اس قسم کی عبارتیں ان کے نامجات میں بہت ہیں، اور اسی طرح تمتھی نے (جسے اپنے نامجات میں فرزند عزیز کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، اور محبت پدری کے تقاضا سے اپنے پہلے نامے کے پانچویں باب کے بیسویں درس میں اس کو شراب نوشی کی اجازت دیتے ہیں) تقیہ کی راہ سے ختنہ کرائے، حالانکہ مختون کو خود بہت ہی برا سمجھتے تھے، اور اعتقاد رکھتے تھے کہ جو کوئی ختنہ کراتا ہے، اس کو مسیحؑ سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا، اور اس کو مسیحؑ سے کچھ کام نہیں رہتا، چنانچہ انشاء اللہ چودہویں سوال کے جواب (۱) میں معلوم ہو جائے گا۔

اعمال کے سولہویں باب کے درس تیسرے میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

"پاول نے اسے (یعنی تمتھی) کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ کر کے ان یہودیوں کے لئے جو ان اطراف میں تھے، اس کو ختنہ کیا الخ"

اور اسی طرح بارہا تقیہ کیا ہے، کہاں تک لکھیں۔

اس لئے خود انہیں کے ایک قول پر اکتفا کرتا ہوں، کرنتھیوں کے پہلے نامہ کے نویں باب میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

"۲۰۔ اور میں یہودیوں کے درمیان یہودی سا ہوا تاکہ میں یہودیوں کو حاصل کروں اور شریعت والوں میں بھی ویسا ہی شریعت والا بنا تاکہ میں شریعت والوں کو حاصل کروں"۔

۲۱۔ اور میں بے شریعت والوں میں بے شریعت والا ہوا (اگرچہ میں خدا کے نزدیک بے شریعت والا نہیں بلکہ مسیحی شریعت والا ہوں) تاکہ میں بے شریعت والوں کو حاصل کروں۔

---

(۱) یعنی اس جواب کے چوتھے مقام کے اندر پہلی قسم کی مثالوں میں سے دسویں مثال کے ذیل میں ۱۲ منہ رحمۃ اللہ۔

۲۲۔اور میں کمزوروں میں کمزور سا ہوا تا کہ میں کمزوروں کو حاصل کروں، میں سب آدمیوں کے واسطے سب کچھ بنا تا کہ میں ہر طرح سے کتنے کو بچاؤں۔

۲۳۔اور میں انجیل کے واسطے یہ کرتا ہوں تا کہ ان کے ساتھ اس کے پھل میں شریک ہو جاؤں''۔

اس میں اقرار کرتے ہیں کہ انجیل کے واسطے میں نے یہ کیا کہ جن میں ملا انہیں سا ہو گیا، مثلاً یہودیوں میں یہودی سا اور بے شرعوں میں بے شرع، اور شریعت والوں میں شریعت والا، اور کمزوروں میں کمزور، علی ہذا القیاس بس اس سے زائد تقیہ کیا ہوگا۔

سبحان اللہ! جناب پولوس نے کیا ہی طریقہ نکالا تھا، بہر حال ان روایات سے ظاہر ہے کہ پہلے طبقے کے مسیحیوں نے کیا حواری اور کیا جناب پطر جو اعظم الحوارین ہیں، اور کیا جناب پولوس تقیہ کیا ہے، اور حواری اور مسیحی جو یروشلم کے نواح میں تھے عروج مسیحؑ کے بعد سات آٹھ برس تک برابر اکثر رسوم اور دستورات میں تقیہ برتتے تھے، اور پھر کبھی کبھی، اور جناب پولوس نے تو اس طریقے کو اپنا ہتکھنڈا ہی ٹھہرا رکھا تھا حالانکہ مسیحی علماء تقیہ کو بے ایمانی بتلاتے ہیں، پادری فنڈر (Fonder) صاحب ''طریق الحیات'' کے صفحہ چھیالیسویں میں یوں لکھتے ہیں، (نسخہ طبع شدہ ۱۸۴۷ء):

''جاننا چاہیے کہ تقیہ ہر حالت میں صرف کم اعتقادی اور بے ایمانی سے ظاہر ہوتا ہے کیوں کہ جو شخص ایمان و اعتقاد کے اس درجہ کو پہنچا ہو کہ خدا اس کا ایسا نگہبان ہے کہ اس کے حکم کے بدون (بغیر) کوئی چیز اسے حاصل نہیں ہو سکتی، بدیہی ہے کہ وہ تقیہ اور جھوٹ پر رجوع نہ کرے گا، تا کہ اس وسیلے سے اپنے تئیں یا دوسرے کو تنگی اور ٹوٹے اور رنج سے بچاوے، اور اسے یقین ہوگا کہ اگر اس کو خدا بچانا چاہتا ہے، تو البتہ کوئی علاج کر دے گا، اور آدمی کے جھوٹ کا محتاج نہیں، اور جو خدا کچھ علاج نہ کرے تو یقین ہے کہ وہی تنگی اور رنج اور نقصان خدا کی مرضی کے موافق ہو کر اس کی بہتری کا باعث ہے، اور وہ اس سبب سے راضی اور

متحمل ہوتا ہے''۔

پس پادری صاحب کے اس اقرار کے موافق لازم آتا ہے کہ وہ سب کے سب بے ایمان اور کم اعتقاد ہوں، اور ان کو خدا کی نگہبانی کا اعتقاد نہ ہو، ورنہ تقیہ اور جھوٹ پر رجوع نہ کرتے، اور جب ان لوگوں کا جو پادری صاحب کے اقرار کے موافق انبیاء سے افضل تھے یہ حال ہو تو دوسرے انبیاء بنی اسرائیل مثلاً ابراہیمؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور داؤدؑ وغیرہ کے جھوٹ بولنے اور تقیہ کرنے سے ہم کیا تعجب کریں، اور انشاء اللہ سوال سترہویں کے جواب میں اس بات کی تشریح آوے گی، اور اس جگہ سے ثابت ہو جائے گا کہ ان لوگوں نے بھی جھوٹ بولا ہے، اور تقیہ کیا ہے۔

ولیم میور صاحب اپنی تاریخ کے پہلے باب کی تیرہویں دفعہ کے اندر لکھتے ہیں:

''مسیح کے حواریوں اور شاگردوں نے اب تک (یعنی مسیح کے مصلوب ہونے تک) اس کی تعلیم کی حقیقت اور مطلب بالکل نہیں سمجھا تھا، اور ان کا سست ایمان دنیوی نعمتوں اور فائدوں کے امید میں لگا تھا، اس کے گرفتار ہوتے ہی وہ سب بھاگ گئے اور پطرس نے جو عدالت میں گیا وہاں اپنے خداوند کا انکار کیا، پھر مسیح کے مصلوب ہونے کے بعد سب بالکل مایوس اور ناامید ہو گئے''۔

دیکھو اس مؤرخ کے اقرار کے موافق یہ لوگ جناب مسیحؑ کے مصلوب ہونے تک ضعیف الایمان تھے، اور ان کی تابعداری میں دنیا کے فائدوں اور نعمتوں کی امید رکھتے تھے، بلکہ یہ امید تھی کہ دنیا کی سلطنتیں ہاتھ آویں گی، اور مچھوے (ماہی گیر) سے بادشاہ کہلائیں گے، کیوں کہ یہود میں مشہور تھا کہ ہماری قوم میں سے مسیح ایک بڑا بادشاہ داؤدؑ کی نسل میں ہوگا، اور اس کے زمانے کو قریب سمجھ کر منتظر تھے، اور حضرت عیسیٰؑ نے (جو مشہور کے موافق داؤدؑ کی اولاد سے ہیں) دعویٰ کیا تھا کہ میں مسیحؑ ہوں، سو اس پر ان غریب مچھویوں نے سوچا کہ آذنا جال کا ٹاپھیک کر اس کی تابعداری کریں،

اور جب یہ اپنے تخت سلطنت پر بیٹھے ہم بھی ریاستوں اور سلطنتوں کے مالک بنیں، اور مچھلی پکڑنے کی مصیبت سے چھوٹیں، اور اس خیال خام پر تابعدار بنیں، اور یہ خیال اگرچہ ان کے دماغ میں جما ہوا تھا، اور اس امید باطل پر دل خوش رکھتے تھے، لیکن حضرت مسیحؑ کے وعدوں سے پکا ہو کر خوب ہی جم گیا تھا۔

متی کے انیسویں باب کے اٹھائیسواں درس میں حضرت مسیحؑ کا قول یوں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء):

''یسوع نے ان سے کہا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم جو میرے پیچھے ہولئے نئی پیدائش میں جب ابن آدم اپنی حشمت کے تخت پر بیٹھے گا تم بھی بارہ تختوں پر بیٹھو گے، اور اسرائیل کے بارہ فرقوں کی عدالت کرو گے''

اور لوقا کے بائیسویں باب میں ہے:

''۲۹۔ اور جس طرح میرے باپ نے میرے لئے بادشاہت مقرر کی میں تمہارے لئے بادشاہت مقرر کرتا ہوں۔

۳۰۔ تاکہ تم میری بادشاہت میں میرے میز پر کھاؤ اور پیو اور تختوں پر بیٹھ کے اسرائیل کے بارہ فرقوں کا انصاف کرو''۔

پس ان وعدوں کے موافق یقین کر بیٹھے کہ بارہ تختوں پر بیٹھیں گے، اور اسرائیل کے بارہ فرقوں پر حکومت کریں گے، اور ہر ایک چاہتا تھا کہ اس سلطنت اور حکومت میں ہی زیادہ ہوں، اور شوق کی زیادتی کے سبب کبھی مضطر ہو کے اس بارے میں جناب مسیح سے عرض کر بیٹھتے تھے۔

مرقس کے دسویں باب میں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء):

۳۵۔ ''زبدی کے بیٹے یعقوب اور یوحناہ نے اس کے پاس آ کے کہا:

''اے مرشد ہم چاہتے ہیں کہ جو کچھ کہیں تو ہمارے لئے کرے''

۳۶۔ اس نے کہا تم کیا چاہتے ہو؟ میں تمہارے لئے کیا کروں؟

۳۷۔ انہوں نے اس سے کہا ہم کو بخش کہ تیری حشمت میں ہم ایک تیرے داہنے ہاتھ اور دوسرا تیرے بائیں ہاتھ بیٹھیں۔

۳۸۔ تب یسوع نے ان سے کہا الخ۔

۴۰۔ میرے داہنے بائیں ہاتھ بیٹھنے دینا سوائے ان کے جن کے لئے یہ تیار کیا گیا ہے میرا کام نہیں ہے۔

۴۱۔ جب ان دسوں نے سنا تو وہ یعقوب اور یوحنا پر غصے ہونے لگے''۔

دیکھو یعقوبؑ اور یوحناہ مفت کا نفع اڑایا چاہتے تھے، مگر جناب مسیحؑ نے اس کا تو وعدہ نہ کیا، اور اپنے کو اس بارے میں بے اختیار بتلایا، اس پر ان کی عرض بے فائدہ گئی ، اور ناحق دس حواری اور رنجیدہ ہوئے ، لیکن کچھ ہو، کچھ مدت اس خیال خام میں بہت ہی خوش رہے، مگر افسوس کہ ان بارہ میں سے ایک نے تو جس کا نام یہوداہ ایش کریوتی تھا، ایسے بڑے وعدے کو جھوٹا جانا، یا شاید اسے ادھار سمجھ کر تیس ہی روپیہ نقد کو غنیمت جان کے اس وعدے سے ہاتھ دھو کے یہودیوں سے اتنے ہی نقد پر جناب مسیحؑ کو پکڑوا دیا، اور حرام موت مر کر دوزخ کا کندا ہوا، اور اس خدا کے رسولؐ اور مسیحؑ کے برگزیدے حواری اور مستفیض روح القدس صاحب الکرامات والمعجزات کے ایمان کی قوت کی ایک بڑی نشانی اور بھی ہے کہ مسیحؑ کے اس وعدے کو غلط یا ادھار سمجھا، اور یہودیوں کے تیس روپیہ کے وعدے کو صحیح اور نقد یقین کر بیٹھا، کیوں کہ متی کے چھبیسویں باب کے پندرہویں درس، اور مرقس کے چودہویں باب کے گیارہویں درس ، اور لوقا کے بائیسویں باب کے پانچویں درس کے موافق یہودیوں نے اس وقت تیس روپیہ کے دینے کا اقرار کیا تھا، اور دئے نہ تھے، اس وقت کے بعد دئے ہوں گے، خیر کچھ ہو ہم کو چاہیے کہ مجھوائے

''امور سلطنت خویش خسروان دانند:''

ایسی بات میں ایسے اشخاص جو روح القدس کے فیضان سے بھرپور اور کرامات اور معجزات کی قدرت رکھنے والے تھے، ان میں بہت کلام نہ کریں، اس لئے اتنے ہی پر اکتفا کر کے کہتا ہوں کہ اس ایک جناب کے نکل جانے کے بعد باقی گیارہ حضرات کا حال یہ ہوا کہ جناب مسیحؑ کے مصلوب ہوتے ہی ان کی بھی کمر ٹوٹ گئی، اور بقول مؤرخ مذکور الصدر کے سب بالکل مایوس ہو گئے، اور تخت نشینی کی وہ آرزو ان کی دل کی دل ہی میں رہ گئی، اور انہوں نے اس آرزو سے ہاتھ دھو کر پھر جال کانٹا سنبھالا، لیکن جناب مسیحؑ جب ان سے پھر ملے، اس پرانی آرزو نے پھر ان کے دل میں جگہ پکڑی، اور عروج کے وقت (جو جدائی کے سبب اضطراب کا وقت تھا) ان کو اس آرزو کی عرض کے سوا اور کچھ نہ سوجھا، اعمال کے اول باب میں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء):

''۶۔ اور انہوں نے اکٹھے ہو کے اس سے سوال کیا۔ اے خداوند کیا تو اسی وقت بادشاہت بنی اسرائیل پر مقرر کرتا ہے۔

۷۔ اس نے ان سے کہا جن وقتوں اور موسموں کو باپ نے اپنے ہی اختیار میں رکھا ہے انہیں جاننا تمہارا کام نہیں''۔

ولیم میور صاحب اپنی تاریخ کے پہلے باب کی سولہویں دفعہ میں روح القدس کے نزول کا حال لکھ کر لکھتے ہیں (نسخہ طبع شدہ ۱۸۴۸ء):

''اس کے پہلے انہوں نے صاف نہیں سمجھا تھا کہ مسیح کی بادشاہت کیسی ہوگی، بلکہ جب وہ آسمان پر چڑھنے کو جاتا تھا، انہوں نے پوچھا کیا تو اسی وقت بادشاہت بنی اسرائیل کی پھر بحال کرے گا، یعنی وہ بادشاہت دنیوی کی امید رکھتے تھے، لیکن اب ان کی جہالت جاتی رہی، اور روح القدس نے ان کو سکھایا کہ مسیحؑ کی بادشاہت صرف روحانی ہے۔''

پس اس مؤرخ والا جاہ نے جیسا پہلے اقرار کیا تھا کہ حواری سست ایمان تھے، اور ان کا ایمان دنیوی نعمتوں اور فائدوں کی امید میں لگا تھا، ایسا ہی اس جگہ بھی اقرار کیا کہ روح القدس کے نزول سے پہلے وہ بادشاہت دنیوی کی امید رکھتے تھے، اب زمانۂ روح القدس کے نزول تک حواریوں کے ضعیف الایمان ہونے میں، اور اسی طرح مسیحؑ کی اطاعت کرنے میں دنیوی نعمتوں اور فائدوں کی امید سے عیسائیوں کو بھی شک نہیں۔

رہی یہ بات کہ روح القدس کے نزول کے بعد ان کی جہالت جاتی رہی، جیسا یہ مؤرخ والا جاہ لکھتا ہے، اور دوسرے عیسائی کہتے ہیں، سو یہ بھی علی الاطلاق مسلم نہیں، کیوں کہ اس کے نزول کے بعد بھی خطاؤں اور گناہوں کے مصدر رہے ہیں، جیسا کہ نمونہ کے طور پر کچھ بیان ان کا اوپر گذرا، اور بالفرض اگر مان بھی لیں کہ یہ ایک جہالت ان کی کہ ہم کو دنیا کی بادشاہت ملے گی، جاتی رہی تھی، تو اس سے بڑھ کر اور دوسری جہالت میں بڑھ گئے تھے، اور وہ یہ کہ ان کو یقین تھا کہ ہمارے طبقے کے لوگوں کی زندگی میں مسیحؑ کا نزول ہو جاوے گا، چنانچہ انشاء اللہ دوسرے اور سترہویں سوال کے جواب میں ہم اس امر کو مفصل ذکر کریں گے۔

پس اس جہالت کے سبب کیا تعجب ہے جو یہ امید ہو کہ اپنی زندگی میں جب مسیحؑ کا نزول ہو جائے گا، تو ہم نزول کے بعد ان بارہ تختوں کے مالک ہو جاویں گے، اور وہ مسیحؑ کا وعدہ جلدی سے وفا ہو جائے گا۔

مگر افسوس کہ یہ بھی آرزو دل کی دل ہی میں رہی، کیا کریں کہ اس خیال باطل میں بھی غالباً جناب مسیحؑ کے بعض اقوال سے پڑے ہوں گے، مثلاً متی کے دسویں باب کے تیسویں درس میں ہے، (ہندیہ ۱۸۴۲ء):

''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم اسرائیل کی بستیوں میں دروبست نہ

پھروگے جب تک کہ ابن آدم نہ آلے"۔

اورسولہویں باب میں ہے،(ہندیہ ۱۸۴۱ء):

"۲۷۔کہ ابن آدم اپنے باپ کے شکوہ سے اپنے فرشتوں کے ساتھ آوے گا،اور ہرایک کواس کے اعمال کی جزادے گا۔

۲۸۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ان میں سے جو یہاں کھڑے ہیں، بعضے ہیں جوموت کا مزہ جب تک کہ ابن آدم کواپنی بادشاہت میں آتا نہ دیکھ لیں نہ چکھیں گے"۔

(فارسیہ ۱۸۴۱ء و۱۸۴۲ء) میں درس اٹھائیسواں یوں ہے:

"بدرستی کہ بشما میگویم کہ ایستادگان کسانے می باشند کہ تا فرزند انسان را درحالتے کہ در ملکوت خود می آید مشاہدہ نہ نمایند ذائقہ مرگ رانخواہند چشید"

اگر یہ اقوال مسیحی ہیں،تو ان سے وہی ظاہر ہوتا ہے، جو حواری لوگ سمجھتے تھے، لیکن حواری لوگ اسرائیل کی بستیوں میں دروبست پھر کر مر بھی گئے،اوراسی طرح اس طبقے کے لوگوں سے جو جناب مسیح کے ارشاد کے وقت وہاں حاضر تھے مر کے سڑ گل گئے،اوراٹھارہ سو برس گذر گئے،اورابن آدم کوآتے نہ دیکھا۔

ظاہر میں تو یہ وعدہ غلط نکل گیا،اور جب اس قدر معلوم ہوا تو کہتا ہوں کہ اے جناب پادری! دیکھئے کہ آپ کا دوسرا احتمال ان حواریوں کے حق میں جن کو آپ موسیٰ اور دوسرے انبیاء بنی اسرائیل سے بھی بڑھ کر جانتے ہو، کیسا جاری ہوتا ہے،اور جب ایسے خطاؤں اور گناہوں کے مصدر(سرچشمہ) ہوں،تو مسیح کا مرید ہونا،ان کے کام نہیں آتا،دیکھو یہوداہ حواری کواوراس مسیحؑ کے قول کو جو متی کے ساتویں باب میں منقول ہے(ہندیہ ۱۸۴۲ء):

"۲۲۔ اس دن بہتیرے مجھے کہیں گے اے خداوند کیا ہم نے تیرے

نام سے نبوت نہیں کی، اور تیرے نام سے دیوں کو نہیں نکالا، اور تیرے نام سے بہت سی کرامتیں ظاہر نہیں کیں۔

۲۳۔ اس وقت میں ان سے صاف کہوں گا کہ میں کبھی تم سے واقف نہ تھا، اے بدکارو! میرے پاس سے دور ہو"۔

جاننا چاہیے کہ یہ سب لکھنا ہمارا الزام کے طور پر ہے، ورنہ عیاذاً باللہ ہم جناب مسیحؑ اور ان کے حواریوں کے بارے میں اعتقاد بد نہیں رکھتے، اور روایات مذکورہ بالا کی ہمارے نزدیک کچھ ایسی سند نہیں کہ ان کے مضامین کو ہم واجب الاعتقاد سمجھیں، اور اسی طرح ایسا کچھ جہاں اس رسالے میں ہم لکھیں گے، بطور الزام کے اس کو سمجھنا چاہیے، اور ایسا نہ ہو کہ اے ناظر اس بات سے تو غفلت برتے یا خدا کا خوف دل سے دور کر کے جاہلوں کے مغالطہ دینے کو میری طرف نسبت کرے کہ وہ تو مسیحؑ اور حواریوں کے جناب میں گستاخی کرتا ہے۔

اللهم أعذني من نزغات الشياطين، و نزوات السلاطين، و معادات المعادين، وعدوان المعادين، و حيل المحتالين و غيل المغتالين، و أخرجني من ظلمات الظالمين، و أدخلني برحمتك في عبادك الصالحين، ولا تلحق بي تغيرا، واجعل لي من لدنك سلطانا نصيرا، ولا تظفر بي أظفار الأعداء، إنك سميع الدعاء۔(۱)

---

(۱) اے اللہ پناہ میں رکھ مجھ کو شیطانوں کے بہکاؤ سے اور بادشاہوں کے فساد سے اور دشمنوں کی دشمنی سے اور ظالموں کے ظلم سے اور مکاروں کے حیلے سے اور ناگہانی ہلاک کرنے والوں کے ناگہانی ہلاک سے اور نکال مجھ کو ظالموں کی تاریکیوں سے اور داخل کر مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں اور مت پہنچا میرے احوال میں کسی طرح کا تغیر، اور کر میرے لئے اپنے پاس سے بڑی حجت مددگار اور غالب مت کر مجھ پر دشمنوں کے ناخن، ٹھیک تو بڑا ہی سننے والا دعا کا ہے۔۱۲ منہ رحمہ اللہ۔

پھر پادری صاحب لکھتے ہیں (نسخہ ۱۸۵۰ء صفحہ ۱۷۰):

''موسیٰ اور مسیح اور حواریوں کے معجزے جس جس نے دیکھے ان کی رسالت پر انہیں یقین حاصل ہوا، پس اس دلیل کی دریافت کرنے کو علم کی کچھ ضرورت نہیں ہے، اور ان لوگوں کے لئے جو بعد ہوئے، اور ہوتے آئیں گے، مسیحؑ اور حواریوں اور موسیٰؑ کے معجزے توریت وانجیل میں مفصل موجود ہیں، پس درحالیکہ مسیح پر ایمان لانے والے نے اپنے دل کی تبدیلی اور باطنی بیماری کی شفا پانے اور حقیقی آرام وتسلی حاصل کرنے سے اپنے دل میں یقین حاصل کرلیا ہے کہ توریت وانجیل خدا کا کلام ہے، تو وہ معجزے جو ان کتابوں میں بیان ہوئے ہیں، ویسی ہی قوی دلیل ہیں جیسے کہ دیکھنے والوں کے لئے تھے''۔

کہتا ہوں میں کہ موافق ان کے ارشاد کے ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کی فصاحت اور بلاغت کے معلوم کرنے کو اہل عرب کہ (جن کو عاجز کرنے کے لئے حکم قطعی نافذ ہوا تھا کہ ایک ہی سورہ کے مقدار بنالاؤ) کو علم کی حاجت نہ تھی بلکہ وہ لوگ اس بات کو اپنے فطری ذوق سے خوب سمجھتے تھے، اور باوجود فطری ذوق کے ان میں لاکھوں آدمی شعر اور نثر کے لکھنے میں یکتائی کا دعوی کرتے تھے اور ان سب پر یہ امر یقیناً کھل گیا تھا، اور عجز ان کا سب پر ظاہر ہو گیا تھا، اور ان کے بعد آج تک اہل علم اور فضل کے کروڑ ہا آدمیوں نے جن کے علم اور دیانت اور تقوی اور امانت میں کوئی شک نہیں اس امر پر گواہی دی، اور ان کی وہ گواہی تواتر کے طور پر منقول ہوئی۔

پس جو شخص تعصب کو چھوڑے گا، ان کروڑ ہا آدمی کی شہادت سے اس کو اس بات کا یقین حاصل ہو جائے گا کہ قرآن کی فصاحت اور بلاغت اعلی درجہ پر اور قدرت بشری سے خارج ہے، اور چونکہ بفضل اللہ قرآن اور حدیث

کے لئے اب تک وہ علوم مدون ہیں کہ ان میں مہارت پیدا کرنے سے آدمی عرب والوں کے مثل عربی زبان کے مذاق سے آشنا بن جاتا ہے، تو جو کوئی ان علوم میں مہارت پیدا کرلے تو اس کو حق الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے، اور چونکہ ہم قرآن کو کلام اللہ فقط فصاحت اور بلاغت ہی کی وجہ سے نہیں جانتے بلکہ اور وجوہ سے بھی کہ ان سے بعض وجوہ کا ذکر اوپر گذرا، تو ان سب وجوہ کے ملاحظے کے بعد اس کا کلام اللہ ہونا یقنی ہے۔

اعجاز قرآن پر

دوسرا شبہ

''اگر بالفرض اس بات کو ہم قبول کرلیں کہ اب تک عربی زبان میں عبارت کی رو سے قرآن کے مانند کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، تو اس سے صرف یہ بات پائی جائے گی کہ قرآن عربی زبان میں عرب کے ساری کتابوں سے عبارت میں افضل ہے، نہ یہ کہ قرآن کی عبارت جہاں کی ساری کتابوں سے افضل اور خدا کا کلام ہو، پوشیدہ نہ رہے کہ یونانی اور لاطینی اور انگلش اور نمہ وغیرہ زبانوں میں ایسی ایسی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں کہ عبارت میں قرآن سے کہیں افضل ہیں، چنانچہ یہ بات فرنگستان کے عالموں میں مشہور و معروف ہے، اور بعض ان میں جنہوں نے عربی زبان سیکھی اور عربی علم میں کمال مداخلت پیدا کی اور عربی کتابیں خوب دیکھے بھالے ہیں، کہتے ہیں کہ عربی کی بعض کتاب مثلاً مقامات حریری و مقامات ہمدانی کے عبارت میں قرآن کے برابر بلکہ اس سے بہتر و افضل ہیں''۔

کہتا ہوں میں جب اس بات کو مانا کہ عرب والے قرآن کی عبارت کے مثل کے بنانے پر قادر نہ ہوئے تو اس کا اعجاز بخوبی ثابت ہو گیا کیوں کہ انہیں کے عاجز کرنے کو بالذات یہ معجزہ لایا گیا تھا۔

قول ان کا

''عبارت میں قرآن سے کہیں افضل ہیں'' الخ۔

مخدوش ہے، اور پادری صاحب کے ذمے واجب ہے کہ ان کتابوں کی عبارت کی افضلیت ان دس ۱۰ وجوہ کے باعتبار جن کا ذکر اوپر گذرا ثابت کریں، ورنہ ایسے دعوے بلا دلیل سے توبہ کریں، اور اگر کوئی دلیل نہیں، اور توبہ بھی مدنظر نہیں، اور فقط زبانی ہی دعوی کرنا منظور ہے، تو عبث ان کتابوں کا ذکر کرتے ہیں، اپنی ہی عبارتوں کو جو عربی میں لکھے ہیں، اور مضحکۂ اطفال ہیں، اور ان کی نقل مقدمہ کے چوتھے امر میں گذری ہے، پیش کر کے فرمادیں کہ یہ عبارتیں بھی قرآن کی عبارت سے کہیں افضل ہیں، اس لئے کون ان کی زبان پکڑے گا، مثل مشہور ہے " کہ مارتے کا ہاتھ پکڑا جاتا ہے، اور کہتے کی زبان نہیں پکڑی جاتی۔

بلکہ حق یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین نے اپنے عہد میں یہ دعوی نہیں کیا کہ اس سے زیادہ ہماری زبان کے اندر فصاحت کا ہونا قدرت بشر سے خارج ہے، اور نہ لکھا اور نہ کروڑہا واقفین نے اس بات کی گواہی دی کہ یہ کلام اول سے آخر تک ایک سا بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر ہے، بخلاف قرآن کے کہ امور مذکورہ میں سب بات اس میں پوری ہوئی، اور اگر پادری صاحب کا ان کتب کی نسبت بھی ان سب امور میں ایسا ہی دعوی ہے، تو بلاشبہ جھوٹ بولتے ہیں۔

اور اگر ہم سب امور سے قطع نظر کریں اور ان دسوں مذکورہ بالا وجوہ کو نہ دیکھیں تو بھی کہتے ہیں کہ اگر وہ کتابیں فصاحت کی راہ سے اچھی ہوں گی، تو بہت سے بہت یہ ہے کہ اس بات میں عوام کے نزدیک قرآن کے اعجاز کے ساتھ مشابہت پیدا کریں گے، لیکن کتب مقدسہ کے موافق اور اہل کتاب کی تسلیم کے مطابق ایسی مشابہت معجزے کے اعجاز کو باطل نہیں کرتی، ورنہ معجزات موسویہ اور عیسویہ مٹی میں مل جائیں گے، جیسا کہ اس کا بیان تفصیل سے اول احتمال کے معارضہ میں ہو چکا، اور

اشعیاؑ اور یرمیا علیہما السلام کی پیش گوئیوں کے مثل نجومی اور رمال بھی کہہ دیتے ہیں، بلکہ یہ لوگ اکثر وقت کو بھی معین کر دیتے ہیں، اور سلاطین کی تاریخوں میں صدہا باتیں ان کی مرقوم ہیں، تو کیا ان مشابہتوں سے ان انبیاء کے معجزات کا اعجاز جاتا رہا، لا و اللّٰہ (نہیں! خدا کی قسم)۔

اسی طرح اگر بالفرض قرآن کے اعجاز کے ساتھ ان کتابوں کی مشابہت ہو جائے گی، تو اس کے اعجاز کو ضرر نہ کرے گی۔

قول ان کا

"بعض کتاب مثل مقامات حریری الخ"

ان لوگوں کا کمال اتنی ترجیح سے معلوم ہو گیا، پادری صاحب کے ذمے واجب ہے کہ ان سے وجوہ ترجیح کی استفسار کر کے ہم کو بھی اطلاع بخشیں، شاید اگر پادری صاحب سچے ہیں، تو ان لوگوں نے مقامات حریری کی عبارت کو قرآن کی عبارت سے لمبی دیکھ کر کہہ دیا ہوگا، جیسا کوئی گدھ کو باز سے اور گدھے کو شیر سے جثہ میں بڑا دیکھ کر قیاساً کہنے لگے کہ بڑا بدن والا چھوٹے بدن والے سے قوت میں بھی بڑا ہوگا، یا سہ نثر ظہوری اور بہار دانش کی عبارت مقفی دیکھ کر کہنے لگے کہ دونوں ایک ہی ہیں۔

اور یاد رہے کہ دو سبب اور بھی ہیں کہ ان کی وجہ سے مسیحیوں کو عربی زبان میں غالباً اس قدر سلیقہ نہیں ہوتا کہ اس زبان کے زیادہ بلیغ کو بلیغ سے تمیز کریں۔

ایک یہ کہ یہ لوگ محمد ﷺ کے عربی ہونے کے سبب عربی زبان کو بھی برا سمجھتے ہیں، اور اس میں بہت محنت کرنا بے فائدہ جانتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ وہ زبان غالباً دنیا کی سب زبانوں سے مختصر ہے، اور اس میں

استعارات اور کنایات کی بڑی گنجائش ہے، اور ان لوگوں کو اپنی قدیمی عادت کے موافق لمبا سادہ کلام پسند ہے، پس وہ زبان ان کی عادت سے بالکل اجنبی ہے، تو کیوں کر ان کو وہ تمیز اس میں حاصل ہو۔

کتب مقدسہ کے عربی تراجم کی خامیاں

اور میرے اس قول کا شاہد یہ بات بھی ہے کہ کتب مقدسہ کے عربی ترجمے باوجودیکہ بہت بڑی کوششوں سے ان کے بڑے بڑے علماء نے جمع ہو کر کئے ہیں، پھر بھی وہ ایسے خراب اور لغت عرب کے محاورے اور صرف اور نحو کے قواعد کے ایسے مخالف ہیں کہ ان سے مطلب کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے، اور میرے پاس بھی جو ترجمے عربی موجود ہیں، اور ان کو کبھی دیکھتا ہوں تو اکثر جگہ مطلب کو اٹکلوں (سے) سمجھتا ہوں۔

اور ایک بہت بڑے عالم مدظلہ العالی نے جو بہت بڑے فاضل، تحریر اور علوم ادبیہ میں بے نظیر ہیں میرے شوق دلانے سے چاہا کہ انجیل مقدس کا عربی ترجمہ ملاحظہ فرمادیں، میں نے ان کو وہ ترجمہ عربی جو دارالسلطنت لندن کے اندر ۱۸۲۱ء میں نسخہ ۱۶۷۱ء کے مطابق چھپا ہے دیا، انہوں نے اکثر مقاموں کو غور کر کے دیکھا آخر کو ترجمہ کی خرابی کی وجہ سے دق ہو کر پھیر دیا، اور فرمایا یہ تو ترجمہ ایسا خراب ہے کہ صحیح مطلب کا سمجھنا اس سے مشکل ہے، اور یہ بات سچ ہے، اور ترجمہ کیوں خراب نہ ہوں کہ کلام کے مطلب کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مفردات صحیح ہوں، اور ترکیب درست، پس جہاں دونوں درست نہ ہوں تو کوئی مطلب کو کیا خاک سمجھے، اور ان لوگوں کے عربی ترجموں بلکہ اور ترجموں میں بھی یہ خرابی ہے کہ مذکر کی جگہ مؤنث اور مؤنث کی جگہ مذکر اور تثنیہ کی جگہ مفرد اور مفرد کی جگہ تثنیہ اور جمع کی جگہ مفرد اور مفرد کی جگہ جمع اور اسی

طرح تثنیہ کی جگہ جمع اور جمع کی جگہ تثنیہ اور مجرور کی جگہ مرفوع یا منصوب اور مرفوع یا منصوب کی جگہ مجرور، اور اسی طرح مرفوع جگہ منصوب کے اور منصوب جگہ مرفوع کے، اور صیغے اپنے گھر کے گھڑے ہوئے لکھتے ہیں۔

ناظرین کی تسکین کے لئے مسیحی علماء کا اقرار بھی اس باب میں نقل کر دیتا ہوں کہ بائبل کا عربی ترجمہ جس کو سینکڑوں علماء حقانی مسیحی زبان داں عبری اور عربی اور یونانی جمع ہو کے اور اگلے ترجموں میں اصلاح دے کے اور اپنے زعم کے مطابق ان کے کمیاں دور کر کے اربانوس ثامن کے حکم سے ۱۶۲۵ء میں بڑی کوشش سے تیار کیا ہے، اور اس میں بھی یہی خرابیاں حضرات مسیحیوں کی عادت کے موافق پڑ گئیں، اس پر ان علماء حقانی کو لاچار ہو کر اقرار کرنا، اور اپنی ان غلطیوں کو روح القدس کے سر پر تھوپنا ناگزیر ہوا، اس پر انہوں نے اس مقدمہ کے اندر جو اس ترجمہ پر لکھا ہے، منجملہ اپنے عذرات کے اس باب میں یہ عذر بھی لکھا جو لفظاً لفظاً انہیں کی عبارت میں منقول ہوتا ہے، اور اس عبارت میں بھی وہی خرابی ہے مگر ناظر ان کے عذر کا لحاظ کر کے ان کو معاف رکھے، اور وہ عبارت یوں ہے:

"ثم إنك في هذا النقل تجد شيئامن الكلام غير موافق قوانين اللغة بل مضاداً لها كالجنس المذكر بدل المؤنث والعدد المفرد بدل الجمع والجمع بدل المثني والرفع مكان الجر والنصب في الاسم والجزم في الفعل وزيادة الحروف عوض الحركات وما يشابه ذلك فكان سببا لهذا كله سداجة (۱) كلام المسيحين فصارلهم نوع تلك اللغة مخصوصاًولكن ليس في اللسان العربي فقط بل في اللاطيني واليوناني والعبراني، تغافلت الأنبياء والرسل والآباء الأولون عن قياس

الكلام لأنه لم يرد روح القدس أن تقيد اتساع الكلمة الالهية بالحدود المضيقة التي حدتها الفرائض النحوية فقدم لنا الأسرار السماوية بغير فصاحة و بلاغة" ۔

ترجمہ:- یعنی پھر تو اس نقل میں مقرر پاوے گا بعض کلام لغت کے (یعنی عرب کی لغت کے) خلاف بلکہ اس کے ضد، جیسے مذکر بدلے مؤنث کے، اور مفرد بدلے جمع کے، اور جمع بدلے تثنیہ کے، اور رفع جگہ جر اور نصب کے اسم میں، اور جگہ جزم کے فعل میں اور حروف کی زیادت حرکات کے عوض اور مثل اس کے، سو ہے ان سب اختلافوں کا سبب مسیحیوں کے کلام کی سادگی (۱) پس ہوگئی ہے اس طرح کی بولی مخصوص ان کے لئے اور یہ بات کچھ عربی ہی میں نہیں، بلکہ لاطینی اور یونانی اور عبرانی میں بھی ہے، (یعنی سادگی کے سبب ان زبانوں میں بھی ایسے ہی پتھر ڈالتے ہیں، جیسے عربی میں ڈالے) تغافل کیا انبیاء اور رسولوں اور اگلے پوپوں نے کلام کے قیاس کرنے سے (قواعد بلکہ قاعدوں کے خلاف یوں ہی اناپ شناپ کہتے رہے)۔

اس لئے کہ روح القدس نہیں چاہتا کہ خدا کے کلام کی فراخی کو نحو کے قواعد کے تنگ حدوں میں بند کرے، سو روح القدس نے اسرار ساوی ہمارے لئے پیش کئے بغیر فصاحت اور بلاغت کے الخ۔

پس دیکھو کہ جب حضرات مسیحیوں کی طبیعت کی سادگی کا یہ حال ہو کہ اپنے دین کی کتابوں کے ترجموں میں جن کو یقیناً کلام اللہ جانتے ہیں ان کو مذکر مؤنث میں تمیز نہیں رہی، اور لغت اور نحو کے قواعد کے مخالف ترجمہ کریں باوجودیکہ اس کے لئے سینکڑوں عالم زبان داں اکٹھے ہوں، اور اس بات میں دین کے لحاظ سے اور منافعِ دنیا کے مدنظر بڑی کوشش کریں اور لاکھوں روپیہ کا صرف ایسے امور میں ہو تو پھر کس طرح کوئی ان کے ایک دو

(۱) اسی طرح یہ لفظ ان کی عبارت میں تھا۔

سے امید رکھے کہ وہ عربی کی زبان میں ابلغ اور بلیغ کو تمیز کر سکتا ہے۔

سبحان اللہ! جس کو پوری تمیز مذکر اور مؤنث میں نہ ہو اس کو ابلغ اور بلیغ میں تمیز کس طرح ہو، اور اس سادگی کے سوا انگلشیوں کے سر پر اک اور طرا ہے کہ ان کی عادت ہے کہ جب ان میں سے کسی کو کسی زبان کے چند الفاظ معلوم ہو گئے، زبان داں بن بیٹھتا ہے، اور اسی طرح اگر کسی علم کے چند مسئلے معلوم ہو گئے اپنے تئیں اس علم کا امام جاننے لگتا ہے، اور کتابیں تصنیف کرنے شروع کرتا ہے، اور اس امر پر انہیں کے ہم مذہب فرانس اور گریک بھی ہنستے ہیں۔

ابو طالب خاں اپنی کتاب ''مسیر طالبی'' میں انگلش کے رذائل کے بیان میں لکھتا ہے:

''ہشتم خطای ایشان در شناختن حد علوم و زبان غیر یعنی بجر د دانستن چند لفظ خود راز بان داں ہر زبان و بہ دانستن چند مسئلہ صاحب العلم میدانند و کتابھای دراں تالیف کردہ بطریق چھاپہ نشر آن مزخرفات می نایند، ایں مرا بگواہی فرانس و گریک کہ تحصیل زبان آنہا در انگلش مروج است معلوم شدہ و از تصرفات کہ در فارسی میکنند بہ یقین پیوستہ''

پھر لکھتا ہے:

''کہ اقسام ایں نوع کتب در لندن آنقدر فراہم آمدہ اند کہ کتب حقہ نزدیک است کہ بعد اندک زماں غیر ممیز ماند''۔

پس ایسے زبان داں اور صاحب علم کی تمیز تو اور بھی ساقط عن الاعتبار ہے، بہر حال مسیحیوں میں سے بعض کی شہادت اس باب میں مقبول نہیں، خصوصاً قرآن شریف کی نسبت کہ تعصب اور بے اعتقادی کے سبب نہ اس کے مطلب پر اچھی طرح غور کرتے ہیں، اور نہ اس کی عبارت پر مناسب انداز میں توجہ کرتے ہیں، بلکہ بمجوائے

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

اچھی بات بھی قرآن کی ان کو بری لگتی ہے۔

پس بالفرض بموجب تحریر پادری صاحب کے بعض نے اگر مقامات حریری اور مقامات ہمدانی کو قرآن پر ترجیح دی ہوگی سبب اس کا یا تو وہی طبیعت کی سادگی ہے، یا وہی عادت حضرات انگلشیوں کی یا تعصب، بہر حال اس بارے میں وہ صاف چوکے ہیں، اور مترجمین کے اس قول سے

"ولکن لیس فی اللسان العربی فقط بل فی اللاطینی والیونانی والعبرانی"

یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان حضرات کی طبیعت کی سادگی سے ان کا یونانی اور لاطینی اور عبری زبان میں بھی ایسا ہی حال ہے کہ مذکر اور مؤنث اور مفرد اور تثنیہ اور جمع اور مرفوع اور منصوب اور مجرور اور مجزوم اور امثال ان کی میں تمیز نہیں کرتے، اور ایک کو دوسرے کی جگہ بولتے ہیں، تو یقیناً ان ترجموں میں بھی وہی خرابیاں ہوں گی، جو عربی کے ترجمے میں ہیں، اور مترجموں کا یہ قول

"تغافلت الأنبیاء والرسل والآباء الأولون عن قیاس الکلام الخ"

کیا ہی بے ہودہ ہے، کیا انبیاء اور رسل کلام غلط پلط، علم قیاسی کے قواعد کے خلاف کہا کرتے ہیں، اور کیا روح القدس کی یہی مرضی ہے کہ کلام ربانی علم قیاسی کے قواعد کے خلاف اور غیر فصیح اور غیر بلیغ ہووے۔

مولوی آل حسن صاحب کیا اچھی بات فرماتے ہیں کہ دیکھو غلطیاں کریں آپ اور تھوپیں روح القدس کے سر پر اور پادری صاحب کی چالاکی یا طبیعت کی سادگی یا لاعلمی دیکھو کہ اس کے جواب میں حل الاشکال کے صفحہ ایک سو اٹھائیسویں کے

اندریوں لکھتے ہیں (نسخہ طبع شدہ ۱۸۴۷ء):

"ہر صاحب عقل کو خوب معلوم ہے کہ کلام کو قواعد علم قیاسیہ پر بیان نہ کرنا اور غلط پلط بیان کرنا ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، دونوں کو برابر جاننا صرف مولوی صاحب کا کام ہے"۔

کہتا ہوں میں اے جناب پادری صاحب جب کلام علم قیاسیہ کے قواعد کے مخالف ہو تو یقیناً غلط پلط ہوگا، اس لئے علم قیاسیہ میں لغت اور صرف اور نحو اور علوم ادبیہ بھی داخل ہیں، اور قواعد نحویہ کا خود ہی مکرر ذکر ہوا، اور علم صرف میں وہ قواعد بیان ہوتے ہیں، جن سے الفاظ کے مادے کی صحت معلوم ہو، اور نحو میں وہ قواعد بیان ہوتے ہیں، جن سے اعراب کی اور ترکیب کی صحت معلوم ہو، اور اسی طرح اور علوم مذکورہ میں کلمات اور کلام کے احوال سے بحث ہوتی ہے۔

پس جو کلام ان علوم کے مخالف ہوگا، یقیناً غلط ہوگا، اور ہرگز روح القدس مذکر کو مونث کی جگہ نہیں بول سکتا۔

پس دونوں میں زمین و آسمان کا فرق سمجھنا یا پادری صاحب کی محض چالاکی اور مغالطہ دہی ہے، یا وہی طبیعت کی سادگی جو حضرات مسیحیوں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ کہ جناب اب تک نہیں جانتے کہ علوم قیاسیہ اور علم نحو کیا چیز ہے، اور چونکہ مولوی صاحب ان علوم کو جانتے تھے تو پادری صاحب کا اپنی نسبت سے حصر اضافی کر کے یہ فرمانا دونوں کو برابر جاننا حضرت مولوی صاحب کا کام ہے، بہت ہی سچ ہے۔

مزدار اور نظام کی تردید

پھر پادری صاحب اسی شبہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

مخفی نہ رہے کہ عرب کے بھی بعض علماء نے اقرار کیا ہے کہ قرآن کی عبارت اعجاز اور

لاثانی نہیں ہے، پھر مزدار(۱) کا قول جو فرقہ معتزلہ میں سے ایک خبطی گزرا ہے، اور چند مسائل قبیحہ کی وجہ سے اپنے فرقہ معتزلہ میں بھی مردود تھا، شاہ اسماعیل کی تاریخ اور شرح مواقف اور ملل نحل سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتا تھا کہ:

''فصاحت اور بلاغت میں قرآن کے مثل بنانے پر آدمی قادر ہے''۔

اور نظام معتزلی کا قول نقل کرتے ہیں (۲) کہ وہ کہتا تھا کہ:

''قرآن کا اعجاز اس اعتبار سے ہے کہ اخبار ماضیہ اور پیشین گوئیوں پر مشتمل ہے، اور اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے معارضہ اور بحث کے اسباب کو روک دیا، اور جبر اور تعجیز کی راہ سے عرب کو اہتمام سے منع کر دیا، وگرنہ وہ قدرت رکھتے تھے کہ ایک سورہ قرآن کے مثل بلاغت اور فصاحت اور نظم میں بنا لاتے''

پھر ان کے اقوال کی نقل کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''اگرچہ اہل شرع ان لوگوں کی بات قبول نہیں کرتے بلکہ کفر جانتے ہیں الخ''۔

کہتا ہوں میں کہ اگر ایک دو مزدار کے مثل (جن کو پادری صاحب کے اقرار کے مطابق اہل اسلام نہیں مانتے، اور ان کی بات کو کفر جانتے ہیں) سوداوی خلط کے غلبہ سے کچھ بک دے، اس کے قول کی کچھ سند نہیں، ہاں اگر اس نے ایسا دعویٰ کر کے کوئی قرآن کے مثل عبارت لکھ دی ہو یا کسی اور کی عبارت قرآن کے مثل پیش کی ہو، تو پادری صاحب اس کو پیش کریں، اور اگر فقط زبانی ہی یہ دعویٰ کیا ہے، تو ایسے مزدار کی نسبت سے تو پادری صاحب بھی بڑھ کے دعویٰ کرتے ہیں، بلکہ اگر اپنی عبارت کو جس کی نقل مقدمہ کے چوتھے امر میں گزری مقابلہ پر لا کے کہیں کہ یہ بھی قرآن کی عبارت سے کہیں افضل ہے، تو کون زبان پکڑے گا، اور

(۱) نام اس کا عیسیٰ بن صبیح اور کنیت اس کی ابو موسیٰ اور مزدار اس کا لقب تھا۔

(۲) نظام کے قول کا ترجمہ پادری صاحب نے اچھا نہیں کیا تھا، اس لئے ہم نے بعینہ اس کو نقل نہیں کیا۔

زبانی تو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا منکر بھی کہہ سکتا ہے کہ میں ان کے معجزے سے اچھے معجزے دکھلا سکتا ہوں، لیکن اس بے ایمان کی بات کو کون مانے گا؟

عیسائیوں کے عیسائیت مخالف اقوال

اور ایک دو کا قول اگر مخالف کے لئے سند ہو سکتا ہے، گو قائل اس کا بلا دلیل سے کہتا ہو، تو پادری صاحب کو اپنا گھر سنبھالنا مشکل پڑے گا، اب کان لگا کے سنیں۔

موشیم اپنی تاریخ کی جلد اول کے صفحہ ۷۰ میں لکھتا ہے کہ:

''فرقہ ابیونیہ جو پہلی صدی میں تھا، یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ حضرت عیسیٰ صرف ایک آدمی تھے، اور حضرت مریمؑ اور یوسف نجار سے اور آدمیوں کے طرح پیدا ہوئے تھے، اور موسیٰ کی شریعت کی اطاعت صرف یہودیوں ہی پر نہیں بلکہ اوروں پر بھی واجب ہے، اور اس کے احکام پر عمل کرنا نجات کے لئے ضروری ہے، اور جو پولوس اس عمل کو ضروری نہیں کہتا تھا، اور بڑے زور سے اس امر میں ان کا مقابلہ کرتا تھا، تو اس کو بہت برا کہتے تھے، اور اس کی تحریرات کی نسبت بڑی بے ادبی سے پیش آتے تھے''

اور لارڈ نر اپنی کتاب الاسناد کی چھٹی جلد کے صفحہ ۳۸۲ میں اُوْرِجن کا قول یوں نقل کرتا ہے کہ:

''فرقہ ابیونیہ کے دونوں گروہ کے لوگ پولوس کے نامجات کو رد کرتے تھے اور پولوس کو دانا اور نیک آدمی نہیں جانتے تھے''

اور یوسی بئیس کا قول اسی صفحہ میں یوں نقل کرتا ہے کہ:

''یہ فرقہ پولوس کے نامجات کو رد کرتا اور اس کو مرتد بتلاتا تھا''

اور بل (Bill) صاحب اپنی کتاب میں اس فرقہ کے بیان میں یوں لکھتا ہے کہ:

''یہ فرقہ عہد عتیق کی سارے مقدس کتابوں میں سے صرف توریت ہی کو

مانتا تھا، اور داؤدؑ اور سلیمانؑ اور یرمیا اور خرقیل کے نام سے نفرت رکھتا تھا، اور عہد جدید سے ان کے پاس صرف انجیل متی کی تھی، اور اس میں بھی بہت جا (جگہ) انہوں نے خرابی کی تھی، اور دونوں باب اول کے خارج کردئے تھے"۔

پھر بل (Bill) صاحب مارسیونی فرقہ کے حال میں لکھتا ہے کہ:

"یہ فرقہ عقیدہ رکھتا تھا کہ دو خدا ہیں، ایک خالق خیر کا اور دوسرا خالق شر کا اور کہتا تھا کہ توریت اور عہد عتیق کی سب کتابیں دوسرے خدا کی دی ہوئی ہیں، اور یہ سب کے سب عہد جدید کے مخالف ہیں"۔

پھر لکھتا ہے کہ:

"وہ فرقہ عقیدہ رکھتا تھا کہ عیسیٰؑ مرنے کے بعد جہنم میں اترا، اور وہاں سے قابیل اور سدوم کے لوگوں کے ارواح کو نجات دی، کیوں کہ وہ عیسیٰؑ کے سامنے حاضر ہوئے تھے، اور انہوں نے اپنی زندگی میں خدا خالق شر کی اطاعت نہ کی تھی، اور ہابیل اور نوحؑ اور ابراہیم اور قدماء ابرار کی ارواح کو دوزخ میں رہنے دیا، کیوں کہ انہوں نے پہلے گروہ کے خلاف کیا تھا، اور یہ فرقہ عقیدہ رکھتا تھا کہ جہان کا خالق وہی خدا نہیں، جس نے حضرت عیسیٰؑ کو بھیجا ہے، اسی لئے عہد عتیق کی کتابوں کو الہامی نہ مانتا تھا، اور عہد جدید میں سے لوقا کی انجیل کو مانتا تھا، اور اس میں سے بھی اول کے دونوں باب کو نہیں مانتا تھا اور پولوس کے نام جات سے دس نامے مانتا تھا، لیکن ان میں بھی جو اس کے خیال کے مخالف تھا، اس کو رد کرتا تھا۔

اور لارڈنر (Lardner) اپنی کتاب الاسناد کی آٹھویں جلد کے صفحہ ۴۸۴ میں لکھتا ہے کہ:

"مارسیوں نے عہد عتیق کی کتابوں کو بالکل الگ کر دیا تھا، اور کہتا تھا کہ یہ کتابیں اس کی بھیجی ہوئی ہیں جو سارے گناہوں اور برائیوں کا خالق ہے، اور اس کے پیرو کہتے تھے کہ توریت اور انجیل ایک شخص کے بھیجے ہوئے نہیں، اس

لئے اول میں بہت سی چیزیں دوسرے کے مخالف ہیں، اور کہتے تھے کہ اول میں بیان ہے کہ جہان کا خالق جاہل ہے کیوں کہ اس نے آدم کو پکارا کہ تو کہاں ہے، اور اسی طرح متلون ہے کہ مختلف حکم دیتا ہے، اور جہان کے پیدا کرنے اور ساول کے بادشاہ کرنے سے پچھتایا۔

پھر اسی جلد کے صفحہ ۴۸۶ میں فرقہ مارسیونی کے حال میں لکھتا ہے کہ

''یہ فرقہ عہد عتیق سے اس قدر نفرت رکھتا تھا کہ عہد جدید کی ان کتابوں سے جن کو وہ مانتا تھا، ان سب درسوں کو جن میں توریت یا اور پیغمبروں کا ذکر تھا یا ان میں ان کتابوں سے حوالہ لیا گیا تھا، یا ان میں حضرت عیسیٰؑ کے آنے کی پیشین گوئی تھی، یا ان میں باپ (یعنی خدا) کو دنیا کا خالق کہا تھا، نکال کے بہت سے فقرے اپنی طرف سے لگا دیئے تھے، اور کہتے تھے کہ یہودیوں کا خدا اور ہے، اور عیسیٰؑ کا باپ اور عیسیٰؑ آئین (۱) کے مٹانے کو آیا تھا کیوں کہ وہ انجیل کے مخالف تھا''۔

پھر لارڈنر (Lardner) اپنی کتاب الاسناد کی تیسرے جلد میں فرقہ مانی کینز کے حال میں آگستاین کا قول یوں نقل کرتا ہے کہ:

''یہ فرقہ کہتا ہے کہ وہ خدا جس نے موسیٰؑ کو توریت دی، اور عبرانی پیغمبروں کے ساتھ بولا سچا خدا نہیں بلکہ شیاطین میں سے ایک شیطان ہے، اور عہد جدید کے مقدس کتابوں کو مانتا ہے، لیکن ان میں الحاق کا قائل ہے، اور جو اس کی پسند آتا ہے اسے لے لیتا ہے، اور باقی کو چھوڑ دیتا ہے، اور بعض جھوٹی کتابوں کو ان پر ترجیح دے کے کہتا ہے کہ یہ کتابیں بالکل سچی ہیں''

پھر لکھتا ہے کہ:

''سب مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ تمام فرقہ مانی کینز کا ہر وقت میں عہد عتیق

---

(۱) یعنی توریت کے احکام کو۔

کی مقدس کتابوں کو نہیں مانتا تھا''

اور اعمال ارکلاس میں اس کا یہ عقیدہ لکھا ہوا ہے کہ:

''شیطان نے یہود کے پیغمبروں کو فریب دیا ہے، اور شیطان ہی موسیٰ اور یہودیوں کے پیغمبروں سے بولا ہے''

اور یوحنا کے باب دسویں کے درس آٹھویں کو سند پکڑتے تھے کہ:

''مسیحؑ نے ان سب کو چور اور ڈکیت کہا ہے، اور اعمال حوارین کو خارج کر دیا تھا۔

اور فاسٹس کہتا ہے کہ:

''اگر تم انجیل کو مانتے ہو، تو تم کو چاہئے کہ سب ان چیزوں کو مانو، جو اس میں لکھے ہیں، اور تم جو عہد عتیق کو مانتے ہو، تو کیا ان سب چیزوں کو جو اس میں لکھے ہیں یقین کرتے ہو؟ بلکہ ان پیشین گوئیوں کے سوا جو اس میں بادشاہ یہود کے حق میں تھیں، جس کو تم مسیح کہتے ہو، اور بعض اخلاق کے نصائح کے سوا تم اس کی کچھ زیادہ قدر نہیں کرتے، بہ نسبت پولوس کے جو اس کو گندگی خیال کرتا ہے۔

پس تب کیوں میں عہد جدید کے ساتھ ایسا ہی نہ کروں کہ جو میری نجات کے لئے مد اور درست ہے اسے ہی مانوں اور ان چیزوں سے جن کو تمہارے باپ دادوں نے اس میں الحاق کر دیں، اور اس کی خوبصورتی اور بہتری کو بدشکل اور خراب کر دیا ہے انکار کروں، کیوں کہ یہ تحقیق ہے کہ اس عہد جدید کو نہ حضرت عیسیٰؑ نے لکھا ہے، اور نہ ان کے حواریوں نے، بلکہ ایک مدت کے بعد کسی گمنام شخص نے لکھا ہے، اور اس نے اس لحاظ سے کہ مبادا اس کو ان حالات سے جو لکھتا ہے، غیر واقف سمجھ کر اعتبار نہ کریں، حواریوں اور حواریوں کے رفیقوں کے نام

لگادیئے ہیں، اور اس نے عیسیٰؑ کے مریدوں کو بڑی تکلیف دی ہے کہ ان کے نام سے ان کتابوں کو جن میں بہت سی غلطیاں اور تضاد ہے بنایا ہے کیا یہ عیسیٰؑ کے مریدوں کے ساتھ جو باہم متفق اور ایک دل تھے، برائی نہیں، اور ہم نے یہ دیکھ کر یہ طور (طریقہ) درست کر لیا ہے کہ ہر چیز کو عقل کے قاعدے کے موافق دریافت کر کے ان چیزوں کو جو ایمان میں مفید اور مسیح اور ان کے باپ خدائے بزرگ کی عزت کے قابل ہیں مانیں، اور ان چیزوں کو جو ایسے نہیں رد کریں، اور جیسا عیسیٰؑ نے عہد عتیق سے بعض چیزوں کو سکھایا اور باقی کو رد کیا، اسی طرح روح القدس جس کی بابت عیسی نے انجیل میں وعدہ کیا تھا، ہمیں سکھاتا ہے کہ کیا ہم مانیں، اور کیا رد کریں، اور کس لئے ہم روح القدس کے وسیلے سے عہد جدید میں وہی نہ کریں جو تم نے عیسیٰؑ کے وسیلے سے عہد عتیق میں کیا خصوصاً اس حال میں جیسا کہ پیشتر کہا گیا، کہ اسے نہ عیسیٰؑ نے لکھا، اور نہ حواریوں نے

بالجملہ جیسا تم عہد عتیق سے صرف پیشین گوئیاں اور اخلاق کی باتیں لیتے ہو، اور ختنہ اور قربانی اور یوم السبت وغیرہا کے احکام کو رد کرتے ہو، تو پھر اس میں کیا قباحت ہے کہ ہم بھی عہد جدید سے صرف انہیں چیزوں کو مانیں، جو ابن کی عزت کے لائق ہیں، اور ان کو اس نے یا ان کے حواریوں نے کہا ہے، اور ان چیزوں کو رد کریں، جو حواریوں نے جہالت سے کہیں یا جھوٹ اور بے حیائی سے ان کی طرف منسوب ہوئیں"۔

اور ولیم میور صاحب اپنی تاریخ کے تیسرے باب کے دوسرے حصہ میں سینتیسویں دفعہ کے اندر لکھتے ہیں (نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۸ء):

"بعضے ایسے فرقے تھے، جن کی عقل وفکر میں بسبب گرمی دماغ اور حرارت دینی کے بالکل خبط ہو گیا تھا، اور ان کی تعلیم ایسی واہی تباہی اور بے انداز تھی کہ تفتیش اور التفات کے لائق نہیں، ان فرقوں میں سے ایک فرقہ کے بانی مُنتَنس نے تخمیناً ۱۷۱ء عیسوی میں پیغمبر کی طرح سے رسالت کا دعوی

کر کے ایشیا کو چک میں دعوت شروع کی، گرمی دماغ اور بدحواسی کے وقت وہ بے ہوش، اور مجنون کی طرح ہو کے یا خواب دیکھ کے بکتا تھا کہ اس کو اس کے پیروالہام کی دلیل جانتے تھے، اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ بھی دعوی کیا کہ میں فارقلیط ہوں یعنی تسلی دینے والا روح القدس، وہ نہایت پرہیزگاری اور سخت ریاضت کرتا تھا، اور اسی سبب سے لوگوں نے اس کو زیادہ مانا، سوائے گرمی دماغ اور خبط کے فرقہ منتسی کوئی خاص خلاف تعلیم نہیں رکھتے، بلکہ کلام الٰہی اور کلیسا کا عقیدہ بدستور مانتے تھے، کلیسیا کی مجلسوں نے ان کو رد کر کے اپنی صحبت سے خارج کیا"

اور لب التواریخ کے تیسرے دفتر کے نویں باب کی سولہویں فصل کے اندر حکمائے فرانس کے حق میں یوں مرقوم ہے (نسخہ طبع شدہ ۱۸۲۹ء):

"تھوڑے ہی عرصے میں خادمان کلیسیا پر چوٹ کرنے سے وہ خود دین پر چوٹ کرنے لگے، اور الحاد نے اس قدر سر اٹھایا کہ جس سے اصول دین اور دیانت اور عزت کو ازبس خلل پہنچنے والا تھا"۔

پھر اسی کتاب کی سترہویں فصل کے اندر انہیں حکماء کے حق میں یوں واقع ہے کہ خلاصہ اس کا یہ ہے:

اگر ہم ان لوگوں کی قابلیت کا انکار کریں تو محض بے معنی اور لغو ہو، کیوں کہ ان میں کے اکثر علم و قابلیت پر از بسکہ قادر تھے، انہوں نے لوگ کی تصنیفات کا درس کیا تھا مگر اس کے اچھے اچھے اصول سے مستفید نہ ہوئے"۔

اور آروی اودن یوں کہتا ہے کہ:

"ہر سیاح کو یہ بات معلوم ہے کہ زمانہ حال میں بیس ملحدوں کے مقابلے میں ایک ایمان دار کا پایا جانا فرانس میں دشوار ہے"

اور مسٹر ہوٹ اپنی کتاب میں جو ۱۸۴۴ء میں چھپی ہے جرمن کے حال میں جو

پادری صاحب کا اصلی ملک ہے یوں لکھتا ہے کہ:

''قریب تمام جرمن کے مدرسوں میں الحاد غالب ہے، کینٹ (Kant) کے عقائد کو ہجل (ہیگل) اور لوگوں نے ترمیم کر کے دین عیسوی کو ایک کہانی ٹھہرادیا ،فلاسفہ نے جرمنی میں دین عیسوی کی باز و توڑ ڈالے، عہد عتیق اور عہد جدید کی اعجازی باتوں کو کہانیاں ٹھہرایا، حضرت عیسیؑ کے معجزات اور یہودیوں کے قائم کرنے کی بابت خدا کی تعجب انگیز باتوں کو اور قوموں کی سی گپ سمجھ لیا، اس فلسفی عقیدے نے اکثر جرمنی کو بری طرح پکڑ رکھا ہے، سب طرف کے فلسفی کرسیاں الحاد سے بھرے ہوئے ہیں، (یعنی معلم بھی ویسے ہی ہیں)۔

جرمن میں طالب علموں کے گروہ میں سے جن کو میں جانتا ہوں، بارہ آدمی چھانٹنے دشوار ہوں گے، جو پکے ملحد نہ ہوں جو لوگ اس وبا کے پھیلنے کا شبہ رکھتے ہوں، آپ جاویں اور دیکھ لیں، لیکن اگر چاہیں کہ لڑکے دانا اور ذی علم اور دین عیسوی کے پکے منکر ہو کر نہ آئیں تو ان کو جرمن میں پڑھنے کو نہ بھیجیں۔

اور معجزۂ شق قمر کے بیان کے ذیل میں گزرا کہ ادرجن نے غلطی کی راہ سے توریت کی اکثر باتیں خیالی طرح سے تمثیل کے طور بیان کی ہیں، اور حکماء یونان اور مشرق کے اکثر فلسفیوں نے اپنے قاعدوں کو بحال رکھ کے انجیل کی تعلیمات کو اپنی مرضی کے موافق ایسا تبدیل کیا تھا کہ گویا وہ نیا مذہب تھا، اور وہی مذہب اکثر مصر اور مشرق میں پھیل گیا تھا۔

پادری فنڈر سے چند سوال

اب پادری صاحب سے پوچھا جاتا ہے کہ اے جناب کیا آپ کے نزدیک موافق اعتقاد اور اقوال فرقے ابیونیہ کی یہ باتیں سند ہیں کہ:

(۱) حضرت مسیحؑ خدا نہ تھے بلکہ ایک آدمی تھے۔

(۲) اور توریت کے احکام اب بھی سب پر کیا، یہودی اور کیا غیر یہودی واجب الاطاعت ہیں۔

(۳) اور ان پر عمل کرنے کے سوا نجات نہیں ہوسکتی۔

(۴) اور پولوس دانا اور نیک آدمی نہ تھا، بلکہ ایک مرتد تھا۔

(۵) اور اس کے نام جات واجب الرد ہیں۔

(۶) اور عہد عتیق کی کتابوں میں سے فقط توریت ہی واجب التسلیم ہے۔

(۷) اور اسی طرح عہد جدید کی کتابوں میں سے فقط متی کی انجیل تسلیم کے قابل ہے۔

(۸) اور اس میں بھی اول کے دونوں باب واجب الاخراج ہیں۔

(۹) اور اسی طرح اس انجیل میں اور جگہ بھی فقرے واجب الاخراج یا واجب التبدیل ہیں۔

(۱۰) اور داؤد اور سلیمان اور یرمیا اور خرقیل نفرت کے قابل ہیں (۱)

یا موافق اعتقاد اور اقوال فرقہ مارسیونی کی یہ باتیں سند ہیں کہ:

(۱) دو خدا ہیں، ایک خیر کا خالق اور دوسرا شر کا خالق۔

(۲) اور عہد عتیق کی سب کتابیں اس دوسرے خدا کی دی ہوئی ہیں۔

(۳) اور یہ سب کے سب عہد جدید کے مخالف ہیں۔

(۴) اور الہامی نہیں۔

(۵) اور یہ دوسرا خدا جاہل اور متلون ہے۔

(۶) اور عیسیٰ کا خدا اور ہے اور یہودیوں کا خدا اور ہے۔

(۷) اور عہد جدید سے فقط لوقا کی انجیل اور پولوس کے دس نامے واجب التسلیم ہیں۔

(۸) لیکن اس انجیل سے بھی اول کے دونوں باب۔

---

(۱) یہ اس کی دس باتیں پادری صاحب کے مذہب کے بالکل مخالف ہیں ۱۲ منہ رحمہ اللہ

(۹) اور اسی طرح اس انجیل اور نامجات سے بہت سے فقرے واجب الاخراج و واجب الرد ہیں۔

(۱۰) اور عیسیٰ نے جہنم میں جا کے قابیل اور سدوم کے لوگوں کی ارواح کو عذاب سے نجات دی، اور ہابیل، ابراہیم اور نوحؑ اور پیغمبروں کی ارواح کو جہنم میں رہنے دیا(۱)

یا موافق اعتقاد اور اقوال فرقہ مانی کینز کے یہ باتیں سند ہیں کہ:

"(۱) خدا توریت کا دینے والا سچا خدا نہیں، بلکہ ایک شیطان ہے۔

(۲) اور اسی شیطان نے یہود کے پیغمبروں کو فریب دیا تھا۔

(۳) اور یہی ان سے بولا تھا۔

(۴) اور عہد عتیق کی سب کتابیں واجب الرد ہیں۔

(۵) اور عہد جدید میں سے اعمال حوارین کی کتاب واجب الاخراج ہے۔

(۶) اور باقی میں بہت جگہ تحریف اور الحاق (۲) ہوا ہے"

یا فاسٹس کے اقوال کے موافق یہ باتیں سند ہیں کہ

(۱) سب عہد جدید واجب التسلیم نہیں۔

(۲) اور اس کی کوئی کتاب حواری یا تابعی کی تصنیف نہیں۔

(۳) بلکہ سب کسی مجہول شخص کی تصنیف ہے کہ اس نے بددیانتی سے حوارین اور تابعین حوارین کی طرف نسبت کر دی ہیں۔

(۴) اور بہت سا اس میں الحاق ہے۔

یا موافق اعتقاد اور اقوال ان فرقوں کے جن کو بقول میور صاحب کے گرمی دماغ اور حرارت دینی کے سبب بالکل خبط ہو گیا تھا، ان کی تعلیم جو بقول صاحب ممدوح

---

(۱) یہ دس باتیں بھی پادری صاحب کے عقیدے کے بالکل مخالف ہیں ۱۲ منہ رحمہ اللہ۔

(۲) ان چھ باتوں کو اگر پادری صاحب سند جانیں تو اپنے مذہب سے انہیں استعفاء دینا پڑے۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

کے ایسی واہی تباہی اور بے انداز تھی کہ التفات کے قابل نہیں، سند ہے یا منتس کی نبوت اور الہام یا اس کا فارقلیط ہونا مسلم ہے۔

یا حکماء فرانس کے قول وفعل کے موافق کہ جن کی قابلیت اور علم کا مؤرخوں کو اقرار ہے، دین عیسوی معیوب اور الحاد مرغوب ہے۔

یا ملک جرمن کے اکثر اہل علم کے موافق الحاد مرغوب اور دین عیسوی کہانی اور معجزات مسیحی ایک گپ ہے۔

یا ارجن کے قول کے موافق جو آپ کا ایک بڑا معتقد تھا، توریت کی اکثر باتیں خیالی طرح سے بطور تمثیل کے ہیں۔

یا حکماء یونانی اور مشرق کے فیلسوفوں کی تعلیمات حق ہیں۔

اگر ان لوگوں کے جن کا ذکر اوپر گذرا سب اقوال اور عقائد مذکورہ آپ کے نزدیک سند ہیں، اور قوم اور ملت کے آگے گواہی تم لوگوں کی دین عیسوی کے بابت اور اسی طرح معجزات مسیحیہ کی بابت معتبر نہیں تو ہم کو آپ سے کچھ شکایت نہیں، فقط اتنی ہی عرض ہے کہ پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالو۔

اور اگر سند نہیں تو تعجب ہے کہ اہل اسلام کے مقابلے میں ان پر اعتراض کرنے کو ایک دو کا قول (اگر چہ اہل اسلام اس ایک دو کو مردود اور اس کے قول کو کفر ہی جانتے ہوں) سند ہو جائے، اور دین عیسوی کے مقابلے میں لاکھوں اہل علم کا قول بے سند ٹھہرے، یہ تو سراسر انصاف کے خلاف ہے۔

ذرا انصاف کریں

اے صاحب آپ مزدار کو ایک ایسا مردار سمجھیں جیسے آپ کے مذہب میں فرقے ابیونیہ اور مارسیونی اور مانی کیز میں سے لاکھوں آدمی گزرے ہیں، یا ایک ایسا

مردود جانیں جیسے لاکھوں جرمن اور فرانس میں ملحد ہوئے ہیں، یا اب موجود ہیں، یا ایسا خیال کریں کہ جیسا مٹنس نے دماغ کی گرمی اور عقل کے اختلاط سے بعض باتیں بے ہودہ بکی تھیں ایسا ہی اس نے خبط سے بعض (۱) باتیں بکیں، کیوں کہ دونوں کے حال میں ایک نوع کی مشابہت ہے۔

فتنس پرہیزگار اور ریاضت کش تھا، اور اسی سبب سے لوگوں نے اس کو زیادہ مانا تھا، اسی طرح یہ مزدار مردار بھی ظاہر میں عابد تھا، اور فرقہ معتزلہ کا راہب کہلاتا تھا، اور اس کی ظاہری چال ڈھال سے بعض بیوقوف اس کے جال میں پھنس گئے تھے اور سب اہل اسلام نے اس کو اور اس کے معتقدین کو مردود کر دیا تھا۔

اور اگر آپ خواہ مخواہ دعویٰ کریں کہ وہ مردار نہیں اور پکا مسلمان تھا تو آپ اس کا حال ایسا سمجھیں جیسے اُرجنِ کا حال ہے، اور جب ارجن نے صدہا غلطی کی اگر یہ

---

(۱) مثلاً کہتا تھا کہ اللہ جھوٹ بولنے اور ظلم کرنے پر قادر ہے اور جب جھوٹ بولے اور ظلم کرے تو اس وقت خدا جھوٹا اور ظالم کہلائے گا، اور کہتا تھا کہ جو بادشاہ کی مصاحبت اختیار کرے وہ کافر ہے، نہ یہ مسلمان کا وارث ہوگا اور نہ مسلمان اس کا وارث، اور صریح ایسی باتیں خشک دماغی کی ہیں، ابراہیم نے پوچھا کہ بھلا تیرے نزدیک جہاں میں کوئی بھی ایمان والا ہے؟ بولا نہیں، ابراہیم نے کہا کہ تو تیرے عقیدے کے موافق بہشت میں کہ جس کی بڑائی کی کچھ حد نہیں فقط ایک تو اور تیسرے تین معتقد جاویں گے، پھٹکارزدہ ہو کر رہ گیا اور کچھ جواب نہ دے سکا۔

(۲) اور خود قرآن بلند آواز سے ان کی غلطی کی خبر دے رہا ہے جو اس میں ہے:

''قل لئن اجتمعت الإنس والجن الخ جن کی تشریح اوپر گذری اور شیخ عبدالحق محدث علیہ الرحمۃ کتاب تکمیل الایمان میں نظام وغیرہ کے رد میں یوں لکھتے ہیں:=

=''بچہ دلیل دانست کہ اتیان مثل قرآن درقدرت ایشان بود، حق آن ست کہ ہیچ کس را از ماسوی اللہ قدرت بر اتیان مثل قرآن نیست الآن چہ شد مگر اعدائے دین و مدعیان فضل و بلاغت از عالم رفتند، قرآن خود بابانگ بلند میگوید بشنوید:

قل لإن اجتمعت الإنس و الجن علی أن یأتو بمثل هذا القرآن لا یأتون بمثله ولو کان بعضهم بعض ظهیرا۔ ۱۲ منہ رحمۃ اللہ علیہ

(۲) چند مسائل میں غلطی کر گیا تو کیا ہوا۔

اور صاحب استفسار نے جناب مسیح کی الوہیت کے انکار کے منجملہ دلائل سے یہ دلیل بھی لکھی تھی کہ:

بعضے بڑے بڑے جلیل القدر ذی علم انگریز جو انہیں اناجیل کو مانتے ہیں، اور اسلام سے علاقہ نہیں رکھتے حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت سے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ:

تثلیث کا مسئلہ صرف اجتہادی ہے، منصوصات عیسویہ سے نہیں۔

اس پر آپ نے اس کے جواب میں طعناً یوں لکھا تھا کہ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ:

سچ ہے کہ انگلش اور جرمن اور ملل فرنگستان کے بعض عالم اور فاضلوں نے مسیحؑ کی الوہیت کا انکار کیا ہے، مگر یہ بات غیر حق ہے کہ وہ انجیل کو مانتے تھے، یا مسیحی حقیقی تھے، اور اگر بالفرض کوئی فاضل و حکیم ملحدی کی راہ سے وجود خدا کا انکار کرے تو کیا یہ ایک دلیل ہوگی کہ وجود خدائے تعالیٰ باطل ہے۔

اب بڑا تعجب ہے کہ اہل اسلام کے مقابلے میں تو ان سب فاضلوں اور عالموں کو مسیحی حقیقی نہیں کہتے، اور صاحب استفسار کی دلیل کو ناقص ٹھہراتے ہو، پھر اسی کے مقابلے میں ایسے ایک دو کے قول کو جن کو اہل اسلام کافر کہتے ہوں دلیل لاتے ہو، اور اس سے تعجب انگیز تر یہ بات بھی ہے کہ آپ اپنے خط محررہ دسویں اگست ۱۸۵۴ء میں ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب کو لکھتے ہیں:

''باقی علماء جن کا ذکر آپ نے کیا ہے، پس ان کا قول صرف اس وقت دلیل ہوگا، (خواہ نوطر اور کلوین ہی ہو،) جب معلوم ہو کہ کلام اللہ یعنی توریت اور انجیل کے مطابق اور موافق ہے، اور اگر علمی اور تاریخی بات ہے، تو اس حال میں قبول کریں گے کہ معتبر دلیلوں سے مثبت (ثابت کردہ) ہو''۔

پھر لکھتے ہیں:

''وہ علماء جن کو آپ نے انجیل کے غیر الہام ہونے کے لئے اپنی دلیل بنایا تو ان کے قول بالفرض اپنے خلاف نہیں سمجھے، اور راست بھی نقل کئے ہو، پر ہمارے معتقد علیہ نہیں، اور نہ یہ جمہور مسیحی علماء کے قول کے مطابق ہے، اگر بعض نے الہام و وحی کے حق میں خلاف واقع بیان کیا ہے، تو کیا اس سے ثابت ہوگا کہ انجیل الہام سے نہیں لکھی گئی ہے''۔

سبحان اللہ اپنے گھر کے سنبھالنے کو تو یہ حال، اور اہل اسلام کے مقابلے میں یہ حال۔

اے جناب جب بلا دلیل لوطر اور کلوین کا قول جو آپ کے اور آپ کے سارے فرقے کے علی الاطلاق پیشوا ہیں اور اسی طرح اور علماء کا قول جو آپ کے فرقے کے مستند ہیں، لغو ہو تو ایک مبتدع کا قول جن کو اہل اسلام مردود اور ان کے قول کو کفر گنتے ہوں کیوں لغو نہ ہوگا۔

اور اسی طرح کہتا ہوں کہ سب پر ظاہر ہے کہ ہر زمانے میں ہزاروں بلکہ لاکھوں یہودی عالم نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ عیسیٰؑ وہ مسیح نہیں جس کی عہد عتیق کے اندر بشارتیں پائی جاتی ہیں، اور وہ بشارتیں ان پر صادق نہیں آتیں، اور اب بھی ہزاروں یہودی عالم اس بات کے مدعی ہیں، اور ان کی تفسیروں کے موافق بھی وہ بشارتیں حضرت مسیح پر صادق نہیں آتیں۔

اسی لئے عیسائی لوگ سلف سے خلف تک ان پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ دنیا کی محبت اور اپنی مجازی فکر کے سبب توریت کے حقیقی معنی کو نہیں پہنچے، اور ان بشارات کی برے اور نامناسب طور پر تفسیر کیا ہے، باوجودیکہ وہ لوگ توریت کو اپنے دین اور ایمان کا مدار سمجھ کر عیسائیوں کے اقرار کے مطابق سینکڑوں برس مسیحؑ کے ظہور سے پہلے آج

تک اس کے درس و تدریس میں مشغول ہیں، اور اسی طرح اور عہد عتیق کی کتابوں کا حال ہے، اور ان کتابوں کی زبان سے وہ لوگ مسیحیوں سے زائد آشنا ہیں، خصوصاً سلف والے اور اپنے مذہب کی خاطر انہوں نے صدہا سال برابر عیسائیوں کی عمل داری میں بڑی بڑی تکلیفیں اور طرح طرح کے رنج، کیا جان سے اور کیا مال سے اٹھائے۔

پس اے جناب کیا ہزاروں بلکہ لاکھوں یہودی عالم اور ان کی تفاسیر سے اس شخص کو (جو) ملت یہودی اور عیسائی سے تعلق نہ رکھتا ہو اور حق کا طالب ہو عیسیٰؑ کے مسیحؑ موعود ہونے میں شبہ نہ پڑے بلکہ پادریوں کو آخرت کا طالب اور ان کے تفاسیر کو صحیح، اور یہود کے علماء کو دنیا کا طالب اور ان کی تفاسیر کو غلط سمجھے، اور ایک دو کے کہنے سے قرآن کے اعجاز میں شبہ پڑ جائے، یہ تو آپ کا انصاف ہے اور بس۔

اور اگر فرماؤ کہ جسے ان بشارات کی بابت شبہ ہو، وہ زبان عبرانی کو خوب سیکھے اور بڑے غور سے عہد عتیق کی کتابوں کو دیکھے، تو اس پر یہود کے علماء کی خطا کھل جائے گی، تو اے جناب آپ بھی للہ تعصب کو چھوڑ کر اور اپنی لال عینک اتار کر ان علوم میں جن کا اوپر ذکر ہوا پہلے خوب واقفیت، مہارت پیدا کیجئے، اور زبان عرب سے خوب آشنائی حاصل کر لیں تو آپ پر بھی بخوبی کھل جائے گا کہ مزدار مردار جو کہتا ہے، جنون سے بکتا ہے۔

اعجاز قرآن پر

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

تیسرا شبہ یہ کہ اگر ہم فرض کریں کہ قرآن کی عبارت عربی زبان میں بے مثل و بے مانند ہے، اور خدا کا کلام ہونے کے لئے عبارت ہی کافی دلیل ہو جائے، تو اس صورت میں یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ ساری کتابیں جو اگلے زمانے میں یونانی اور لاطینی زبان میں لکھی گئی ہیں، اور وہ مشہور کتابیں بھی جو اب پچھلے زمانے میں انگلشی اور نمہ اور فارسی وغیرہ زبانوں میں مرقوم ہوئی ہیں، جن کے مثل اب تک کوئی کتاب ان زبانوں میں نہیں ہوئی، چاہئے کہ وہ سب کتابیں خدا کا کلام ٹھہرائی جائیں الخ۔

یہ شبہ بھی لغو ہے، اسی طرح مسیح اور موسیٰ کا منکر بھی الٹ کر کہہ سکتا ہے کہ اگر فرض کریں کہ موسیٰؑ نے عصا کو سانپ بنا دیا، اور دریا کا پانی خون کر دیا، اور مینڈکوں کو زمین مہر پر چھڑا دیا، اور عیسیٰؑ نے جھاڑ پھونک کر بیماروں کو اچھا کر دیا، اور پلید روحوں کو نکال دیا، مگر یہ افعال منجانب اللہ ہونے کی اگر دلیل ہوں تو چاہیے کہ ان ساحروں اور سیانوں اور عاملوں اور جن کے آشنایوں اور جھوٹے مسیحیوں اور دجال کے افعال بھی جس کا ذکر مفصلاً اوپر گذرا سب کے سب معجزات اور منجانب اللہ ہوں، علاوہ اس کے فارسی کی زبان سے تو ہم بھی پادری صاحب سے زائد واقف ہیں، مگر اس زبان کی کتابوں میں جو فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے مشہور ہیں کوئی ایسی نہیں کہ اس کی فصاحت قدرت بشری سے خارج ہو۔

اعجاز قرآن پر

چوتھا شبہ اور اس کا جواب

چوتھا شبہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ناحق مطلب اور برے معنی اور کفر آمیز باتیں ایسی رنگینیٔ عبارت اور شیریں لفظوں میں لکھی جائیں کہ انتہا کے مرتبہ پر ہوں الخ۔

یہ بھی بالکل کمزور ہے، اس لئے یہاں بھی منکر کہہ سکتا ہے کہ اگر مذکورۂ بالا وجوہ سے موسیٰ اور عیسیٰ کو نبی مانا جائے تو چاہئے کہ ان لوگوں کو بھی جن کا ذکر اوپر گذرا نبی مانا جائے، گو وہ جھوٹے اور بدکار ہوں، اور کفر اور بت پرستی کی تعلیم دیتے ہوں، نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات۔

اب سب پادری صاحبوں کی خدمت میں عموماً اور صاحب ''میزان الحق'' کی خدمت میں خصوصاً عرض کرتا ہوں کہ آپ لوگ جو اپنے تئیں انبیاء کے معتقدین کہتے ہیں، اور دہریت سے بیزاری ظاہر فرماتے ہیں، اہل اسلام کے مقابلے میں ایسے احتمال نالائق نہ نکالا کریں کہ بری طرح سے الٹ کر پڑیں، ہاں اگر کوئی بے ایمان دہریہ ایسی بے ہودہ باتیں بکے جیسے لاکھوں ملحد فرانس اور جرمن اور انگلش برطانیہ اور ابوہیمیہ اور ہنگری اور پرشیہ میں موسیٰ اور عیسیٰ اور انبیاء علیہم السلام کی نسبت بکتے ہیں، تو ان سے کچھ بعید نہیں، مگر بفضل اللہ تعالیٰ ہمارے یہاں ان کا بھی علاج ہے۔

اور جاننا چاہیے کہ ''میزان الحق'' کے تیسرے باب کی دوسری فصل میں قرآن

کے اعجاز کی بابت اسی قدر شبہات مذکور ہیں جو لکھے گئے، اور جواب ان کا تحریر میں آیا، اور تیسری فصل میں بعض آیات کے مضامین پر اعتراض کیا ہے، یا اس کے کلام اللہ ہونے کے ابطال پر دلیل گذاری ہے، طوالت کا خوف کر کے اس جگہ اس کے رد کو چھوڑتا ہوں جس کو منظور ہو میزان الحق کے رد میں دیکھے، اور انشاء اللہ اگلے جوابوں میں بھی کسی جگہ کی مناسبت سے اس تیسری فصل سے نقل کر کے رد کروں گا۔

قرآن کریم میں چند معجزات نبوی

کا اجمالی بیان

اور چونکہ قرآن کے ان مقامات کے بیان میں جن میں معجزات کا تفصیلاً ذکر ہے اس قدر طوالت ہوئی ،تو ناظرین کی خاطر کے ملال سے خوف کر کے اسی قدر پر اکتفا کر کے مقامات اجمالی کا ذکر کرتا ہوں۔

و بـالله التوفيق،وبه نستعين اللّٰهم رحمتك أرجو فلا تكلني إلى نفسى طرفة عين،و أصلح لى شأني كله،لاإله إلّا أنت۔

پہلا مقام

سیپارے تیئسویں کے رکوع پانچویں میں سورۂ صافات کی تیرہویں اور چودہویں آیت یوں ہے:

"وإذا رأوا آية يستسخرون ، وقالوا إن هذا إلا سحر مبين "۔

''۱۳:۔یعنی اور جب دیکھیں (یعنی مکہ کے مشرک) کوئی معجزہ جو تیری نبوت پر دلالت کرتا ہے،ہنسی میں ڈال دیتے ہیں۔

۱۴:۔اور کہتے ہیں اور کچھ نہیں یہ (یعنی جس کو ہم نے دیکھا) مگر جادو ہے کھلا''۔

بیضاوی میں ہے:

"وإذا رأوا آية معجزة تدل على صدق القائل يستسخرون يبالغون في السخرية و يقولون إنه سحر أو يستدعي بعضهم من بعض إن يسخر منها وقالوا إن هذا يعنون ما يرونه إلاسحر مبين ظاهر سحرية "

اورجلالین میں ہے:

"و إذارأوا اٰية كانشقاق القمر يستسخرون يستهزؤن بها وقالوافيها إن ماهذا إلاسحربين"

اورحسینی میں ہے:

''وإذارأوا اٰية وچوں بہ بیند آیتے معجزہ کہ دلیل صدق مقال تست چوں انشقاق قمر یستسخرون یکدگر رابسخر یہ می خوانند'' الخ

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے مشرک جب کوئی معجزہ دیکھتے تھے، شقاوت ازلی سے ہنسی میں ڈال دیتے تھے، اور کھلا جادو بتلاتے تھے، اور ان کی یہ ہنسی رسول اللہ ﷺ کے معجزات کی نسبت ایسی تھی جیسے فرعون اور اس کے تابعین کی ہنسی معجزات موسویہ کی نسبت، چنانچہ اللہ صاحب نے سیپارے پچیسویں کے رکوع گیارہویں میں سورۂ زخرف کی سینتالیسویں آیت میں اس کو یوں نقل کیا ہے:

" فلما جاء هم بآياتنا إذاهم منها يضحكون"

ترجمہ:- یعنی پھر جب لایا، موسیٰ ان کے پاس ہماری نشانیاں (یعنی معجزات مثل عصاوغیرہ کے) تو لگے ان پر ہنسنے

اوران مشرکوں کا یہ قول" إن هذا إلاسحر مبين " رسول اللہ کے معجزات کی نسبت ایسا تھا جیسا کفار بنی اسرائیل کا قول حضرت عیسیٰ کے معجزات کے نسبت

،جس کو اللہ صاحب نے سیپارے ساتویں کے رکوع پانچویں میں سورۂ مائدہ کی ایک سو تیرہویں آیت کے اندر نقل کیا ہے:

"فقال الذين كفروا منهم إن هذا إلا سحر مبين"

''ترجمہ:۔یعنی تو کہنے لگے جو کافر تھے ان میں یعنی بنی اسرائیل میں اور کچھ نہیں یہ جادو ہے صریح''۔

اور یہ بات کہ کافر لوگ سچی بات کو اور سچے امر کو ہنسی میں ڈال دیتے ہیں، انجیل سے بھی ثابت ہے۔

دیکھو جب حواریوں پر مسیحؑ کے عروج کے بعد روح القدس اترا، اور وہ مختلف بولیاں بولنے لگے، اس پر بعضے ہنسی اور مسخرا پن سے کہتے تھے کہ شراب کے نشے میں ہیں، اعمال کے دوسرے باب کے تیرہویں درس میں ہے۔

(فارسیہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء ۱۸۴۲ء):

''وبعضے استہزاء کنان می گفتند کہ ایشان از شراب تازہ مملوشدہ اند''

(ہندیہ ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء):

''بعض ہنسی سے بولے کہ یہ شراب کے نشے میں ہیں''۔

اور اسی طرح جناب پولوس نے اتھینی شہر میں اپنے وعظ کے اندر قیامت کا حال بیان کیا، بعضوں نے ان کو ٹھٹوں میں اڑایا۔

اعمال کے سترہویں باب کے تیسویں درس میں ہے (فارسیہ مذکورہ)

''چوں نقل قیامت مردگان راشنیدند، بعض استہزاء نمودند'' الخ۔

(ہندیہ مذکورہ):

''جب انہوں نے مردوں کے جلانے کی بات سنی بعضے ہنسے'' الخ۔

اور جاننا چاہیے کہ اتھینی شہر کے باشندے اگرچہ عرب کی طرح بت پرست

تھے مگر علم کا وہاں بڑا ہی چرچا تھا، اور اس کے باشندے علم اور حکمت میں خوب ہی دخل رکھتے تھے۔

ولیم میور صاحب اپنی تاریخ کے دوسرے باب کی سترہویں دفعہ میں لکھتے ہیں۔

(نسخہ طبع شدہ ۱۸۴۸ء):

''اس شہر (یعنی اتھینی) میں علم اور حکمت اور فلسفہ کا بڑا رواج تھا، اور اس کے سب باشندے خیالی باتوں کے مباحثہ اور عقلی جھگڑے اور تحقیقات میں اور نئی نئی باتوں اور عجیب وغریب قصیوں کی تلاش میں اپنی اوقات کاٹتے تھے۔

اس صورت میں ان اہل علم کا ہنسنا جہال عرب کے ہنسی سے زائد تعجب کے قابل اور اس بات کی دلیل ہے کہ ہنسی میں ڈال دینا کافروں کی عادت ہے، جاہل ہوں یا عالم۔(۱)

---

(۱) اور کافر لوگ تو خود جناب مسیح کے ساتھ بھی استہزا کرتے تھے، لوقا کے بائیسویں باب میں ہے:

''۶۳۔ وے مرد جنہوں نے یسوع کو پکڑا تھا اسے ٹھٹھوں میں اڑاتے ہوئے مارنے لگے۔

۶۴۔ اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس کے منہ پر طمانچے مارا اور ایک نے اس سے پوچھا کہ نبوت سے خبر دے یہ کون ہے جو تجھے طمانچے مارتا ہے۔

۶۵۔ اور کفر بک کے اس سے بہت سی باتیں کیں''۔

اور لوقا کے تیئسویں باب کے گیارہویں درس میں ہے:

''سرود اور اس کے لشکر نے اسے حقیر کر کے ٹھٹا کیا الخ''۔

اور اسی طرح متی کے ستائیسویں باب میں ۲۷ درس سے ۳۰ درس تک ان کا ایک اور استہزا مرقوم ہے۔۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالی۔

دوسرا مقام

تئیسویں سیپارے کے رکوع دسویں میں سورۂ ص کی آیت چوتھی یوں ہے:

''و عجبوا أن جاء هم منذر منهم، وقال الكافرون هذا ساحر كذاب''۔

ترجمہ:- اور اچنبا کرنے لگے، مکہ کے کافر اس پر کہ آیا ان کو ایک ڈر سنانے والا (یعنی محمد ﷺ) انہیں میں سے (یعنی ان کی جنس سے ایک آدمی یا انہیں کے قوم سے) اور کہنے لگے منکر یہ (ڈر سنانے والا) جادوگر ہے (کہ جادو سے امور خارق عادت کو ظاہر کرتا ہے) جھوٹا (نبوت کے دعوے میں)۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے کافروں نے حضرت ﷺ سے امر خارق عادت صادر ہوتا دیکھا تھا، اسی لئے ساحر بتلاتے تھے، اور ان کا یہ قول "هذا ساحر كذاب" حضرت کے حق میں ایسا ہے جیسا فرعون اور ہامان وغیرہما کا قول حضرت موسیٰ کے حق میں تھا، جیسا اللہ صاحب نے سیپارے چوبیسویں کے رکوع آٹھویں میں نقل کیا ہے، چنانچہ سورۂ مومن کے اندر فرمایا ہے:

"ولقد أرسلنا موسى با ياتنا و سلطان مبين، إلى فرعون و هامان و قارون فقالوا ساحر كذاب"۔

ترجمہ:- یعنی ۲۳۔ اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر اور کھلی سند ۲۴۔ فرعون اور ہامان اور قارون (۱) پاس، پھر کہنے لگے یہ جادوگر ہے جھوٹا''۔

---

(۱) قارون اگرچہ بنی اسرائیل میں سے تھا لیکن (چونکہ) فرعون والوں کی مرضی میں تھا اور انہیں کی دولت سے مالدار بنا تھا تو اس کو بھی فرعون اور ہامان کے ساتھ جھٹلانے والوں میں شریک کیا۔ ۱۲ منہ رحمۃ اللہ علیہ

اور اسی طرح سیپارے پچیسویں کے رکوع گیارہویں میں سورۂ زخرف کی انچاسویں آیت کے اندر موسیٰ کے خطاب میں فرعون اور اس کے تابعین کا قول یوں منقول ہوا ہے:

"یا أیها الساحر" یعنی اے جادوگر، یا وہ قول ایسا ہے، جیسے یہود کا قول مسیح کے حق میں تھا۔

متی کے ستائیسویں باب کے باسٹھویں درس کے اندران کا قول پلات کے خطاب میں یوں ہے (ہندیہ ۱۸۴۴ء ۱۸۴۵ء):

"اے خداوند ہمیں یاد ہے کہ وہ دغاباز اپنے جیتے جی کہتا تھا" الخ۔

تیسرا مقام

سیپارے ستائیسویں کے رکوع آٹھویں میں سورۂ قمر کی دوسری آیت یوں ہے:

"و إن يروا آية يعرضوا و يقولوا سحر مستمر"

ترجمہ:۔یعنی اور اگر دیکھیں کوئی نشانی ٹال دیں، اور کہیں یہ جادو ہے چلا آتا۔

یعنی ٹال کے کہنے لگتے ہیں کہ یہ بھی ایک ایسا جادو ہے جیسے اور جادو اس نے ہم کو آگے دکھلائے ہیں۔

اس آیت کے موافق بھی معلوم ہوتا ہے کہ کافروں نے رسول اللہ کے کئی معجزے تو دیکھے ہیں، جس کے سبب پچھلے معجزے کو کہتے ہیں کہ اور اگلے جادوؤں کی طرح یہ بھی ایک جادو ہے۔

چوتھا مقام

سیپارے ستائیسویں کے رکوع دوسرے میں سورۂ ذاریات کی آیت باونویں یوں ہے:

"کذلك ما أتی الذین من قبلھم من رسول إلا قالوا ساحر أو مجنون"

ترجمہ:۔ یعنی اسی طرح (یعنی جیسے تجھ کو تیری قوم جادوگر اور دیوانہ کہتی تھے اسی طرح) ان سے پہلوں کے پاس جو آیا رسول یہی کہا کہ جادوگر ہے (جب اس کا کوئی معجزہ دیکھا) یا دیوانہ (۱)

اس آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کفار نے معجزے تو دیکھے لیکن ان کو جادو بتلایا جیسے اگلے انبیاء کے معجزات کو ایسا ہی بتلایا ہے"۔

اور اسی سورہ کی ۳۸، ۳۹ آیات میں حضرت موسیٰ کا حال یوں لکھا ہوا ہے:

"وفی موسی إذ أرسلناه إلی فرعون بسلطان مبین، فتولی برکنه و قال ساحر أو مجنون"

ترجمہ:۔ یعنی ۳۸۔ اور نشانیاں ہیں موسیٰ کے حال میں (ڈرنے والوں کے لئے) جب بھیجا ہم نے اس کو فرعون کے پاس دے کر سند کھلی (یعنی عصا وغیرہ) ۳۹۔ پھر اس نے منہ موڑا اپنے زور پر اور بولا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ

اور دوسرے مقام میں گذرا کہ یہود حضرت مسیح کو دغاباز بتلاتے تھے، اور اس انجیل میں صراحت ہے کہ ان کو دیو بھی بتلاتے تھے مثلاً یوحنا کے دسویں باب کے بیسویں درس میں ہے (ہندیہ ۱۸۱۴ء و ۱۸۴۶ء):

---

(۱) اور ایسا طعن کمالِ جہل کی دلیل ہے، کیوں کہ ساحر کے لئے عقل کامل اور ذہن رسا کا وجود اور دیوانہ کے لئے دونوں کا عدم چاہئے تو یہ دونوں وصفیں ایک آدمی میں ایک حالت میں کس طرح اکٹھے ہوں؟ ۱۲ منہ

''اور بہتیرے ان میں (یعنی یہودیوں میں) سے بولے، اس کے (یعنی عیسیٰ کے) ساتھ دیو ہے، وہ دیوانہ ہے، تم اس کی کیوں سنتے ہو''

اور حق یہ ہے کہ جب آدمی کا دل کفر یا غرور یا شہوات نفسانیہ سے بھرا ہوتا ہے، گو وہ عاقل ہی ہو تو اس کو وہ سب باتیں جو اس کے عقیدے اور مرضی کے مخالف ہوتی ہیں، بے ہودی اور دیوانگی کی نظر آتی ہیں، گو نفس الامر میں کیسی ہی اچھی اور حق ہوں، چنانچہ یہی بات گرنتھیوں کے نامہ اول باب کے تیئسویں درس اور باب دوم کے چودھویں درس اور اعمال کے چھبسویں باب کے چوبیسویں درس سے سمجھی جاتی ہے۔

پانچواں مقام

بیسویں معجزہ تفصیلی کے فائدے کے اندر گذرا کہ عرب کے مشرک قرآن کی عبارت کو فصاحت اور بلاغت کے رو سے امر خارق عادت جانتے تھے، لیکن عناد کی راہ سے اس کو کبھی ''سحر'' اور کبھی ''سحر مبین'' اور کبھی "سحر یؤثر" کہتے تھے، اور قرآن کے اندر کافروں کے ایسے قول جن میں حضرت کی طرف نسبتِ ساحر ہوتی، اور ان کے معجزات کی جانب نسبت سحر کی پائی جاتی ہے، بہت جگہ منقول ہیں، اور ظاہر ہے کہ اگر وہ لوگ حضرت سے امور خارق عادت نہ دیکھتے تو ایسی نسبت نہ کرتے۔

اور کافروں کی عادت قدیم ہے کہ جب مضطر ہو جاتے ہیں اور امر خارق سے انکار کرنا ان سے نہیں بن پڑتا، تو عناد کی راہ سے ایسا کچھ بکنے لگتے ہیں، اور اگلے کافروں نے بھی اگلے انبیاء اور ان کے معجزات کی نسبت اسی قسم کا معاملہ کیا ہے، اور قرآن میں جہاں کافروں کے قول کے اندر انبیاء کے کسی امر کی نسبت لفظ سحر کا مندرج ہے، یقیناً وہ امر خارق عادت ہے کہ عناد کے طور پر اس پر ایسا کچھ اطلاق کرتے تھے، اور خدا نے اپنے رسول مقبول کی تسلی کے لئے قرآن کے اندر ان کی اس قسم کی شرارت کو

بہت جگہ نقل فرمایا ہے، چنانچہ ان میں سے بعض کا ذکر بیسویں تفصیلی معجزہ کے فائدے کے اندر، اور بعض کا ذکر مذکورۂ بالا چار اجمالی مقامات میں گذرا۔

اور سیپارے نویں کے رکوع تیسرے میں سورۂ اعراف کی ایک سونویں آیت اور سیپارے گیارہویں کے رکوع تیرہویں میں سورۂ یونس کی چھہترویں آیت اور سیپارے سولہویں کے رکوع بارہویں میں سورۂ طٰہ کی ترسٹھیوں اور اکہترویں آیت اور سیپارے انیسویں کے رکوع ساتویں میں سورہ شعراء کی چونتیسویں آیت کے اندر اسی شرارت کی نقل ہے۔

چھٹا مقام

سیپارے تیسرے کے رکوع سترہویں میں سورۂ آل عمران کی آیت چھیاسویں یوں ہے:

"کیف یھدی اللّٰہ قوما کفروا بعد إیمانھم و شھدوا أن الرسول حق و جاء ھم البینات"

ترجمہ:- یعنی کیوں کر راہ دے گا اللہ ایسے لوگوں کو کہ منکر ہو گئے مان کر اور بتا چکے کہ رسول سچا اور پہنچ چکے ان کو نشانیاں (یعنی معجزات) کھلے۔

کشاف میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں یوں ہے:

"کفروا بعد إیمانھم و بعد ما شھدوا أن الرسول حق و بعد ما جاء تھم الشواھد من القرآن وسائر المعجزات التی تثبت بمثلھا النبوۃ"

اور لفظ ''بینات'' کا معرف باللام بدون ذکر موصوف کے مستعمل ہے تو غالباً موصوف مقدر اس کا بمعنی معجزات یا بمعنی مجموع معجزات اور استدلالات کے

ہوتا ہے، مثلاً سیپارے تیسرے کے رکوع پہلے میں سورۂ بقر کی دوسو ترپنویں آیت
کے اندر یوں ہے:

"واٰتینا عیسی ابن مریم البینات "

یعنی دی ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کونشانیاں (یعنی معجزات صریح)

اور سیپارے چھٹے کے رکوع دوسرے میں سورۂ نساء کی ایک سوترپنویں آیت
کے اندر یوں ہے:

"ثم اتخذ وا العجل من بعد ماجاء تهم البینٰت "

یعنی پھر بنالیا (یعنی بنی اسرائیل نے) بچھڑا نشانیاں پہنچنے کے پیچھے۔

اور سیپارے ساتویں کے رکوع پانچویں میں سورۂ مائدہ کی ایک سو تیرہویں
آیت کے اندر یوں ہے:

"إذجئتهم بالبینا ت "

یعنی جب تو لایا ان کے پاس نشانیاں۔

اور سیپارے نویں کے رکوع تیسرے میں سورۂ اعراف کی ایک سو ایک آیت
کے اندر یوں ہے:

"ولقد جاء تهم رسلهم بالبینات"

یعنی اور ان کے پاس پہنچ چکے ان کے رسول نشانیاں لے کر۔

اور سیپارے گیارہویں کے رکوع ساتویں میں سورۂ یونس کی تیرہویں آیت
کے اندر یوں ہے:

"و جاء تهم رسلهم بالبینات "

یعنی اور لائے تھے ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں

اور اسی سیپارے کے رکوع تیرہویں میں اسی سورت کی چوہترویں آیت کے

اندر یوں ہے:

"فجاء هم بالبينات"

یعنی پھر لائے ان کے پاس کھلی نشانیاں

اور سیپارے چودہویں کے رکوع بارہویں میں سورۂ نحل کی چوالیسویں آیت کے اندر یوں ہے:

"بالبينات والزبر"

یعنی پہنچے تھے نشانیاں اور ورق۔

اور سیپارے سولہویں کے رکوع بارہویں میں سورۂ طٰہٰ کی بہترویں آیت کے اندر یوں ہے:

"لن نؤثرك على ماجاء نا من البينات"

یعنی وہ بولے ہم تجھ کو زیادہ نہ سمجھیں گے اس چیز سے جو پہنچی ہم کو معجزے کھلے۔

بیضاوی میں ہے:

"من البيّنات المعجزات الواضحات"

اور شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں دلیل صاف سے مراد معجزات ہی ہیں

اور سیپارے چوبیسویں کے رکوع نویں میں سورۂ مومن کی آیت اٹھائیسویں کے اندر یوں ہے:

"وقد جاءكم بالبينات من ربكم"

یعنی اور لایا ہے، تمہارے پاس کھلے نشانیاں تمہارے رب کے۔

اور سیپارے ستائیسویں کے رکوع انیسویں میں سورۂ حدید کی پچیسویں آیت کے اندر یوں ہے:

"لقد أرسلنا رسلنا بالبينات"

یعنی ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر۔

اور سیپارے اٹھائیسویں کے رکوع پندرہویں میں سورۂ تغابن کی آیت چھٹی کے اندر یوں ہے:

"ذلك بأنه كانت تأتيهم رسلهم بالبينات"

یعنی یہ اس پر کہ لاتے تھے، ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں۔

اور اسی طرح اور(۱) جگہ بھی قرآن میں لفظ بینات کا جو معرف باللام بدون ذکر موصوف کے ہو معجزات کے معنی میں واقع ہوا ہے، اور اس حالت میں یہ لفظ بمعنی احکام کے بہت ہی کم آیا ہے۔

پس اس پر کسی قرینہ قطعیہ کے بغیر معتبر مفسروں کی تفسیروں کے خلاف محمول کرنا محض بے انصافی ہے اور بس۔

ساتواں مقام

سیپارے چھٹے کے رکوع چوتھے میں سورۂ نساء کی آیت ایک سو چوہترویں میں یوں ہے:

"يـاأيّها النّاس قد جاء كم برهان من ربكم و أنزلناإليكم نوراً مبيناً"

ترجمہ:۔ یعنی لوگو! تمہارے پاس پہنچ چکے تمہارے رب کی طرف سے معجزے، اور اتاری ہم نے تم پر روشنی واضح اور برہان۔

اس آیت میں ''برہان'' معجزے کے معنی میں ہے۔

---

(۱) مثلاً سیپارے چوتھے کے رکوع دسویں میں سورہ آل عمران کی ایک سو تراسی (۱۸۳) و ایک سو چوراسی (۱۸۴) آیت میں دو جگہ ۱۲ منہ

بیضاوی میں ہے:

"عنی بالبرهان المعجزات وبالنور القرآن أی جاءکم دلائل العقل و شواهد النقل و لم يبق لكم عذر ولا علة"

اور لفظ برہان کا بمعنی معجزے کے سیپارے تیسویں کے رکوع ساتویں میں سورۂ قصص کی تیسویں آیت کے اندر بھی آیا ہے:

" فذلك برهانان من ربك إلى فرعون وملائه "

یعنی سو یہ دو (یعنی عصا اور ید) معجزے ہیں، تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں پر۔

اور شاہ عبدالقادر صاحب نے برہان کے لفظ کو دونوں جگہ سند کے لفظ کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔

پس ان کے کلام میں لفظ ''سند'' کا دونوں جگہ معجزے کے معنی میں ہے۔

آٹھواں مقام

سیپارے ساتویں کے رکوع ساتویں میں سورۂ انعام کی چوتھی آیت یوں ہے:

"وما تأتيهم من آية من آيات ربهم إلا كانوا عنها معرضين"

اور نہیں پہنچی ان کو (یعنی مکہ کے کافروں کو) کوئی نشانی تیرے رب کی نشانیوں میں (مثل انشقاق قمر وغیرہ کے) مگر کرتے ہیں، اس سے تغافل

تفسیر معالم التنزیل میں آیات ربهم کے ذیل میں لکھا ہے ''مثل انشقاق القمر'' وغیرہ۔

اور بیضاوی میں ہے:

" من الأولى مزيدة والثانية للتبعيض أی مايظهر لهم دليل قط من الأدلة أو معجزة من المعجزات أو آية من آيات

القرآن إلاكانوا عنها معرضين تاركين للنظر فيه غير ملتفتين إليه"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ والوں نے معجزات تو دیکھے مگر ان سے تغافل برتا، جیسا انہوں نے اور دلیلوں اور قرآن کی آیات سے تغافل برتا۔

نواں مقام

سیپارے ساتویں کے رکوع نویں میں سورۂ انعام کی اکیسویں آیت یوں ہے:

"و من أظلم ممن افترى على الله كذباً أو كذب بآياته أنه لا يفلح الظالمون"

ترجمہ:- یعنی اور اس سے کون (بڑا) ظالم جو جھوٹ باندھے اللہ پر یا جھٹلائے اس کی نشانیاں۔

بیضاوی میں ہے:

"و من أظلم ممن افترى على الله كذباً كقولهم الملائكة بنات الله وهؤلاء شفعاء نا عند الله أو كذب بآياته كأن كذبوا القرآن والمعجزات وسموها سحراًوإنما ذكرو أووهم جمعوا بين الأمرين تنبيهاً على أن كلا منهما وحده بالغ غاية الإفراط في الظلم على النفس"

اور کشاف میں ہے:

"جمعوا بين أمرين متناقضين فكذبوا على الله و كذبوا بما ثبت بالحجة والبينة والبرهان الصحيح حيث قالوا لو شاء الله ما أشركنا ولا آباء نا وقالوا الله أمرنا بها وقالوا الملائكة بنات الله وهؤلاء شفعاء نا عند الله و نسبوا إليه تحريم

البحائر والسوائب و ذهبوا فكذبوا القرآن والمعجزات وسموها سحراًولم يؤمنوا بالرسول"

اورتفسیر کبیر میں ہے:

"والنوع الثاني من أسباب خسارتهم تكذيبهم بآيات الله والمراد منه قدحهم في معجزات النبي و طعنهم فيها أو إنكارهم كون القرآن معجزة باهرة بينة "

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے مشرک اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے کہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور اپنے ٹھاکروں کو اللہ کے نزدیک اپنا سفارشی ٹھہراتے تھے، اور رسول اللہ کے معجزات کو جھٹلاتے تھے اور ان کو جادو بتلاتے تھے، اور لفظ "آیات" یا "آیت " کا معجزات کے معنی میں قرآن کے اندر کثرت سے مستعمل ہے، مثلاً اسی سورۂ انعام کے پچیسویں آیت میں ہے:

" و إن يروا كل آية لا يؤمنوا بها"

یعنی اگر دیکھیں ساری نشانیاں (یعنی معجزات) ایمان نہ لائیں ان پر۔

اور سیپارے نویں کے رکوع چھٹے میں سورۂ اعراف کی ایک سو تینتیسویں آیت کے اندر یوں ہے:

"فأرسلنا عليهم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم آيات مفصلات "

ترجمہ:- یعنی پھر ہم نے بھیجا ان پر غرقاب اور تڈے اور چچڑے اور مینڈک اور لہو کتنی نشانیاں جدا جدا۔

اور سیپارے گیارہویں کے رکوع تیرہویں میں سورۂ یونس کے پچہترویں آیت کے اندر یوں ہے:

"ثم بعثنا من بعدهم موسىٰ و هارون إلى فرعون

"وملائه بآیتنا"

ترجمہ:- یعنی پھر بھیجا ہم نے ان کے پیچھے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں پاس اپنی نشانیاں دے کر۔

اور سیپارے تیرہویں کے رکوع تیرہویں میں سورۂ ابراہیم کی آیت پانچویں کے اندر یوں ہے:

"ولقد أرسلنا موسیٰ بآیاتنا"

یعنی اور ہم نے بھیجا تھا موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر۔

اور سیپارے پندرہویں کے رکوع بارہویں میں سورۂ بنی اسرائیل آیت ایک سو ایک کے اندر یوں ہے:

"ولقد آتینا موسی تسع آیات بینات"

یعنی اور دیں ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں صاف۔

دسواں مقام

سیپارے آٹھویں کے رکوع دوسرے میں سورۂ انعام کی ایک سو چوبیسویں آیت یوں ہے:

"و إذا جاء تهم آية قالوا لن نؤمن حتى نؤتى مثل ما أوتى رسل الله، الله أعلم حيث يجعل رسالته، سيصيب الذين أجرموا صغار عند الله و عذاب شديد بما كانوا يمكرون"

ترجمہ:- یعنی اور جب پہنچی ان کو کوئی نشانی (یعنی معجزہ جو محمد کے صدق پر دلالت کرتا ہو) کہیں ہم ہرگز نہیں مانیں گے جب تک کہ ہم کو نہ ملے جیسا کچھ پاتے ہیں، اللہ کے رسول (یعنی اور پیغمبروں کی طرح ہم کو بھی

وحی آئے اور ہم پر بھی کتاب اترے، ولید بن مغیرہ رسول اللہ سے کہتا تھا، اگر نبوت حق ہوتی تو مجھ کو ہوتی کیوں کہ میں تجھ سے مال اور عمر میں بڑا ہوں، اور اسی قسم کے ابو جہل کچھ واہیات بکتا تھا) اللہ بہتر جانتا ہے جہاں بھیجے اپنے پیغام (یعنی جو فضائل نفسانیہ کے رو سے افضل ہوتا ہے، اسے ہی نبی کرتا ہے اور نبوت کا منصب نسب اور مال سے نہیں ملتا) اب پہنچے گی گنہ گاروں کو ذلت اللہ کے یہاں اور عذاب سخت بدلا حیلے بتلانے کا (یعنی اپنے مکروں کی جزا میں ذلت اور سخت عذاب دیکھیں گے اور ان مکروں سے کافروں کی علت غائی یہ تھی کہ عوام الناس پیغمبر کے مطیع نہ ہو جائیں)۔

تفسیر کبیر میں " و إذاجاء تهم "کی تفسیر میں لکھا ہے:

" إنهم متى ظهرت لهم معجزة باهرة "

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مکہ والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزے تو دیکھے، مگر جب کوئی معجزہ دیکھا، شقاوت ازلی سے کہنے لگے کہ: ہم تو تیری نبوت کو تسلیم نہ کریں گے، جب تک ہم کو نبوت نہ ملے۔

احادیث نبویہ میں

معجزات نبوی کا ذکر

اور حضرت کے معجزات صحیح حدیثوں سے اس کثرت سے ثابت ہیں کہ کسی نبی کے نہ ہونگے، اور تبرکاً اس جگہ تھوڑے سے لکھے جاتے ہیں:

کھجور میں غیر معمولی برکت کا ہونا

جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میرا باپ قرض دار مرا، میں نے قرض خواہوں سے کہا کہ قرضہ کے بدلے تم کھجوریں لے لو، انہوں نے نہ مانا، کیوں کہ وہ ان کی نظروں میں تھوڑی معلوم ہوتی تھیں، سو میں نے حضرت کے پاس آ کے عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں کہ میرا باپ احد کی لڑائی میں شہید ہو گیا، اور قرضہ بہت چھوڑ گیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ قرض خواہ آپ کو دیکھیں (یعنی میرے پاس تاکہ تمہارے سبب سے کچھ رعایت کریں) حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جا اور ہر قسم کے کھجوروں کے جدا جدا ڈھیر لگا سو میں نے وہی کیا (یعنی کئی ڈھیر جدا جدا لگائے) پھر میں نے حضرت کو بلایا قرضخواہ ان کو دیکھ کر مجھ سے سخت (۱) طلب کرنے لگے، حضرت یہ حال دیکھ کر بڑی ڈھیر کے گرد تین بار پھر کے اس پر بیٹھے اور کھجوروں کے ماپنے (ناپنے) کا حکم کیا، یہاں تک کہ سب دَین

(۱) اس لحاظ سے کہ حضرت یہ دیکھ کر جان لیں کہ یہ لوگ اپنا سب قرضہ ابھی لے لیں گے، نہ کچھ معاف کریں گے اور نہ مہلت دیں گے، اور معاف کرنے اور مہلت دینے کے لئے نہ فرمائیں۔۱۲

ادا ہو چکا، اور سب ڈھیر سلامت رہے اور وہ (۱) ڈھیر جس پر رسول اللہ بیٹھے تھے، ویسا ہی تھا کہ گویا ایک کھجور بھی اس میں سے کم نہیں ہوئی۔

ایک پیالے مالیدہ سے تین سو آدمیوں کا کھانا، پھر بھی بچ جانا

اور انسؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت نے زینب سے نکاح کیا، میری ماں نے مالیدہ بنا کر ایک پیالے میں میرے ہاتھ حضرت کے پاس بھیجا، حضرت نے تین شخصوں کا تو نام لے کر اور باقی کو اس طور عام کر کے کہ جو تجھے ملے فرمایا کہ بلالا، سو میں نے ان تین شخصوں کو اور اس کو جو مجھے ملا بلا لایا، تین سو آدمی کے قدر جمع ہو گئے حضرت نے اس مالیدہ پر ہاتھ رکھ کے برکت کی دعا کی، اور دس دس آدمی کو بلا کر کھلانا شروع کیا یہاں تک کہ سب نے خوب پیٹ بھر کر کھایا، بعد اس کے مجھ کو فرمایا کہ اٹھالے جا (یعنی پیالے کو) سو میں نے اٹھایا اور میں نہیں جانتا کہ جس وقت میں نے رکھا تھا، اس وقت زیادہ تھا یا اس وقت کہ میں نے اٹھایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور لعاب دہن سے کھانے میں غیر معمولی برکت

اور جابرؓ کہتے ہیں کہ خندق کی لڑائی میں جب صحابہ مدینے کے گرد خندق کھودتے تھے ایک پتھر سخت نکلا، صحابہ نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا، حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں خندق میں اتروں گا، اور کھڑے ہوئے اور ان کے پیٹ سے پتھر بندھا تھا (یعنی بھوک کی شدت کے سبب) اور ہم نے تین روز سے کچھ کھایا پیا نہ تھا، حضرت نے ایک کدال لے کر اس پتھر پر مارا، اور وہ پتھر ریت کی طرح بکھر گیا

---

(۱) اور جب اس ڈھیر کا کہ جس میں سے قرض خواہوں کو دیا جاتا تھا یہ حال ہو تو اور ڈھیروں کو تو ہاتھ لگانے کی بھی نوبت نہ آئی تھی۔ ۱۲ منہ

میں نے اپنے گھر آ کے اپنی بیوی سے پوچھا کہ تیرے پاس کچھ ہے؟ یعنی کھانے کی چیز کہ میں نے حضرت کو بہت بھوکا دیکھا ہے، اس نے ایک تھیلا کہ جس میں تخمیناً ساڑھے تین سیر جو تھی نکالا اور ایک بکری کے بچے کو میں نے ذبح کیا اور بیوی نے وہ جو پیسی اور گوشت کو ہانڈی میں کر کے چڑا دیا (چڑھا دیا) اور میں نے حضرت کے پاس آ کے چپکے عرض کیا کہ میں نے ایک چھوٹا بچہ بکری کا ذبح کیا ہے اور میری جورو (بیوی) نے ساڑھے تین سیر جو کے قریب پیسے ہیں (یعنی اس قدر تو حاضر ہے) آپ تشریف لے چلیں، اور کچھ لوگ آپ کے ساتھ چلیں، حضرت ﷺ نے پکارا کہ اے خندق والو! جابر نے مہمانی کی تیاری کی ہے، جلدی چلو، پھر مجھ کو فرمایا کہ جب تک میں نہ آؤں، ہانڈی نہ اتاریو اور آٹا نہ پکائیو، جب تشریف لائے، میں نے گندھا ہوا آٹا روبرو کیا، اس میں لعاب دہن مبارک کا ڈال کے برکت کی دعا کی، پھر ہانڈی میں لعاب ڈال کر برکت کی دعا کی، پھر میری جورو کو فرمایا کہ دوسری عورت روٹی پکانے والی بلا لے، اور وہ اور تو مل کر پکا اور ہانڈی چولھے پر چڑھی رہنے دے اور چمچے سے گوشت نکالتی رہ اور خندق والے ہزار مرد تھے، خدا کی قسم سب نے کھایا اور کھانا بچا رہا، اور ہانڈی کا گوشت اور آٹا بدستور تھا۔

تکثیر طعام کا معجزہ

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں لوگوں کو بھوک کی سختی پہنچی، عمرؓ نے عرض کیا کہ لوگوں سے بچا ہوا توشہ منگا کر اس پر برکت کی دعا کیجئے، حضرت نے دسترخوان چمڑے کا منگوا کر بچھوایا، اور لوگوں سے بچا ہوا توشہ منگوایا، کوئی ایک مٹھی چنے اور کوئی ایک مٹھی کھجور اور کوئی روٹی کا ٹکڑا لاتا تھا، اور دسترخوان پر کچھ تھوڑا سا جمع ہوا، پھر حضرت نے اس پر برکت کی دعا کی، پھر فرمایا اپنے باسنوں (برتنوں) میں بھر لو، لوگوں نے

سب باسن (برتن) جو لشکر میں تھے بھر لئے، اور سب لشکر نے پیٹ بھر کے کھایا جب بھی بہت بچا رہا۔

فائدہ

اس لشکر میں ستر ہزار آدمی تھے، اور بعضوں نے لاکھ کے قریب لکھا ہے اور یہ معجزہ اس مسیح کے معجزے سے کہ دو مچھلی اور پانچ روٹیوں سے پانچ ہزار آدمی کے قریب نے کھایا تھا بڑھ کر ہے، اور اور بار بھی تکثیر طعام کا معجزہ حضرت سے صادر ہوا ہے۔

انگلیوں سے پانی کا چشمہ پھوٹنا اور پانی میں برکت ہونا

اور جابرؓ کہتے ہیں کہ حدیبیہ(۱) کی صلح میں لوگ پیاسے ہوئے اور حضرت کے پاس پانی کی چھاگل تھی، اس سے آپ نے وضو کیا، لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس پانی نہ پینے کو ہے اور نہ وضو کرنے کو، اس پر آپ نے اپنا ہاتھ چھاگل میں رکھا، اور آپ کے انگلیوں سے چشمہ کی مانند پانی جوش مارنے لگا، اور سب نے پیا اور وضو کیا، اور اس وقت آدمی پندرہ سو تھے، اور پانی اس کثرت سے ہوا کہ اگر لاکھ آدمی بھی ہوتے تو کفایت کرتا۔

اور انسؓ کہتے ہیں کہ مقام زوراء (۲) میں حضرت کے پاس ایک باسن (برتن) میں تھوڑا پانی لائے، آپ نے اپنا ہاتھ اس باسن (برتن) میں رکھا، انگلیوں

---

(۱) حاء حطی کے پیش اور دال کے زبر اور ے کے تشدید اور تخفیف کے ساتھ، ایک جگہ کا نام ہے جو مکے سے نو میل ہے اور حضرت کے وقت میں یہ مکان مدینے سے مکہ آنے والے کو بیچ میں پڑتا تھا اور اب وہ راستہ چھوٹ گیا ہے، اور ہجرت کے چھٹے سال ذی قعدہ کی پہلی تاریخ پیر کے دن حضرتؐ عمرہ کی نیت سے وہاں پہنچے تھے۔ ۱۲ منہ

(۲) زے کے زبر اور واو کے سکون کے ساتھ ایک جگہ کا نام ہے مدینہ میں، اور بعضوں نے کہا ہے کہ ایک جگہ کا نام ہے جو مدینے کے قریب ہے اور ظاہر میں یہی مراد ہے۔ ۱۲ منہؒ

سے پانی نکلنا شروع ہوا، لوگوں نے وضو کیا، قتادہؓ نے انسؓ سے پوچھا کہ تم کتنے تھے؟ کہا: تین سو یا قریب تین سو کے۔

اور ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم معجزوں کو برکت اور نور کا سبب جانتے تھے، اور تم اے لوگو! ڈرانے کا سبب (جانتے ہو)، ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے پانی کی قلت ہوئی، حضرت نے فرمایا کہ اگر کسی باسن (برتن) میں تھوڑا بچا ہوا پانی ہو تو لے آؤ، ایک باسن میں کچھ تو ڑا سا پانی ملا، صحابہ لے آئے، حضرت نے اپنا ہاتھ پانی میں رکھ کر فرمایا: پاک کرنے والے بابرکت پانی پر آؤ، اور جلدی کرو، اور یقیناً میں نے دیکھا کہ حضرت کے انگلیوں سے پانی نکلتا تھا اور یقیناً ہم کھانے کے وقت تسبیح کی آواز طعام سے سنتے تھے۔

اور ایسے معجزے پانی کی نسبت کئی بار اور بھی ہوئے ہیں اور قدر مشترک ان کی تواتر معنوی کی حد کو پہنچی ہے۔

فائدہ

اور یہ معجزہ(۱) انگلیوں سے پانی نکلنے کا موسیٰ کے اس معجزے سے جو قادیس کی منزل میں اس کے سبب پتھر سے پانی نکلا تھا بڑھ کر ہے، اس لئے کہ پانی کا گوشت پوست سے بہنا پتھر کی نسبت بہت ہی غیر معتاد اور عجیب ہے، اور ان معجزات میں جو کھانے کی نسبت تھے، یا پانی کے، حضرت نے کچھ کھانا یا پانی لے کر برکت کی دعا کی، اور اس طرح نہ کیا کہ اس کے سوا کھانا اور پانی کثرت سے ظاہر کر دیتے، اگر چہ اس امر کی حکمت خدا اور رسول کو ہی خوب معلوم ہوگی، مگر ہماری ناقص عقلوں کے موافق یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس میں حضرت احدیت کا ادب مدنظر رکھا کہ بے مادے کے

---

(۱) اور یہ معجزہ کسی اور پیغمبر سے صادر نہیں ہوا۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

پیدا کرنا خدا ہی کا خاصہ ہے، اور بس، اس لئے ایسا فعل کیا کہ ظاہر میں جس میں کچھ احتیاج ثابت ہو، اور یہی حکمت اور انبیاء کے فعل میں بھی معلوم ہوتی ہے۔

اسی لئے حضرت مسیح نے پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں شاگردوں سے لے کر اس میں برکت بخشی تھی جیسا کہ متی کے چودہویں اور مرقس کے چھٹے اور لوقا کے نویں باب میں مرقوم ہے، اور حضرت ایلیا پیغمبر نے آٹے کی ایک مٹھی اور تھوڑے سے تیل میں اور حضرت الیسعؑ پیغمبر نے ایک پیالے تیل میں برکت بخشی تھی جیسا کہ سلاطین کی پہلی کتاب کے سترہویں باب اور سلاطین کی دوسری کتاب کے چوتھے باب میں مسطور ہے۔

اسطوانۂ حنانہ کا رونا

اور تواتر معنوی کی حد کو پہنچا ہے کہ حضرت ﷺ منبر کے تیار ہونے سے پہلے مسجد کے ایک ستون سے تکیہ لگا کر خطبہ پڑھتے تھے، جب منبر تیار ہو گیا، حضرت اس پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنے لگے، اس حالت میں ستون چلاّیا اور قریب تھا کہ حضرت کے فراق کے غم سے پھٹ جاتا، حضرت نے منبر سے اتر کر اس کو گلے سے لگایا اور اس ستون میں سے رونے کی آواز ایسی نکلتی تھی جیسے لڑکی کے رونے کی، جب اس کو چپ کریں اور جب چپ ہو گیا، حضرت نے فرمایا کہ یہ ستون ذکر الٰہی کے نہ سننے کے (یعنی نزدیک سے، پہلے جیسا سنتا تھا) سبب نالہ کرنے لگا۔

جنون سے شفا دلانا

اور ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک عورت اپنے بیٹے کو حضرت کے پاس لائی، اور عرض کیا کہ اس کو جنون ہے اور صبح اور شام کو اس کو پکڑتا ہے، حضرت ﷺ نے اس کے سینہ پر ہاتھ پھیر کے دعا کی، اس لڑکے نے قے کی اور قے میں ایک کالے پلے

کتے کے مانند نکلا اور نکل کے دوڑنے لگا اور (لڑکا) اچھا ہو گیا۔

لعاب دہن سے آشوبِ چشم سے شفایابی

اور خیبر کی لڑائی میں حضرت علیؓ کی آنکھیں شدت سے دکھتی تھیں، اور اسی سبب سے حضرت کی محفل میں نہ آئے تھے، آپ نے پوچھا کہ علیؓ کہاں ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ان کی آنکھیں بہت ہی دکھتی ہیں، اور اسی سبب سے وہ حاضر نہیں ہوئے، آپ ﷺ نے آدمی بھیج کر ان کو بلوایا، اور ان کا سر اپنی ران پر رکھ کر ان کے دونوں آنکھوں میں اپنا لعاب ڈال کے دعا کی، فوراً اچھی ہو گئیں، اور تمام عمر بھر کبھی نہ دکھیں، اور نہ کبھی دردِ سر ہوا۔

گہرے زخم کا دَم سے ٹھیک ہو جانا

اور سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ خیبر کی لڑائی میں میری پنڈلی میں ایسا زخم پہنچا کہ لوگوں نے یہ گمان کیا کہ مر گیا، جب حضرت ﷺ کے پاس لائے، حضرت ﷺ نے زخم کی جگہ تین بار دم کیا اس وقت سے اب تک کبھی کچھ دکھ مجھے معلوم نہیں ہوا۔

زخمی آنکھ کا بالکل تندرست ہو جانا

اور احد کی لڑائی میں قتادہ بن نعمانؓ کی آنکھ زخم سے بالکل نکل کے رخسار پر آپڑی، حضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک سے اس کو اس کی جگہ رکھ کر دعا کی، فوراً اچھے ہو گئے، اور وہ آنکھ بہت ہی خوش نما اور بڑی بینائی والی تھی، اور ساری عمر کبھی نہ دکھی، گو دوسری دکھنے آتی۔

حضرت ﷺ کی دعا سے ذبح کی ہوئی بکری کا زندہ ہو جانا

اور جابرؓ کی ایک بار ضیافت کی اور بکری ذبح کر کے پکائی، حضرت نے صحابہ کو

فرمایا کہ کھاؤ، لیکن ہڈیاں نہ توڑیو، جب کھا چکے، آپ ﷺ نے سب ہڈیاں جمع کر کے ان پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا، فوراً وہ بکری زندہ ہوگئی۔

حضرت ﷺ کی دعا سے دو مردہ بچوں کا زندہ ہو جانا

اور ایک روز جابرؓ نے حضرت ﷺ کی ضیافت کی اور ایک بکری ذبح کی، ان کے دو بیٹے چھوٹے چھوٹے تھے، اور بکری کو ذبح ہوتے دیکھتے تھے، اس کے بعد کھیل میں بڑے بھائی نے الگ ہو کے چھوٹے کو ذبح کر ڈالا، جب اس کی ماں کو خبر ہوئی مارنے کو دوڑی، اور یہ ڈر کے مارے کوٹھے پر چڑھا اور وہاں سے نیچے گر کے مر گیا، پھر وہی دونوں لڑکے حضرت کی دعا سے زندہ ہو گئے۔

اندھی بڑھیا کے مردہ بیٹے کا زندہ ہو جانا

اور انسؓ کہتے ہیں کہ ایک اندھی بڑھیا کا جوان بیٹا مر گیا، وہ خبر پا کے چلا اٹھی کہ اے خدا! میں نے خالص تیرے لئے تیرے پیغمبر کی طرف ہجرت کی تھی، مجھ کو یہ داغ نہ دے، اس استغاثہ کی برکت سے جو رسول اللہ کے وسیلے سے کیا تھا اس کا بیٹا زندہ ہو گیا۔

نابینا کا بینا ہو جانا

اور ایک شخص کی دونوں آنکھیں سفید تھیں، اور اس کو کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا، اس نے حضرت سے عرض کیا، آپ نے اس کی آنکھوں پر دم کیا، فوراً سفیدی جاتی رہی، اور خوب دیکھنے لگا، اسی برس کی عمر میں سوئی میں دھاگا پرو لیتا تھا۔

استسقاء کے مریض کا شفایاب ہو جانا

اور ایک شخص استسقاء کے مرض میں بشدت مبتلا اور مرگ کے قریب تھا، اس

نے ایک آدمی حضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا حضرت نے ایک خاک کی مٹھی لے کے اس میں اپنا لعاب ڈال کے اس کو دی، اس نے آ کے اس مریض کو وہ خاک گھول کر پلائی، پیتے ہی اچھا ہو گیا۔

کھارے کنواں کا شیریں ہو جانا

اور انسؓ کے گھر میں ایک کنواں کھاری تھا۔ حضرت نے اس میں اپنا لعاب ڈال دیا، اس کی برکت سے اس کا پانی ایسا میٹھا ہو گیا کہ مدینے میں کسی کوئیں کا پانی ایسا نہ تھا۔

لکڑی کا تلوار بن جانا

اور بدر کی لڑائی میں عکاسہؓ کی تلوار ٹوٹ گئی، حضرت نے ایک درخت کی جڑ اٹھا کے ان کے ہاتھ میں دی اور وہ تلوار بن گئی اور عکاسہ اس تلوار سے ہر غزوہ کے اندر لڑتے رہے یہاں تک کہ اہل ردت کی لڑائی میں شہید ہوئے، اور اس تلوار کا نام عون تھا، اور ایسا ہی احد کی لڑائی میں عبداللہ بن جحشؓ کو کھجور کی ٹہنی دی تھی اور وہ تلوار بن گئی تھی۔

ایک خاص قسم کی آگ ظاہر ہونے کی پیشین گوئی

اور صحیح بخاری اور مسلم میں ابو ہریرہؓ کی روایت سے مرقوم ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے حجاز کے ملک میں ایک ایسی آگ بلند ہوگی کہ بصرے کے شہر کے اونٹوں کی گردنیں روشن کر دے گی (یعنی اس مرتبہ میں بلند (اس قدر بلند) ہوگی کہ اس کی روشنی حجاز کے ملک سے بصری تک (کہ شام کے ملک میں دمشق کے کئی منزل کے فاصلہ پر ایک شہر ہے) ایسے پہنچے گی کہ اس کی روشنی میں اس شہر کے اونٹ رستہ چلیں گے) اور اس پیشین گوئی کے مطابق ظہور میں آیا کہ ہجرت کے چھ سو چون سال میں جمادی الآخر کے مہینے، حجاز کے ملک میں مدینہ منورہ کے متصل وہ آگ نمود

ہوئی، اور وہ ایسی معلوم ہوتی تھی کہ جیسے ایک بڑا شہر ہو اور اس میں قلعہ اور برج اور کنگرے نظر آتے تھے، اور طول اس کا تقریباً چار فرسنگ اور عرض اس کا تقریباً چار میل اور ارتفاع اس کا ڈیڑھ قد آدم تھا، اور دریا کی طرح موج زن تھی، اور روکی طرح چلتی معلوم ہوتی تھی، اور رعد کی طرح گرجتی تھی، اور اس کی روشنی ایسی تیز تھی کہ مدینہ منورہ کے آدمی رات کو دن کی طرح اپنے کاروبار میں مشغول رہتے تھے، اور اس کی روشنی کو مکہ اور بصری والے اپنے اپنے مقاموں سے دیکھتے تھے اسی طرح باون دن رہی، اس کے بعد اسی سال میں رجب کے ستائیسویں کو جاتی رہی (۱)۔

بغداد کی تباہی کی پیشین گوئی

اور ابوداؤد میں بروایت ابوبکرؓ مرقوم ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ دریائے دجلہ کے نزدیک ایک بڑا شہر آباد ہوگا، اور اس کے رہنے والے مسلمان ہوں گے اور آخر زمانے میں ترک چھوٹی آنکھوں اور بڑے چہرہ والے اس شہر پر حملہ کریں گے، اور اس دریا کے نزدیک ٹھہریں گے، اور شہری لوگ تین فرقے ہو جاویں گے، ایک فرقہ تو اپنا مال اور اسباب لاد کر کے جنگل کی طرف بھاگے گا، اور دوسرا فرقہ ترکوں کے بادشاہ سے پناہ ڈھونڈے گا، اور یہ دونوں فرقے برباد ہوں گے، اور تیسرا فرقہ اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر ترکوں سے لڑے گا، اور وہ شہید ہوگا، اور اس پیشین گوئی کے مطابق

(۱) دیکھو یہ کیسی بڑی پیشین گوئی ہے کہ صدہا سال وقوع سے پہلے ظہور میں آئی اور چونکہ بخاری کی وفات دو سو چھپن میں ہے تو اس حساب سے یہ پیشین گوئی اپنے وقوع سے پہلے چار سو برس کے قریب صحیح بخاری میں ضبط تھی اور اس کتاب کو خدا نے وہ قبولیت دی تھی کہ نوے ہزار آدمیوں نے تو بخاری ہی کی زندگی میں بلا واسطہ بخاری سے اس کو سند کیا تھا، اور واسطے کا تو کیا ذکر اور بعد میں بھی یہی حال رہا، تو اس میں تحریف اور تبدیل کی گنجائش نہیں، برخلاف عہد عتیق اور جدید کی کتابوں کے کہ نہ ان کی سند متصل ملتی ہے اور تحریف کے اقرار سے ان میں خود اہل کتاب کو چارا نہیں جیسا ان شاء اللہ سترہویں سوال کے جواب میں آتا ہے، ۱۲ منہ

ظہور(۱) میں آیا کہ ابو منصور دوانیق نے جو خلفاء عباسیہ سے دوسرا خلیفہ تھا دریائے دجلہ کے نزدیک بغداد کو آباد کیا، اور ۱۴۵ھ ایک سو پینتالیس ہجری میں اس کی عمارت شروع ہوئی، اور ۱۴۹ھ ایک سو انچاس میں اختتام کو پہنچی، اور ایک کروڑ دینار زر سرخ اس پر خرچ ہوا اور خلفاء عباسیہ کا وہ دار الخلافہ ٹھہرا، اور اس کے باشندے اہل اسلام تھے، اور ۶۵۴ھ چھ سو چون ہجری میں مستعصم باللہ کے وقت میں جو خلفاء عباسیہ میں سے آخری خلیفہ تھا، ہلا کو خاں بادشاہ ترکوں کا چڑھ آیا، اور شہر کا محاصرہ کیا، بعد محاصرے کے بعض تو اپنے بال بچے لے کے بھاگے، وہ سب ترکوں کے ہاتھ سے تہ تیغ ہوئے، اور مستعصم باللہ اور دوسرے امراء نے ترکوں کے بادشاہ سے امان چاہی، وہ بھی مارے گئے اور بعضوں نے شجاعت کر کے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا، اور مردانہ لڑ کے شہید ہوئے، پس جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا۔

بعض پیشین گوئیاں جو ہو بہو پوری ہوئیں

اور فرمایا تھا کہ عمر شہید ہوگا، اور اس کے جیتے جی کوئی فتنہ ظاہر نہ ہوگا، اور ایسا ہی ہوا کہ فیروز مجوسی نے آپ کو صبح کی نماز میں زخمی کیا اور اسی زخم سے تیسرے دن ہجرت کے چوبیسویں سال محرم کی پہلی تاریخ اتوار کے دن شہادت پا کے جنت کو پہنچے، اور ان کے جیتے جی کچھ فتنہ ظاہر نہ ہوا۔

اور فرمایا تھا کہ عثمانؓ قرآن پڑھتا مظلوم مارا جائے گا، اور اس کا خون آیت "فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم" پر پڑے گا، اور ایسا ہی ہوا کہ مصر کے

(۱) اور چونکہ ابوداؤد کی وفات دوسو پچھتر میں ہوئی، تو اس حساب سے ترکوں کے آنے اور شہر کے ایسے حال ہونے سے یہ پیشین گوئی صحیح ابوداؤد میں پونے چار سو برس سے پہلے ضبط تھی اور صحیح ابوداؤد کا حال بھی قریب قریب کتاب بخاری اور مسلم کے ہے، تو اب اس پیشین گوئی کے بڑی ہونے اور تحریف کی گنجائش نہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ۱۲ منہ۔

بلوائیوں کے ہاتھ سے چھتیسویں سال ہجرت کے ذی الحجہ کی اٹھارویں کو جمعہ کی نماز کے بعد قرآن کی تلاوت کرتے شہید ہوئے، اور شہادت کے وقت آیت مذکورہ ان کی زبان پر تھی اور ان کا خون اس آیت پر پڑا، چنانچہ اب تک اس مصحف میں جو مصحف امام کرکے مشہور ہے اس خون کا اثر موجود ہے، باوجودیکہ اتنی مدت گزری۔

شہادت علیؓ کی پیشین گوئی

اور فرمایا تھا کہ علیؓ کے داڑھی اور سر کو ایک بڑا بد بخت رنگین کرے گا، اور ایسا ہی ہوا کہ ہجرت کے چالیسویں سال رمضان کی انیسویں تاریخ کو ابن ملجم بد بخت نے ان کو زخمی کیا، اور تلوار زہر کی بجھی سر مبارک پر ماری کہ اسی زخم سے تیسرے دن اکیسویں رمضان کو شہادت پا کر بہشت کو گئے۔

حضرت حسنؓ کے بارے میں ایک پیشین گوئی

اور امام حسنؓ کی جانب اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ یہ میرا بیٹا سردار ہے، اور امید ہے کہ اس کے سبب مسلمانوں کے بڑے دو گروہ میں صلح ہوگی، اور ویسا ہی ہوا کہ ہجرت کے اکتالیسویں سال ربیع الاول کے مہینے بڑے دو گروہ میں جو شام اور عراق کے لشکر تھے ان کے سبب صلح ہوگئی۔

اور فرمایا تھا کہ حسین دشت کربلا میں شہید ہوگا، اور نشانیاں ان کے قاتل کی بیان کردی تھیں، اور ویسا ہی ہوا کہ ہجرت کے اکسٹھویں برس محرم کی دسویں تاریخ کو امام حسینؓ نے دشت کربلا میں یزید پلید کے لشکر سے شہادت پائی۔

بعض اور پیشین گوئیاں

اور فاطمہؓ کو فرمایا تھا کہ وہ سب سے پہلے میرے اہل بیت سے مجھ پاس پہنچے

گی۔

اور زینبؓ کو فرمایا تھا کہ سب بیویوں سے پہلے مرے گی، اور ویسا ہی ہوا کہ حضرت فاطمہؓ نے چھ مہینے کے بعد رسول اللہ کی وفات سے وفات پائی، اور حضرت زینبؓ نے ازواج سے پہلے ہجرت کے بیسویں سال میں وفات پائی۔

اور عمار یاسر کو فرمایا تھا کہ تو باغیوں کے گروہ کے ہاتھ سے مقتول ہوگا، اور ویسا ہی ہوا کہ ہجرت کے سینتیسویں سال صفین کی لڑائی میں شام کے لشکر کے ہاتھوں سے شہید ہوئے۔

بادشاہ دومۃ الجندل اکیدر بن عبدالملک کے بارے میں ایک پیشین گوئی

اور تبوک سے ہٹتے وقت خالدؓ کو چار سو بیس سوار ہمراہ دے کر حکم فرمایا تھا کہ دومۃ الجندل کے بادشاہ اکیدر بن عبدالملک نصرانی پر جا، خالدؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ مجھ کو اس جمعیت قلیل کے ساتھ ایسے موذی پر بھیجتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بدون لڑائی کے تو اس کو شکار کھیلتے پکڑ لے گا، اور ویسا ہی ہوا، کیوں کہ جب خالدؓ حکم کے موافق گئے، دومۃ الجندل کے قریب پہنچے، اس رات میں چاندنی خوب ہی کھل رہی تھی، اور اکیدر اپنے محل سرا کی چھت پر اپنی بی بی کے ساتھ شراب پی رہا تھا کہ اس عرصہ میں ایک نیل گاؤ آ کے قلعہ کو ٹکرانے لگا، اس کی بی بی نے دیکھ کر اپنے خاوند سے یہ ماجرا بیان کیا، وہ تو شکار کا بہت ہی شائق تھا، معلوم کرتے ہی اوپر سے اترا اور گھوڑے پر سوار ہو کر حسان اپنے بھائی اور چند سواروں کو ہمراہ لے کر باہر نکلا، نیل گاؤ بھاگا، اور وہ پیچھے ہوا، اور تھوڑی دور آ کر خود خالدؓ کا شکار بن گیا، اور گرفتار ہو گیا، اور اس کا بھائی لڑائی میں مارا گیا، اور باقی

بھاگ کر قلعہ میں آپڑے، خالد نے کہا کہ اگر قلعہ ہمارے سپرد کردے تو جان سے تجھ کو امان دے کر زندہ رسول مقبول کی خدمت میں لے جاتا ہوں، اخیر کو صلح اس پر ٹھہری کہ دس ہزار اونٹ اور آٹھ سو غلام دیوے، اور قلعہ بدستور اسی کے پاس رہے، اور اکیدر اور مصاا اس کے بھائی حضرت کی خدمت میں چلیں، اور جیسا وہ ان دونوں کے حق میں حکم فرمادیں وہی عمل میں آئے، اس کے موافق خالدؓ ان دونوں کو لے کر حضرت کے پاس لائے، حضرت نے دونوں کی جان بخشی کی۔

خسرو پرویز کی ہلاکت کی خبر دینا

اور جب حضرت ﷺ کا خط خسرو پرویز کو پہنچا تو اس نے یمن کے حاکم کو جو باذان تھا لکھ بھیجا کہ اس مدعی نبوت کو گرفتار کر کے میرے پاس بھجوادے، اس پر یمن کے حاکم نے دو آدمی مع خط کے حضرت کے پاس طلب کے لئے بھیجے، حضرت نے فرمایا کہ کل کو جواب ملے گا، جب اگلا دن ہوا، قاصد آئے، حضرت نے فرمایا کہ جاؤ اور یمن کے حاکم کو کہہ دو کہ کل کی رات میرے پروردگار نے خسرو پرویز پر اس کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر کے اس کو مرواڈالا، اور ایسا ہی ہوا تھا، کیوں کہ اسی رات میں شیرویہ نے اس کا پیٹ چیر ڈالا، اور یہ واقعہ ہجرت کے ساتویں سال جمادی الاخری کی دسویں تاریخ منگل کی رات کو ظہور میں آیا تھا۔

الغرض قاصد سن کر یمن کو گئے، اور یمن کے حاکم سے کہا، اس نے سن کر اور حال حضرت کا بھی دریافت کیا، اور دریافت کر کے بولا کہ فی الحقیقت وہ شخص نبی معلوم ہوتا ہے، اور اگر یہ بات سچی نکلی تو سب بادشاہوں اور امیروں سے پہلے میں ہی ایمان لاؤں گا، اسی عرصہ میں پروانہ شیرویہ کا یمن کے حاکم کو پہنچا اور اس میں لکھا تھا، خسرو پرویز کو ظلم کے سبب میں نے قتل کیا، اور میں تخت نشیں ہوا ہوں، یمن والوں سے میری

بیعت لے لینا، اور اس صاحب دولت کو جو عرب میں نبوت کا مدعی ہے، اور جس کی گرفتاری کے لئے خسرو نے لکھا تھا، کچھ نہ کہنا، جب تک دوبارہ حکم میرا اس امر میں تجھ کو نہ پہنچے، بادان اس حال کے دریافت ہونے کے بعد بے تامل مسلمان ہو گیا، اور اس کے ساتھ یمن والے اور وہ فارس کے رہنے والا مجوسی جوان دنوں وہاں تھے، سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

کسریٰ کے خزانے مفتوح ہونے کی بشارت

اور عدی بن حاتم کو کہا تھا کہ اگر تیری زندگی دراز ہوئی تو دیکھے گا کہ کسریٰ بن ہرمز بن نوشیرواں کے خزانے مفتوح ہوں گے (یعنی مسلمان فتح کریں گے) اور ویسا ہی ہوا، چنانچہ ذکر اس کا چوتھے معجزے میں تفصیلی معجزات میں سے گذرا۔

کسریٰ کے دونوں کنگنوں کے بارے میں پیشین گوئی

اور سراقہ کو فرمایا تھا کہ بادشاہ کسریٰ کے ہاتھ کے دونوں کنگن تو پہنے گا، اور ایسا ہی ہوا کہ جب حضرت عمرؓ کی خلافت میں کسریٰ کا مال ضبطی میں آیا تو دو کنگن اس کے ہاتھ کے اس میں تھے، عمرؓ نے وہ دونوں کنگن سراقہ کو پہنا دئے، اور فرمایا کہ الحمد للہ کہ خدا نے ان کو کسریٰ کے ہاتھ سے نکالا اور سراقہ کو پہنایا۔

اور عباسؓ کو فرمایا (۱) تھا کہ تیرے لڑکا پیدا ہوگا، جب پیدا ہو میرے پاس لانا، جب وہ پیدا ہوا، عباسؓ اس کو لائے، حضرت نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی اور اپنا لعاب اس کے منہ میں ڈالا، اور عبداللہ نام رکھا، اور فرمایا کہ یہ ابو الخلفاء ہے، یعنی اس کے نسل سے خلیفہ اور بادشاہ ہوں گے۔

اور فرمایا تھا کہ عباس کی اولاد کے علم سیاہ نکلیں گے، اور اس کی اولاد بڑے

---

(۱) یہ ان دنوں میں فرمایا تھا، جن دنوں میں ان کی بی بی حمل سے تھیں۔

ملک کی مالک ہوگی، اور ایسا ہی ہوا کہ عبداللہ بن عباس کی اولاد(۱) سے بڑے بڑے

(۱) خلفائے عباسیہ کا ذکر

پہلا ابوالعباس سفاح جو ۱۳۲ھ ایک سو بتیس میں کوفے میں خلافت کے مسند پر بیٹھا اور چار برس آٹھ مہینے سلطنت کر کے تینتیس (۳۳) برس کی عمر میں مرا۔

دوسرا منصور ابودانیق بھائی سفاح کا کہ اکیس (۲۱) برس بارہ مہینے چھ دن خلافت کر کے ترسٹھ برس کی عمر میں مرا اور اس نے بغداد کو تعمیر کر کے دارالخلافہ بنایا، اور سنہ ایک سو پینتالیس مین عمارت اس کی شروع ہوئی اور سنہ ایک سو انچاس میں اختتام کو پہنچی، ۱۴۹ ایک کروڑ دینار زرسرخ اس میں صرف ہوا۔

تیسرا مہدی بن منصور کہ گیارہ برس اور کچھ مدت سلطنت کر کے تینتالیس برس کی عمر میں مرا۔

چوتھا ہادی بن مہدی کہ ایک برس تین مہینے خلافت کر کے چھبیس برس کی عمر میں مرا۔

پانچواں ہارون رشید بن مہدی کہ تیئس برس اور کچھ مدت سلطنت کر کے پینتالیس برس کی عمر میں مرا۔

چھٹا محمد امین بن ہارون رشید کہ چار برس آٹھ مہینے سلطنت کر کے اٹھائیس برس کی عمر میں مرا۔

ساتواں مامون بن ہارون رشید کہ بیس برس پانچ مہینے تیرہ دن خلافت کر کے اٹھتالیس برس کی عمر میں مرا۔

آٹھواں معتصم باللہ بن ہارون رشید جس نے شہر "سر من رأی" کو جو "سامرہ" کر کے مشہور ہے بنایا اور اٹھتالیس برس آٹھ مہینے کی عمر میں مرا۔

نواں واثق باللہ بن معتصم کہ اپنے باپ اور چچا کے مانند معتزلی المذہب تھا اور پانچ برس نو مہینے تیرہ دن خلافت کر کے سینتیس برس کی عمر میں مرا۔

دسواں متوکل علی اللہ بن معتصم کہ چودہ برس نو مہینے نو دن سلطنت کر کے چوالیس برس کی عمر میں مارا گیا۔

گیارہواں منتصر باللہ بن متوکل کہ چھ مہینے سلطنت کر کے پچیس برس کی عمر میں مرا۔

بارہواں مستعین باللہ بن محمد بن معتصم کہ تین برس اور نو مہینے سلطنت کر کے پینتیس برس کی عمر میں مرا۔

تیرہواں معتز باللہ بن متوکل کہ تین برس چھ مہینے تین دن خلافت کر کے چوبیس برس کی عمر میں مرا۔

چودہواں مہتدی باللہ بن واثق کہ گیارہ مہینے اور سترہ دن سلطنت کر کے انتالیس برس کی عمر میں مارا گیا۔

===

=== پندرہواں معتمد علی اللہ بن متوکل جو تیئیس (۲۳) برس سلطنت کر کے اٹھتالیس برس کی عمر میں مرا۔

سولہواں معتضد باللہ جو نو برس اور نو مہینے اور نو دن سلطنت کر کے انچاس برس کی عمر میں مرا۔

سترہواں مکتفی باللہ جو چھ برس اور چھ مہینے اور سولہ دن سلطنت کر کے تیں برس چھ مہینے کی عمر میں مرا۔

اٹھارواں مقتدر باللہ بن معتضد کہ چوبیس برس اور گیارہ مہینے اور سولہ دن سلطنت کر کے اڑتیس برس پانچ مہینے کی عمر میں مرا۔

انیسواں قاہر باللہ بن معتضد کہ ایک برس چھ مہینے چھ دن بعد ظالم ہونے کے سبب خلافت سے اٹھایا گیا اور باون برس کی عمر میں مرا۔

بیسواں راضی باللہ ابو العباس بن مقتدر کہ چھ برس دس دن خلافت کر کے بتیس برس کئی مہینے کی عمر میں مرا۔

اکیسواں متقی باللہ بن مقتدر کہ تین برس گیارہ مہینے سلطنت کر کے ساٹھ برس کی عمر میں مرا۔

بائیسواں مستکفی باللہ بن مکتفی کہ کچھ دنوں خلافت کر کے نوکروں کے نمک حرامی کے سبب خلافت سے اٹھایا گیا۔

تئیسواں مطیع باللہ بن مقتدر جس نے انتیس برس پانچ مہینے خلافت کر کے اپنے بیٹے طالع باللہ کو خلیفہ کیا اور اس کے دو مہینے کے بعد مر گیا۔

چوبیسواں طائع باللہ بن مطیع جس نے سترہ برس نو مہینے چھ دن سلطنت کی۔

پچیسواں قادر باللہ بن مقتدر جس نے اکتالیس برس تین مہینے گیارہ دن سلطنت کر کے اسی (۸۰) برس کی عمر میں انتقال کیا اور اپنے وقت میں اس نے نمک حرام نوکروں کی شوکت بالکل گھٹا دی۔

چھبیسواں قائم بامر اللہ بن قادر باللہ کہ چوالیس برس آٹھ مہینے خلافت کر کے چھہتر برس تین مہینے پانچ دن کی عمر میں مرا۔

ستائیسواں مقتدی باللہ بن قائم بامر اللہ کہ انیس برس پانچ مہینے خلافت کر کے چھتیس برس آٹھ مہینے سات دن کی عمر میں مرا۔

اٹھائیسواں مستظہر باللہ بن مقتدی باللہ کہ پچیس برس کئی مہینے سلطنت کر کے اکتالیس برس چھ مہینے کی عمر میں مرا۔

انتیسواں مسترشد باللہ بن مستظہر باللہ کہ سترہ برس چھ مہینے خلافت کر کے تینتالیس برس کی عمر میں مرا۔

بادشاہ ہوئے، اوران کے علم سیاہ ہوتے تھے، اور یہ حال بطور اختصار کے یوں ہے کہ:

مروان بن محمد جو مروانیوں کا آخری بادشاہ تھا، ۱۳۰ھ (ایک سوتیس ہجری) میں مارا گیا، اور بنی امیہ کی سلطنت کا شام کے ملک سے نام مٹ گیا، اور ابوالعباس سفاح نے جو عبداللہ بن عباسؓ کی اولاد سے تھا، اسی سال میں جلوس کیا، اور سینتیس آدمی ان کی اولاد سے خلافت کے تخت پر بیٹھے، اوران میں بڑے بڑے بادشاہ مثل ہارون رشید اور مامون رشید وغیرہما کے گذرے، اور پانچ سو بائیس برس عباسؓ کے خاندان میں خلافت رہی، اور سنہ چھ سو چون ہجری میں مستعصم باللہ جو خلفاء عباسیہ کا آخری خلیفہ تھا مع بال بچوں کے ہلاکو خاں کے ہاتھ سے مارا گیا اور وہ سلطنت قاہرہ برباد ہوئی، اور

تیسواں راشد باللہ بن مسترشد کہ ایک برس سلطنت کر کے مرا۔

اکتیسواں متقی لامراللہ بن مستظہر کہ چوبیس برس تین مہینے اکیس دن خلافت کر کے چھیاسٹھ برس کی عمر میں مرا۔

بتیسواں مستنجد باللہ بن متقی کہ گیارہ برس ایک مہینے سلطنت کر کے مرا۔

تینتیسواں مستضي بنوراللہ بن مستنجد کہ نو برس آٹھ مہینے خلافت کر کے مرا۔

چونتیسواں ناصرلدین اللہ بن مستضي کہ چھیالیس برس اکیس دن سلطنت کر کے انہتر برس کی عمر میں مرا۔

پینتیسواں طاہر باللہ بن ناصر کہ نو مہینے چودہ دن سلطنت کر کے مرا، اور باون برس کی عمر میں مسند خلافت پر بیٹھا تھا۔

چھتیسواں مستنصر باللہ بن طاہر کہ سولہ برس دو مہینے سات دن سلطنت کر کے مرا۔

سینتیسواں معتصم باللہ بن مستنصر کہ سولہ برس آٹھ مہینے خلافت کر کے اس کے بعد ابن علقمی وزیر کی نمک حرامی سے جو شیعی المذہب تھا اور تعصبِ مذہب کی راہ سے نمک حرامی کر کے پوشیدہ ہلاکو خاں سے مل گیا تھا مستعصم ہلاکو خاں کے ہاتھ سے معہ بال بچوں اور کئی ہزار عباسیوں کے مقتول ہوا اور خلافت خلفاء عباسیہ کی ختم ہوئی، شیخ سعدیؒ مرثیہ میں فرماتے ہیں

آسمان راحق بود گر خون بگرید بر زمین ‏ ‏ ‏ ‏ برزوال ملک مستعصم امیر المؤمنین ۱۲ منہ

ایک شاعر نے ان کے ناموں کو اس طرح ضبط کیا ہے۔

از بنی عباس سی ہفت بودندے امام | کز سنان تیغ شان شد سینہ اعدا فگار
بود سفاح انگہے منصور و مہدی از عقب | ہادی و ہارون امین مامون امام کامگار
معتصم انگاہ واثق بعد از و متوکلست | منتصر پس مستعین بودہ است معتز پیشکار
مہتدی و معتمد پس معتضد پس مکتفی | مقتدر پس قاہر و راضی امام روزگار
متقی مستکفی وانگاہ مطیع و طائع است | قادر و قائم پس از وے مقتدی شد آشکار
بعد از و مستظہر و مسترشد است و راست شد | متقی مستنجد انکس شیر گردوں شد شکار
مستضی و ناصر و طاہر دگر مستنصر است | آخرین قوم مستعصم بحکم کردگار

ترکوں کے غلبہ کی پیشین گوئی

اور فرمایا تھا کہ ترک عرب کے جزیرے پر غالب ہو جاویں گے اور ایسا ہی ہوا کہ ترکوں نے کئی سو سال کے بعد اس پیشین گوئی سے عرب کے جزیرے پر غلبہ پایا، اور تدریجاً روم اور یونان کی مملکت پر اپنا قبضہ کر لیا، اور ۹۱۱ھ (نو سو گیارہ ہجری) مطابق ۱۴۵۳ء (چودہ سو ترپن عیسوی) میں قسطنطنیہ کو فتح کر کے دارالسلطنت ٹھہرایا، اور اب تک ان کی سلطنت بخوبی قائم ہے، اور عرب کے جزیرہ پر انہیں کا تسلط ہے۔

وبا کی پیشین گوئی

اور فرمایا تھا کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد وبا آئے گی، اور ایسا ہی ہوا کہ عمرؓ کی خلافت میں جب بیت المقدس فتح ہوا، اس کی فتح کے بعد وبا آئی، اور تین روز میں ستر ہزار آدمی مرے۔

حضرت انس کے لئے دعا

اور انسؓ کی ماں نے ان کو حضرت کی خدمت میں لا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ

یہ لڑکا تیرا خادم ہے، اس کے حق میں دعا کر، آپ نے فرمایا کہ اے خدا اس کو مال اور اولاد بہت دے، اور اس نعمت میں جو تو نے دے رکھی ہے برکت بخش، وہ دعا قبول ہوئی، چنانچہ خود انسؓ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم مال میرا بہت ہے، اور میری اولاد سو نفر سے زیادہ ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ فرماتے تھے کہ میں نہیں جانتا کہ کسی اور نے بھی دنیا کی حلاوت مجھ سے زیادہ پائی ہوگی، اور یقیناً اپنے صلبی اولاد سے سو آدمیوں کو اپنے ہاتھ سے دفن کر چکا ہوں، اور گرے حمل اور پوتا، پوتی، نواسا، نواسی کو حساب نہیں کرتا، اور مروی ہے کہ ان کا باغ سال بھر میں دو بار پھلتا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے لئے برکت کی دعا

اور عبدالرحمٰن بن عوف جب ہجرت کر کے آئے فقیر تھے، حضرت نے ان کے حق میں برکت کی دعا کی، اللہ تعالی نے ان کو بہت کچھ مال دیا، اور بڑی برکت بخشی، چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی میں چار جوروں (بیویوں) میں سے ایک جورو کو طلاق دی تھی، اور اس کی عدت پوری ہونے سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا اور انتقال کے وقت پچاس ہزار روپیہ کی وصیت کر گئے تھے، صرف تجہیز اور تکفین اور ادائے وصیت کے بعد ان کے وارثوں نے اس جورو (بیوی) سے اس کے بتیسویں سہام کی بابت اسی ہزار دینار پر صلح کی تھی، اور اپنی زندگی میں خیرات بہت کرتے تھے، اور ایک بار سات سو اونٹ تجارت کے اسباب کے بھرے معہ تمام اسباب کے اللہ کی راہ میں دے ڈالے تھے، اور ایک بار چار ہزار دینار اور ایک بار چالیس ہزار پھر ایک بار چالیس ہزار اور اسی طرح بارہا خیرات کی تھی۔

عتبہ بن لہب کے لئے بددعا

اور عتبہ بن لہب کے حق میں بددعا کے طور سے فرمایا تھا "اللهم سلط عليه

كلبا من كلابك "اس کو شیر پھاڑ گیا۔

سراقہ بن مالک کا واقعہ

اور جب حضرت ﷺ مع صدیقؓ کے ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ کو روانہ ہوئے قریش نے اشتہار دیا کہ جو محمد ﷺ اور اس کے یار کو مار ڈالے یا قید کر کے لے آوے سو ۱۰۰ اونٹ اور اس کو انعام دیں گے، اور سراقہ بن مالک بن جعشم (۱) کے پاس پیغام پہنچا کہ یہ کام وہ کرے، سراقہ کہتا ہے کہ گھوڑے پر سوار ہو کر میں نے ان کا پیچھا کیا، جب قریب پہنچا، گھوڑا میرا سر کے بل گرا، میں بھی زمین پر گر پڑا، مگر میں سوار ہو کر ان کی طرف چلا، جب ایسا نزدیک پہنچا کہ اس جگہ حضرتؐ کے پڑھنے کی آواز آتی تھی تو میرے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، گھوڑے سے اتر کے بہتیرا (بہت) اس کو چھیڑا، مگر پاؤں باہر نہ نکال سکا، اس عرصہ میں حضرت ایسے قریب آ پہنچے کہ ایک دو نیزے کا فرق رہ گیا، آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا " اللهم اكفنا شره بما شئت " یہ فرمانا تھا کہ گھوڑے کے پچھلے دونوں پاؤں بھی گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، میں نے فریاد کی کہ اے محمد! دعا کرو کہ میرا گھوڑا نکل آوے میں تمہیں کچھ نہ کہوں گا، بلکہ شرط کرتا ہوں کہ اگر کوئی اور تمہارے پیچھے آتا ہو گا اسے بھی الٹا دوں گا۔

حضرت ﷺ نے فرمایا " اللهم إن كان صادقا فأطلق فريسهٔ " اسی وقت میرا گھوڑا نکل آیا، میں نے کچھ طعام اور اسباب نذر پکڑا، قبول نہ کیا، فرمایا کہ ہمیں نہیں چاہیے، اور تجھ سے ہم اس کے سوا نہیں چاہتے کہ ہمارا حال مخفی رکھ۔

---

(۱) جیم کے پیش اور عین کے سکون اور شین معجمہ کے ساتھ، نام ہے۔۱۲ منہ رحمہ اللہ

افرادامت محمدیہ کی کچھ کرامات کا ذکر

اور اسی طرح اور معجزات بھی کثرت سے ہیں، اور حضرت ﷺ کا کیا ذکر ان کے افرادامت سے اس قدر کثرت سے کرامات صادر ہوئے ہیں کہ شمار سے باہر ہیں، اور ہر قرن میں ایسے لوگ ہوتے آئے ہیں، چنانچہ نمونہ کے طور کچھ کچھ نقل کرتا ہوں۔

حضرت عمرؓ کی چند کرامات

حضرت عمرؓ کے وقت میں ان کے ایک لشکر سے جس کا سردار ساریہ تھا، ایران کے ملک میں نہاوند پر جو صدہا کوس کے فاصلہ پر مدینہ سے ہے، جمعہ کے دن لڑائی شروع ہوئی، جمعہ کی نماز کے وقت عمرؓ نے مدینہ میں منبر پر خطبہ پڑھتے تین بار فرمایا "یا ساریة الجبل" یعنی اے ساریہ تو پہاڑ کو پکڑ اور لشکر نے یہ آواز سنی، اور پہاڑ کی طرف متوجہ ہوا، اور دشمنوں پر غالب آیا۔

اور حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو جو ذات لظٰی کا رہنے والا تھا خبر دی کہ تیرے گھر کے لوگ سب جل گئے، جا کر خبر لے، جب وہ اپنی بستی میں آیا، تو ویسا ہی پایا، جیسا آپ نے فرمایا تھا۔

اور مصر کی فتح کے بعد جن دنوں عمروؓ بن عاص وہاں کا حاکم تھا، وہاں کے لوگوں نے اس کے پاس آکے کہا کہ اے امیر! قدیم سے یہاں ایک رسم ہے، اگر ہم اس کو کرتے ہیں تو نیل جاری رہتا ہے اگر نہیں کرتے تو نیل جاری نہیں رہتا، اور وہ رسم یہ ہے کہ اس مہینے کی گیارہویں کو ایک کنواری لڑکی اس کے ماں، باپ کی رضا ور غبت سے ہم لیتے ہیں، اور اس کو زیور اور کپڑے سے خوب بنا سنوار کے نیل میں ڈال دیتے ہیں، عمروؓ بن وعاص نے کہا کہ یہ بات تو اسلام کے زمانے میں کبھی نہ ہونے پائے گی، وہ سن کر چپ رہے اور نیل کا پانی بہنے سے بند ہو گیا، اور وہاں کے لوگوں نے جلاوطنی کا

ارادہ کیا، عمروؓ بن عاص نے یہ حال حضرت عمرؓ کو لکھا، اس پر عمرؓ نے ایک خط عمرو بن عاص کو لکھا، اور اس میں ایک چھوٹا سا رقعہ بھی ملفوف کر دیا، اور عمروؓ کو لکھا کہ تو اس رقعہ کو نیل میں ڈال دینا۔

جب وہ خط عمروؓ کے پس پہنچا، عمروؓ نے لوگوں کو جمع کر کے اس رقعہ کو نیل کے اندر ڈال دیا ایک ہی رات میں نیل کا سولہ ہاتھ پانی چڑھ گیا، اور مصر سے یہ رسم اٹھ گئی، اور اس رقعہ کی عبارت یہ تھی:

"من عبدالله عمر أمير المؤمنين إلى نيل مصر أما بعد! فإن كنت تجري من قبلك فلا تجرو إن كان الله يجريك فأسأل الله الواحد القهار، إن يجريك"

ترجمہ:- یعنی یہ خط اللہ کے بندے عمر امیر المؤمنین کی طرف سے نیل مصر کے نام ہے، حمد اور نعت کے بعد اے نیل! اگر تو اپنے آپ بہتا ہے تو مت بہہ، اور اگر اللہ تجھ کو بہاتا ہے تو میں اللہ سے جو ایک بڑا غالب ہے، دعا کرتا ہوں کہ تجھ کو بہاوے گا۔

حضرت خالدؓ بن ولید کا زہر کھا کر زندہ رہنا

اور حضرت صدیقؓ کے وقت میں ان کے حکم کے موافق جب خالد بن ولیدؓ شام کے ملک سے مثنیؓ بن حارث شیبانی کی مدد کو دس ہزار سوار جرار لے کر روانہ ہوئے اور کوفہ اور عراق عرب کے نواح میں پہنچے، وہاں کے سردار اپنے اپنے قلعوں میں قلعہ بند ہوئے، خالدؓ نے ان کو پیغام بھیجا کہ ایک ایلچی عقل مند بھیجو، انہوں نے ایک شخص عیسائی مذہب زبان داں بڑا ہی فصیح عبدالمسیح نامی کو بھیجا، وہ آیا اور اس کے پاس زہر ہلاہل تھا، خالدؓ نے کہا یہ کیا ہے، وہ بولا زہر ہے اور ایسا ہے کہ جو کھاوے چٹ مر جاوے، خالدؓ نے اس کے ہاتھ سے وہ زہر لے کر سب کھا لیا، اور اللہ کے حکم سے کچھ

آسیب (ضرر) نہ پہنچا، عبدالمسیح یہ حال دیکھ کر ششدر رہ گیا، اور صدق دل سے مسلمان بن گیا، اور اس کی قوم نے ایک لاکھ کئی ہزار درہم پر صلح کر لی۔

قبر کی مٹی کا مشک بن جانا

اور سعد بن معاذؓ کی قبر سے ایک شخص ایک مٹھی خاک کی اٹھا لے گیا، پھر جو دیکھا تو وہ مشک تھا، اور ابن سعدؒ ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ سعد بن معاذ کی قبر کے کھودنے والوں میں میں بھی تھا، اس قبر سے مشک کی بو آتی تھی۔

حضرت علیؓ کی بعض کرامات

اور خیبر کی لڑائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب قموص کے قلعہ پر پہنچے، حارث یہودی مرحب یہودی کا بھائی لڑائی کو نکلا، اور اس نے کئی مسلمانوں کو شہید کیا، حضرت امیرؓ نے پہنچ کر اس کو ایک ایسا زخم مارا کہ اسفل السافلین کو پہنچا، اس کے بھائی مرحب نے یہ حال دیکھ کر کئی بہادروں کو ہمراہ لے کر بدلا لینے کو میدان میں آیا، اور یہ شخص خیبر کے سارے علاقہ میں بڑا بہادر تھا، اور قد آور اور شہزور، اور اس روز دو زرہ پہنے ہوئے، اور دو تلوار لگائے ہوئے، اور دو عمامہ باندھ کر اس پر خود رکھے ہوئے تھا، اور میدان میں آکر بیہودہ بک کے چاہتا تھا کہ حضرت امیر پر تلوار چلائے، حضرت امیر نے چالاکی کر کے ذوالفقار کی ایک ضرب اس کے سر پر ایسی ماری کہ خود مع دونوں عمامہ کے کاٹ کر دونوں زرہ کو کاٹ کے گھوڑے کی زین تک پہنچی، اور اس عرصہ میں اور مسلمان بھی جناب امیر کی مدد کو پہنچے، اور یہود کو قتل کرنا شروع کیا، یہودی قلعہ کی طرف بھاگ اٹھے۔

جناب امیر نے ان کا پیچھا کیا، اس میں ایک یہودی نے پہنچ کر ایک ضرب

آپ کے ہاتھ پر ماری، اور اس کے صدمہ سے آپ کے ہاتھ سے ڈھال گر گئی، اور ایک اور یہودی اس ڈھال کو اٹھا کر بھاگا، اس وقت آپ کو نہایت غصہ آیا، اور خندق کو کود کر ایک کواڑ قلعہ کا اٹھا کے بمنزلہ ڈھال کے کر لیا اور لڑائی کو آمادہ ہوئے، جب قلعہ والوں نے یہ قوت دیکھی، الأمان ، الأمان پکار اٹھے، آپ نے ان کو امان دی اور قلعہ فتح ہو گیا، پھر آپ نے اس کواڑ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا، امتحاناً سات مضبوط آدمیوں نے مل کر چاہا کہ اس کواڑ کو پلٹا دیں، نہ پلٹا سکے، پھر چالیس آدمیوں نے چاہا سب مل کر اسے اٹھائیں نہ اٹھا سکے۔

اور ایک روز جناب امیر کی بات کو ایک بے ادب نے جھٹلایا، آپ نے فرمایا، کیا جھوٹے پر بددعا کروں، اس نے کہا، ہاں آپ نے بددعا کی، وہ اندھا ہو گیا۔

اور جناب امیر کی وفات کے دن بیت المقدس میں ہر پتھر کے نیچے سے خون جوش مارتا تھا۔

حضرت حسینؓ کی کرامات

اور منہال بن عمرو کہتے ہیں کہ واللہ میں نے دیکھا کہ جب امام حسینؓ کا سر نیزے پر رکھا دمشق میں آیا، وہاں سر کے آگے ایک شخص سورۂ کہف پڑھتا تھا، جب اس آیت (۱) پر پہنچا۔

"أم حسبت أن أصحاب الكهف والرقيم كانوا من آياتنا عجباً"

ترجمہ:- یعنی کیا تو خیال رکھتا ہے کہ غار اور کھوہ والے ہماری قدرتوں میں اچنبا تھے۔

---

(۱) یعنی نویں آیت سورۂ کہف کی جو سیپارے پندرہویں کے رکوع تیرہویں میں ہے ۱۲ منہ رحمہ اللہ

امام حسینؓ کے سر سے آواز آئی کہ "أعجب من ذلك قتلي و حملي" یعنی اصحاب کہف کے قصے سے میرے قتل اور اٹھائے لئے پھرنے کا قصہ بڑا ہی اچھنبا ہے۔

اور شام کو جاتے جب یزید کے لشکر نے ایک منزل میں ایک راہب کے گرجا کے پاس مقام کیا (قیام کیا)، اور امام حسینؓ کا سر نیزے پر رکھا تھا، راہب نے ان سے حال دریافت کیا، اور ان کو ملامت کر کے کہا کہ مجھ سے دس ہزار دینار لو اور اس سر کو رات بھر میرے پاس رہنے دو، وہ راضی ہوئے، اس نے سر کو لے کر غسل دیا، اور خوشبو لگا کے اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا، اور صبح تک بیٹھا روتا رہا، کیوں کہ وہ دیکھتا تھا کہ سر سے ایک نور نکل کر آسمان کو جاتا ہے، اور صبح کو وہ راہب اپنی گرجا سے نکلا، اور سب مال اور اسباب لوٹا کر مسلمان اور اہل بیت کا خادم بن گیا۔

امام زین العابدین کی کرامت

اور عبد الملک بن مروان نے جب امام زین العابدینؒ کو بڑی بھاری قید میں مدینہ سے طلب کیا، زہری رخصت کے وقت ان کی خدمت میں گئے، اور رو کے کہنے لگے، کاش! میں آپ کی جگہ ہوتا، آپ نے فرمایا کہ اے زہری کیا تم گمان کرتے ہو کہ مجھ کو اس قید سے کچھ دکھ ہے، اگر میں چاہوں تو یہ قید مجھ کو نہ ہو، لیکن یہ قید تو اللہ کے عذاب کو یاد دلاتی ہے، اور یہ فرما کر اپنے پاؤں اور ہاتھ بیڑیوں اور ہتکڑیوں سے نکال دئے، پھر فرمایا کہ مدینہ جانے کے بعد دو دن بھی قید میں نہ رہوں گا، اور ویسا ہی ہوا کہ دو دن نہ گذرے تھے جو قید سے صاف نکل گئے، چوکی کے سپاہیوں نے بہت ڈھونڈا، مگر نہ پایا۔

زہری کہتے ہیں کہ میں عبد الملک کے پاس گیا، اس نے ان کا حال مجھ

سے پوچھا، میں نے بیان کیا، عبدالملک نے کہا کہ جس روز وہ سپاہیوں کے پہرے سے نکل گئے تھے، اسی روز میرے پاس آئے تھے اور فرمایا تھا کہ تجھ کو میرے سے کیا بیر ہے، میں نے کہا کہ آپ میرے پاس ٹھہریں، فرمایا نہیں، پھر چلے گئے، اور واللہ میرا دل ان سے اندیشہ ناک ہے، پھر عبدالملک نے حجاج کو لکھا کہ عبدالمطلب کے اولاد کی خونریزی نہ کرے، اور اس بات کو کسی پر ظاہر نہ کرے، اور یہ بات کشف سے امام زین العابدین کو معلوم ہوگئی، آپ نے عبدالملک کو لکھا کہ تو نے حجاج کو ہم اولاد عبدالمطلب کی بابت ایسا ایسا لکھا ہے، اللہ تجھ کو جزا دے، اور یہ نامہ اپنے غلام کے ہاتھ عبدالملک کی طرف روانہ کیا، عبدالملک نے پڑھ کر جب تاریخ ملائی تو تاریخ اپنے خط اور ان کے خط کی ایک ہی پائی، اور معلوم ہوا کہ جس دن اس کا قاصد حجاج کی طرف روانہ ہوا تھا اسی دن آپ کا غلام اس کی طرف، یہ معلوم کر کے عبدالملک نے آپ کی خدمت میں نقدی اور اسباب روانہ کیا، اور عرض کر بھیجا کہ مجھ کو دعائے نیک سے نہ بھولیو۔

امام محمد باقر کی کرامت

اور امام محمد باقرؒ نے منصور عباسی کو فرمایا تھا کہ تو بڑی سلطنت کا مالک ہوگا، اور وہ سلطنت مدت تک تیرے خاندان میں رہے گی، اس نے پوچھا کہ بنی امیہ کی سلطنت کی مدت بہت ہے یا ہماری سلطنت کی مدت بہت ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ تمہاری سلطنت کی مدت، اور اس سلطنت کے ساتھ تمہارے لڑکے ایسے کھیلیں گے، جیسے گیند کے ساتھ لڑکے کھیلا کرتے ہیں، اسی طرح میرے باپ نے مجھ کو خبر دی ہے، اور ایسا ہی ہوا جیسا عنقریب گذرا۔

امام جعفر صادق کی کرامت

اور منصور اپنی سلطنت کے زمانے میں جب حج کرنے کو آیا، کسی نے امام جعفر صادقؓ کی چغلی کھائی، منصور نے آپ کو بلایا، آپ نے فرمایا کہ اسے بلاؤ، جب وہ آیا، آپ نے فرمایا کہ کیا تو قسم کھاتا ہے، وہ خدا کی قسم کھا گیا، آپ نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین یوں نہیں، جس طرح میں کہوں اس طرح یہ قسم کھاوے یوں کہے "لقد بريت من حول الله و قوته و التجأت إلى حولي و قوتي لقد فعل جعفر كذا و كذا"

اس نے اول تو انکار کیا، پھر بناچاری اسی طرح قسم کھائی، تمام کرنے نہ پایا کہ چٹ مر گیا۔

امام موسیٰ کاظم کی کرامت

اور شقیق بلخیؒ کہتے ہیں کہ ہم ایک سو انچاس ہجری میں حج کے لئے روانہ ہوئے موضع قادسیہ میں جب پہنچے ایک جوان کو دیکھا کہ سب سے الگ ہے، میرے دل میں آیا کہ یہ جوان صوفیہ کے فرقہ سے ہے، لوگوں پر خرچ ڈالے گا، چل کر اس کو جھڑکوں اور اس کے ارادے سے روکوں، جب میں اس کی طرف گیا کہنے لگا، اے شقیق "اجتنبوا كثيرا من الظن" یہ دیکھ کر میں نے چاہا کہ وہ ہمارے ساتھ اترے، ہماری نظر سے غائب ہو گیا، جب ہم واقصہ میں آئے دیکھا کہ وہی جوان نماز پڑھتا ہے، اور اللہ کے خوف سے کانپتا ہے، اور آنسو اس کے بہتے ہیں، میں عذر کرنے کو گیا، نماز تمام کر کے کہا(۱) "وإني لغفار لمن تاب و آمن و عمل صالحاً ثم اهتدى"

---

(۱) یعنی یہ آیت بیاسیویں سورۂ طٰہٰ کی جو سپارے سولھویں کے رکوع تیرھویں میں ہے آپ نے تلاوت کی اور آیت کے معنی یہ ہیں اور میری بڑی بخشش ہے اس پر جو توبہ کرے اور یقین لاوے اور کرے بھلا کام پھر راہ پر رہے۔ ۱۲ منہ

اور جب ہم رمالہ میں آئے، اسی جوان کو ایک کوئیں پر دیکھا کہ اس کی ڈولچی کنویں میں گر پڑی، اس نے دعا کی کہ کنویں کا پانی اتنا ابلا کہ اس نے اپنی ڈولچی پکڑ لی، اور وضو کر کے چار رکعت پڑھیں، پھر ریتے کی تل کی طرف جا کے تھوڑا سا ریتا ڈولچی میں ڈالا اور پی گیا، میں نے کہا کہ اس میں سے کچھ مجھ کو بھی دیجئے، کہا اے شقیق! ہمیشہ ہم پر ظاہراً اور باطناً اللہ انعام کرتا ہے، خدا کے ساتھ نیک گمان رکھیو، اور یہ کہہ کر مجھ کو اس میں سے دیا، وہ ستو شکر ملا ہوا تھا، اور واللہ ایسا لذیذ اور خوشبودار میں نے کبھی نہ کھایا تھا، کھا کر چھک گیا، اور کئی روز تک مجھ کو بھوک پیاس نہ لگی، پھر اس جوان کو راہ میں نہ دیکھا، جب مکہ میں آئے تو دیکھا کہ اس کے ساتھ خدمت گار اور غلام ہیں، اور معلوم ہوا کہ یہ تو امام موسی کاظمؒ ہیں۔

امام علی رضاؒ کی کرامت

اور ابن حبیب کہتا ہے کہ میں نے اپنے شہر میں خواب میں دیکھا کہ جس مسجد میں حاجی لوگ اترا کرتے ہیں وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں، اور ان کے پاس ایک طباق کھجوروں کا بھرا رکھا ہے، اور حضرت نے اس میں سے مجھ کو اٹھارہ کھجوریں دیئے، میں جب جاگا تو میں نے تعبیر یوں دی کہ اٹھارہ برس اور جیوں گا، بیس روز کے بعد امام علی رضاؒ مدینہ سے وہاں تشریف لائے، اور اسی مسجد میں اترے، لوگ زیارت کے لئے دوڑے، میں بھی گیا، اور میں نے دیکھا کہ آپ اسی جا (جگہ) بیٹھے ہیں، جس جا میں نے رسولؐ اللہ کو بیٹھے دیکھا تھا، ان کے آگے ایک طباق کھجوروں کا بھرا رکھا ہے، میں نے سلام کیا، آپ نے مجھ کو بلا کر ایک مٹھی دی میں نے لے کر کھجوروں کو جو گنا تو اٹھارہ تھیں، میں نے کہا کچھ اور زیادہ دیجئے، فرمایا اگر رسول اللہ زیادہ دیتے تو میں بھی تجھ کو زیادہ دیتا۔

امام احمد بن حنبلؒ کی کرامات

اور سری سقطی کہتے ہیں کہ معتزلیوں نے حاکم کو بہکایا کہ امام احمد بن حنبلؒ کو پکڑ کے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کرادے، امام احمد پکڑے آئے، اور ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ہزار کوڑے لگوائے، آپ نے اذیت اٹھائی، پر قرآن کو مخلوق نہ کہا، اور فرمایا کہ قرآن مخلوق نہیں، میں کس طرح مخلوق کہوں، اس حال میں آپ کا تہمت (تہبند) کھل گیا، ہاتھ تو بندھے تھے، غیب سے ایک ہاتھ نمود ہوا، اور تہمت (تہبند) بندھ گیا۔

حاکم نے یہ دیکھ کر حکم دیا کہ چھوڑ دو، مگر اسی اذیت سے آپ نے شہادت پائی، اور جب آپ نے انتقال کیا آپ کے جنازے پر ہزارہا پرندے آکر گرتے تھے، اور بے تابیاں دکھلاتے تھے، یہ حالت دیکھ کر چالیس ہزار یہودی اور عیسائی اور مجوسی "لا إله إلا الله محمد رسول الله" پکار اٹھے، اور سب مسلمان بن گئے، اور یہ حکایت سیل کے ترجمۂ قرآن میں بھی منقول ہوئی ہے، یقین ہے کہ عیسائیوں کو اس سے معلوم ہوئی ہوگی۔

اور امام احمد کی وفات بغداد کے اندر ہجرت کے دوسو اکتالیسویں برس جمعہ کے روز دوپہر کے وقت ہوئی ہے، اور عصر کی نماز کے بعد ان کو دفن کیا ہے۔

امام بخاریؒ کی قبر سے مشک کی خوشبو

اور ہجرت کے دوسو چھپن میں محمد بن اسمعیل بخاری نے ایک گاؤں کے اندر جس کا نام خرتنگ (۱) ہے وفات پائی (۲) اور جس وقت ان کو دفن کیا، ان کی قبر سے مشک

---

(۱) یہ گاؤں سمرقند سے چھ کوس پر ہے۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

(۲) عید الفطر کی رات کو باسٹھ برس کی عمر میں۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

کی خوشبو آتی تھی، اور وہی خوشبو مدت تک ان کے قبر کی مٹی سے آئی گئی، اور اس قسم کا معاملہ حضرت سعدؓ بن معاذ کی قبر سے بھی ظہور میں آیا ہے، جیسا کہ گذرا۔

اور ہر قرن کے اولیاء اللہ کی کرامات کا حال ''نفحات الانس اور اخبار الاخیار'' اور دوسری سیر اور تصوف اور تاریخ کی کتابوں میں تفصیل سے مرقوم ہے، ان میں دیکھے کہ اس کو معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء بنی اسرائیل کی طرح کیسے معجزے اس امت کے اولیاء سے صادر ہوئے ہیں، اور اس جگہ طوالت کا خوف کر کے ہم نہیں لکھتے ہیں۔

بوستان سعدی میں مذکور دو کرامتیں

اور جس نے بوستاں بھی پڑھی ہوگی، اس کو بھی اتنی بات معلوم ہے کہ شیخ نے اس میں دو حکایتیں اپنی آنکھ کی دیکھی لکھی ہیں، اور بوستاں کی سند سعدیؒ تک اس مضبوطی سے پہنچتی ہے کہ متی کی انجیل کی جو اول الاناجیل ہے ہرگز ویسی سند جناب متی حواری تک نہیں پہنچتی، بلکہ عیسائیوں کے سلف میں دور قدیم میں اس میں خلاف رہا ہے کہ یہ تصنیف متی کی ہے، یا اس کا ترجمہ ہے، پھر اگر ترجمہ ہے تو مترجم کون ہے، اور اصل کا ترجمہ کتنا ہے، اور الحاقی کتنا (۱) اور سعدیؒ کے قابل اعتماد ہونے کے میں بھی شک نہیں۔

بوستاں باب اول میں ہے کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ شیر پر سوار چلے آتے ہیں، میں دیکھ کر بہت ہی ڈرا، انہوں نے ہنس کر فرمایا کہ کیوں تعجب کرتا ہے، جو اللہ کا حکم مانتا ہے اس کا سب حکم مانا کرتے ہیں، اور یہ جناب پولوس کی اس کرامت سے بڑھ کر ہے جس کا ذکر کتاب اعمال کے اٹھائیسویں باب میں ہے (نسخہ طبع شدہ ۱۸۴۶ء):

---

(۱) چنانچہ سترہویں سوال کے جواب میں بخوبی معلوم ہو جاوے گا۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

''۳۔ جب پاول نے لکڑیاں جمع کر کے آگ پر رکھیں، ایک کالا سانپ گرمی پاکر نکلا، اور اس کے ہاتھ پر لپٹ گیا۔

۵۔ اتنے میں اس نے اس سانپ کو آگ میں جھٹک دیا، اور کچھ ضرر نہ پایا''۔

اور بوستاں کے تیسری باب میں ہے کہ:

''میں اور ایک بوڑھا فاریاب سے چلے، اور مغرب کے ملک میں ایک دریا پر پہنچے، میرے پاس ایک درہم تھا، ملاحوں نے مجھے تو کشتی میں بیٹھالیا، اور بڈھے کے پاس کچھ نہ تھا، اسے نہ بٹھلایا، مجھ کو اس بات کا بڑا رنج ہوا، بڈھے نے ہنس کر فرمایا کہ غم مت کھا، اور اپنا مصلی دریا پر بچھا کر بیٹھ گیا، اور پار ہو گیا''۔

اور یہ کرامت حضرت مسیحؑ کے اس معجزے کے لگ بھگ ہے، جس کا ذکر متی کے چودہویں باب میں ہے (نسخہ طبع شدہ ۱۸۴۶ء):

''۲۵۔ اور پچھلی پہر رات کو یسوع دریا پر سیر کرتا ہوا ان کے پاس چلا۔

۲۶۔ جب مریدوں نے اسے دریا پر چلتے دیکھا حیران ہو کے کہنے لگے کہ یہ کوئی دھوکا (بھوت) ہے، اور ڈر کر چلائے۔

۲۷۔ تب یسوع نے وہی (فوراً) ان سے کہا خاطر جمع رکھو، میں ہوں، تم مت ڈرو۔

۲۸۔ تب پطر نے جواب میں کہا اے خداوند اگر تو ہے پانی پر سے تیرے پاس آنے کا مجھے حکم دے۔

۲۹۔ اور وہ بولا آ، تب پطر کشتی پر سے اتر کر یسوع کے پاس جانے کے لئے پانی پر چلنے لگا۔

۳۰۔ لیکن سخت ہوا دیکھ کے ڈرا، اور جب ڈوبنے لگا، یہ کہہ کے چلایا، اے خداوند! مجھے بچالے۔

۳۱۔تب فی الفور یسوع نے ہاتھ بڑھا کے اسے پکڑ لیا، اور اس سے کہا اے کم اعتقاد تو کیوں شک لایا۔

دیکھو اس غریب بڈھے نے جو ایک فرداً افرادِ امت محمدی سے ہے، اپنے پکے اعتقاد کے سبب اپنے رسول مقبول کے طفیل سے کیا کیا؟ اور جناب پطرس اعظم الحواریین کا حال باوجود جناب مسیح کے فرمانے کے کیا ہوا کہ اس پر جناب مسیح نے ان کو یوں فرمایا کہ اے کم اعتقاد تو کیوں شک لایا، اور جو شخص تعصب اور باپ دادے کی تقلید کو چھوڑ دیوے، تو اس پر عقلاً اور نقلاً محمد ﷺ کی نبوت کا ثبوت ایسا ہے، جیسا دن میں آفتاب کا ثبوت، کیوں نہ ہو؟ کئی وجہ صراحۃً دلالت کرتے ہیں، کیوں نہ دلالت کریں، ان کی ذات تو سارے کمالات امکانی کی جامع ہے، آرے (ہاں)۔

شاہ رسل شفیع امم خواجۂ دوکون — نور ہدا حبیب خدا سید انام
مقصود ذات است دگر ہا ہمہ طفیل — منظور نور است دگر جملگی ظلام
ہر رتبۂ کہ بود درامکان بروست ختم — ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بروتمام
برداشت از طبیعت امکان قدم کہ آں — اسریٰ بعبدہ است من المسجد الحرم
تا عرصۂ وجوب کہ اقصای عالم است — کانجانہ جاست نے جہت و نے نشان نہ نام
سریست بس شگرف دریں جا مپیچ ہاں — از آشنائے عالم جان پرس این مقام

عليه من الصلوة أفضلها ومن التحيات أكملها۔

اثبات رسالت کے دس وجوہ

پہلی وجہ

پہلی وجہ یہ کہ آپ نے بہت سی پیشین گوئیاں کیں کہ صدہا تو ان میں سے اب تک اپنے وقت پر پوری ہو چکیں اور دوسری پوری ہوتی جاتی ہیں، چنانچہ بعض کا ذکر عنقریب گذرا۔

دوسری وجہ

دوسری وجہ یہ کہ ان پیشین گوئیوں کے سوا ہزارہا اور معجزے تھے، جو ان سے صادر ہوئے، چنانچہ بعض کا ذکر عنقریب گذرا، اور امور خارق عادت کے صدور میں اگلے عیسائیوں اور یہودیوں کو شبہ نہ تھا، لیکن ان میں سے جس کو خدا نے توفیق دی، وہ مسلمان ہو گئے، چنانچہ ''ازالۃ الاوہام'' کے آخر میں ان کا کچھ حال مرقوم ہوا ہے، اور جو مسلمان نہ ہوئے ان میں سے بعض تو ان امور خارق عادت کو سچے معجزے جان کر حضرت کو نبی جانتے تھے، مگر ان کا قصور یہ تھا کہ ان کی نبوت کو فقط عرب کے لوگوں کے لئے کہتے تھے، اور بعض ان امور خارق عادت کو خارق عادت تو جانتے تھے، مگر سحر بتلاتے تھے، جیسا پوپ الگزنڈر حضرت کو صاحب الہام تو کہتا تھا مگر اس الہام کو واجب التسلیم نہ سمجھتا تھا، چنانچہ اس کی کتاب کی پانچویں جلد میں جس کا نام ڈنسیڈ ہے، تین سو چونسٹھویں فقرے سے ایسا کچھ سمجھا تا ہے، اور وہ فقرہ اس نسخہ میں جو ۱۷۹۷ء

میں لندن کے اندر چھپا صفحہ دو سو سڑسٹھ میں اور اس نسخہ میں جو ۱۸۰۶ء میں لندن میں چھپا صفحہ تین سو تین میں واقع ہے، اور اس کا ترجمہ یوں ہے:

''البتہ اے (۱) محمد کبوتر تیرے کان کے پاس''

تیسری وجہ

تیسری وجہ یہ کہ حضرت ﷺ نے ایک ایسی قوم جاہل وحشی بت پرست میں نشو ونما پایا تھا کہ جو علوم عقلیہ اور نقلیہ سے بالکل بے نصیب تھے، اور باوجود اس کے ان کے اخلاق عظیمہ اور اوضاع پسندیدہ اس کمال کے درجہ پر تھے کہ بیان سے باہر ہے، یہاں تک کہ ان کے بڑے بڑے دشمنوں کی مجال نہیں کہ ان کا انکار کرسکیں، بلکہ بہ ناچاری ان کو اقرار ہی کرنا پڑتا ہے۔

دیکھو اسپان ہملیس کو جو بڑا ہی دشمن حضرت کا اور ان کی نسبت بڑا ہی بے ادب گذرا ہے، ان چیزوں کو اقرار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ:

''محمد حسین اور ذہین تھے، اور ان کا چال چلن پسندیدہ تھا، مساکین کی فیض رسانی ان کا شیوہ تھا، ہر ایک کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے اور دشمنوں پر شجاع تھے، ان سب باتوں کے علاوہ خدا کے نام کا بڑا ادب کرتے تھے، جعلسازوں، زانیوں، قاتلوں، تہمت لگانے والوں، بوالفضولوں لالچیوں، جھوٹے گواہوں وغیرہم کے ساتھ کمال سخت گیری کرتے تھے، صبر اور فیاضی اور

---

(۱) اور پوپ کی یہ تجویز شاید اس لئے ہوگی کہ چونکہ عیسائیوں کے نزدیک الہام روح القدس کے وسیلے سے ہوتا ہے اور یہ روح القدس حضرت عیسیٰ پر اصطباغ پانے کے بعد کبوتر ہی کی شکل میں اترا تھا، جیسا متی کے تیسرے باب کے سولہویں درس میں مصرح ہے تو پوپ سمجھا کہ حضرت کو بھی جس چیز کی جہت سے الہام ہوتا ہے وہ کبوتر کی شکل میں ان پر اترتا ہوگا، اور ہمارے مذہب میں تو ثابت نہیں کہ حضرت نے دعویٰ کیا ہو کہ مجھے الہام کبوتر کے وسیلے سے ہوتا ہے۔

رحم دلی اور نیکی اور احسان، اور ماں باپ اور بزرگوں کی تعظیم وتوقیر کرنے، اور ان کی عزت بڑھانے کی نسبت بہت وعظ اور نصیحت کرتے تھے، اور بڑے عابد اور مرتاض تھے''۔

اور اس کا یہ قول سیل (Sale) کے ترجمہ قرآن کے مقدمہ کے اس نسخہ سے جو ۱۸۵۰ء میں لندن کے اندر چھپا ہے، منقول ہوا ہے، اور میزان الحق کا مؤلف کہ دین احمدی کا پکا دشمن اور پرلے درجہ کا متعصب ہے، تیسرے باب میزان الحق کی چوتھی فصل میں اقرار کرتا ہے (نسخہ ۱۸۵۰ء مطبوعہ اکبر آباد صفحہ ۲۱۷)

''محمد کی صفات میں کہہ سکتے کہ وہ صاحب فہم وفراست اور باریک بیں اور دانا اور دنیوی کاموں میں ماہر اور اس کا ظاہری چال چلن بھی خوب پسندیدہ اور فقراء ومساکین پر مہربان اور اپنے یار واصحاب اور خویش واقرباء پر صاحب احسان تھا''۔

پس معاندین کے اقرار سے بھی ثابت ہے کہ محمد اوصاف کاملہ کے ساتھ متصف تھے، اور خدا کے نام کا بڑا ادب کرتے تھے، اور بڑے عابد اور مرتاض تھے، اور بدکار لوگوں کے دشمن تھے، اور صبر اور فیاضی اور احسان اور نیکی کرنے اور ماں، باپ اور اور بزرگوں کی تعظیم اور توقیر کرنے کے لئے بہت وعظ اور نصیحت فرماتے تھے(۱) اب منصف غور کرے کہ ایسے صفات اور افعال حسنہ کا جمع ہونا کاذب میں محال عادی ہے یا نہیں۔

---

(۱) شیخ محدث دہلوی ''تکمیل الایمان'' میں لکھتے ہیں: اگر تتبع سیر وصفات سنیہ وشمائل مرضیہ واخلاق عظیمہ وے کند بہ یقین معلوم شود کہ وجود شریف وے سرتا پا آیت اعجاز وحسن وناز است۔

ہر جلوہ جمال تانا زدیگر است | بر نغمۂ کمال ترا ساز دیگر است
اعجاز حسن را سخنی نیست احتیاج | ہر غمزۂ زچشم تو اعجاز دیگر است

۱۲ منہ

میزان الحق کے طعن کا جواب

رہی یہ بات جو میزان الحق والا اوصاف مذکورہ کے اقرار کے بعد بطور طعن کے یوں لکھتا ہے:

''لیکن باطنی اور دلی پاکی سے بیگانہ اور دشمنوں کے حق میں سخت اور کینہ ور تھا''۔

اور پچھلے امر(۱) کے اپنے زعم میں اس جگہ چند شواہد لکھے ہیں، سو جواب ایسے شبہات مزخرفہ کا بفضل اللہ "ازالۃ الاوھام" کی چوتھے باب کی دوسرے فصل میں اچھی طرح دے چکا ہوں، اور اس پر کسی عالم عیسائی کی قدح اب تک میری نظر سے نہیں گذری کہ اس پر تعرض کروں، اور یہ بات تو ایسی ہے جیسا کوئی کہے کہ موسیٰ اور یوشع اور داؤد وغیرہ انبیاء بنی اسرائیل کے مخالفوں اور دشمنوں کے حق میں سخت اور کینہ ور تھے، اور دنیا کی ریاست اور بزرگی کے ڈھونڈھنے والے تھے، کیوں کہ جب بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی کی تھی، تو حضرت موسیٰ نے بنی لاوی کو حکم کر کے بنی اسرائیل سے تین ہزار مردوں کے قریب کو مروا ڈالا، جیسا کتاب خروج کے تیئسویں باب کے اٹھائیسویں درس میں مرقوم ہے (نسخہ ۱۸۲۹ء):

''اور موسی نے بنی لاوی کو جیسے امر کیا، انہوں نے ویسے ہی کیا''۔

پس اس دن قوم میں سے قریب تین ہزار مردوں کے گر گئے، پھر مدیانیوں کے قتل کے واسطے لشکر بھیجا، اس لشکر نے موسیٰ کے حکم کے موافق ان کے پانچ بادشاہوں کو مارا، اور اس قوم کے سب مردوں کو قتل کیا، اور ان کی ساری بستیوں اور گھروں کو پھونک دیا، اور ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لیا، اور چھ لاکھ پچھتر ہزار بھیڑ بکریاں اور

---

(۱) یعنی سخت اور کینہ ور ہونے کے ۱۲ منہ رحمہ اللہ

بہتر ہزار گائیں، بیل اور ایکسٹھ ہزار گدہے اور بہت اسباب اور مال لوٹ میں لایا، اس پر بھی موسیٰ غصہ ہوئے کہ ان عورتوں اور لڑکوں کو کیوں زندہ رکھا، اور حکم دیا کہ ایک لخت سب لڑکوں کو اور ان عورتوں سے سب ان عورتوں کو جو مرد سے واقف ہیں مار ڈالو، اور کنواری لڑکیوں کو اپنے واسطے زندہ رکھ لو، سو وہ سب ہزار ہا غریب لڑکے بے گناہ مع ان ہزار ہا عورتوں کے قتل ہوئے، اور بتیس ہزار کنواری لڑکیاں بنی اسرائیل کے تصرف میں آئیں، جیسا کتاب شمار کے اکتیسویں باب میں مفصل مرقوم ہے۔

اب دیکھو کہ معصوم بچوں نے کیا خطا کی تھی کہ ان کو مروا ڈالا، اچھی قسمت کنواری لڑکیوں کی کہ بنی اسرائیل کے مزہ اڑانے کے لئے ان کی جان تو بچ گئی گو عزت ان کی خاک میں مل گئی، پھر یوشع موسیٰ علیہما السلام کے نائب نے تو وہ قتل عام کیا کہ جس کا کچھ ٹھکانہ نہیں، شام کے ملک میں شہر کے شہر قتل کر دیے لاکھوں لاکھ آدمی مار ڈالے، اکتیس بادشاہ مع ان کے لشکر کے قتل کئے، اور اس ملک کو بنی اسرائیل پر بانٹا، اور ان کو وہاں آباد کیا، جیسا ان کی کتاب میں مفصل مرقوم ہے۔

پھر داؤد نے جسوریوں اور جزریوں اور بنی عمالیق کی زمین پر حملہ کر کے ان کے سب مردوں اور عورتوں کو قتل عام کیا، اور ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑا، اور ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا، جیسا کتاب اول سموئیل کے ستائیسویں باب میں مصرح ہے، پھر صوبا کے بادشاہ کو جان سے مارا، اور ایک ہزار سات سو سوار اور بیس ہزار پیادے اسیر کر لیے، اور سب گھوڑوں کی کونچیں ماریں اور دمشق کے سریانیوں میں سے بائیس ہزار آدمی قتل کئے جیسا کتاب دوم سموئیل کے آٹھویں باب میں مصرح ہے، پھر دوبارہ سریانیوں پر حملہ کر کے ان کی سات سو گاڑی اور چالیس ہزار سوار اور ان کے سردار کو قتل کیا، جیسا کہ کتاب دوم سموئیل کے دسویں باب میں مرقوم ہے، پھر بنی

عموم پر چڑھائی کر کے فتح کے بعد ان کے بادشاہ کا تاج جو جڑاؤ تھا، اور اس میں ایک قنطار سونا تھا، لے کر اپنے سر پر رکھا، اور ربہ شہر کا سب مال اور اسباب لوٹ لیا، اور اس شہر کے آدمیوں کو بہت ہی بری طرح بڑی بے رحمی سے مار ڈالا، اور اسی طرح بنی عمون کی سارے بستیوں سے سلوک کیا۔

کتاب اول اخبار الایام کے بیسویں باب کا تیسرا فقرہ یوں ہے (نسخہ ۱۸۴۲ء):

"اور اس سے ان لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکال کے آروں سے اور لوہے کے ہلوں سے اور کلہاڑوں سے کاٹ ڈالا اور داؤد نے بنی عمون کے سارے شہروں سے ایسا سلوک کیا......" الخ۔

دیکھو اس سے زیادہ کیا عذاب کا مارنا ہوگا، ایسے سختی سے تو کسی ظالم نے شہر کے شہر قتل نہیں کیئے، پھر ایلیا پیغمبر نے ساڑھے چار سو بعل کے نبیوں کو قتل کیا، جیسا کتاب اول سلاطین کے اٹھارویں باب میں مرقوم ہے، اور اسی طرح اور حالات ہیں۔

کوئی کہاں تک لکھے، افسوس صد افسوس کہ یہ انبیاء بنی اسرائیل کے میزان الحق کے مؤلف کے نزدیک دشمنوں کے حق میں سخت اور کینہ ور نہ ہوں اور محمد ﷺ بعض کفار کے قتل کرانے سے ایسا کچھ ٹھہریں۔

اثبات رسالت کی چوتھی وجہ

چوتھی وجہ یہ کہ باوجودیکہ اہل کتاب کی کتب مقدسہ میں بہت کچھ خرابی واقع ہوئی، اور اہل کتاب کے دینداروں اور ملحدوں نے بھی بہت کچھ تحریف ان میں کی، تو بھی ان کتب سے اب تک بہت بشارتیں حضرت کے حق میں اس قوت سے نکلتی ہیں کہ جناب مسیح کے حق میں اس قوت سے نہیں نکلتیں، اور چوبیس بشارتیں تو میں نے "ازالۃ

الاوہام'' کے چوتھے باب کی تیسرے فصل میں لکھی ہیں جسے منظور ہو دیکھ لیوے، اور دوسری بہت بشارات ہیں جو میں نے اس میں نہیں نقل کیں (۱) اور انہیں بشارات کا

(۱) منجملہ ان بشارات کے وہ بشارات بھی ہیں کہ اس انجیل مروج الحال میں کئی جگہ منقول ہوئیں۔

متی کے تیسرے باب میں ہے، نسخہ (۱۸۴۰ء و ۱۸۴۹ء)۔

''۱۔ انہیں دنوں میں یحییٰ غوطہ دلانے والے نے یہودیا کے بیاباں میں ظاہر ہو کے وعظ کر کے کہا۔

۲۔ کہ توبہ کرو کیوں کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک ہوئی۔

اور متی کے باب چوتھے کا درس سترہواں یوں ہے، نسخہ ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء:

اسی وقت سے یسوع نے وعظ کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک ہے۔

اور متی کے چھٹے باب میں اس نماز کے اندر جس کو حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں کو تعلیم کی تھی یوں ہے (نسخہ ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء)

''۹۔ تم اس طرح سے دعا مانگو: اے ہمارے باپ جو آسمان پر ہے تیرا نام مکرم ہوئے، ۱۰ تیری بادشاہت ہووے اور سب کچھ تیری مرضی کے مطابق جب آسمان پر ہوتا ہے زمین پر بھی ہو۔

۱۰۔ اور یہ جملہ '' تیری بادشاہت ہووے'' اور ترجموں میں یوں ہے، (نسخہ ۱۸۱۴ء) '' تیری بادشاہت آوے'' (فارسیہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء و ۱۸۴۲ء) ''ملکوت تو بیایاد'' اور (عربیہ ۱۶۷۱ء و ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۱ء) "ولتـأت مـلـكـوتك" اور جب مسیح نے بارہ حواری مقرر کر کے ان کو بنی اسرائیل کی بستیوں میں وعظ کہنے کو روانہ فرمایا تھا تو ان کو یہ بھی ارشاد کیا تھا، جو متی کے دسویں باب کے ساتویں درس میں یوں منقول ہے، (نسخہ ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء):

اور تم چلتے ہوئے وعظ کر کے کہو کہ بادشاہت نزدیک ہوئی۔

ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت یحییٰ نے اولاً بشارت دی کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک ہوئی اور یہی وعظ کرنا شروع کیا اور اپنے مریدوں کو سکھلایا کہ اللہ سے نماز میں دعا مانگا کرو کہ تیری بادشاہت آوے، اور حواریوں کو حکم دیا تھا کہ تم بنی اسرائیل کی بستی در بستی اس بشارت کو پکارو کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک ہوئی۔ ==

لحاظ کر کے اہل کتاب کے علماء محمد ﷺ کے ظہور سے پہلے بھی منتظر تھے اور یقیناً جانتے تھے کہ ایک اور نبی مسیح کے سوا بھی مبعوث ہوگا، چنانچہ یہ بات اس انجیل متعارف سے بھی سمجھی جاتی ہے، یوحنا کے پہلے باب میں ہے (نسخہ ۱۸۳۹ء):

''۱۹۔ یحییٰ کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے اماموں اور لیویوں کو بھیجا کہ اس سے پوچھیں کہ تو کون ہے۔

۲۰۔ اس نے اقرار کیا، اور انکار نہ کیا بلکہ صاف کہا کہ میں مسیح نہیں۔

۲۱۔ پھر انہوں نے اس سے پوچھا کہ تو کیا ایلیا ہے؟ اس نے کہا، میں نہیں ہوں، پھر انہوں نے کہا کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں، اور یہ فقرہ ''پھر انہوں نے کہا کیا تو وہ نبی ہے......'' الخ۔

اور ترجموں میں یوں ہے (نسخہ ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء):

''کیا تو وہ نبی ہے''۔

==

پس اب میں کہتا ہوں کہ یہ بشارت حضرت کی نبوت کی بابت ہے، اور آسمان کی بادشاہت سے وہی طریقہ نجات اور شریعت مراد ہے جو حضرت کے طفیل سے ظاہر ہوئی اور یہ بشارت حضرت عیسیٰ کی نبوت کی بابت نہیں ہوسکتی، کیوں کہ ان الفاظ ''نزدیک ہوئی'' یا ''نزدیک ہے'' سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بادشاہت حواریوں کے عہد تک ظہور میں نہ آئی تھی علاوہ اس کے اگر حضرت عیسیٰ کی نبوت اس کا مصداق تھا تو وہ ہو چکی تھی تو پھر حضرت عیسیٰ کیسی بشارت دیتے اور حواریوں سے بستی در بستی اس کا کیسا اشتہار دلواتے اور نماز میں اپنے مریدوں کو اس طرح کیوں سکھلاتے کہ تم خدا سے دعا مانگا کرو کہ تیری بادشاہت آوے۔

اور اگر کہو کہ حضرت یحییٰ نے ان الفاظ سے حضرت عیسیٰ کی ہی بشارت دی تھی جو ان کے بعد آئے تو کہوں گا کہ اگر اس کو مان لیویں تو ویسے ہی حضرت عیسیٰ نے انہیں الفاظ سے حضرت کی بشارت دی تھی اور عیسائی جو اس میں تاویل کرتے ہیں وہ تاویل بعید ہے، اور ہمارے تمسک (استدلال) کو مضر نہیں جیسے یہود کی تاویلات حضرت عیسیٰؑ کی بشارتوں کے بارے میں عیسائیوں کے نزدیک، پس حق یہی ہے کہ یہ بشارت محمد ﷺ کی ہے اور وہی مراد ہیں وہ ''نبی'' سے جو یوحنا کے پہلے باب کے اکیسویں درس میں واقع ہے ۱۲ منہ

نسخہ عربیہ (۱۸۷۱ء و ۱۸۳۱ء):

"أفا النبی أنت فقال کلا"

نسخہ ۱۸۲۶ء:

"قالوا أ أنت النبی قال :"لا"

فارسیہ (۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء و ۱۸۴۲ء):

''گفتند آیا تو آن پیغمبر ہستی بپاسخ گفت نہ''۔

اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کے زمانے کے یہود کے علماء بھی مسیحؑ اور ایلیا کے سوا ایک اور نبی کو آنے والا جانتے تھے، اور اس کے بھی منتظر تھے، اور ہر گز مسیح پر حصر نہ تھا، اور وہ نبی ان میں ایسا مشہور تھا کہ اس کے ذکر کے لئے فقط اشارہ کافی تھا، اور اس اشارے سے مخاطب سمجھ لیتا تھا، وگرنہ اس مقام میں کوئی وجہ اخفاء اور ابہام کی نہیں نکلتی، اور تعجب نہیں کہ شاید اصل میں اس جگہ اس نبی کا نام بھی مذکور ہو، مگر حضرات مسیحیوں نے اس کو محرف کر کے اس کی جگہ یہ لفظ مبہم رکھ دیا ہو، جیسے اور بہت جگہ ان حضرات کے ہاتھ سے تحریف ظہور میں آئی ہے، اور اعجاز عیسوی میں اس کا بیان ہوا ہے، اور انشاء اللہ اس کتاب میں بھی سترہویں سوال کے جواب میں وہ بیان آوے گا۔

اور یوحنا کے ساتویں باب میں ہے (نسخہ ۱۸۴۴ء):

''۳۷۔ عید کے پچھلے بڑے دن میں یسوع نے کھڑے ہو کے پکار دیا کہ اگر کوئی پیاسا ہو تو میرے پاس آئے اور پیئے۔

۴۰۔ تب ان لوگوں میں سے بہتیروں نے یہ سن کر کہا، البتہ یہ وہ نبی ہے۔

۴۱۔ اوروں نے کہا یہ مسیح ہے۔

۴۳۔ سو اس کی بابت لوگوں میں اختلاف ہوا''۔ الخ۔

اور درس چالیسواں اور ترجموں میں یوں ہے (فارسیہ مذکورہ):

"وبیسارے ازاں جماعت سخنش راشنیدہ گفتند کہ بدرستیکہ ایں ہماں پیغمبراست"۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودی لوگ مسیح کے سوا ایک اور نبی کے بھی منتظر تھے، اور اسی لئے ان میں حضرت عیسیٰؑ کی بابت اختلاف ہوا کہ آیا، یہ وہ نبی ہیں یا مسیح۔

پس وہ نبی یقیناً مسیح کے سوا ہے، اور پہلی عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ نبی ایلیا کے بھی سوا ہے۔

اور یوحنا کے چھٹے باب میں اس معجزے کے بیان کے بعد کہ حضرت عیسیٰؑ نے پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں سے پانچ ہزار آدمیوں کو کھلایا تھا، چودھویں درس میں یوں ہے (نسخہ ۱۸۴۴ء):

"تب ان لوگوں نے یہ معجزہ جو یسوع نے دکھلایا دیکھ کر کہا البتہ یہ وہی نبی ہے جو دنیا میں آنے والا تھا، اور یہ "جملہ البتہ یہ وہی نبی ہے"۔ الخ

اور ترجموں میں یوں ہے (عربیہ ۱۶۷۱ء و ۱۸۲۱ء):

"حقاً أن هذا هو النبي الجائي الى العالم"۔

(فارسیہ مذکورہ:)

"بہ تحقیق ہماں است آں پیغمبر کہ لازم بود کہ بہ جہاں بیاید"۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے لوگ یقیناً اس نبی کے منتظر تھے، اور پہلی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ وہ مسیح اور ایلیا کے سوا ہے۔

اب اس جگہ ایک امر واجب الاظہار ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر پہلا نبی پچھلے نبی

کی خبر دیتا ہے تو ضرور نہیں کہ اس کی خصوصیات شخصیہ اور علامات کو ایسا لکھدے کہ کسی کو اس کے پہنچاننے میں دھوکا نہ پڑے بلکہ اکثر وہ خبر اس قسم کی ہوتی ہے کہ عقل مستقیم والا اس سے تامل کے بعد یقیناً پہچان لیتا ہے، اور اس کو دھوکا نہیں رہتا، اور اس میں بھی حکمت الٰہی ہوگی، شاید یہ ہو کہ چونکہ شریعت کے معاملات کی بنا صرف امتحان پر ہے اور اس میں امتحان اچھا ہو جاتا ہے، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ انبیاء کو نبوت کی علامت ایسی بخشتا ہے کہ جس سے اہل عقل اور انصاف اس کی نبوت کو پہچان لیتے ہیں۔

پس جب پچھلے نبی نے اپنی نبوت کو ان علامات سے ثابت کر دیا، پھر اپنے معتقدین کی زیادت یقین یا اپنے منکرین کے انکار توڑنے اور الزام دینے کو مدعی ہوا کہ میری خبر فلانے نبی نے بھی دی تھی، سوچ کر دیکھو تو بعد اس کے صاحب عقل کو شک نہیں رہتا، تو اس لحاظ سے یہ بات ضروری نہیں کہ اگلا نبی اس کی سب خصوصیات کا بھی ذکر کرے، اور یہ امر ہر شخص پر جو اہل کتاب کی کتب کے مقدسہ سے واقف ہے، خوب ہی ظاہر ہے۔

دیکھو امام اور لیوے لوگ جن کو یہودیوں نے حضرت یحییٰ کے پاس بھیجا تھا، عہد عتیق کی کتابوں کے عالم تھے، اور انہوں نے حضرت یحییٰ میں علامات نبوت دیکھ کر نبی تو جانا تھا، مگر یہ نہ پہچان سکے تھے کہ ان تین نبیوں میں سے جن کے منتظر تھے کون سا نبی ہے، بلکہ ہر ایک کا شبہ ان پر کیا، پہلے مسیح کا، پھر ایلیا کا، پھر اس نبی موعود کا۔

پس اگر اگلی کتابوں میں ان تینوں کی ایسی خصوصیات مذکورہ ہوتیں تو کاہے کو ان کو شبہ پڑتا، بلکہ جھٹ پہچان لیتے، اور دیکھو کہ کتاب اشعیاء کے چالیسویں باب کا تیسرا درس یوں ہے (نسخہ ۱۸۴۴ء):

''ایک منادی کرنے والے کی آواز بیاباں میں: خداوند کی راہ سنوارو

اور جنگل میں ہمارے خدا کے لئے ایک سیدھی شاہراہ تیار کرو"۔

اور اس کو متی اور لوقا تیسرے باب میں حضرت یحیی کی بشارت قرار دیتے ہیں، حالانکہ اشعیا کی کتاب میں اس مقام پر اشارہ بھی ایسا پایا نہیں جاتا کہ جس سے حضرت یحییٰ بوجھے جاویں، اور کوئی ان کی خصوصیت شخصیہ مذکور نہیں اور بیابان میں پکارنے اور وعظ کرنے کا وصف تو ایسا ہے کہ انبیاء اسرائیلیہ پر بھی جو اشعیاءؑ کی بعد ہوئے، صادق آتا ہے، کیوں کہ یہ بھی آبادی اور بیاباں میں وعظ کرتے تھے، بلکہ حضرت مسیح اور حواریوں پر بھی صادق آتا ہے، کیوں کہ موافق تصریح متی کے وعظ حضرت یحیی کا بھی تھا کہ توبہ کرو، کیوں کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک ہوئی۔

اور متی کے چوتھے باب کے سترہویں درس میں ہے:

"اس وقت سے یسوع نے وعظ کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک ہے"۔

اور متی کے دسویں باب کے ساتویں درس میں حضرت مسیح کا قول حواریوں کی نسبت جب ان کو اپنی طرف سے رسول کر کے بھیجا تھا یوں ہے:

"اور تم چلتے ہوئے وعظ کر کے کہو کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک ہوئی اور حواریوں نے باوجودیکہ حضرت یحیی کو بارہا دیکھا تھا، تب بھی نہ پہچانا تھا کہ یہی ایلیا ہیں، جب تک انہیں حضرت عیسیٰؑ نے نہ بتلایا"۔

پس اس امر کا لحاظ کر کے اس بات میں شک نہیں کہ منکر کو ایسی بشارتوں کے نہ تسلیم کرنے اور تاویل کرنے میں بڑی ہی گنجائش ہوتی ہے۔

دیکھو اس بشارت اشعیا کو جس کو متی اور لوقا حضرت یحیی کے حق میں بتلاتے ہیں، منکر انکار کر سکتا ہے کہ ان کے حق میں نہیں اور حضرت عیسیٰؑ کے ظہور کے بعد یہود سلف و خلف جو یہودیت پر مرے یا اب تک یہودیت پر باقی ہیں، عیسائیوں کے

دعوے کو ان سب خبروں کی بابت جن کو یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے حق میں بتلاتے ہیں، غلط کہتے ہیں، اور ان کی ایسی تفسیر یا تاویل کرتے ہیں کہ وہ خبریں حضرت عیسیٰؑ پر صادق نہیں آتیں، اور عیسائی لاچار ہو کر سلف سے خلف تک دعوے کرتے ہیں کہ ان کی وہ تفسیریں اور تاویلیں غلط ہیں۔

میزان الحق کے پہلے باب کی تیسری فصل میں ہے (نسخہ ۱۸۵۰ء ص ۳۹)

مسیحی دین کے پہلے معلم فقط یہی سچا دعوی کرتے ہیں کہ یہودیوں نے ان آیات کو جن میں یسوع مسیح کا اشارہ ہے، نالائق اور نامناسب طور پر تفسیر اور خلاف بیان کیا ہے۔

اور یہودی ان کی تفسیروں اور تاویلوں کو غلط بتلاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ مسیح اب تک نہیں آیا، اور اس کے منتظر ہیں، اور یہودیوں سے قطع نظر ان کے سوا بھی ہر منکر حضرت عیسیٰؑ کی ان بشارتوں کی نسبت جن کو عیسائیوں کے زعم میں حواریوں نے لکھا ہے اور بقول صاحب میزان الحق کے ان کی سب تحریر الہامی ہے، اور غلطی کا اس میں احتمال نہیں، ایسا کچھ کہہ سکتا ہے اور حواریوں کی تحریر کا جو ان کے نزدیک الہامی ہے، اور روح القدس کے الہام سے لکھی گئی یہ حال ہو تو اور ان بشارتوں کا جن کو عیسائی علماء نے جو صاحب الہام نہیں، اپنے زعم میں حضرت عیسیٰؑ پر جمائے ہیں کیا ذکر، جس کو اس بات میں شک ہو "ازالۃ الاوھام" کے تیسرے باب کی دوسرے فصل اور استفسار کے سولھویں استفسار کو دیکھے۔

انجیل متی میں مسیح کی پانچ بشارتیں اور ان کا الزامی جواب

اور ناظرین کا دردِ سر کم کرنے کے لئے نمونہ کے طور پانچ بشارتیں جن کو متی نے حضرت مسیح پر منطبق کیا ہے، نقل کر کے الزاماً طعن کر دیتا ہوں، دوسری بشارتوں کو

ان پر قیاس کر لیجئے کہ طوالت کا خوف کر کے ان کو حوالے پر چھوڑتا ہوں اور جو شخص ان اعتراضات کو جو ان بشارتوں پر الزاماً کرتا ہوں، خوب غور سے پڑھے گا، پھر ان اعتراضات کو جنہیں پادری لوگ بشارات محمدیہ پر کرتے ہیں دیکھے گا، تو اس کو یقین کامل ہو جائے گا، کہ یہ تو صرف پادری صاحبوں کی مغالطہ دہی ہے، اور جب پادری لوگ باوجود قوی اعتراضوں کے وارد ہونے کے بشارات عیسویہ سے ہاتھ نہیں اٹھاتے، تو مسلمان لوگ ان کے کچے شبہات کا لحاظ کر کے کس طرح ان قوی بشارات محمدیہ سے ہاتھ اٹھائیں گے، لا واللّٰہ۔

مسیح کی پہلی بشارت

پہلی انجیل کا مؤلف اپنے انجیل کے پہلے باب میں اولاً اس حال کو کہ مریمؑ کو ان کے خاوند نے اپنے ہم بستر ہونے سے پہلے حاملہ پایا، اور یہ دیکھ کر چاہا کہ طلاق دے دے، تب فرشتہ نے اس کو خواب میں کہا کہ طلاق نہ دے، وہ تو روح القدس سے حاملہ ہے، اور بیٹا جنے گی، اور تو اس کا نام یسوع رکھیو، لکھ کر یوں لکھتا ہے (نسخہ ۱۸۴۴ء):

"۲۲۔ پس اسی طرح جو کچھ خداوند نے نبی کی معرفت سے کہا تھا پورا ہوا۔

۲۳۔ کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی، اور ایک بیٹا جنے گی، اور اس کا نام عمانوئیل رکھا جائے گا، جس کا ترجمہ یہ ہے، ہمارے ساتھ خدا"۔

اور یہ اشارہ ہے کتاب اشعیا کے ساتویں باب کے چودھویں درس کی طرف جو یوں ہے (نسخہ ۱۸۴۳ء):

"خداوند آپ تم کو ایک نشان دے گا، دیکھ وہ کنواری پیٹ سے ہوگی،

اور بیٹا جنے گی، اوراس کا نام عمانوئیل رکھے گی''۔

اب منکراس پر کئی طرح سے اعتراض کرسکتا ہے۔

پہلا اعتراض

پہلا اعتراض یہ ہے کہ اولاً تو عبارت اشعیا اور متی میں فرق ہے، ثانیاً جس لفظ کا ترجمہ متی نے اوراس کی تقلید سے اس مترجم عیسائی ۱۸۴۳ء والے نے کنواری کے لفظ کے ساتھ کیا ہے، عبرانی میں وہ لفظ علمہ ہے، علم کی مؤنث، اوراس میں ہائے تانیث ہے، اور یہودی عالم اس کے معنی مطلق جوان عورت کے کرتے ہیں، کنواری ہو یا غیر کنواری، اور ترجمہ(۱) یونانی ایکوئلا میں جو ۱۲۹ء میں ہوا ہے، اور ترجمہ یونانی تھیوڈوشن میں جو ۱۷۵ء میں ہوا، اور ترجمہ یونانی سمیکس میں جو ۲۰۰ء میں ہوا ہے، اس لفظ کے معنی جوان عورت کے کئے ہیں، اور یہودی کہتے ہیں کہ یہ لفظ تینوں امثال کے انیسویں درس میں بھی آیا ہے، اور وہاں اس کے معنی جوان عورت کے ہیں جس کی شادی ہوچکی ہو۔

پس اس کے موافق سرے سے متی کا وہ ترجمہ غلط ہے اور فری صاحب کی عبرانی لغت میں جو عیسائیوں میں مشہور اور معتبر کتاب ہے، علم اوراس کی جمع علموتہہ کے معنی کنواری اور جوان عورت دونوں لکھے ہیں۔

پس اس کے موافق بھی مخالف کے نزدیک کنواری کی تخصیص کے لئے قرینہ چاہئے، اور بدون قرینہ کے ہرگز مسلم نہیں، اور وہ جو فنڈر صاحب حل الاشکال کے ایک سو تیس صفحہ میں لکھتے ہیں کہ ''اس کے معنی کچھ اور نہیں مگر کنواری'' اور صاحب استفسار پر زبان

---

(۱) یہ تینوں ترجمے قدیم عیسائیوں میں معتبر تھے، خصوصاً تھیوڈوشن کا ترجمہ اور بیان ان کا سترہویں سوال کے جواب میں دوسری ہدایت کے اندر آتا ہے۔

درازی کرتے ہیں، تو یہ ان کو ایک زبان زوری ہے اور بس، اورا پکولا (Apkolia) اور تھیوڈوشن (Thayadotion) اور سمیکس (Samaiks) کے ترجمے اور فری صاحب کی عبرانی لغت ان کی اس زبان درازی کا جواب ہے، اور صاحب استفسار نے ان کے اس قول کو پانچ وجہ سے رد کیا ہے، جو چاہے اس میں دیکھ لے۔

دوسرا اعتراض

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا نام عمانوئیل کسی نے ماں اور باپ میں سے نہیں رکھا، بلکہ دونوں نے یسوع رکھا ہے، کیوں کہ باب پہلے متی کے درس اکیسویں کے موافق فرشتہ نے یوسف کو خواب میں بتلایا تھا کہ تو اس کا نام یسوع رکھنا، اور اس باب کے پچیسویں درس میں ہے کہ اس کا نام یسوع رکھا، اور لوقا کے پہلے باب کے اکتیسویں درس میں خرئیل کا قول حضرت مریم سے یوں منقول ہے:

''اور دیکھ تو حاملہ ہوگی، بیٹا جنے گی، اور اس کا نام یسوع رکھے گی''۔

پھر دوسرے باب کے اکیسویں درس میں ہے:

''آٹھویں دن جب لڑکے کا ختنہ ضرور ہوا، اس کا نام یسوع رکھا گیا، کہ اس کے حمل میں ہونے کے آگے فرشتہ نے اس کا یہ نام رکھا تھا''۔

پس ان درسوں سے معلوم ہوا کہ جیسا یوسف کو خواب میں کہا تھا، ویسا ہی حضرت مریم کو بھی بیداری میں فرشتوں نے کہا تھا، اور اسی کے موافق ماں اور باپ نے ان کا نام یسوع رکھا تھا، اور اشعیاؑ کے قول کے موافق چاہئے تھا کہ ماں اس شخص کا نام عمانوئیل رکھتی، اور کہیں حضرت عیسیٰؑ نے بھی دعویٰ نہیں کیا کہ میرا نام عمانوئیل بھی ہے۔

تیسرا اعتراض

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ''ہمارے ساتھ خدا'' حضرت عیسیٰؑ کے کسی نام کا ترجمہ بھی نہیں ہے کہ اس کی مناسبت سے حضرت عیسیٰؑ پر جماویں۔

چوتھا اعتراض

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ عیسائیوں کے ترجمہ کی تسلیم کے بعد اس بشارت میں اگر کچھ بڑا اپتا ہے تو یہی ہے کہ وہ شخص موعود کنواری سے پیدا ہوگا، اور اس کے سوا کوئی اور ایسا پتا نہیں کہ خاص حضرت عیسیٰؑ کی ذات سے تعلق رکھتا ہو، اور کنواری ہونا ایک امر مخفی ہے، اور مخالف پر اس کام کا تمام ہونا نہایت مشکل۔

دیکھو بعضے یہودی ہم عہد حضرت مسیحؑ کے ان کو یوسف ہی کا بیٹا بتلاتے تھے، جیسا یوحنا کے چھٹے باب کے بیالیسویں درس میں ہے۔

اور وہ (یعنی یہودی) کہنے لگے کیا یسوع یوسف کا بیٹا جس کے ماں باپ کو ہم پہچانتے ہیں، نہیں ہے۔

اور لوقا کے باب تیسرے درس تیئیسویں میں ہے:

''تب یسوع کی عمر قریب تیس برس کے ہونے لگی، اور یہ گمان کیا جاتا تھا کہ وہ بیٹا یوسف کا تھا، وہ بیٹا ہیلی کا''

اور لوقا کے چوتھے باب کے بائیسویں درس میں ہے:

''تعجب کر کے بولے کیا یہ یوسف کا بیٹا نہیں''

اور اسی طرح متی کے تیرہویں باب کے چونویں ۵۴ درس میں ہے

اور سلف کے مسیحیوں میں سے فرقہ ابیونیہ کا بھی یہی عقیدہ تھا، جیسا کہ نقل ان

کے مذہب کی گذری، اور بعضے یہودی تو عیاذاً باللہ جناب مسیحؑ کو ولد الزنا کہتے تھے چنانچہ اب کے یہود اور وہ سب لوگ جو پہلے عیسائی تھے، اور اس مذہب کے قبائح کو دیکھ کر ملحد ہو گئے، اور فرنگستان میں ان کا شمار لاکھوں لاکھ کو پہنچا ہے، ایسا ہی کچھ بکتے ہیں، جیسے پہلے صاحب اکسیہو مو ملحد کی عبارت نقل ہوئی۔

پانچواں اعتراض

پانچواں اعتراض یہ ہے کہ اشعیا کی کتاب کے اس باب سے وہ قصہ جس کے ضمن میں یہ پیشین گوئی واقع ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہودا کے بادشاہ آخذ بن یوتام بن عزیاہ کے عہد میں ایسا ہوا تھا کہ ارام کا باشاہ رصین اور اسرائیل کا بادشاہ فقح بن رملیاہ یروشلم پر چڑھ آئے، پر فتحیاب نہ ہوئے، اس وقت اشعیا کو خدا تعالیٰ کا حکم ہوا تھا کہ:

''تو آخذ سے مل کر اس کی تسلی کر، اور اس کو میرا پیغام پہنچا، اور اس پیغام کے بعد یہ بشارت بھی دے''

کہتا ہوں کہ وہ قصہ سچا نہیں معلوم ہوتا، بلکہ ایک جعلی کہانی ہے، کیوں کہ کتاب دوم سلاطین کے پندرہویں باب میں یوں ہے (نسخہ ۱۸۴۲ء):

''۳۰۔ اس وقت ہوسیع بن ایلہ نے فقح بن رملیاہ کے برخلاف منصوبہ کیا، اور اسے مارا، اور قتل کیا، اور عزیاہ کے بیٹے یوتام کی بادشاہت کے بیسویں برس اس کی جگہ بادشاہ ہوا۔

۳۲۔ اور شاہ اسرائیل رملیاہ کے بیٹے فقح کی سلطنت کے دوسرے سال عزیاہ کا بیٹا یوتام بادشاہ ہوا۔

۳۳۔ اور جب وہ تخت پر بیٹھا تو پچیس برس کا تھا اس نے سولہ برس یروشلم میں سلطنت کی'' الخ

پھر باب سولہویں میں ہے (نسخہ ۱۸۴۲ء):

''ا۔اور ایلیاہ کے بیٹے فقح کی سلطنت کے سترویں برس شاہ یہوداہ یوتام
کا بیٹا آخذ تخت پر بیٹھا۔
۲۔اس وقت وہ بیس برس کا تھا، اور اس نے سولہ برس یروشلم میں
بادشاہت کی اور اس نے خداوند اپنے خدا کی حضور نیکوکاری نہ کی، جس طرح کہ
اس کے باپ داؤد نے کی تھی۔
۳۔اور وہ اسرائیلی بادشاہوں کی راہ پر چلا، اور اس نے ان اجنبیوں
کے نفرتی دستور کے مطابق جنہیں خداوند نے بنی اسرائیل کے سامنے سے نابود
کیا تھا، اپنے بیٹے کو آگ میں گذارا۔
۴۔اور اونچے مکانوں اور پہاڑوں پر اور ہر ایک ہرے درخت تلے
قربانیاں کیں، اور خوشبویں جلائیں۔
۵۔ اس وقت شاہ ارام رصین اور شاہ اسرائیل رملیاہ کا بیٹا فقح یروشلم پر
لڑنے چڑھے، اور انہوں نے آخذ کو گھیر لیا، لیکن فتح یاب نہ ہوئے۔
۷۔ اور آخذ نے اسور کے بادشاہ دجلت پلاسر کے پاس ایلچی بھیجے، اور
پیغام کیا کہ میں تیرا خادم اور تیرا بیٹا ہوں، سو تو آ، اور مجھ کو آرام کے بادشاہ کے
ہاتھوں سے اور شاہ اسرائیل کے ہاتھ سے جو مجھ پر چڑھ آئے ہیں رہائی دے۔
۹۔ اور شاہ اسور نے اس کی بات مانی، اور دمشق پر لشکر کشی کی اور اسے
لے لیا، اور وہاں کے لوگوں کو اسیر کر کے قبر میں لایا، اور رصین کو قتل کیا۔
۱۰۔تب آخذ بادشاہ شاہ اسور دجلت پلاسر کی ملاقات کے لئے دمشق کو
چلا، اور اس نے ایک مذبح کو دیکھا جو دمشق میں تھا، اور آخذ بادشاہ نے اس مذبح
کا ٹھیک نقشہ کھچوا کے اوریاہ کاہن کنے (کے پاس) بھیجا۔
۱۱۔سو اوریاہ کاہن نے ٹھیک اسی نقشے کا جیسے آخذ نے دمشق سے بھیجا
تھا، ایک مذبح بنایا الخ۔
۱۲۔اور جب بادشاہ نے دمشق سے مراجعت کی تو بادشاہ نے مذبح

کو دیکھا اور بادشاہ نزدیک گیا اور اس پر قربانی گذرانی۔

۱۵۔ اور شاہ آخذ نے اوریاہ کاہن کو حکم کیا کہ اس بڑے مذبح پر صبح کا چڑھاوا اور شام کا ہدیہ اور بادشاہ کا چڑھاوا اور اس کا ہدیہ اور مملکت کے سارے لوگوں کا چڑھاوا اور ان کا ہدیہ اور ان کا تپاون گزرانو، اور چڑھاوے کا سارا خون اور ذبیحہ کا سارا لہو اس پر چھڑکو' الخ۔

اور اس عبارت کے بارے میں کئی شک ہیں۔

اول

اول یہ کہ موافق درس ۳۳ باب ۱۵ کے جب یوتام بن عزیاہ بادشاہ نے کُل سولہ ہی برس سلطنت کی ہو تو اس کی سلطنت کا بیسواں برس کہاں سے آیا کہ اس میں موافق درس تیسویں اس باب کے فقح بن رملیاہ مارا جاوے۔

دوم

دوم یہ کہ جب موافق درس تیسویں باب ۱۵ کے فقح بن ملیاہ یوتام کی سلطنت میں مارا گیا ہو، تو موافق درس اول باب سولہویں کے یوتام کا بیٹا آخذ فقح بن رملیاہ کی سلطنت کے سترہویں سال کس طرح تخت سلطنت پر بیٹھا۔

اور موافق درس ۵ باب سولہویں کتاب سلاطین اور درس اول باب ۷ کتاب اشعیا کے فقح بن ملیاہ اس پر کیوں کر چڑھ آیا، شاید ہندوؤں کے قول کے موافق دوسرے جنم میں چڑھا ہوگا، یا مرنے کے بعد پھر جی اٹھا ہوگا۔

سوم

سوم یہ کہ باب سولہویں کے درس ۳و۴و۱۲و۱۵ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بادشاہ مرتد تھا، اور بڑا ہی سخت بت پرست، سو تعجب ہے کہ ایسے مرتد بت پرست کے واسطے جو

توریت کے موافق واجب القتل اور بڑا پکا دشمن خدا کا ہے، حضرت اشعیا کو حکم ہو کہ اس کی جا کے تسلی کر، اور موافق درس ۱۴ باب ۷ کتاب اشعیا کے یہ نشانی عنایت ہو، کتاب خروج کے بائیسویں باب کے بیسویں درس میں ہے (نسخہ ۱۸۲۹ء):

''جو کوئی فقط یہواہ کے سوا کسی معبود کو نذر چڑھاوے عذاب سے مار ڈالا جاوے''۔

اور کتاب استثناء کے تیرہویں باب میں ہے (نسخہ مذکورہ):

''۶۔ اگر تیرا بھائی حقیقی اور تیرا بیٹا بیٹی اور تیری ہمکنار جورو یا تیرا دوست جو تجھے تیری جان کے برابر عزیز ہو تو تجھ کو پردے میں ورغلائے اور کہے کہ آؤ، اور معبودوں کی بندگی کریں۔

۷۔ جن سے تو اور تیرے باپ دادے واقف نہیں الخ۔

۸۔ تو تو اس سے موافق نہ ہو، اور نہ اس کی قبول کرنا، تو اس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا تو اس کی رعایت نہ کریو، تو اسے پوشیدہ مت کیجیو۔

۹۔ بلکہ تو اس کو ضرور قتل کیجو، اس کے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ پڑے اور بعد اس کے سب قوم کے ہاتھ۔

۱۰۔ تو اسے سنگسار کرنا تا کہ وہ مرجاوے'' الخ۔

اور استثنا کے سترہویں باب میں ہے (نسخہ مذکورہ):

''۲۔ اگر تمہارے درمیان تیری سرحدوں میں جو یہواہ تیرا خدا تجھ کو دیتا ہے کہیں کوئی مرد یا عورت ہو جس نے یہواہ تیرے خدا کے حضور بدکاری کی ہو کہ اس کے عہد کو توڑا ہو۔

۳۔ اور جا کے اور معبودوں کی بندگی کی ہو، اور انہیں سجدہ کیا ہو، جیسے آفتاب یا ماہتاب یا آسمانی کوئی ستارا جن کی پرستش کا حکم میں نے تجھے نہیں کیا۔

۵۔ تو تو اس مرد اور اس عورت کو جس نے تیرے سرحدوں میں یہ برا

کام کیا، اپنے دروازوں پر نکالیوں اور ان پر یہاں تک پتھراؤ کیجو کہ وہ مر جائیں"

اور اسی طرح اور جگہ توریت میں ہے۔

پس جب خدا ایسے شخصوں کے حق میں ایسے حکم دیتا ہے، تو کس طرح یقین آوے کہ آخذ جیسے مرتد شدید بت پرست کی تسلی کے واسطے اشعیاؑ کے جیسے پیغمبر کو بھیجے، اور اس مرتد اور اس کی امثال کو ایک نشانی عنایت کرے، اور پادری لوگ جو مرتد کے قتل کے حکم پر شریعت احمدی پر طعن کرتے ہیں ان کو بھی چاہئے کہ اپنے گھر کی ان روایات کو دیکھیں اور خدا سے ڈر کے اس نامناسب طعن سے باز آویں۔

چہارم

چہارم یہ کہ موافق درس ۵، ۷، ۹، ۱۰ کے معلوم ہوتا ہے کہ ارام کا بادشاہ رصین اور اسرائیل کے بادشاہ فقح بن ایلیاہ نے فتح نہ پائی تھی، اور دجلت پلاسر اسور کے بادشاہ اور آخذ یہودا کے بادشاہ میں کمال اتحاد تھا، اور دجلت پلاسر نے آخذ کی مدد کی تھی اور دمشق فتح کر کے رصین بادشاہ ارام کو مار ڈالا تھا اور آخذ اس کی ملاقات کو دمشق میں گیا تھا، اور وہاں سے اس نے ایک مذبح کا نقشہ کھچوا کے اوریا کاہن کی معرفت ویسا ہی مذبح یروشلم میں بنوایا تھا، اور خود مراجعت کر کے اسی مذبح پر بت پرستی کرتا تھا اور کتاب دوم اخبار الایام کے اٹھائیسویں باب میں ہے (نسخہ ۱۸۴۲ء):

"آخذ بیس برس کی عمر میں بادشاہ ہوا اور سولہ برس تک یروشلم میں مسلط رہا، اور جو خداوند کی نظر میں درست ہے سو اس نے اپنے باپ داؤد کے مانند نہیں کیا۔

۵۔ تب خداوند اس کے خدا نے اس کو شاہ ارام کے ہاتھ میں کر دیا، سو انہوں نے اسے مارا، اور ان میں سے بہت لوگوں کو اسیر کیا، اور انہیں دمشق میں پہنچایا، اور وہ شاہ اسرائیل کے ہاتھ میں بھی سونپا گیا جس نے اسے

بڑی مار سے مارا

٦۔ اور فقح بن رملیاہ نے یہودا میں ایک لاکھ بیس ہزار بہادر لوگوں کو ایک دن میں قتل کیا الخ۔

اور بنی اسرائیل اپنے بھائیوں میں سے دو لاکھ عورتوں اور بیٹے، بیٹیوں کو اسیر کر کے لے گئے اور ان کا بہت سا مال لوٹ لیا۔

١٦۔ اس وقت آخذ بادشاہ نے اسور کے بادشاہ کے پاس بھیجا کہ اس کی مدد کریں۔

١٩۔ کیوں کہ خداوند نے شاہ اسرائیل آخذ کے سبب یہودا کو گھٹایا، اس لئے کہ اس نے یہودا کو فراغ کیا تھا اور خداوند سے بے ایمان ہو گیا تھا۔

٢٠۔ اور شاہ اسور دجلت پلاسر اس پر چڑھ آیا اور اس کو تنگ کیا، اور اسے امن نہ دیا''۔

اس کے موافق معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ارام اور شاہ اسرائیل نے پورے طور پر فتح پائی اور شاہ اسور دجلت پلاسر نے اس کی مدد نہیں کی تھی بلکہ الٹا اس پر چڑھ آیا تھا، اور ان میں کمال مخالفت تھی۔

پنجم

پنجم یہ کہ لفظ ''شاہ اسرائیل'' کا کتاب دوم اخبار الایام کے باب اٹھائیسویں کے درس ١٩ میں صریح غلط ہے کیوں کہ وہ شاہ یہودا تھا، نہ شاہ اسرائیل۔

اس لئے ترجمہ یونانی اور لاطینی میں اس کو اصلاح دے کر بادشاہ یہودا لکھا گیا ہے، اور ان کے موافق ترجمہ عربیہ (١٨٣١ء) والے نے بھی اپنے ترجمہ میں یوں لکھا۔

''وکان الرب قد أذل یهودا بسبب أحاز ملك یهودا الخ''

اور وارڈ (Ward) صاحب اپنی کتاب اغلاط نامہ مطبوعہ

۱۸۴۱ء کے صفحہ سترہویں میں لکھتا ہے(۱)

''اور(۱) یہ جھوٹ ہے اور پروٹسٹنٹوں نے بھی اپنے بعض پہلے ترجموں میں ترجمہ یونانی اور لاطینی کے موافق شاہ یہودا لکھا ہے، مگر پھر انہوں نے اپنے بیبل (بائبل) منطبعہ (طبع شدہ) ۱۵۷۹ء اور ترجمہ اخیرہ میں جان بوجھ کر اسی جھوٹ کی پیروی کی اور اس امر کو ضعیف جان کر لاطینی کی طرف رجوع کرنا مناسب نہ سمجھا۔

بہر حال غلطی میں شک نہیں، لیکن بہتر علماء یہود نے جنہوں نے ترجمہ یونانی کیا تھا، اور ترجمہ لاطینی والے نے اس میں اصلاح دی، اور پروٹسٹنٹوں نے اسی غلطی کو حقیقت سمجھ کر رہنے دیا۔

ششم

ششم یہ کہ کتاب دوم سلاطین کے سولہویں باب کے دوسرے درس اور کتاب دوم اخبار الایام کے اٹھائیسویں باب کے اول درس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ آخذ بیس برس کی عمر میں تخت سلطنت پر بیٹھا، اور سولہ برس سلطنت کی، تو اس حساب سے کل اس کی عمر پینتیس یا چھتیس برس کی ہوئی، حالانکہ یہ غلط ہے کیوں کہ کتاب دوم سلاطین باب اٹھارویں کے دوسرے درس میں بادشاہ خرقیا بن آخذ کے حال میں یوں مرقوم ہے، (نسخہ ۱۸۴۲ء):

''اور جب کہ وہ تخت پر بیٹھا تو پچیس برس کا تھا'' الخ۔

اور کتاب دوم اخبار الایام کے انیسویں باب کے پہلے درس میں یوں ہے (نسخہ ۱۸۴۲ء):

---

(۱) یعنی آخذ کو بادشاہ بنی اسرائیل کا سمجھنا۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

''خرقیا پچیس برس کی عمر میں بادشاہ ہوا'' الخ۔

اب دیکھو کہ اس کے موافق لازم آتا ہے کہ دس گیارہ برس کی عمر میں آخذ سے خرقیا پیدا ہوا ہو، اور یہ تو عادت کے خلاف ہے، اور تفسیر ہنری اور اسکاٹ کے جامعین کا بھی گمان غالب یہی ہے کہ عبری میں اس جگہ محرف ہے، کیوں کہ درس اباب ۱۶ کتاب ۲ سلاطین کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

''غالباً یہاں لفظ بیس کا لفظ تیں کی جا (جگہ) لکھا گیا، دیکھو درس دوسرا باب اٹھارویں اس کتاب کا''۔

جس قصے میں ایسی ایسی خرافاتیں ہوں، جن میں سے چھ تو اس جگہ لکھے گئے، تو پھر وہ قصہ کیوں کر الہام کے موافق لکھا گیا ہوگا۔

چھٹا اعتراض

چھٹا اعتراض یہ ہے کہ جیسے یہ پیشین گوئی جس کا پہلی انجیل کے مؤلف نے حوالہ لیا، کتاب اشعیا کے ساتویں باب کے چودہویں درس میں مذکور ہے، ویسے ہی ایک اور پیشین گوئی اسی باب کے آٹھویں درس میں بھی مذکور ہے، اور یہ آٹھویں درس والی (پیشین گوئی) تو محض غلط ہے، اور غلطی کے سبب اس کو الہامی نہیں کہہ سکتے، تو اس چودہویں درس والی (پیشین گوئی) کو بھی الہامی نہ سمجھنا چاہیے، کیوں کہ یہ دونوں ایک ہی باب میں ایک ہی شخص سے ایک ہی وقت میں الہام کے دعوے سے مذکور ہیں۔

پس جب وہ دعوی ایک میں غلط نکلا، دوسرے میں کس طرح صحیح تصور ہو اور غلطی کی وجہ یہ ہے کہ وہ درس یوں ہے ترجمہ (فارسیہ منطبعہ ۱۸۳۸ء):

''بعد شصت و پنج سال افرائم شکستہ خواہد شد''

ترجمہ (عربیہ ۱۶۷۱ء و ۱۸۳۱ء):

"و بعد خمسة و ستين تفني افرام أن يكون شعبا"

یعنی ''پینسٹھ برس کے بعد فنا ہوگا افرائم قوم ہونے سے''

ان ترجموں کے موافق معلوم ہوتا ہے کہ افرائم پینسٹھ برس کے بعد ٹوٹے، حالانکہ وہ اکیس برس کے عرصہ میں ہی ٹوٹ گیا، اور خرقیا بادشاہ یہودا کی سلطنت کے چھٹے برس اسور کے بادشاہ نے بالکل فتح کرلیا، اور بنی اسرائیل کو قید کر کے اپنے ملک کو لے گیا، جیسا کہ کتاب دوم سلاطین کے باب سترہویں اور اٹھارویں سے ظاہر ہے۔

اور روٹ رنگا (Root Ranga) جو بڑے مسیحی علماء میں سے ہے کہتا ہے کہ نقل میں حرف کی غلطی ہوئی، یعنی غلطی سے ساٹھ اور پانچ، سولہ اور پانچ کی جگہ کاتب نے عبری متن میں لکھ دیئے، اور سولہ اور پانچ پڑھتا ہے، اور زمانے کی یوں تقسیم کرتا ہے کہ سولہ برس آخذ کی سلطنت کے اور پانچ برس خرقیا کی سلطنت سے۔

پس یہ فاضل بھی اس جگہ غلطی کا قائل ہوا، مگر اس نے غلطی کو کاتب کے سر پر تھوپا۔

ساتواں اعتراض

ساتواں اعتراض یہ ہے کہ اگر کوئی پادری اپنے سلف کی تکذیب پر کمر باندھ کر کہے کہ ۱۸۳۸ء و ۱۶۷۱ء و ۱۸۳۱ء والے مترجمین کا ترجمہ اور فاضل روٹ رنگا کا قول میرے نزدیک صحیح نہیں، بلکہ صحیح وہ ہے جو ۱۸۴۴ء والا ترجمہ کرتا ہے تو کہا جائے گا کہ اولاً اے جناب یہ آپ کے سلف آپ ہی کے ہم مذہب اور انہیں کی کتب کے واقف اور عالم تھے، پس ان کی غلطی اور تمہاری صحت کس طرح مسلم ہو۔

اور ثانیاً اگر بالفرض یہ بات مان بھی لیں تو اس کی صحت میں ایک اور فساد لازم

آتا ہے، اور وہ یہ کہ اب ربط کلام کا قطعاً اس بات کو چاہتا ہے کہ یہ پیشین گوئی حضرت عیسیٰؑ کے حق میں نہ ہو، کیوں کہ ۱۸۴۳ء والے کے موافق درس آٹھواں ونواں وسولھواں یوں ہے:

۸۔ ''بلکہ ارام کا دارالسلطنت دمشق ہور ہنا اور رصین دمشق کا سردار ہور ہنا، اور پینسٹھ برس کے عرصے میں فرائم ایسا گھٹ جائے گا کہ قوم نہ رہے گا۔

۹۔ اور افرائم کا دارالسلطنت سمروں ہور ہنا، اور رملیا کا بیٹا سمروں کا سردار ہور ہنا، اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو امن میں نہ رہو گے۔

۱۶۔ کیوں کہ اس کے آگے کہ یہ لڑکا بدترک کرنے کا اور نیک پسند کرنے کا امتیاز پائے، وہ سرزمین جس کے دو بادشاہ ہوں گے، سبب تو رنج میں ہے ویران ہو جاوے گی''۔

تو اب کہتا ہوں کہ حضرت اشعیا نے آخذ بادشاہ کی تسلی اور تشفی کرنے کو یہ بشارت دی تھی، اور سولھویں درس سے ظاہر یہ ہے کہ اس لڑکے کے پیدا ہونے کے بعد چندروز کے فاصلہ پر سلطنت اور مملکت ان دونوں بادشاہوں کی جن سے آخذ رنج میں تھا، (یعنی رصین آرام کا بادشاہ جس کا دارالسلطنت دمشق اور فقح بن رملیاہ شاہ اسرائیل افرائم کا بادشاہ جس کا دارالسلطنت سمروں تھا) جاتی رہیں گی، اوران کی سرزمین ویران ہو جائے گی۔

اور آٹھویں درس کے اندر افرائم کی ویرانی پینسٹھ برس کے عرصے کے اندر اندر فرمائے تھے، اور وہ اکیس برس کے عرصہ ہی کے اندر ٹوٹ گیا، تو چاہیئے کہ وہ لڑکا پینسٹھ برس کے اندر بلکہ اکیس برس کے اندر ہی پیدا ہولیا ہو۔

پس حضرت عیسیٰؑ پر اب کیوں کر صادق آوے، کیوں کہ یہ تو افرائم کے لوٹنے کے سات سو اکیس برس بعد پیدا ہوئے ہیں، علاوہ اس کے اگر حضرت عیسیٰؑ مراد ہوتے

تو آخذ کی کیا خاک تشفی ہوتی کہ سات سواکیس برس کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا، اور اس کے پیدا ہونے کے چند روز بعد اس کے دشمن ہلاک ہوں گے، اور ایسے ایسے وجوہ کا لحاظ کر کے اہل کتاب کے علماء میں بھی خلاف پڑا کہ یہ پیشین گوئی کس کے حق میں ہے؟

بعضوں نے کہا کہ اس میں حضرت اشعیا اپنی بی بی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ وہ حاملہ ہو کر لڑکا جنے گی، اور وہ لڑکا اچھی طرح ہوش نہ سنبھالے گا کہ آخذ کے دشمن پامال ہو جاویں گے، چنانچہ اس کا حال ڈاکٹر بکسن نے بھی لکھا ہے، اور یہی قول حق ہے۔

پھر انجیل اول کا مصنف دوسرے باب میں اولاً اس بات کو کہ حضرت مریم مزعومہ شوہر کا خواب میں فرشتہ سے ہدایت پا کر حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کو مصر کو لے کے چلا گیا، لکھ کر پندرہویں درس میں لکھتا ہے (نسخہ ۱۸۴۴ء):

''اور ہیرود کے مرنے تک وہاں رہا، اسی طرح وہ جو خداوند کے نبی کی معرفت سے کہا گیا تھا کہ میں نے اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا پورا ہوا''

اور یہ اشارہ ہے ہوسیع کی کتاب کے گیارویں باب کے اول درس کی طرف، اور اس میں بھی انجیل اول کا مؤلف صریح چوکا کہ اس خبر کو اس نے حضرت عیسیٰؑ پر جمایا کیوں کہ کتاب ہوسیع کے باب گیارہویں کا درس اول یوں ہے (نسخہ عربیہ ۱۸۱۱ء):

"إسرائيل منذ كان طفلًا و أنا أحببته و من مصر دعوت أولاده"

یعنی اسرائیل جب لڑکا تھا تب ہی سے میں نے اس کو پیار کیا، اور مصر سے اس کی اولاد کو میں نے بلایا۔

پس صاف ظاہر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اس احسان کا ذکر کرتا ہے، جو حضرت موسیٰؑ کے وقت ہی میں بنی اسرائیل کی نسبت کیا تھا، اور حضرت عیسیٰؑ سے اس کو کچھ بھی تعلق نہیں۔

پس اس کو حضرت عیسیٰؑ پر جمانا محض بیجا ہے، اور صریح تحریف کیوں کہ کہاں یہ عبارت ''اور میں نے مصر سے اس کی اولاد کو بلایا'' جیسا کتاب ہوسیع میں ہے، اور کہاں یہ ''میں نے اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا'' جیسے انجیل میں ہے، پہلی عبارت میں لفظ ''اس کی اولاد'' کا بصیغہ جمع ضمیر غائب کے ساتھ تھا، جو اسرائیل کی طرف پھرتی ہے، اور پچھلی عبارت میں اس کی جگہ لفظ ''اپنے بیٹے'' کا بصیغہ مفرد ضمیر متکلم کے ساتھ تحریف کر کے رکھا گیا، اور انجیل اول کے مؤلف کی رعایت کر کے مترجم فارسی ۱۸۴۵ء والے نے بھی اس درس میں دونوں طرح کی تحریف کر کے یوں ترجمہ کیا ہنگا۔

''ہنگامیکہ اسرائیل طفل بود وے را دوست میداشتم و پسر خود را از مصر طلب کردم''

مگر بحمد اللہ کہ اس کی تحریف اور ۱۸۱۱ء والے کی صداقت ابعد کی عبارت سے کھل جاتی ہے، اسی کے ترجمہ سے نقل کرتا ہوں، دیکھو

۲۔ ''ہر قدرے کہ ایشان را دعوت کردند از ایشان رد گردان بودند و بہ تعلیم ذبح نمودند و باصنام تراشیدہ شدہ بخور کردند،

۵۔ بزمین مصر برنخواہد گشت و اشور ملک او خواہد بود سبب اینکہ از رجوع نمودن ابا نمودند۔

۷۔ وقوم من جہت رجوع بمن در تشکیک معلق اند الخ۔

۸۔ اے افرائم ترا چگونہ تفویض واے اسرائیل تر چگونہ تسلیم نمایم۔

۱۰۔ پیروی خداوند خواہد نمود دے مانند شیر خروش خواہد کرد حینیکہ خروش می نماید پسران از مغرب خواہند شتا۔

۱۱۔ مثل مرغ از مصر مانند کبوتر از زمیں اشور خواہند شتافت خداوند میفر ماید کہ ایشاں را در خانہائے ایشان ساکن خواہم کردانید''۔

اس عبارت میں مثل ان الفاظ کے ''اندر رو گردان بودند'' و ''ذبح نمودند'' و ''بخور کردند'' و ''ابا نمودند'' وغیرہ کے جمع کی ضمیریں صاف دلالت کرتی ہیں کہ مرجع ان کا بھی جمع ہے۔

اور بالفرض اگر انجیل اول کے مؤلف کی عبارت صحیح مانی جائے تو بھی حضرت عیسیٰؑ پر نہیں جم سکتی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ درس اول میں اپنا احسان ظاہر کر کے دوسرے درس میں مذمت کرتا ہے کہ میں نے تو یہ احسان کیا، اور انہوں نے اس کے بدلے بت پرستی کی، اور بتوں کو قربانیاں گذرانیں اور تراشے ہوئے مورتوں کے لئے لوبان جلایا۔

پس عیاذاً باللہ لازم آوے کہ حضرت عیسیٰؑ نے بت پرستی کی ہو، اور یہ تو بہت ہی لغو بات ہے، حضرت عیسیٰ کا تو کیا ذکر، ان کے ہم عہد یہود پر بلکہ ان یہودیوں پر بھی جو تقریباً پانچ سو برس کے عرصہ تک ان کی ولادت سے پہلے ہوئے ہیں صادق نہیں آتی، کیوں کہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے پانچ سو چھتیس برس پہلے یہودیوں نے قید بابل سے رہائی پائی تھی، اور رہائی کے بعد انہوں نے بت پرستی سے ایسی توبہ کی تھی کہ پھر اس کے گرد نہ پھرے تھے، جیسا کہ تواریخ اور پادریوں کے رسالوں میں مصرح ہے، اسی رسالے میں کہ جس کا نام ''دین عیسوی کی سچائی کا ثبوت'' ہے مرقوم ہے:

> ''وہ بڑا گناہ تو جس کے سبب کئی اسیریوں میں سزا پائی، ان کی بت پرستی تھی، ان میں سے بابل کے سترہویں برس کی گرفتاری سب کے پیچھے اور سب سے زیادہ ہوئی، تبھی انہوں نے بت پرستی ترک کی، بلکہ اس سے کمال نفرت رکھتے''۔

اور انجیل کے مؤلف کو اتنی بھی خبر نہ رہی کہ درس اول کے بعد کیا ہے، فقط درس اول کو دیکھ کر ایسا کچھ لکھ بیٹھا، اور حق وہی ہے جو اوپر لکھا گیا، کیوں کہ ہوسیع کی اس خبر کی اصل حقیقت یہ ہے کہ سلیمان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل میں فساد پڑا، اور ایک

سلطنت کی دو سلطنتیں بن گئیں، اور ایک کا نام سلطنت یہودا اور دوسری کا نام اسرائیلی سلطنت ہوا، اور اسرائیلی سلطنت کے اول ہی بادشاہ نے بت پرستی کا اپنے ملک میں رواج دیا، اور بعلیم بت کی پرستش نے اس کے ملک میں بڑی ترقی پکڑی، اس حد تک کہ صدہا آدمی مدعی کھڑے ہوئے کہ ہم بعلیم کے پیغمبر ہیں، تقریباً ساڑھے چار سو بعلیم کے پیغمبروں کو تو حضرت ایلیا نے اپنے وقت میں مرواڈالا تھا، اور اسی طرح سلطنت یہودا میں بھی بت پرستی پھیل گئی تھی، اس پر عتاب ربانی شروع ہوا، اور انبیاء نے دونوں سلطنتوں کے اندر ان کی بربادی کی خبر دینا شروع کیا، منجملہ انہیں انبیاء کے ہوسیع نے بھی آٹھ سو دس برس پہلے جناب مسیحؑ کی ولادت سے اسرائیلی سلطنت میں یہ خبر دی، اور اس خبر سے نوے برس کے بعد اسور کے بادشاہ نے اسرائیلی سلطنت کو بالکل برباد کیا، اور بنی اسرائیل کو اسور میں قید کر کے لے گیا، اور اس سلطنت کی بربادی سے ایک سو تئیس برس بعد بخت نصر نے سلطنت یہودا کو بالکل غارت کیا، اور بیت المقدس کو ڈھایا، اور ہزار ہا بنی یہودا کو قید کر کے بابل کو لے گیا، اور کچھ قوم جو اس کے ہاتھ سے نکل بھاگے تھے، مصر کو چلے گئے، گو ان کو حضرت یرمیا نے منع بھی کیا تھا، لیکن انہوں نے نہ مانا جیسا کہ سلاطین کے کتب اول اور دوم میں اور کتاب یرمیا کے تیتالیسویں باب میں مفصل مرقوم ہے:

پس حضرت ہوسیع پہلے درس میں اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا جو موسیٰؑ کے وقت میں بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تھا، اور دوسرے اور تیسرے درس میں ان کی نافرمانی کا اور پانچویں اور چھٹے درس میں مصر کے جانے والوں کی نافرمانی، اور ان کی جزا کا، اور آٹھویں اور نویں درس میں اپنی رحمت کا اظہار کر کے دسویں اور گیارہویں درس میں وعدہ کرتا ہے کہ پچھم اور مصر اور اسور سے وہ رہائی پا کر اپنی ولایت میں پھر آ کر

بسیں گے، اور اللہ تعالیٰ نے اس وعدے کو وفا بھی فرمایا۔

اور بیٹے کا اطلاق بنی اسرائیل پر عہد عتیق کی کتابوں میں کثرت سے پایا جاتا ہے، کتاب خروج کے چوتھے باب میں ہے (نسخہ ۱۸۴۲ء):

"۲۲۔ تب تو فرعون کو یوں کہیو کہ خداوند نے یوں فرمایا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا ہے، بلکہ میرا پہلوٹا ہے،

۲۳۔ سو میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ میرے بیٹے کو جانے دے، تاکہ وہ میری عبادت کرے" الخ۔

اور کتاب استثناء کے بتیسویں باب کے درس انیس میں ہے (نسخہ مذکورہ):

"اور جب خداوند نے یہ دیکھا تو ان سے نفرت کی کہ اس کے بیٹا بیٹی نے اسے غصہ دلایا"

اور کتاب اشعیا کے اول باب کے درس دوم میں ہے (نسخہ ۱۸۴۵ء):

"اے آسمانہا استماع نمائید واے زمین گوش دہ زیرا کہ خداوند میفر ماید کہ فرزندان را پرورش و تربیت نمودم وایشاں بہ من عاصی شدند"۔

اور اسی کتاب کے باب تیسویں کے درس پہلے میں ہے (نسخہ مذکورہ):

"خداوندمی فرماید وائے بر فرزندان طاغی کہ تدبیری ورزند الخ"

اور اسی کتاب کے ترسٹھویں باب کے آٹھویں درس میں خدا کا قول یوں منقول ہے (نسخہ مذکورہ):

"بہ تحقیق قوم من پسران نفر نینده خواہند بود" الخ

اور یرمیا کی کتاب کے اکتیسویں باب کے نویں درس میں خدا تعالیٰ کا قول یوں منقول ہے (نسخہ ۱۸۴۴):

"میں اسرائیل کا باپ ہوں اور افرائیم میرا پہلوٹا (پہلا لڑکا) ہے"

اور اس جگہ اسرائیل سے مراد بنی اسرائیل ہیں جیسا اُس باب کے ملاحظے سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور اسی باب کے دسویں درس میں ہے (نسخہ ۱۸۴۳ء):

''جس نے اسرائیل کو تتر بتر کیا، وہی اسے جمع کرے گا''

اور کتاب ہوسیع کے پہلے باب کے دسویں درس میں ہے (نسخہ ۱۸۴۳ء):

''تو بھی بنی اسرائیل شمار میں دریا کے ریت کے مانند ہوں گے جو ناپے اور گنے نہیں جاتے، اور ایسا ہو گا کہ جہاں ان کے لئے کہا گیا ہے کہ تم میرے لوگ نہیں ہو، اس کے عوض میں کہا جائے گا، تم زندہ خدا کے فرزند ہو''۔

دیکھو اس کتاب میں بھی جس سے متی نے اس پیشین گوئی کو نقل کیا ہے، بنی اسرائیل پر خدا کے فرزند کا اطلاق آیا ہے۔

پس اگر عبارت متی کی بالفرض صحیح بھی ہو تو بھی اس کی عبارت میں اپنے بیٹے سے مراد بنی اسرائیل ہی ہوں گے تاکہ مابعد کے ساتھ ربط اور سب ترجموں میں مطابقت ہو جائے۔

مسیح کی تیسری بشارت

پھر انجیل اول کا مؤلف اسی دوسرے باب میں اولاً اس بات کو کہ سرود شاہ ظالم نے سب لوگوں کو جو دو برس کی عمر کے شروع یا اس سے کم تھے مروا ڈالا، لکھ کر یوں لکھتا ہے (نسخہ ۱۸۴۴ء):

۱۷۔ ''تب وہ جو یرمیا نبی نے کہا تھا پورا ہوا۔

۱۸۔ کہ آہیں زاری اور رونے اور پیٹنے کی آواز سنی جاتی ہے کہ راحیل اپنے لڑکوں کے واسطے روتی اور تسلی نہیں مانتی اس لئے کہ وہ نہیں ہیں۔

اور یہ اشارہ ہے یرمیا کی کتاب کے اکتیسویں باب کے پندرہویں درس کی طرف، لیکن یہاں بھی انجیل کا مؤلف چوکا، جو اس کو ہیرود کے واقعہ پر جمایا، کیوں کہ یہ تو بخت نصر کے واقعہ سے جو یرمیاؑ کے زمانے میں ہوا تھا، تعلق رکھتا ہے کہ اس نے یروشلم کی فتح کے بعد بنی اسرائیل میں سے ہزاروں کو قتل کیا، اور ہزاروں کو قید کر کے بابل کو لے گیا تھا، اور ان میں کثرت سے راحیل کی اولاد بھی تھے کہ راحیل کو اس حادثہ سے عالم برزخ میں رنج ہوا، اور اللہ نے اس کو تسلی دی کہ غم مت کھا، تیری اولاد قید سے چھوٹ کر آوے گی، اور جو کوئی اس کتاب کے تیسویں باب اور اس باب کو دیکھے گا یقین کر لے گا کہ اس کو واقعہ ہیرود پر جمانا سراسر غلطی اور سوءِ فہمی ہے''۔

کیوں کہ بعض درس باب تیسویں کے یوں ہے (نسخہ ۱۸۴۴ء):

''۳۔ کہ دیکھ وہ دن آتے ہیں، خداوند کہتا ہے کہ میں اپنی قوم اسرائیل اور یہودا کی اسیری پھیروں گا، خداوند کہتا ہے اور میں انہیں اس زمین میں بٹھاؤں گا، جسے میں نے ان کے باپ دادوں کو دیا، اور وہ اسے میراث میں لیں گے۔

۱۰۔ اس لئے اے میرے بندے یعقوب مت ڈر، خداوند کہتا ہے اور اے اسرائیل مت گھبرا کہ دیکھ میں تجھے دور سے اور تیری اولاد کو ان کی اسیری کی زمین سے نجات دوں گا، اور یعقوب پھرے گا، اور آرام لے گا، اور چین سے رہے گا، اور کوئی اسے نہ ڈراوے گا۔

۱۸۔ خداوند یوں کہتا ہے: دیکھ میں یعقوب کے خیموں کے اسیری کو پھیروں گا، اور اس کے سکون پر رحمت کروں گا، اور شہر اپنے ٹیلے پر بنایا جائے گا، اور قلعہ سابق دستور پر آباد ہوگا''

اور اسی باب میں ہے:

''۸۔ دیکھو میں اتر کے زمین سے انہیں لاؤں گا اور زمین کی سرحدوں سے انہیں جمع کروں گا، اور ان میں اندھے، لنگڑے، حاملہ اور جننے والے

ہوں گے، بڑی جماعت یہاں پھر آوے گی۔

۱۰۔ اے قومو! خداوند کا کلام سنو اور دور کے ٹاپوؤں میں منادی کرو، اور کہو کہ جس نے اسرائیل کو تتر بتر کیا وہی اسے جمع کرے گا، اور جیسے چرواہا اپنے گلے کی ویسی وہ نگہبانی کرے گا۔

۱۵۔ خداوند یوں کہتا ہے کہ رامہ میں آواز سنی گئی ہے، نوحہ اور زار زار رونا، راحیل اپنے لڑکوں کے لئے روتی ہے اور اپنے لڑکوں کے لئے تسلی نہیں چاہتی، کیوں کہ وہ نہیں ہیں۔

۱۶۔ خداوند کہتا ہے کہ اپنی آواز کو زاری سے اور اپنی آنکھوں کو آنسوؤں سے باز رکھ کہ تیرے کام کا پھل ہوگا، خداوند کہتا ہے اور وہ دشمنوں کی زمین سے پھر آویں گے۔

۱۷۔ اور تیری آخر میں امید ہے، خداوند کہتا ہے کہ تیرے لڑکے اپنی سیوانی (علاقہ) میں پھر آئیں گے"۔

پس دیکھو خدا وعدہ کرتا ہے کہ میں نبی اسرائیل اور بنی یہودا کی اسیری پھیروں گا، اور اپنے ملک میں پھر آکے آرام اور چین سے بسیں گے، اور شہر اور قلعہ پھر بنا دیں گے، اور بڑی جماعت پھر کر آئے گی، اور راحیل کو تسلی فرماتا ہے کہ تیری اولاد دشمنوں کی زمین سے پھر کر آوے گی، اور قید سے رہائی پائے گی۔

اب دیکھو انجیل کا مؤلف پندرہویں درس کو لے کر کیسا الٹ پلٹ جماتا ہے، اور اس کے مابعد اور ماقبل کو نہیں دیکھتا، اور اس مؤلف کے قصے میں دو خدشے اور بھی ہیں۔

ایک یہ کہ ہیرود کا مروا ڈالنا لڑکوں کو کسی تاریخ معتبر میں بشرطیکہ اس کا مؤلف عیسائی نہ ہو نہیں پایا جاتا، اور یوسفیس (Ousfees) مؤرخ یہودی جس کی تاریخ کا یہودی بڑا ادب کرتے ہیں، اس حادثہ کو نہیں لکھتا، اور نہ اور کوئی عالم یہودی، حالانکہ یہ

لوگ ہیرود کی بڑی مذمت کے لکھنے والے اور اس کے عیب جو ہیں، اور یہ حادثہ تو اس کا ایک بڑا ظلم تھا، اگر ہوا ہوتا تو اس کو اس کی مذمت میں ضرور ہی ذکر کرتے، اور اس کے لکھنے میں کوئی الزام ان کے مذہب پر بھی نہ تھا کہ اس کی وجہ سے احتمال ہو کہ انہوں نے نہیں لکھا۔

دوسرے یہ کہ یرمیاؑ کی تحریر اور مؤلف انجیل کی تصدیق سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں بھی اموات کو اپنی اولاد کا حال معلوم ہوتا ہے، اور رنج اور درد اٹھاتے ہیں، حالانکہ فرقہ پروٹسٹنٹ کے لوگ اس بات کے منکر ہیں، ان کو چاہئے کہ اس خبر کو غلط جانیں۔

مسیح کی چوتھی بشارت

پھر انجیل اول کا مؤلف اسی باب دوم کے درس تیسویں میں لکھتا ہے (نسخہ ۱۸۴۴ء):

> ''اور ایک شہر میں جس کا نام ناصرت تھا آ کر رہا، اسی طرح جو نبیوں کی معرفت سے کہا گیا تھا کہ وہ ناصری کہلائے گا، پورا ہوا''

حالانکہ یہ غلط ہے اور بائبل کی کتابوں میں سے کسی ایک نبی کی بھی کتاب میں نہیں پایا جاتا، چہ جائے کہ نبیوں کے، اور یہودی عالم تو اس پر قہقہہ کرتے ہیں، اور عیسائی لوگ سلف سے خلف تک اس میں کچھ کچھ عذر کرتے ہیں، ممفرڈ کیتھولک (Mumfrad Dkitholak) مذہب اپنی کتاب ''سوالات السوال'' میں، جو ۱۸۴۳ء میں لندن کے اندر چھپی ہے، سوال دوم کے ذیل میں لکھتا ہے کہ:

> ''وہ کتابیں جن میں یہ (یعنی حضرت عیسیٰ ناصری کہلائیں گے) ذکر تھا، نیست و نابود ہو گئیں، اس لئے جو نبیوں کی کتابیں کہ اب موجود ہیں کسی میں

عیسی ناصری نہیں کہلاتے"۔

پھر اپنے قول کی تائید کے لئے گریز اسٹم (Yazastam) اور جسٹن (Jastis) کا قول سند لاتا ہے۔

دیکھو اس فاضل نے تسلیم کرلیا کہ کتب موجودہ حال میں یہ امر نہیں پایا جاتا، اور دعوی کرتا ہے کہ وہ کتابیں جاتی رہیں۔

مسیح کی پانچویں بشارت

پھر انجیل اول کا مؤلف ستائیسویں باب کے نویں اور دسویں درس میں لکھتا ہے:

"۹۔ تب وہ جو یرمیا نبی کی معرفت سے کہا گیا تھا پورا ہوا کہ انہوں نے تیس روپیہ اس کی قیمت جس کا مول ٹھہرایا (یعنی جس کا بنی اسرائیل میں سے بعضوں نے مول ٹھہرایا)

۱۰۔ وہی تیس روپیہ لے کے جیسا خداوند نے مقرر کیا تھا، کمہار کا کھیت مول لیا"۔

حالانکہ یہ غلط ہے، یرمیا کی کتاب میں ہرگز ہرگز ایسا کچھ ذکر نہیں، البتہ زکریا کی کتاب کے گیارہویں باب کے بارہویں اور تیرہویں درس میں اس قسم کی عبارت ہے، مگر انجیل اول کے مؤلف کی عبارت اور اس کتاب کی عبارت میں زمین آسمان کا فرق ہے، اور اس کے باوجود پھر بھی اس کو اس حادثہ سے جس پر انجیل اول کا مؤلف جماتا ہے، کچھ بھی تعلق نہیں۔

پس غلطی کے سوا یہ دوسری چوک یا اس کی مغالطہ دہی ہے، اور اس میں بھی عیسائیوں نے سلف سے خلف تک بہت کچھ ہاتھ پاؤں پیٹے ہیں، اور رکیک رکیک

توجیہیں کی ہیں، اور بعضے نے لاچار ہو کر انصاف کی راہ سے کہا ہے کہ متی نے غلطی کی، اور ہارن (Horne) نے جو ان کا بڑا محقق ہے اپنے قول مختار کے موافق کہا کہ یہاں تحریف ہوئی، متی نے یرمیا کا نام نہ لکھا تھا، کسی نے براہ تحریف بڑھا دیا ہے، اور بعض نے کہا کہ کاتب سے غلطی ہوئی کہ وہ یرمیا زکریا کی جگہ لکھ گیا، وارڈ صاحب اپنی کتاب اغلاط نا طبع شدہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۲۶ میں لکھتا ہے کہ:

''مستر جویل اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ مرقس نے اخمیلک کے عوض غلطی سے ابیاتہر لکھا ہے، اور متی نے غلطی سے زکریا کی جا (جگہ) یرمیا''

اور ہارن (Haran) کی جلد دوسری کے صفحہ ۳۸۵ و ۳۸۶ میں اس پیشین گوئی کی بات یوں ہے (نسخہ طبع شدہ ۱۸۲۲ء):

''اس حوالے میں کچھ تھوڑی مشکل نہیں، اور یرمیا کی کتاب میں ایسی پیشین گوئی نہیں پائی جاتی، اور زکریا کی کتاب کے گیارہویں باب کے تیرہویں درس میں اس قسم کی پیشین گوئی پائی جاتی ہے، لیکن متی کے الفاظ کو اس کے الفاظ سے مطابقت نہیں، بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ متی کے نسخے میں غلطی ہوئی، اور کاتب نے زکریا کی جگہ یرمیا لکھ دیا، یا یہ کہ یہ لفظ الحاقی ہے''

اس کے بعد الحاقی ہونے کے شواہد لکھ کر کہتا ہے:

''اور بہت غالب یہی ہے کہ اصل عبارت متی کی بدون ذکر نام کے یوں تھی ''وہ جو نبی کے معرفت سے کہا گیا تھا پورا ہوا الخ اور یہاں گمان قوی ہوتا ہے، اس بات سے کہ متی اکثر اپنے حوالوں میں پیغمبروں کے نام چھوڑ دیتا ہے''۔

اور ہارن کے اس کلام اور دوسرے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک مختار یہی ہے کہ یہ لفظ الحاقی ہے، اور تفسیر ڈوالی اور رچرڈ مینٹ کے (نسخہ طبع شدہ

۱۸۴۸ء) میں اس درس کے تفسیر کے ذیل میں ہے کہ:

"یہ الفاظ جو یہاں منقول ہیں یرمیا کی کتاب میں نہیں پائے جاتے، بلکہ زکریا کی کتاب میں گیارہویں باب کے بارہویں درس میں ہیں کہ اس کی بعض توجیہات سے یہ ہے کہ اول زمانے میں نقل کرنے کے وقت کاتب نے غلطی سے زکریا کی جگہ یرمیا لکھ دیا ہے، اور وہی غلطی اس کے بعد متن میں داخل ہوگئی، جیسا کہ بشپ پیرس نے لکھا ہے"۔

حکایت

جواد بن ساباط اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھتا ہے کہ میں نے اس بات کو بہت پادریوں سے پوچھا، پادری طامس (Tams) نے کہا کہ کاتب نے غلطی کی ہوگی، اور بیوکانان اور مارطیروس اور کیراکوس نے جواب دیا کہ متی نے اٹکلوں یاد پر لکھ دیا ہے، دیکھ کے نہیں لکھا (یعنی متی نے غلطی کی) اور بعض پادریوں نے جواب دیا کہ یرمیا کا نام شاید زکریا بھی ہو، پھر میں نے یہود کے عالموں سے پوچھا، انہوں نے کہا کہ زکریا کی کتاب کے سوا اور میں نہیں پایا جاتا، اب دیکھو کہ ان کے علماء نے غلطی مان کر کیا کیا کہا، وارڈ (Ward) اور مسٹر جویل اور بیوکانا اور مارطبروس (Martbros) اور کیراکوس (Kiracoos) نے تو صاف کہہ دیا کہ متی نے غلطی کی، اور مسٹر جویل نے یہ بھی کہا کہ کچھ متی ہی پر حصر نہیں، مرقس بھی غلطی کی راہ سے اخیملک کی جگہ ابیاتھر لکھتا ہے:

اور جب ان علماء کے اقرار کے موافق متی اور مرقس کا یہ حال ہو تو بھلا پھر کون ان کی تحریر کو الہامی کہے گا، مگر عیاذاً باللہ شاید یوں کہیں کہ روح القدس بھی کبھی اٹکلوں یاد پر غلط پلط الہام کرتا ہے۔

اور جب متی حواری غلطی کرے تو مرقس کی کیا شکایت اور مرقس کی وہ غلطی جس کی طرف مسٹر جویل اشارہ کرتا ہے، یہ ہے کہ مرقس کے دوسرے باب کے چھبیسویں درس میں ہے (نسخہ ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء):

''وہ (یعنی داؤد) کیوں کہ سردار امام ابیاتھر کے وقت میں خدا کے گھر میں جا کے ان نذر کی روٹیوں کو جن کا کھانا سوائے اماموں کے کسی کو روا نہ تھا کھا لیا اور اپنے ساتھیوں کو دیا''

اور کتاب اول سموئیل کے اکیسویں باب میں مفصل یہ قصہ مرقوم ہے، اور اس باب کا درس اول یوں ہے (نسخہ ۱۸۲۹ء):

''اور داؤد دنبہ میں اخی ملک کاہن کے پاس آیا'' الخ

(نسخہ ۱۸۴۲ء):

''اور داؤد نوب میں اخی ملک کاہن کے پاس آیا الخ''

(فارسیہ ۱۸۳۸ء):

''پس داؤد بہ نوب نزد اخی ملک کاہن رسید الخ''

(فارسیہ ۱۸۴۵ء):

''داؤد بہ نوب نزد اخی ملک کاہن رفت الخ''

ان ترجموں کے موافق نام اس کا ابیاتھر نہ تھا، بلکہ ''اخی ملک'' خاء معجمہ یا حاء مہملہ یا ہاء ہوز کے ساتھ تھا۔

اور اس قصے میں ایک بات اور بھی ہے کہ جیسے یہاں جناب متی اور مرقس غلطی کرتے ہیں، وہاں حضرت داؤد نے اخیملک کاہن سے صریح جھوٹ بولا ہے، اور اس جھوٹ سے اسے پھسلا کر نذر کی روٹیاں اور ایک تلوار لی تھی کہ اس کے سبب شاول ظالم

نے نوب میں آکر پچاسی کاہنوں کو مروا ڈالا، اور شہر کے مرد و عورت، لڑکا لڑکے، بیل گائیں، گدھا، بھیڑ، بکرے سب کو قتل عام کیا، اور بڑی بے دردی سے دودھ پینے والے بچوں کو بھی مار ڈالا۔

خیر یہ تو انبیاء بنی اسرائیل کی ایک ادنی حرکت ہے، اس سے گزر کر اصل مقصود پر آتا ہوں کہ پادری طامس اور تفسیر ڈوالی اور رچرڈ مینٹ کے مؤلف اور بشپ پیرس اور دوسرے محققین نے مانا کہ کاتب سے غلطی ہوئی، اور وہ غلطی متن میں داخل ہوگئی، اور یہ توجیہ بھی لغو ہے، کیوں کہ اس کے موافق لازم آتا ہے کہ کاتب سے اگر ایسی ہی اور بھی غلطیاں ہوئی ہوں تو بھی کچھ بعید نہیں (۱) اور ہارن صاحب کے قول مختار کے موافق تحریف ثابت ہوتی ہے۔

---

(۱) پہلی دونوں توجیہوں کے موافق کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے تو اس پیشین گوئی میں جس کو یوحنا نے نقل کیا ہے، محمد یا احمد عربی میں یا پیر ے کلوطوس یونانی میں جس کے معنی قریب قریب لفظ محمد کے ہیں، فرمایا ہوگا، یوحنا نے غلطی کر کے اس کی جگہ چودھویں باب کے سولہویں اور چھبیسویں درس اور سولہویں باب کے ساتویں درس میں ''پاراکلی طوس'' یونانی لفظ جس کے معنی تسلی دینے والا اور مدد کرنے والا اور وکیل بھی ہیں، لکھ دیا ہوگا یا یوحنا نے تو محمد یا احمد یا ''پیر کلوطوس'' لکھا ہوگا کاتب نے غلطی کی راہ سے ''پارہ کلی طوس'' لکھ دیا اور پارہ کلی طوس اور پیر کلی طوس میں تو کچھ فرق بھی تھوڑا سا ہے اور اہل کتاب کی کتب مقدسہ سے جو شخص واقف ہے یا اس نے اعجاز عیسوی کو یا سترہویں سوال کے جواب کو جو اس رسالے میں آتا ہے دیکھا ہوگا، تو اس کو بخوبی معلوم ہے کہ کاتبوں کی ایسی ایسی غلطیاں تو خصوصاً ناموں میں ان کتابوں کا ایک خاصہ ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ متی اور مرقس کی انجیل کو یوحنا حواری نے نہیں دیکھا ورنہ وہ ان لفظوں کو صحیح کر دیتا، پس یہ جو پادری کہتے ہیں کہ یوحنا کے زمانے میں اول کے تینوں انجیلیں مشہور تھیں اور اس نے تینوں کو دیکھ کر چوتھی انجیل تکملہ کے طور بنائی ہے محض غلط ہے، اور اگر کہو کہ شاید یوحنا کو یہ غلطیاں معلوم نہیں ہوئیں یا معلوم ہوئی ہوں مگر اس نے نہ بدلا ہو تو کہوں گا کہ اب حضرت یوحنا کا دیکھنا ہم کو کچھ مضر نہیں کیوں کہ احتمال ہے کہ ایسے ہی قصے اور تمثیلیں بھی ان کے غلط ہوں اور انہوں نے ان غلط چیزوں کو بحال رکھا ہو۔ ۱۲ منہ رحمۃ اللہ علیہ۔

اثبات رسالت کی پانچویں وجہ

پانچویں وجہ یہ ہے کہ حضرت کی خبر انجیل بر بناہ میں تو اس زور وشور سے مرقوم ہے کہ اس میں کسی طرح کی تاویل کی جگہ نہیں، اور سیل (Sail) کے قرآن کے ترجمہ طبع شدہ ۱۸۴۳ء و ۱۸۵۰ء کے صفحہ تیتالیسویں میں وہ خبر منقول ہے، اور ہم اسی کے ترجمہ سے اردو میں ترجمہ کر کے نقل کرتے ہیں:

"اے بر بناہ یقین جان کہ کیسا ہی چھوٹا گناہ کیوں نہ ہو، خدا اس کی سزا دیتا ہے، کیوں کہ خدا تعالی گناہ سے ناراض ہے، اور کسی گناہ کو بے سزا نہیں چھوڑتا۔

میری ماں اور میرے شاگردوں نے جو دنیوی غرض سے میرے ساتھ بحث کی، خدا اس سے ناخوش ہوا، اور بمقتضائے عدالت یہ چاہا کہ ان کی اس نامناسب عقیدت کی سزا اسی دنیا میں ان کو دیوے، تا کہ وہ دوزخ کے عذاب سے بچیں، اور وہاں ان کو اذیت نہ ہوئے، اور میں اگر چہ دنیا میں بے قصور تھا، پر اس لئے کہ بعض آدمیوں نے مجھ کو خدا اور ابن اللہ کہا، خداوند متعال کو یہ بات خوش نہ آئی، اور اس کی مشیئت اس امر کی مقتضی ہوئی کہ قیامت کے دن شیاطین مجھ پر نہ ہنسیں، اور مجھ کو ٹھٹھوں میں نہ اڑاویں، سو اس نے اپنی مہربانی اور عنایت سے ایسا بہتر جانا کہ دنیا میں یہودا کی موت کے سبب میری تضحیک اور ہنسائی ہو جاوے، اور ہر شخص یہ گمان کرے کہ میں صلیب پر کھینچا گیا، لیکن یہ سب ہتک اور ہنسائی محمد رسول اللہ کے آنے تک رہے گی، جب وہ دنیا میں آئے گا، تو ہر ایک ایمان دار کو اس غلطی سے آگاہ کردے گا، اور یہ دھوکا لوگوں کے دلوں سے اٹھاوے گا"۔

اب دیکھو کہ کس صراحت سے یہ خبر اس میں ہے، اور کس خوبی سے سورۂ صف

کے چھٹی آیت کی تصدیق کرتی ہے، اور وہ آیت یوں ہے:

"وإذقال عيسى ابن مريم يا بني إسرائيل إني رسول الله إليكم مصدقاًلما بين يدي من التوراة و مبشراً برسول يأتي من بعدي اسمه أحمد"

ترجمہ: یعنی اور یاد کرو، جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے! بنی اسرائیل میں بھیجا آیا ہوں، اللہ کا، تمہاری طرف سچا کرتا اس کو جو مجھ سے آگے ہے توریت اور خوشخبری سناتا، ایک رسول کی جو آئے گا مجھ سے پیچھے اس کا نام ہے احمد۔

اور یہ وہم کہ برنباہ کی انجیل جعلی ہے، اور اس کو کونسل اور کمیٹی نے نہیں مانا، بہت ہی بے اصل اور پوچ ہے کیوں کہ عیسائیوں کی تسلیم کے موافق ان کتابوں میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے، جو دوسری اور تیسری صدی میں تصنیف ہوئی ہیں، پس اگر برنباہ اس کا مصنف نہیں، اور اس نے حضرت عیسیٰ سے سن کر نہیں لکھا، تو پانچ سو چھ برس حضرت عیسیٰ سے آگے اس کے مصنف کو یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی۔

اگر کہو کہ مصنف اس کا اگر چہ برنباہ نہیں، لیکن ممکن ہے کہ کوئی اور شخص الہامی ہو، یا کہو کہ گو مصنف اس کا الہامی نہ تھا، مگر اس نے یہ خبر کسی صاحب الہام کی کتاب سے دیکھ کر یا کسی صاحب الہام سے زبانی سن کر لکھی ہے، تو کہوں گا کہ اس صورت میں اس کا جعلی ہونا، اس خبر کو کچھ مضر (۱) نہیں۔

اور اگر کہو کہ کسی مسلمان نے یہ فقرے بڑھادئے ہیں تو اس کا ثبوت پیش کرو

---

(۱) اور یہ بات کہ پیغمبروں کی ساری پیشین گوئیاں لکھی نہیں گئیں، خصوصاً حضرت عیسیٰ کے اقوال اور حالات، (جیسا کہ) سولھویں سوال کے جواب میں تفصیل سے آتا ہے سو اس پیشین گوئی کا ان چار اناجیل مشہورہ میں نہ ہونا کچھ عدم صداقت کی دلیل نہیں ہے۔ ۱۲ منہ

اور پادریوں بالخصوص میزان الحق کے مؤلف کی تقریر کے موافق جو مسلمانوں کے مقابلے میں کہا کرتے ہیں کہا جائے گا کہ کس شخص نے کس زمانے میں یہ تحریف کی؟ اور برناباہ کی انجیل کا کوئی ایسا پرانا نسخہ پیش کرو، جو حضرت کے زمانے سے پیشتر کا لکھا ہوا ہو، اور اس میں یہ فقرے موجود نہ ہوں۔

اثبات رسالت کی چھٹی وجہ

چھٹی یہ کہ حضرت نے ایک بت پرست قوم میں جو خدا کی ذات اور صفات کی خبر نہ رکھتے تھے، اور کسی علم عقلی اور نقلی سے واقف نہ تھے نشو ونما پایا تھا، اور کسی اہل علم کی شاگردی نہ کی تھی، اور نہ کچھ علم پڑھا تھا، اور نہ کسی مذہب کے فاضل کی صحبت پائی تھی، اور نہ چالیس برس کی عمر تک اس قسم کا کچھ دعوی کیا تھا، اس کے بعد دعوی کر کے ایک کلام بہت ہی پاکیزہ ایسا ظاہر کیا جو باعتبار معانی کے نہایت ہی محمود اور ان مسائل پر مشتمل جو باتفاق عقل اور نقل کے صحیح اور درست اور مفاد دارین کا لب لباب، اور انبیاء کے مبعوث ہونے کی اصلی غرض ہیں، اور باعتبار الفاظ کے بلاغت اور فصاحت کے اس اعلی درجہ پر رہے کہ اس وقت کے تو لاکھوں فصیح اور بلیغ سے نہ ہو سکا کہ اس کی تین آیت کے بقدر بھی بنا کر معارضہ کر سکیں، گو اسلام اور اسلام والوں کے بڑے ہی دشمن اور ذلت کے طلب گار تھے، اور گو ان کو اس بات پر بہت ہی ابھارا، اور اس پر لاچار ہو کر یا تو جادو بتلایا، یا تلوار سنبھالی، یا بعض بڑے بڑے فصیح انصاف کر کے غور کے بعد مسلمان بن گئے، اور اس بارہ سو برس کے عرصہ تک اگرچہ لاکھوں لاکھ ملحد اور منکر گزرے، اور بہت نے اس امر کا خیال بھی کیا، مگر آخر کو سوائے پشیمانی اور توبہ کے کچھ نہ کیا، چنانچہ ان سب امور کا ذکر تفصیل سے گذرا۔

اثبات رسالت کی ساتویں وجہ

ساتویں وجہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کی کتاب کو خدا نے وہ بزرگی دی کہ انجیل اور توریت کو خواب میں بھی نصیب نہ ہوئی ہوگی، کیوں کہ بہت سے ملحد اور معاند اسلام اس امر کے درپے ہوئے کہ قرآن میں تحریف کریں، مگر ایک حرف میں بھی نہ کر سکے، بلکہ وعدۂ الٰہی کے موافق جس کا ذکر معجزات کے بیان میں چودھویں معجزے تفصیلی میں گزرا، سب کا سب آج تک محفوظ ہے بخلاف توریت اور انجیل اور کتب مقدسہ اہل کتاب کے کہ ان میں تحریف کامل درجے کو پہنچی، اس امر کے لئے اعجاز عیسوی، اور اس کتاب کے ۲و۷ اسوال کا جواب دیکھو، اور اس کتاب کا حفظ کرنا ایسا آسان کر دیا کہ عرب اور روم وغیرہ کا جہاں سلطنت اسلام قائم ہے کیا ذکر، ہندوستان کے قصبات اور شہروں میں ہزار ہا چھوٹے چھوٹے بچے اس کے حافظ ایسے ہیں کہ ان سے اس کے الفاظ اور حرکات کو جس طرح چاہو تحقیق کر لو، اور مجھ کو امید ہے کہ سارے سرکار انگلشیہ کی سلطنت میں ایک بھی ایسا حافظ انجیل کا نہ نکلے گا، عہد عتیق کی کتابوں کا تو کیا ذکر، اور یہ بھی ایک عمدہ سبب قرآن کی حفاظت کا بنا، کیوں کہ اگر کوئی بے ایمان ایک حرف بھی اور طرح کہے لڑکے بھی اس کی خطا کو پکڑ لیں۔

اثبات رسالت کی آٹھویں وجہ

آٹھویں وجہ یہ کہ نبوت کے دعوے میں چودہ برس تک ہزاروں طرح کے رنج اٹھائے، اور اپنے اور بیگانہ سے ملامتیں سنیں، اور قریب اور بعید جان کے دشمن بن گئے، اور سارے کاروبار دنیاوی میں نقصان اٹھایا، اور عرب کے رئیس سب روکتے تھے، اور ان میں سے بعض تو ہر طرح کی طمع دے کر پکے پکے وعدے کرتے تھے، اور بعضے بہت

سختی اور درشتی سے پیش آتے تھے، باوجود اس کے اول سے آخر تک ایک ہی استقامت رکھی، اور دنیا کے مال اور دولت پر کبھی التفات نہ کیا، اور نہ لاکھوں دشمنوں سے اپنی جان اور بدن کی کبھی پرواہ کی، بلکہ تمام دہشت کے کاموں میں برابر بھروسہ خدا پر رکھا، یہاں تک کہ خداتعالیٰ نے ان کے دین کو مشرق ومغرب میں پھیلا دیا، اور بہت بعید ہے کہ جھوٹا دنیا کا طالب ایسا کچھ کرے۔

اثبات رسالت کی نویں وجہ

نویں وجہ یہ ہے کہ جب حضرت ﷺ کا ظہور ہوا تو اس وقت اور اس کے بعد میں تمام عالم کے اندر بت پرستی تھی، کیوں کہ عرب اور ہند اور چین اور ختن اور دوسرے اکثر ملکوں میں تو کل کے قریب ٹھیٹ مشرک اور بت پرست تھے، اور خال خال اور مذہب والے بھی مثل یہود اور عیسائیوں کے، اور اکثر فارس کا ملک جہاں کا بادشاہ مجوسی گویا تمام عالم کا شہنشاہ تھا، آتش پرست تھا، اور روم اور اس کے صوبہ جات میں اکثر عیسائی تھے، مگر صلیب پرستی اور صنم پرستی اور اور کفریات میں بت پرستوں کے باپ تھے، کیوں کہ چوتھی صدی کے شروع سے پوپ کی سلطنت شروع ہوئی، اور حضرت ﷺ کے ظہور کے وقت اور اس کے بعد سولہویں صدی کے وسط تک خوب ہی اس کا زور وشور رہا، اور صلیب پرستی اور صنم پرستی اور اور کفریات جو پوپ کے متعلقین میں رائج تھیں بلکہ اب تک بھی ہیں، اور اس کو دین وایمان سمجھتے ہیں، بیان کے محتاج نہیں، اور پروٹسٹنٹ کا فرقہ بھی جس کا ظہور ۱۵۱۷ء میں ہوا، ان باتوں کو شرک سمجھتے ہیں، اور پوپ کو دجال کے برابر گنتے ہیں، اور یہ بات ہر شخص پر جو پروٹسٹنٹوں کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے، ظاہر ہے، مگر ناواقف کی اطلاع کے لئے کچھ تھوڑا سا نقل کر دیتا ہوں۔

ناپیر (Napiyer) صاحب جو اس فرقہ کا عالم ہے، لکھتا ہے کہ:

''حضرت عیسیٰ کے تین سو سولہ برس بعد دجالی اور پوپی سلطنت شروع ہوئی، اور بارہ سو ساٹھ برس تک بلا حجت و تکرار قائم رہی''

اور دوسرا پروٹسٹنٹ یوں لکھتا ہے کہ:

''ہم کہتے ہیں کہ بہت صدیوں تک تمام روئے زمین پر عموماً ارتداد پھیلا ہوا تھا، اور اس وقت ہمارا کلیسا ظاہر نہ تھا''

اور تیسرا اور بڑا مستند اس فرقہ کا لکھتا ہے کہ:

''آٹھ سو برس سے زیادہ تک دنیا دار اور پادری لوگ اور فاضل اور جاہل اور دین عیسوی کے سارے قرن اور فرقہ اور سب درجہ کے مرد اور عورت اور بچے بڑی بت پرستی میں ڈوب گئے تھے''۔

اور چوتھا اور بڑا مستند اس فرقہ کا لکھتا ہے کہ:

''اصلاح کے شروع میں جب دجال اپنی سلطنت پر قابض اور امن سے بیٹھا تھا، تب لوتھر اٹھا''۔

اور انگلینڈ اور آئر لینڈ کے متحد کلیسا کے عقائد میں سے بائیسواں عقیدہ یہ ہے (نسخہ ۱۸۴۷ء):

''رومی تعلیم اعراف اور مغفرت اور بتوں اور تبرکوں کی تعظیم و پرستش اور مقدسوں کو پکارنے کی بابت جھوٹی بات اور بے ہودہ ایجاد ہے، اور بیبل (بائبل) کے کسی سند سے اس کا ثبوت نہیں، بلکہ وہ خدا کے کلام کے برخلاف ہے۔''

اور مذہب اسلام ان سب جہاں کے مذہبوں سے اکثر اصول اور فروع میں مخالفت کلی رکھتا تھا، اور توحید خالص میں تو یہود کے سوا سب بت پرستوں اور صلیب پرستوں اور تثلیثیوں اور آتش پرستوں کے پرلے درجے کی ضد پر تھا، اور عرب کے

لوگوں کو یہودی اور فارس اور روم والے ایک قوم ذلیل جانتے تھے، اور ان کی اطاعت ان کے نزدیک بڑی ہی معیوب تھی، اور اپنے مذہب کی حمایت ہر ایک کو بمنزلہ امر خلقی کے ہے، باوجود اس کے اسی زمانہ میں مذہب اسلام ظاہر ہوا، اور اس میں بہت چیزیں جن کو وہ لوگ حلال سمجھتے تھے حرام اور صدہا احکام باعتبار عبادت مالی اور بدنی کے واجب الادا ٹھہرے، اور عرب کے تمام ملک کے بت پرستوں نے مخالفت پر کمر باندھی، اور اسلام کے مٹانے کی ہر طرح تجویزیں کیں، اور حتی الوسع تکلیفیں پہنچائیں۔

اسی طرح ان یہود نے جو عرب کے جزیرے میں کہیں کہیں بستے تھے، اور اسی طرح سلاطین روم اور ایران نے مخالفت پر کمر باندھی، ان چیزوں کا لحاظ کر کے ابتدا میں لوگوں کا اس مذہب میں داخل ہونا بڑا ہی مشکل تھا کیوں کہ اپنی آزادی کو کھونا اور صدہا احکام تکلیفی کو سر پر رکھنا، اور جہاں کو اپنا دشمن بنانا، اور ان سب میں نفرتی ٹھہر کر تکلیفیں اٹھانا مشکل ہے، مگر باوجود ان موانع کے روز بروز اس کی ترقی ہوئی، اور خدا کے وعدے کے موافق (جس کا ذکر معجزات کے بیان میں چوتھے اور پانچویں معجزے تفصیلی کے اندر گذرا) شرقاً غرباً پھیل پڑا، اور تیس برس کے عرصہ میں عرب اور ایران اور توران اور کابل اور روم اور مصر اور مغرب وغیرہا میں بعض جگہ سے بالکل شرک اور بت پرستی کی جڑ اکھڑ گئی، اور بعض جگہ سے بہت کم ہوگئی، اور شرک اور صلیب پرستی کی جگہ توحید خالص اور خدا کی عبادت جم گئی، اور ان سب مخالف فرقوں نے ہر چند کوشش کی، اس پر کچھ فائدہ نہ ہوا، بلکہ الٹی دنیا کی ذلت اور آخرت کی عقوبت (سزا) نصیب ہوئی، اور خدا کے دشمن ٹھہرے، سچ ہے، کیوں ایسا نہ ہو، وہ تو مذہب خدا کی طرف سے تھا، کسی کے مٹائے کب مٹتا، جیسا اعمال کے پانچویں باب کے انتالیسویں درس میں ہے (نسخہ ۱۸۴۴ء):

"اگر خدا سے ہے تو تم اسے برباد کرنہیں سکتے، لیکن تم خدا سے لڑنے والے ٹھہرو گے"

اور اگر حضرت ﷺ جھوٹے ہوتے تو اس طرح سے پیشین گوئی کے موافق ہرگز ان کا مذہب نہ پھیلتا، اور صدہا سال باقی نہ رہتا، کیوں کہ اس میں تو زبور کی تکذیب لازم آتی ہے۔

پہلے زبور کے چھٹے درس میں ہے (نسخہ ۱۸۴۱ء):

"یہواہ راست بازوں کی راہ پہچانتا ہے، پر گنہ گاروں کی راہ مٹ جائے گی"

اور زبور پانچویں میں خدا تعالیٰ کے خطاب میں یوں ہے (نسخہ ۱۸۴۱ء):

"۵۔ تو بدکاروں سے دشمنی رکھتا ہے۔

"۶۔ تو ان کو جو جھوٹ بولتے ہیں ناس کرے گا، یہواہ خونی اور دغا باز سے نفرت کرتا ہے"۔

اور چونتیسویں زبور کے درس سولھویں میں ہے (نسخہ ۱۸۴۱ء):

"یہواہ کا منہ ان کے برخلاف ہے جو بدکار ہیں تاکہ ان کی یادگاری زمین پر سے کاٹے۔"

اور سینتیسویں زبور میں ہے (نسخہ ۱۸۴۱ء):

"۱۷۔ شریروں کے بازو توڑے جائیں گے، پر یہواہ راست بازوں کا تھامنے والا ہے"

"۲۰۔ وہ جو شریر ہیں، ہلاک ہوں گے، اور یہواہ کے دشمن لیلوں کی چربی کی مانند فنا ہوں گے، وہ دھواں ہو کے نیست ہو جائیں گے"

اور یہ جملہ" اور یہواہ کے دشمن الخ" اور ترجموں میں یوں ہے (نسخہ

۱۸۳۸ء):

''وعدائے خداوند چون چربی برہ ہانا پدید می شوند'' الخ۔

(فارسیہ ۱۸۴۵ء):

''ودشمنان خداوند مثل پیہ برہ ہافانی''

یہ سب ترجمے موافق ہیں، مگر ۱۸۴۳ء والا کچھ اور گاتا ہے، اور یوں ترجمہ کرتا ہے۔

''اور خداوند کے دشمن چراگاہ کی خوشنمائی کی مانند فنا ہوں گے''

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے؟

اور وہ جو پادری کہتے ہیں کہ "دین اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے" بالکل غلط ہے، کیوں کہ اولاً جہاد کا حکم جس کو یہ لوگ تلوار کا زور بتلاتے ہیں، ہجرت کے دوسرے سال نبوت کے پندرہویں برس میں آیا ہے اور اس حکم سے پہلے ہزار ہا آدمی مسلمان ہو گئے تھے۔

سیل (Sail) صاحب بھی جو بڑا پادری تھا، اپنے ترجمۂ قرآن میں ان پادریوں کے قول کو غلط او محض تہمت بتلاتا ہے (نسخہ ۱۸۵۰ء):

> "مدینہ میں ہجرت سے پہلے کوئی گھر باقی ہوگا، جس میں کوئی مسلمان نہ ہوا ہو"

پھر لکھتا ہے کہ:

> "یہ بات محض تہمت ہے، جو کہتے ہیں کہ اسلام صرف تلوار ہی کے زور سے پھیلا، کیوں کہ بہت سے بلاد ایسے تھے، جہاں تلوار کا نام بھی نہیں لیا گیا، اور اسلام پھیل گیا"

اور افسوس کہ پادری صاحب اس بات میں نہ خدا سے ڈرتے ہیں، نہ لوگوں سے شرم رکھتے ہیں، کیوں کہ اگر ان کو مسلمانوں کی کتابیں دیکھنے کا اچھی طرح اتفاق نہیں ہوا، تو کیا انہوں نے سیل کے ترجمہ کو بھی اس جگہ سے نہیں دیکھا، حالانکہ مسلمانوں کے عیب چینی کے واسطے وہ ترجمہ تو ہر ایک کے پاس رہتا ہے۔

اور مدینہ میں ہزار ہا آدمی ہجرت سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے، اور مصعبؓ صحابی کے وعظ سے ایک ہی دن میں سارا قبیلہ بنی عبدالاشہل کا جو صدہا آدمی تھے مسلمان ہو گیا تھا، اور ہجرت کے ساتویں سال یمن کا حاکم مع اپنے تمام ملک کے فقط اس پیشین گوئی کے سچی ہونے کی وجہ سے جس کا ذکر ان معجزات کے بیان میں گذرا جو حدیث سے منقول ہوئے ہیں، اور ایسا ہی حبشہ کا بادشاہ اور اس کا اکثر ملک جعفر طیار کے وعظ سے مسلمان ہو گیا تھا، اور ستر عالم عیسائی اسی ملک کے جو جعفر طیارؓ کے ساتھ آئے تھے، تھوڑی دیر حضرت کی صحبت پا کر مسلمان ہو گئے تھے، حالانکہ حبشہ اور یمن کے ملک میں مسلمانوں کی تلوار کا اس وقت تک ایک ذرہ بھر بھی کھٹکا نہ تھا، اور جب حضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینے کو چلے تھے، تو مکہ کے مشرکوں نے اشتہار دیا تھا کہ جو محمد ﷺ اور ابو بکرؓ کو مار ڈالے یا زندہ پکڑ لائے، اس کو سو اونٹ انعام ملیں گے، اس پر بہت آدمیوں کو طمع نے گھیرا، اور سراقہ بن مالک جو پیچھے دوڑا تھا، اس کا حال وہ ہوا جو معجزات کے بیان میں مذکور ہوا، اور اسی طرح بریدۂ اسلمی ستر آدمی اپنے قوم سے لے کر قتل یا گرفتاری کے ارادے سے دوڑے تھے، جب حضرت ﷺ کی ملاقات ہوئی تھوڑی سی صحبت نے وہ اثر کیا کہ اس ارادۂ ناصواب کو ایک طرف رکھ کر خالص مخلصوں میں داخل ہوئے، اور ستر آدمیوں سمیت مسلمان بن گئے۔

دیکھو اس وقت مسلمانوں کی تلوار کا کچھ خوف نہ تھا، بلکہ کافروں کی تلوار تیز تھی، اور سو اونٹ بھی ہاتھ آتے تھے، اور اسی طرح اور بہت جگہ ظہور میں آیا، حضرت ﷺ اور خلفاء راشدینؓ کا کیا ذکر، ان کی ادنی ادنی امت کے طفیل سے ہزاروں لوگ مسلمان ہو گئے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے جب وفات پائی، ان کے جنازے پر ہزار ہا پرندے

گرتے تھے، اور بیتابیاں دکھلاتے تھے، اور یہ حالت دیکھ کر چالیس ہزار یہودی اور عیسائی اور مجوسی اپنے مذہب سے توبہ کر کے مسلمان ہوگئے، اور ''تزوکات تیموری'' کے دوسرے مقالے(۱) میں ہے کہ ترکستان کا بادشاہ غازان (۲) خان مع لاکھ ترک اپنے لشکر کے ایک ہی مرتبہ میں لار کے جنگل میں حضرت شیخ ابراہیم حموی کی ہدایت سے مسلمان ہوگیا تھا۔

جہاد کی حقیقت اور اس پر طعن کا جواب

اور ثانیاً یہ کہ اس قول سے کہ ''اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے'' بہ ظاہر ان کی مراد یہ ہے کہ مسلمانوں نے یوں کیا ہے کہ جو مخالف ان کے مذہب کا مسلمان نہ ہوا اسے مار ڈالا ہے، چنانچہ بعض ان کی تحریر اور ایسی ہی ان کے تقریرات سے جو کوچہ و بازار میں شور مچاتے ہیں ظاہر ہوتا ہے، اور یہ تو بالکل غلط ہے، اگر یہ ہوتا تو ہندوستان میں جو قریب ایک ہزار برس کی ان کی سلطنت رہی، اور مصر اور شام اور ایران اور توران میں جہاں تقریباً بارہ سو برس ان کی سلطنت ہے، کسی ہندو یا عیسائی یا یہود یا مجوسی وغیرہ کا نشان نہ ملتا، جیسا کہ عیسائی مذہب کے بعض قدیم سلاطین نے بڑے بڑے ظلم اور ستم سے اپنے ملکوں سے نام بت پرست اور مخالف مذہب کا کھو دیا ہے، بلکہ یوں ہے کہ جیسا تورات میں مرتد اور بت پرستی کی ترغیب دینے والے کے واسطے اور اسی طرح حتی اور فرزی اور اموری اور کنعانی اور حومی اور یبوسی کے واسطے جو بڑی بڑی قومیں تھیں، اور

---

(۱) اور عبارت اس کی یوں ہے، ''چوں دین اسلام بواسطہ استیلائے کفرہ ترکستان ضعیف شد اللہ تعالی غازان خان را باصد ہزار ترک برانگیخت کہ ہمگی بیک مرتبہ در صحرائے لار بدست شیخ ابراہیم حموی ایمان آوردہ مسلمان شدند و زبان بکلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ گویا ساختند و آثار کفر و بدعت براختند و شریعت را در بلاد و مصر رواج دادند۔ ۱۲ منہ''

(۲) بن ارغو خان بن ہلاکو خان

جن میں لاکھوں آدمی اور ان کے صدہا بستیاں تھیں حکم علحدہ تھا کہ قتل کے سوا اور دوسرا حکم نہ تھا، ویسا ہی ہماری شریعت میں مرتد اور عرب کے مشرک کے واسطے حکم علحدہ ہے، اور ان کے سوا کسی اہل کتاب یا مجوسی یا بت پرست کے واسطے حکم نہیں کہ اگر مذہب نہ قبول کرے، تو مار ڈالو، اور ایسا نہ کبھی حکم ہوا، اور نہ کسی خلیفہ یا دیندار بادشاہ نے کیا ہے، جیسے ہم نے اس کی حقیقت ''ازالۃ الاوہام'' میں مفصلاً بیان کی ہے، اب اگر اس معنی پر بھی کوئی پادری طعن کرے تو نہایت بے شرمی ہے، اور افسوس کہ یہ لوگ انبیاء بنی اسرائیل کے ان افعال اور توریت کے ان احکام کو نہیں دیکھتے جن کو ہم نے تفصیل سے ''ازالۃ الاوہام'' میں جہاد کے طعن کے جواب میں نقل کیا ہے، اور اس کتاب میں تیسری اور چوتھی وجہ میں کچھ کچھ نقل کیا ہے، اور تین روایتیں اس جگہ بھی نقل کردیتا ہوں۔

کتاب استثناء کے تیرہویں باب میں ہے (نسخہ ۱۸۲۹ء):

''۱۔ اگر کوئی تم میں نبوت یا خواب کا دعوی کرنے والا ظاہر ہو، اور تمہیں کوئی نشان یا معجزہ دکھلادے۔

۲۔ اور وہ نشان یا معجزہ جو اس نے دکھلایا سچا نکلے، اور وہ تمہیں کہے آؤ ہم اور معبودوں کی پیروی کریں، جنہیں تم نے نہیں جانا، اور ان کی بندگی کریں۔

۳۔ تو ہرگز اس نبوت اور خواب دیکھنے والے کی بات پر کان مت دھریو کہ یہواہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے، تا دریافت کرے کہ تم یہواہ اپنے خدا کو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے دوست رکھتے ہو کہ نہیں۔

۵۔ اور وہ نبی اور وہ خواب دیکھنے والا قتل کیا جائے گا، کیوں کہ اس نے تمہیں کہا کہ یہواہ اپنے خدا سے جو تمہیں مصر سے باہر نکال لایا، جس نے تمہیں قید خانے سے چھڑایا برگشتہ ہو جاؤ، الخ۔

۶۔ اگر تیرا حقیقی بھائی اور تیرا بیٹا بیٹی اور تیری ہمکنار جورو یا تیرا دوست جو تجھے تیرے جان کے برابر عزیز ہو تجھ کو پردے میں ورغلائے اور کہے کہ آؤ، اور معبودوں کی بندگی کریں۔

۷۔ جن سے تو اور تیرے باپ دادے واقف نہیں ان لوگوں کے معبودوں میں سے جو تمہارے گرد اگرد تمہارے نزدیک یا دور زمین کے اس سرے سے اس سرے تک رہتے ہیں۔

۸۔ تو تو اس سے موافق نہ ہونا، اور نہ اس کی قبول کرنا، تو اس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا، تو اس کی رعایت نہ کریو، تو اسے پوشیدہ مت کیجو۔

۹۔ بلکہ تو اس کو ضرور قتل کیجیو، اس کے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ پڑے، اور بعد اس کے سب قوم کے ہاتھ۔

۱۰۔ تو اسے سنگسار کرنا، تا کہ وہ مر جاوے الخ۔

۱۲۔ اگر تو ان شہروں میں جو یہواہ تیرے خدا نے تجھے سکونت کے لئے بخشے ہیں سنے۔

۱۳۔ کہ بعض لوگ یعنی شیطان کے مرید تمہارے درمیان سے نکل گئے اور اپنے شہر کے لوگوں کو یوں کہہ کے گمراہ کیا کہ آؤ چلیں، اور دوسرے معبودوں کی جنہیں تم نہیں پہچانتے بندگی کریں۔

۱۴۔ تو تو جستجو کیجیو، اور خوب تحقیق کرنا، اور دیکھ۔

۱۰۔ اگر یہ بات سچ ہو اور یقین کو پہنچے کہ ایسا نفرتی کام تم میں کیا گیا۔

۱۵۔ تو تو اس شہر کے باشندوں کو سب سمیت جو اس شہر میں ہے، اور وہاں کے مواشی کو تلوار کی دھار سے قتل کر کے نیست و نابود کیجیو۔

۱۶۔ ان کے لوتھہ (لاش) کو وہاں کے کوچے میں فراہم کیجو، اور اس شہر کو اور وہاں کے لوتھہ (لاش) کو سوختنی قربانی کے طور پر یہواہ اپنے خدا کے لئے جلا دیجو، اور وہ ہمیشہ کو ایک ٹیلہ ہوگا، پھر بسایا نہ جائے گا"

دیکھو اول درس سے پانچویں درس تک حکم ہے کہ:

''اگر کوئی نبی صاحب معجزات اور کرامات کا بھی غیر خدا کے واسطے رغبت دلاوے تو کبھی اس کی نہ مانیو، بلکہ اسے مار ڈالیو''

اور درس چھٹے سے گیارہویں تک حکم ہے کہ:

''گو کیسا ہی قرابتی یا کیسا ہی دوست پردے میں غیر خدا کی عبادت کے لئے ورغلائے تو اس کی بات کو مت چھپاؤ، بلکہ ظاہر کر کے اسے سنگساری کر دیجو''

اور درس بارہویں سے سولہویں تک حکم ہے۔

''کہ جس شہر میں یہ بات ثابت ہو جائے، تو اس کے سب باشندے اور سب مواشی کو قتل کر کے جلا دیجو، اور اس شہر کو بالکل ویران کر کے ٹیلہ بنا دیجو، اور اس کو پھر کبھی آباد نہ کیجو''۔

اب خیال کیا چاہئے کہ جو تاکید مرتد اور کفر و شرک کی ترغیب دلانے والے کے واسطے مذکور ہے شریعت احمد میں اس کا پاسنگ بھی نہیں، اب پادری لوگ فرمادیں کہ اس شہر کے لڑکوں اور لڑکیوں اور مواشی نے کیا خطا کی تھی کہ وہ بھی تلوار کی دھار سے مقتول ہو کر جلایا جائے۔

اور کتاب استثناء کے ساتویں باب میں ہے (نسخہ ۱۸۹۲ء):

''۱۔ جب کہ یہواہ تیرا خدا تجھ کو اس سرزمین میں کہ تو جس کا وارث ہونے جاتا ہے داخل کرے، اور تیرے آگے سے ان بہت سے قوموں کو دفع کرے یعنی حیتوں اور جرشیوں اور اموریوں اور کنعانیوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کو جو سات قومیں کہ بڑی اور قوی تم سے ہیں۔

۲۔ اور جب کہ یہواہ تیرا خدا انہیں تیرے ہاتھ میں گرفتار کروائے تو

تو انہیں ماریو، اور یک لخت نیست و نابود کیجو، نہ تو ان سے کوئی عہد کیجو، اور نہ ان پر رحم کریو۔

۵۔ تم ان سے یہ سلوک کرو تم ان کے مذبحوں کو ڈھا دو، ان کے بتوں کو توڑ دو، ان کے باغوں کو کاٹ ڈالو اور ان کے تراشے ہوئے مورتوں (مورتیوں) کو آگ میں جلا دو"

اب دیکھو ان سات قوموں کے حق میں کہ بنی اسرائیل سے بڑی اور قوی تھیں کیسے شدت کا حکم ہے، اور چونکہ بنی اسرائیل کے اس وقت میں موسیٰ کی گنتی کے موافق فقط گیارہ فرقوں کے ایسے آدمی جو لڑائی کے لئے نکلتے تھے، اور ان کی عمر بیس برس یا اس کے اوپر کی تھی، چھ لاکھ تین ہزار پانسو پچاس تھے، اور بارہواں فرقہ بنی لیوی کا ان میں نہیں گنا گیا تھا، تو اب اس بارہویں فرقے کے سب عورت مرد اور ان گیارہ فرقوں کی سب عورتیں چھوٹے بڑے، اور وہ سب مرد جو بیس برس سے کم ہوں یا بیس برس سے یا اس سے اوپر ہوں لیکن قابل لڑائی کے نہ ہوں، جیسے لنگڑے، لولے، اندھے، اور بہت بوڑھے پہلی گنتی کے ساتھ ملا دیں تو بلاشبہ انیس بیس لاکھ سے سب کا شمار کم نہ ہوگا، اور جب بنی اسرائیل اتنے ہوں تو دیکھنا چاہیے، ان سات قوموں کے آدمی جو بنی اسرائیل سے بڑے اور قوی تھیں، مرد عورت بال بچہ مل کر کے کتنے لاکھ(۱) ہوں گے جن کو بنی اسرائیل نے بڑی ہی بے رحمی سے ایک لخت نیست و نابود کیا، ظاہر تو یہ ہے کہ چونکہ شام کا ملک بڑا ہی آباد تھا، تو تعجب نہیں کہ ان قوموں کے آدمیوں کا شمار عرب کے سارے

---

(۱) رسالہ کشف الآثار میں جس کا ذکر عنقریب کتاب میں آتا ہے مرقوم ہے (نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۶ء صفحہ ۶۶): از توشحات قدیم معلوم شد کہ بلاد یہودیہ تخمیناً پانصد و پنجاہ سال قبل از ہجرت بقدر ہشت کرور جان ساکن داشتہ و پیش از ان زمان نیز ممالک دیگر آن سمت پر آباد بودہ کہ گویا الان از کل این ولایات از دہ یک کثرت از ساکنان قدیم بیشتر نماندہ است۔ ۱۲ منہ"

ملک کے آدمیوں کے شمار کے برابر ہو، سبحان اللہ پادریوں کے نزدیک یہ تو خدا کا عین عدل ہو، اور مسلمان کا جہاد سراسر ظلم۔ مصرع

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

کتاب شمار کے پہلے باب میں ہے (نسخہ ۱۸۲۹ء):

''۴۵۔ سو وہ سب جو بنی اسرائیل میں سے اپنے باپ دادوں کے گھرانوں میں بیس برس سے لے کے اوپر تک گنے گئے، سب جو جنگ کے لئے نکلے تھے۔

۴۶۔ چھ لاکھ تین ہزار پانچ سو پچاس تھے۔

۴۷۔ لیکن وہ جو لیوانے تھے، اپنے باپ دادوں کے فرقے کے مطابق ان کے ساتھ گنے نہیں گئے''۔

اور درس چھالیسواں اور ترجموں میں یوں ہے (نسخہ ۱۸۴۲ء):

''چھ لاکھ تین ہزار پانچ سو پچاس تھے''

(فارسیہ ۱۸۳۹ء):

''جملگی کسانیکہ بشمار در آمدند شش صد و سہ ہزار و پانصد و پنجاہ بودند''

(فارسیہ ۱۸۴۵ء):

''یعنی تمامی شان دیدہ گان ششصد و سہ ہزار و پانصد و پنجاہ نفر بودند''

اور کتاب استثناء کے بیسویں باب میں ہے (نسخہ ۱۸۲۹ء):

''۱۰۔ اور جب تو قتال کے لئے کسی شہر سے نزدیک ہو تو پہلے صلح کا پیغام کر۔

۱۱۔ تب یوں ہوگا کہ اگر انہوں نے صلح قبول کی، اور دروازے کھول دیئے تو ساری خلق جو اس شہر میں ہے تیری خراج گذار ہوگی، اور تیری خدمت

کرے گی۔

۱۲۔ اگر وہ تجھ سے صلح نہ کریں بلکہ تجھ سے قتال کریں تو تو اس کا محاصرہ کر۔

۱۳۔ اور جب یہواہ تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کر دے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کے دھار سے قتل کر۔

۱۴۔ مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اس سب سمیت جو اس شہر میں ہو لوٹ لے، اور تو اپنے دشمنوں کے لوٹ کو جو یہواہ تیرے خدا نے دی کھائیو۔

۱۵۔ تو ان سب شہروں سے جو تجھ سے بہت دور ہیں اور ان قوموں کے شہروں میں سے یوں ہی کیجیو۔

۱۶۔ لیکن ان قوموں کے شہروں میں جنہیں یہواہ تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہو جیتا نہ چھوڑیو۔

۱۷۔ بلکہ تو ان کو ایک لخت نابود کیجیو حتی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یبوسی کو جیسا یہواہ تیرے خدا نے تجھے حکم کیا ہے۔

اور یہ جملہ ''تو سارے خلق جو اس شہر میں الخ''

اور ترجموں میں یوں ہے (فارسیہ ۱۸۳۹ء):

''پس تمامی مردمان کہ دران باشند باداے جزیہ دنی و مطیع تو شوند''

(فارسیہ ۱۸۴۵ء):

''تمامی قومیکہ دران یافت می شوند باداے جزیہ ترابندہ شوند''۔

دیکھو اس باب کے درسوں میں خدا کی طرف سے کفار کے حق میں دو قسم کے حکم بیان ہوئے (۱) ایک قسم ان خاص قوموں کے حق میں جن کے لئے اس کتاب استثناء کے ساتویں باب میں بھی حکم ہو چکا ہے، جس کی نقل گذر گئی۔

درس سولہویں اور سترہویں میں یوں ہوا کہ ''جو چیز سانس لیتی ہو، اس کو جیتا نہ چھوڑیو بلکہ ایک لخت نابود کر دیجو''۔

اور سانس لینے والے میں سب آدمی، کیا مرد کیا عورت، کیا لڑکا کیا لڑکی جو قطعاً معصوم اور بے گناہ تھے کیا بوڑھا کیا بوڑھیا کیا جوان اور کیا جانور کیا حلال اور کیا حرام سب کے سب داخل ہو کر واجب القتل ٹھہرے کہ ایسے حکموں کے موافق بنی اسرائیل ان سب کو نیست و نابود کر کے ان کے سب گھروں اور املاک کے مالک بن بیٹھے، اور اس املاک کو جو حقیقتاً ایک ملک وسیع سیر حاصل تھا، ماں کے دودھ کے مثل اپنے لئے حلال طیب سمجھا۔

(۲) دوسری قسم ان قوموں کے ماسوا کے حق میں درس دسویں سے پندرہویں تک یوں ہوا کہ

''اول صلح کا پیغام کرو، اگر انہوں نے مان لیا، تو وہاں کی ساری خلق کو ذمی جزیہ گذار، تابعدار بنا کر رکھیو، اور اگر صلح کو نہ مانا، تو فتح کے بعد سب مردوں کو تلوار سے مار ڈالیو اور ان کی عورتوں اور لڑکوں اور مواشی اور اور سب مال اور اسباب کو لوٹ کے اپنی ملک کر لیجو، اور اس لوٹ کو حلال طیب سمجھیو''۔

اور توریت سے تو سمجھا جاتا ہے کہ اگر جھوٹ بول کر دغا سے بھی کافروں کا مال ہاتھ آوے تو وہ بھی طیب ہے، لے لینا چاہیے، چنانچہ اسی کے موافق بنی اسرائیل نے مصریوں کے کروڑوں روپئے کی دولت اور حشمت لوٹی گھسوٹی تھی۔

کتاب خروج کے تیسرے باب کے بائیسویں درس میں خدا تعالیٰ کا قول یوں ہے (نسخہ ۱۸۲۹ء):

''ا۔ بلکہ ہر ایک عورت اپنے پڑوسن سے، اور اس سے جو اس کے گھر میں رہتی ہے روپے اور سونے کے برتن اور لباس عاریت لے گی، اور تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو پہناؤ گے، اور مصریوں کو غارت کرو گے''۔

پھر گیارہویں باب میں خدا تعالیٰ کا قول یوں ہے (نسخہ ۱۸۲۹ء):

''۲۔ سو تم اب لوگوں سے چپ چاپ کہو کہ ہر ایک مرد اپنے پڑوسی اور ہر ایک عورت اپنے پڑوسی سے روپے کے برتن اور سونے کے برتن عاریت لیوے۔

۳۔ اور یہواہ نے ان لوگوں کو مصریوں کی نظر میں عزت بخشی الخ''

پھر باب بارہویں میں ہے (نسخہ ۱۸۲۹ء):

''۳۵۔ اور بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کے کہنے کے موافق کیا، اور انہوں نے مصریوں سے روپے کے برتن اور سونے کے برتن اور کپڑے عاریت لئے۔

۳۶۔ اور یہواہ نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ انہوں نے انہیں عاریت دی، اور انہوں نے مصریوں کو لوٹ لیا۔

۳۷۔ اور بنی اسرائیل نے عین الشمس سے عرلیش تک پیادہ سفر کیا، ان کے مرد سوا لڑکوں کے چھ لاکھ کے قریب تھے''

ان درسوں کے موافق پہلے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا، پھر موسیٰؑ کی معرفت اس فریب کے لئے حکم فرمایا، اور بنی اسرائیل کو مصریوں کی نظر میں عزت بخشی، پھر بنی اسرائیل نے اس حکم کے موافق مصریوں سے روپے کے برتن اور سونے کے برتن اور کپڑے عاریت لئے اور مصریوں کو خوب ہی اس فریب سے لوٹا گھسوٹا، اور چونکہ اس وقت بنی اسرائیل کے لشکر میں چھ لاکھ تو مرد لڑکوں کے سوا تھے، اگر ایک ایک مرد کی ایک ایک ہی جورو (بیوی) فرض کرو تو چھ لاکھ عورتیں ہوتی ہیں، تو جب گیارہویں باب کے دوسرے درس کے موافق ہر مرد اور ہر عورت نے یہ کام کیا تھا، تو دیکھو بارہ لاکھ آدمیوں نے یہ کروڑوں روپے کی دولت مصریوں کی لوٹی ہوگی، اور اسی لحاظ سے باب تیسرے کے بائیسویں درس میں واقع ہوا ہے کہ:

''مصریوں کو غارت کرو گے''

اور بارہویں باب کے چھتیسویں درس میں واقع ہوا ہے کہ:

''انہوں نے مصریوں کو لوٹ لیا''۔

اور حضرت داؤد اس لوٹ پر جو فریب کی راہ سے تھی، زبور ایکسو پانچویں کے درس سینتیسویں میں شکر کرتے ہیں (نسخہ ۱۸۴۱ء):

''اور وہ یعنی اللہ انہیں یعنی بنی اسرائیل (کو) روپے اور سونے کے ساتھ نکال لایا، اور یہ سب کروڑوں روپے کی دولت مصریوں کی غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل ہی کے پاس رہی تھی''

اب جہاد اسلامی اور اس جہاد میں جس کی تشریح کتاب استثنا کے بیسویں باب اور دوسرے مقامات میں ہے اتنا فرق تھا کہ جہاد اسلامی میں مرتد اور عرب کے مشرک کے لئے حکم نہیں کہ ان کی عورتوں اور بال بچوں اور مواشی کو قتل کرو، اور مرتدوں کی بستی کو جلا کر ٹیلا کردو، اور وہ پھر کبھی آباد نہ ہو، بخلاف اس جہاد کے، ان سات قوموں کے حق میں اور مرتدوں کی بستی کے حق میں، اور جہاد اسلامی میں مرتد اور عرب کے مشرک کے سوا اور کافروں کے لئے حکم نہیں کہ فتح کے بعد سب مردوں کو قتل کرو، بخلاف اس جہاد کے، پھر بھی پادری لوگ زبان درازی کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! کیا انصاف ہے، اور حق تو یہ ہے کہ یہ لوگ جب تک حضرت موسیٰؑ اور یوشعؑ اور داؤد اور ایلیا وغیرہم کو باب جہاد میں اظلم الناس اور بڑے ہی سفاک اور کینہ ور نہ ٹھہرادیں، اور توریت کے ایسے احکام کو ظلم کے احکام اور دلیل اس کے منجانب اللہ نہ ہونے کی نہ بتلاویں، جیسے ان کے ہم وطن جن کو یہ لوگ ملحد کہتے ہیں، یہی ٹھہراتے ہیں اور ایسا ہی کچھ بتلاتے ہیں، تب تک ان کو جہاد اسلامی اور قرآن کی ایسی آیات پر طعن سے پیش آنا نہیں پہنچ سکتا، اور یہ طعن کرنے والے اپنے سلاطین سلف اور دینداروں کو نہیں دیکھتے کہ انہوں نے کیا کیا ظلم مشرکوں اور یہودیوں اور مسلمانوں پر

کئے ہیں، اور فقط اپنے مذہب کے لئے کس کس بری طرح سے ان سے پیش آئے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ پادری دُقترکیث (Daqtarkis) نے کتب مقدسہ کی پیشین گوئی کی صداقت کے اثبات میں انگریزی زبان میں ایک کتاب لکھی ہے، اور پادری مریک (Maraik) نے فارسی زبان میں ترجمہ کر کے اس کا نام ''کشف الآثار فی قصص انبیاء بنی اسرائیل'' رکھا ہے، اور یہ ترجمہ فارسی لندن کی سوسائٹی کے حکم کے موافق ۱۸۴۶ء عیسوی مطابق ۱۲۶۲ھ ہجری میں دارالسلطنت اون برغ (Aoin Bargh) یعنی اسکاٹ لندن میں چھپا ہے، تو میں اولاً اسی ترجمہ کے نسخہ ۱۸۴۶ء سے بعض ان ظلموں کو جو عیسائیوں نے یہود کی نسبت کئے نقل کرتا ہوں، صفحہ ۲۷ میں ہے:

''کہ قسطنطین اعظم نے جو ہجرت سے تین سو سال تخمیناً پہلے گذرا ہے، حکم دیا کہ یہودیوں کے کان کاٹ لو، اور ان کو مختلف ولایتوں میں نکال دو، پھر پانچویں صدی عیسوی میں شہنشاہ روم کے حکم سے شہر اسکندریہ مصر سے جو مدت سے یہود کا مامن تھا، اور ہر طرف سے وہاں آ کر آرام پاتے تھے نکالے گئے، اور شہنشاہ نے کنیسے ان کے ڈھادئے، اور حکم دیا کہ یہ لوگ نہ عبادت کرنے پاویں اور نہ ان کی گواہی قبول ہو، اور نہ ان سے کوئی اپنے مال میں کسی کے واسطے کسی طرح وصیت کرنے پاوے، جب ان ظلموں پر انہوں نے کچھ سرکشی کی، ان کے سب مال کو ضبط کر لیا، اور بہت کو مار ڈالا، اور اس قدر ظلم سے خون ریزی کی کہ اس ملک کے سب یہودیوں پر لرزہ پڑ گیا،

پھر صفحہ ۲۸ میں ہے کہ:

انطیوح شہر کے یہودی جب مغلوب ہو کر قید ہوئے، بعضوں کے اعضاء کاٹے گئے، اور بعض قتل ہوئے، اور باقی ماندہ سب یہودیوں کو دیس نکالا، اور شہنشاہ نے اپنے تمام ملک میں طرح طرح کے ظلم ان بیچاروں پر کئے، اور آخر کو اپنے ملک سے نکال دیا، اور اور ولایت کے حاکموں کو بھی ابھارا کہ یہودیوں

کے ساتھ یہی معاملہ کریں۔

پس ان کا یہ حال ہوا کہ آسیہ (ایشیا) سے یورپ کی دور کی سرحد تک انہوں نے ظلم اٹھایا، پھر کچھ مدت کے بعد اسپنیول (اسپین) کے ملک میں ان سے تین شرطیں ہوئیں۔

اول

اول یہ کہ عیسوی دین کو قبول کریں۔

دوم

دوم یہ کہ اگر دین قبول نہ کریں تو قید رہیں۔

سوم

سوم یہ کہ اگر ان دونوں شرطوں کے قبول سے عذر ہو تو جلاوطن ہو جاویں۔

اور ملک فرانس میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا، پھر یہ غریب ایک ولایت سے دوسری ولایت کو مارے مارے پھرتے تھے اور کھلے پاؤں ٹیکنے کی جگہ نہ پاتے تھے، اور آسیہ بزرگ (بڑے ایشیا) میں بھی انہیں امن نہ ملا بلکہ ممالک فرنگستان کی طرح بہت وقت مارے گئے"

پھر صفحہ ۲۹ میں لکھتا ہے کہ:

"کیتھولک مذہب والے ہمیشہ یہودیوں کو کافر سمجھ کر ان پر ظلم کرتے تھے اور اس مذہب کے بزرگوں نے اپنے کونسل جما کر کئی حکم جاری کئے۔

پہلا

ایک یہ کہ جو کوئی کسی مسیحی کے خلاف کسی یہودی کا حامی بنے، وہ تقصیر

وار ٹھہرے گا اور مذہب سے نکالا جائے گا''۔

دوسرا

دوسرا یہ کہ کسی سرکار میں یہودی نوکر نہ رکھا جاوے۔

تیسرا

تیسرا یہ کہ جو کسی یہودی کا غلام مسیحی ہو وہ آزاد ہے۔

چوتھا

چوتھا یہ کہ کوئی یہودی کے ساتھ نہ کھائے اور نہ معاملہ کرے۔

پانچواں

پانچواں یہ کہ ان کی اولاد ان سے چھین کر دین مسیحی میں تربیت کی جاوے، اور اسی طرح اور حکم تھے''

پھر لکھتا ہے کہ:

''فرانس کے ملک میں تولوس شہر کے اندر عادت تھی کہ عید فصح میں یہودیوں کے منہ پر طمانچہ مارتے تھے، اور بریس شہر میں رسم تھی کہ عید کے پہلے اتوار کے دن سے عید کے دن تک یہودیوں پر پتھراؤ کیا کرتے تھے، اور اکثر اس پتھراؤ میں خون بھی ہو جایا کرتا تھا، اور شہر کا حاکم عیسائی مذہب سال بسال شہر والوں کو اس حرکت پر ابھارتا تھا''۔

اور صفحہ ۳۰ و ۳۱ میں ہے کہ:

''فرانس کے بادشاہوں نے یہودیوں کے حق میں ایک تدبیر نکالی کہ یہودیوں کو نہ چھیڑو تا کہ یہ محنت اور تجارت کر کے مالدار ہو جاویں، پھر ان کو لوٹ لو، اس کے موافق چندے ان کو امن ملتا تھا پھر لوٹے جاتے تھے، اور لالچ کے سبب یہ ظلم نہایت کو پہنچ گیا تھا۔

پھر وہاں کا ایک بادشاہ ہوا کہ جس کا نام فلیپ آوگسطس تھا، اس نے اول تو یہ کیا کہ یہودیوں کا جتنا قرضہ مسیحیوں پر آتا تھا، ان مسیحیوں سے پانچواں حصہ اس قرض کا آپ وصول کرلیا، اور باقی سب کا سب ان مسیحیوں کو چھٹوا دیا، اور یہودیوں کو ایک کوڑی نہ دلوائی، پھر سارے یہودیوں کو اپنی ولایت سے نکال دیا۔

پھر سعط لوئیس بادشاہ ہوا اس نے دوبار یہودیوں کو اپنی ولایت میں بلایا اور دوسری بار نکالا، آخر کو چرلیس ششم (چارلس ششم) نے یہودیوں کو فرانس کے ملک سے نکال دیا، اور تاریخ سے ثابت ہے کہ یہودی سات دفعہ فرانس کے ملک سے نکالے گئے ہیں۔

اور اسپنوں (اسپین) کے ملک میں کم سے کم ایک لاکھ ستر ہزار گھر یہود کے نکالے گئے، اور نمسہ (اسٹریا) کے ملک میں بہت مارے گئے اور بہت لٹ گئے، اور تھوڑوں نے جو دین عیسوی قبول کرلیا وہ بچ گئے، اور بہت اس طرح مرے کہ انہوں نے دروازے بند کر لئے، پھر اپنے مال اور جورو اور بال بچوں سمیت یا تو دریا میں ڈوب مرے یا آگ میں جل گئے۔

اور جہاد مقدس میں بے شمار یہودی مارے گئے، اور انگلش نے اتفاق کیا تھا کہ یہودیوں پر ظلم کریں اس ظلم کے سبب بُرک شہر کے یہودیوں نے نہایت ناامید ہوکر ایک نے دوسرے کو قتل کیا، اور پندرہ سو یہودی مرد اور عورت اور بچہ اس میں مارے گئے، اور اس ولایت میں اس قدر حقیر ہوئے کہ جب امیر بادشاہ سے باغی ہوئے تو انہوں نے اپنے رعب بٹھلانے کو سات سو یہودی مار ڈالے اور ان کے گھر بار لوٹ لئے۔

اور انگلش کے بادشاہوں (میں) سے رچارڈ اور جان اور ہنری سوم نے بہت وقت یہودیوں سے براہ ظلم مال لیا خصوصاً ہنری کی تو عادت تھی کہ بے رحمی اور ظلم سے ہر طور پر یہودیوں کو لوٹتا تھا، اور ان کے بڑے بڑے دولت مندوں کو فقیر کر دیا تھا، اور اس قدر ان پر ظلم کیا تھا کہ انہوں نے لاچار ہوکر درخواست کی

کہ ہم اس ولایت سے نکل جاویں، لیکن ان کی یہ درخواست بھی قبول نہ کی۔

اور جب اڈورڈ اول بادشاہ ہوا تو اس نے تو کام ہی تمام کیا کہ ان کا یک لخت مال ضبط کر کے ان کو اپنی ولایت سے نکال دیا اور پندرہ ہزار یہود سے زیادہ بڑی سختی میں نکالے گئے''۔

پھر صفحہ ۳۲ میں ہے کہ:

''سوتی نام ایک مسافر نے نقل کیا ہے کہ پچاس برس پہلے قوم پرتکال (پرتگال) کا یہ احوال تھا کہ یہودی کو پکڑ کے جلاتے تھے، اور جلانے کے دن عید کے طور پر مرد اور عورت کا میلا جمتا تھا، اور خوشی کرتے تھے، اور جلنے کے وقت عورتیں خوشی سے چلاتی تھیں''

پھر صفحہ ۳۳ میں ہے کہ:

''پوپ نے جو کیتھولک مذہب کا بزرگ ہے کئی قانون سخت سخت یہودیوں کے مقدمہ میں مقرر کر رکھے ہیں''۔

اور ''سیر المتقدمین'' کا عیسائی مؤلف لکھتا ہے کہ:

''۳۷۹ء عیسوی میں اس کے بعد کہ قسطنطین اول جو عیسائی ہو گیا تھا، اس کا جانشین سوم جولین نامی مجوسیوں کی صحبت میں مرتد ہو گیا، جانشین ششم نے باتفاق اہل دربار کے ایک فرمان جاری کیا کہ ساری رومی سلطنت مسیحی ہو جاوے، اور جو مسیحی نہ ہو مارڈالا جاوے''۔

اور پروٹسٹنٹوں کے ان خاص چند ظلموں کو جو انہوں نے کیتھولک مذہب والوں پر کئے رسالہ ''مرآۃ الصدق'' (۱) سے خلاصہ کے طور پر نقل کرتا ہوں (نسخہ ۱۸۵۱ء) صفحہ ۴۱ و ۴۲:

---

(۱) اس رسالے کو پادری طامس انگلس نے انگریزی سے اردو ترجمہ کر کے چھپوایا ہے، چنانچہ سابق میں بھی معجزات تفصیلیہ کے بیان کے آخر میں ''میزان الحق'' کے مؤلف کے دوسرے اختلاف مزعومی کے رد میں لکھ آیا ہوں۔ ۱۲ منہ''

''ابتداء میں پر ٹیسٹانٹ کی چھ سو پینتالیس خانقاہیں نوے مدرسے، دو ہزار تین سو چھہتر عبادت گاہیں اور مرفوع القلم گریز اور ایک سو دس شفا خانے مالکان جائداد سے چھین لئے گئے، اور یا تو کم قیمت سے فروخت کردئے گئے، اور یا مصاحبوں نے آپس میں تقسیم کرلئے، اور ہزاروں غریب کم بخت ننگے برہنے دروازوں کے باہر نکال دیے گئے''

صفحہ ۴۵

''ان کا دست طمع یہاں تک دراز ہوا کہ انہوں نے مُردوں کو بھی باقی نہ چھوڑا، ان کی لاشوں کو خواب عدم میں ستایا، اور کفن تک اتار لئے''

صفحہ ۴۸و۴۹

''ان سب لُوٹوں کے درمیان وہ سب کتب خانے جن کا ذکر جے بیل رورو کران لفظوں سے کرتا ہے:

''ان کی کتابیں قرق کیں، اور ان کے ورق کباب کے سیخوں کے صرف میں لائے، اور ان سے اپنے شمعدان اور جوتے صاف کئے، اور بعضے کتابیں پنساریوں اور صابون بیچنے والوں کے ہاتھ بیچیں، اور صدہا کتاب سمندر پار جلد سازوں کے ہاتھ فروخت کیں کچھ سو پچاس نہیں، بلکہ جہاز بھرے ہوئے مذہب کی کتابوں کو اس طرح برباد کیا، جنہیں دیکھ کے غیر قوموں کو تعجب آیا،

اور ایک سوداگر نے جس سے میں واقف تھا، دو کتب خانے فی کتب خانہ تخمیناً بیس روپیہ کے خرید لئے، ان سب سینہ زوریوں اور ظلم ستانیوں کے بعد گریزوں کے خزانوں سے ننگی دیواروں کے سوا کچھ نہ چھوڑا، اور اس کے بعد اپنے آپ کو سنجیدہ سمجھنے کا وقت تصور کیا، تب انہوں نے سب گریزوں کو اپنے نئے سرشتہ کے آدمیوں سے بھرا''

صفحہ ۵۲ تا ۵٦

''اب ہمیں ان ظلموں پر غور کرنا چاہئے، جو پروٹسٹانٹوں نے کیتھولکیوں کے ساتھ زمانہ حال تک کئے، اس مطلب کے واسطے ایک سو سے زیادہ بےرحم اور ناانصاف قانون بنائے گئے''

اور ہم ان میں سے چند بےرحمیوں کا ذکر کریں گے،

(۱) کیتھولک اپنے والدین کی جائداد پر قابض نہ ہو سکتے تھے۔

(۲) نہ اٹھارہ برس کی عمر کے بعد زمین مول لے سکتے تھے بجز اس کے کہ پروٹسنٹ ہو جاویں۔

(۳) نہ مکتب رکھ سکتے تھے۔

(۴) نہ تعلیم دے سکتے تھے کیوں کہ اس کی سزا میں دائم الحبس ہوتے تھے۔

(۵) کیتھولکیوں کو دوچند خراج دینا پڑتا تھا۔

(۶) جو کسی پادری نے نماز کی تو اسے تخمیناً تین سوتیں روپیہ اپنے مال سے دینا ہوتا تھا، اور جو کوئی اور شخص نماز سنے تو اس پر تخمیناً سات سو روپیہ کے جرمانہ اور ایک برس کی قید کا حکم تھا۔

(۷) اگر کوئی کیتھولک یا اور شخص اپنے لڑکے کو انگلینڈ سے باہر کیتھولک مذہب میں تربیت پانے کے واسطے بھیجے تو وہ اور اس کا لڑکا قتل کیا جاتا تھا، اور ان کا اثاث البیت اور مواشی اور ہر ایک جائداد ضبط ہو جاتا تھا۔

(۸) ان کے حق میں سلطنت کا حکم تھا کہ یہ نوکر نہ ہوں۔

(۹) جو کوئی کیتھولک اتواروں اور عیدوں کو پروٹسٹنٹوں کے گریز (گرجے) میں نہ جاتا تھا، اس پر ہر مہینے دوسو روپیہ جرمانہ ہوتا تھا، اور وہ جماعت سے خارج تصور کیا جاتا تھا، نہ کوئی عہدہ یا نوکری بجالاسکتا تھا، نہ اپنے گھر میں ہتھیار رکھ سکتا تھا۔

(۱۰) جولندن سے پانچ میل زیادہ دور جاتا تھا، اس پر ہزار روپیہ کا جرمانہ ہوتا تھا۔
(۱۱) کیتھولک مذہب کا آدمی قانون کے رو سے نالش نہ کرسکتا تھا۔
(۱۲) مال اور اسباب کی قرقی کی دہشت سے گھر سے پانچ کوس سے زیادہ فاصلہ تک سفر نہ کرسکتا تھا، علی ہذا القیاس ہزار روپیہ کے جرمانہ کے خوف سے عدالت میں کسی مقدمہ کا بھی استغاثہ نہ کرسکتا تھا۔
(۱۳) کیتھولک کی شادیاں تجہیز و تکفین یا ان کے بچوں کا اصطباغ جائز متصور نہ ہوتا تھا، بشرطیکہ انگلینڈ کے گریز (گرجے) سے عمل میں نہ آوے۔
(۱۴) جو کوئی عورت کیتھولک شادی کرتی تھی اس کے جہیز سے دو حصے ضبط ہوتے تھے، وہ اپنے خاوند کی وصیہ نہ ہوسکتی تھی، نہ اپنے خاوند کا اسباب پاسکتی تھی، سو اس کی شادی کے بعد کیتھولک عورتیں قید میں رکھی جاتی تھیں، جب تک کہ خاوند دس روپیہ ماہانہ یا تیسرا حصہ اپنی زمین کا سرکار کو نہ دیتا۔
(۱۵) آخر کو سب کیتھولک مقید ہونے کو تجویز کئے گئے تھے اگر پروٹیسٹانٹ کا مذہب اختیار نہ کریں، اور ان کے لئے تازیست جلاوطنی کا حکم تھا، اور اگر حکم سے انکار کریں، یا بے حکم جلاوطنی سے پھر چلے آویں، بڑے گناہ سے ملزم ٹھہرتے تھے۔
(۱۶) نہ ان کے قتل کے وقت اور نہ تجہیز اور تکفین کے وقت پادری ان کے پاس جاسکتا تھا۔
(۱۷) کوئی کیتھولک اپنے گھر میں ہتھیار نہ رکھ سکتا تھا۔
(۱۸) نہ پچاس روپیہ کی قیمت سے زیادہ کے گھوڑے پر سواری کرسکتا تھا۔
(۱۹) الیکپ یا پادری جو میس کرتے، یا اپنے عہدے کی اور کوئی خدمت بجا لاتے دائم الحبس کئے جاتے۔

(۲۰) جو کوئی پادری متولد ریاست انگلینڈ کا بغیر پروٹیسٹانٹ ہونے کے تین دن انگلینڈ میں ٹھہرتا تھا، وہ غدار متصور ہو کے مار ڈالا جاتا تھا۔

(۲۱) جو کوئی ایسے پادریوں کو اپنے گھر میں اتارتا تھا، مارا جاتا تھا۔

(۲۲) عدالت والے کیتھولک کی گواہی قبول نہ کرتے تھے۔

اور بموجب ان خونی قوانین کے بادشاہ زادی الیزابتھ کے عہد میں دو سو چار آدمی جن میں ایک سو چار تو پادری تھے، اور باقی اور معزز لوگ محض کیتھولک کے ایمان کے اقرار کرنے کے سبب مار ڈالے گئے، اور نوّے پادری اور اور بزرگ شخص قید کی حالت میں مر گئے، اور ایک سو پانچ تا زیست جلاوطن کئے گئے، اور اور بہت چابکوں سے مارے گئے، جرمانے کئے گئے، اور یہاں تک اپنے اموال اور املاک سے محروم کئے گئے کہ ان کے خاندان تباہ ہو گئے۔

۱۵۸۷ء میں اسکاٹ کی نامور بادشاہ زادی میری جو الیزابتھ کی خالہ زاد بہن تھی، کیتھولک مذہب ہونے کے سبب قتل کی گئی (صفحہ ۶۱ تا ۶۶):

''الیزابتھ بادشاہ زادی کے حکم سے بہت قلندروں اور پادریوں کو جہاز میں بٹھلایا گیا، اور سمندر میں ان کو ڈبوایا گیا، اس کی فوجیں ایرلینڈ کو بھیجی گئیں، اس حکم سے کہ کیتھولکیوں کو پروٹیسٹانٹ کریں، ان فوجوں نے کیتھولک کے گریزوں کو جلانا، پادریوں کو قتل کرنا، اور جنگلی بہیموں کی مانند شکار کرنا شروع کیا، کسی کو پناہ نہ دی، اور اگر دی، ان کو بھی پھر مار ڈالا، سمروک کے قلعہ کی فوج کو ذبح کیا، شہروں اور گاؤں میں آگ لگا دی، غلہ اور گلہ تباہ کیا، اور باشندگان کو بلا تمیز درجے یا عمر کے ان کے مسکنوں سے ویرانوں میں نکال دیا، سولہ سو تینتالیس اور سولہ سو چوالیس میں پارلیمنٹ نے اس حکم ناطق کے ساتھ کمشنر بھیجے کہ سب کیتھولکوں کا اصلی اور ذاتی مال اور جائداد بلا تمیز چھوٹے بڑے کے ضبط کرلیں

،اور اسی طرح کے اور ظلم بادشاہ جیمس اول کے عہد تک رہے، اور اس کے وقت کچھ تخفیف ہوئی''

صفحہ ۷۰ تا ۷۲

''سن سترہ سو اٹھہتر میں بادشاہ کی عنایت ان پر ہوئی، اس انصاف سے پروٹسٹنٹ ناراض ہوئے، اور انہوں نے جون کی دوسری تاریخ ۱۷۸۰ء میں چوالیس ہزار آدمیوں کے نام سے عرضی دی کہ پارلیمنٹ ان بے رحم قانونوں کو کیتھولکیوں کے حق میں قائم رکھے، مگر اس کی سماعت نہ ہوئی، اس پر لندن میں ایک بلوا عام برپا ہوا، جس میں ایک لاکھ نے جمع ہو کر گریزوں (گرجا گھروں) میں آگ لگادی، اور ان کے مکان مسمار کیے، اور شب کے وقت ایک جگہ سے شہر میں چھتیس جگہ آگ لگی نظر آتی تھی، اور یہ ہنگامہ چھ روز برپا ہوا، پھر ۱۷۹۱ء میں بادشاہ نے ایک دوسرا قانون ایجاد کیا، اور ان کو وہ سب حقوق جن سے وہ اب کامیاب ہیں عنایت فرمائے''۔

صفحہ ۷۳ و ۷۴

''چارٹر اسکول کا حال جو ایرلینڈ میں ہے، تم نے نہیں سنا، یہ تحقیق ہے کہ ہر سال تخمیناً دو لاکھ پچاس ہزار روپیہ اور اکثر بڑے بڑے مکانوں کا کرایہ پروٹیسٹانٹ گورنمنٹ غریب کیتھولکیوں کے بچوں کے خریدنے میں خرچ کرتی ہے، اور وہ بچے اپنے والدین سے جدا کئے جاتے ہیں، اور پوشیدہ گاڑیوں میں بنظر اس کے کہ ان کے والدین نہ دیکھ لیں، اس سلطنت کی سرحد سے دوسرے سلطنت کی سرحد تک پہنچائے جاتے ہیں، اور پروٹسٹانٹ کے مذہب میں تعلیم پاتے ہیں، یہ مکروہ کام والدین اور اولاد کے درمیان محبت کے بند کو توڑتا ہے، اور اکثر ہوسکتا ہے کہ یہ کمبخت لڑکے جب بڑے ہو کر شاید اپنے وطن میں پھریں تو نادانستہ اپنے بھائی بہنوں یا ماں، باپوں کے ساتھ شادی کریں''۔

جہاد سے متعلق مؤلف میزان الحق کے مغالطوں کا بیان

دیکھو یہ پادری لوگ اب بھی اہل اسلام پر طعن کرتے نہیں شرماتے، اور چونکہ میزان الحق کے کلام کا اس طعن کی بابت میزان الحق کے رد میں اور استفسار میں تفصیلاً جواب ادا ہوا ہے، تو اس جگہ طول ہونے کا خوف کر کے سب کلام کو نقل نہیں کرتا، بلکہ میزان الحق تیسرے باب کی پانچویں فصل (جس میں پادری صاحب نے اپنے زعم کے موافق مذہب اسلام کے پھیلنے کے سبب بیان کئے ہیں) بعض بعض مغالطات پر مطلع کرتا ہوں، اور ان کے اور دوسرے پادریوں کے اس عذر کا جواب دیتا ہوں، جو وہ انبیاء اسرائیل کے جہاد کی بابت پیش کرتے ہیں (نسخہ ۱۸۵۰ء صفحہ ۲۲۴):

(۱) ''جاننا چاہیے کہ تین برس میں صرف دس بارہ آدمی محمد ﷺ پر ایمان لائے تھے، اور تیرہویں سال جو ہجرت کا پہلا سال تھا، محض سو اشخاص اہل مکہ سے اور پچھتر آدمی اہل مدینہ سے اس پر ایمان لائے تھے''

یہ صریح جھوٹ ہے، اور اس کی تکذیب کو سیل صاحب (Sail sb) ان کے ہم مذہب کا قول کفایت کرتا ہے: ''کہ مدینہ میں ہجرت سے پہلے کوئی گھر باقی ہوگا جس میں کوئی مسلمان نہ ہوا ہو''، اور ہم پہلے تصریح کر چکے ہیں کہ ہجرت سے پہلے فقط مدینہ ہی کے ہزاروں آدمی مسلمان ہو گئے تھے، اور مکہ والے ان کے علاوہ تھے، اور ان مکہ والے مسلمانوں میں سے فقط وہ لوگ جو ہجرت سے آٹھ برس پہلے نبوت کے پانچویں سال میں عید کے مہینے دوسرے بار حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے، ایک سو تین آدمی تھے، جن میں بیاسی مرد اور اکیس عورتیں، اور جو مکہ میں رہے تھے، اور اسی طرح وہ لوگ جو اس ہجرت حبشہ کے بعد سے مدینہ کی ہجرت تک مکہ یا حبشہ میں مسلمان ہوئے، ان سب کا کیا ذکر، اور تیرہواں سال نبوت کا پہلا سال ہجرت کا نہیں

بلکہ چودھواں سال نبوت کا پہلا سال ہجرت کا ہے۔

(۲) پھر صفحہ ۲۲۷ میں ہے:

''جب عمر کی خلافت ہوئی تو اس نے عرب کے لشکر کو یہ حکم دے کر ایران پر بھیجا کہ اگر اہل ایران دین محمدی کو بخوبی وخوشی قبول کر کے مطیع ہو جائیں، تو بہتر ورنہ ان سے محاربہ ومقاتلہ کر کے انہیں بہ جبر قرآن کا معتقد بنائیں''

یہ بھی محض جھوٹ ہے، حضرت عمرؓ نے ہرگز یہ حکم نہیں دیا تھا کہ انہیں بہ جبر قرآن کا معتقد بناؤ، پادری صاحب اہل اسلام کی کسی معتبر کتاب سے نقل کریں، کیا نہیں دیکھتے کہ حضرت عمرؓ یروشلم خود گئے تھے اور فتح کے بعد وہاں کے عیسائیوں کے ساتھ جو پادری صاحب کے سلف تھے کیا سلوک کیا کہ انہیں عزت والی شرطیں بخشیں، اور کوئی کلیسہ ان کا نہ چھینا، بلکہ وہاں کے اسقف سے بڑے حلم کے ساتھ ایک جگہ مسجد بنانے کے لئے طلب کی، اور اسقف نے ان کو یعقوب کا پتھر اور ہیکل سلیمانی کی جگہ (جس کو ان دنوں عیسائیوں نے یہودیوں کی دشمنی سے لید گوبر سے بھر دیا تھا) دکھلائی، حضرت عمرؓ نے اس جگہ کو آپ صاف کرنا شروع کیا، اور اس خدا پرستی کے کام میں ان کے سب لشکر کے بڑے بڑے افسروں نے پیروی کی، جیسا ہم نے معراج کے معجزے میں ان کی ایک معتبر کتاب سے نقل کیا ہے، تو دیکھو اس بڑے جہاد میں حضرت عمرؓ اور ان کے افسروں کا یہ حال تھا، اسی پر ایران کا حال قیاس کرو، اور اپنے سلف کی دیانت کو خیال کرو کہ یہودیوں کی دشمنی کے سبب سے سلیمانی ہیکل کو لید گوبر سے بھر دیا تھا۔

(۳) پھر صفحہ ۲۲۸ میں لکھتے ہیں:

''اور جن لوگوں نے سرکشی کر کے دین محمدی قبول کرنے میں پس وپیش کیا، وہ لوگ یا تو عربوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے، یا جلاوطنی اختیار کر کے بلوچستان اور ہندوستان کو بھاگ گئے''

یہ بھی غلط ہے، فقط دین محمدی کے قبول نہ کرنے سے نہ کوئی ایرانی قتل ہوا، اور نہ جلاوطن، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اولاً ان کو محض نصیحت اور وعظ کے طور سے نہ جبر کے طور سے کہا گیا: ''ایمان لاؤ، اور آتش پرستی چھوڑ دو''، اور ایمان کے محاسن اور آتش پرستی کے قبائح بتلائے گئے، اور جب انہوں نے اس سے انکار کیا، تو ان سے صلح کی طلب ہوئی اس شرط پر کہ اطاعت کرو، اور جزیہ دو، (شریعت موسوی میں بھی صلح کے قبول ہونے کے لئے یہ امر شرط تھا) اور جب انہوں نے اس سے بھی انکار کیا، اور سرکشی سے پیش آئے تو ان کو کہا گیا کہ لڑائی کے لئے تیار ہو، تب (جب) تک وہ سرکشی فرو نہ ہوئی، ان سے لڑائی رہی۔

اور اس لڑائی میں بھی یہ بات تھی کہ عورت اور لڑکے اور بوڑھے اور مزدور اور اندھے اور لولے، اور اس قسم کے اپاہج کو ہرگز نہ مارتے تھے، بلکہ اسی کو جو لڑائی کے قابل ہو یا مقابلے کا ارادہ رکھتا ہو، یا ان معذوروں میں سے کسی ایک سے کسی طرح کے بڑے مفسدے کا اندیشہ ہو، اور جب فتح ہوگئی، اور ان کی سرکشی برطرف (ہوگئی)، اور انہوں نے تابعداری قبول کر لی تو پھر ان کے مذہب سے تعرض نہ تھا، اور نہ ان کے مال اور اسباب سے بلکہ ان کا مال اور اسباب اور جان مسلمانوں کے مال اور جان کے برابر گنا جاتا تھا۔

اس صورت میں پھر اگر بعضوں نے مذہب کے تعصب کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ پہلے ہم اس جگہ کے حاکم تھے، اور اب رعیت ہو کر کیا رہیں، یا اس لحاظ سے کہ وہ لوگ عرب کو ذلیل سمجھتے تھے، اور ان کی اطاعت کو نہایت عار اور ننگ، اسلام کی عمل داری میں رہنا قبول نہ کیا، اور جگہ چلے گئے، تو ان میں اسلام کو کیا الزام جیسا کہ لاہور کی فتح کے بعد اکثر اسباب مذکورہ کے سبب سے بہت سے سکھ لوگ جمو کی عمل داری میں

چلے گئے، البتہ پادری صاحب کے سلف نے تو ایسا کچھ کیا ہے، جیسا اوپر منقول ہوا۔

(۴) پھر صفحہ ۲۲۹ میں ہے:

''قرآن کا حکم یہ ہے کہ جو شخص دین محمدی سے پھر جائے، اسے بے تامل قتل کریں، مگر ظاہر ہے کہ حقیقت اور حقیت تلوار کے زور سے ثابت نہیں ہوتی، اور آدمی کو جبر سے اس درجہ پر پہنچانا محال ہے کہ وہ دل سے خدا پر ایمان لائے اور دل و جان سے اس سے محبت رکھے، بلکہ جبر و ظلم تو دلی ایمان کو اور روک دیتا ہے''

یہاں تو پادری صاحب نے اسلام کی ضد سے خوب پیٹ بھر کے ایسی چوٹ کی کہ وہی الٹی توریت اور توریت کے احکام پر پڑی، کیوں کہ توریت میں بھی مرتد اور بت پرستی کی ترغیب دلانے والے کے حق میں حکم ہے کہ وہ عذاب سے مار ڈالا جائے، اور ایسا شخص گو نبی صاحب معجزات ہو یا کیسا ہی قرابتی ہو قتل کیا جائے، اور سنگسار کیا جاوے، اور اس پر رحم نہ کیا جاوے، اور اگر شہر کا شہر مرتد ہو جاوے، تو اس کے سب باشندوں کو کیا مرد اور کیا عورت اور کیا لڑکا اور کیا لڑکی اور ان کے سب مواشی کو یک لخت تلوار کی دھار سے قتل کر کے نیست و نابود کیا جاوے، اور ان کے لوتھوں (لاشوں) کو جلایا جائے، اور اس شہر کو بالکل ویران کر کے ٹیلا بنایا جائے، اور پھر اس کو کبھی آباد نہ ہونے دیں، تو کیا پادری صاحب کے زعم کے مواقف عیاذاً باللہ خدا کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ حقیقت تلوار کے زور سے ثابت نہیں ہوتی، اور آدمی کو جبر سے اس درجہ پر پہنچانا محال ہے کہ:

''وہ دل سے خدا پر ایمان لاوے، الخ

اور کیا یہی بات ایلیا پیغمبر کو معلوم نہ تھی کہ انہوں نے بعلیم کے ساڑھے چار سو پیغمبر کو ذبح کروا ڈالا، اور کیا عیاذاً باللہ خدا کو اگر موسیٰ کے عہد میں معلوم نہ تھا، تو جب بھی

معلوم نہ ہوا کہ ایلیا پیغمبر کو روک دیتا، دیکھئے نفسانیت اور تعصب نے کہاں تک نوبت پہنچادی ہے۔

پھر صفحہ ۲۳۰ میں'' اور پادریوں کی طرح انبیاء بنی اسرائیل کے جہادوں کی بابت یوں عذر پیش کرتے ہیں:

کیوں کہ خدا نے توریت میں بنی اسرائیل سے یہ نہیں کہا تھا کہ پہلے انہیں ایمان کی خبر کرو، پھر اگر نہ مانیں تو قتل کرو، بلکہ خدا کا حکم یہ تھا کہ انہیں ان کے بے شمار گناہوں کے سبب سے عموماً قتل کرو، پس بنی اسرائیل کی لڑائی کا مدعا یہ نہ تھا کہ کنعانیوں کو ایمان پر لاویں بلکہ وہ ایک غضب الٰہی تھا، جو خدا نے بنی اسرائیل کے واسطہ سے ان کے بداعمال کی سزا میں ان پر نازل کیا تھا، اور اسی طرح داؤد کی لڑائیاں بھی دین کی راہ میں نہ تھیں، بلکہ بادشاہوں کے مانند اپنی سلطنت قائم کرنے کو دشمنوں سے لڑتا تھا۔

کہتا ہوں میں کہ اولاً کنعانیوں کی تخصیص لغو ہے، کیوں کہ اہل اسلام اس طعن کے جواب میں جو پادری لوگ جہاد اور مرتد کے حکم کی بابت کیا کرتے ہیں، بنی اسرائیل کے ان جہادات کو جو انہوں نے کنعانیوں اور حیتوں اور جرشیوں اور اموریوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں پر کئے تھے، اور ان کا حکم کتاب استثناء کے ساتویں باب اور توریت کے اور بابوں میں بڑے ہی تاکید اور شدت سے مرقوم ہے، اور اسی طرح ان جہادات کو جو ان سات قوموں کے سوا اور کفار کی قوموں سے کئے، اور ان کا بڑی تشریح سے کتاب استثناء کے بیسویں باب میں بیان ہوا، اور اسی طرح مرتدوں اور بت پرستی کی ترغیب دلانے والوں کے ان احکام کو جو کتاب خروج کے بائیسویں باب کے بیسویں درس اور کتاب استثناء کے تیرہویں اور سترہویں باب میں مرقوم ہیں، اور داؤد علیہ السلام کے غزوات جو انہوں نے احکام مذکور کے موافق کفار سے کئے،

معارضہ کے طور پر وارد کرتے ہیں، اور صاحب استفسار نے بھی ان سب اقسام کو معارضہ میں ذکر کیا تھا، اور پادری صاحب نے اس کو اس میزان الحق کے نسخے کے چھپوانے سے پہلے بخوبی دیکھ لیا تھا، اور اس نسخے میں پہلے نسخے کی نسبت کچھ تغیر وتبدل کی ہے، اور بہت جگہ بڑھایا ہے، اور بعض جگہ جو بن آیا، تو صاحب استفسار کو بھی جواب دیا ہے۔

پھر بھی پادری صاحب فقط کنعانیوں اور غزوات داؤدی کا ذکر کرتے ہیں، اور کتاب استثناء کے بیسویں باب کے حکم سے جو سات قوموں کے سوا اور قوموں کے حق میں اور مرتد اور بت پرستی کی ترغیب دلانے والے کے حکم سے بالکل چشم پوشی کرتے ہیں، مخالف کی تقریر کو ناقص کر کے برے طور پر لکھا، کیا انصاف ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ کس طرح ان کو ذکر کریں کہ ان کا جواب تو پادری صاحب اور دوسرے پادریوں سے کچھ بھی بن نہیں پڑتا، اور وہ احکام ان کی تقریروں کے بالکل مخالف نکلتے ہیں۔

ثانیاً یہ کہ قول ان کا:

''انہیں ان کے بے شمار گناہوں کے سبب عموماً قتل کرو''

اول کی سات قوموں کے سوا اور قوموں کے حق میں جاری نہیں ہوسکتا، کیوں کہ ان کے حق میں تو یہ حکم تھا کہ اگر صلح کرلیں، تو ان سب کو جزیہ گزار اور تابعدار بنا کر رکھیو، اور اگر صلح نہ کریں تو فتح کے بعد سب مردوں کو قتل کر کے ان کی عورتوں اور بال بچوں اور مواشی اور اور اسباب کو لوٹ کر اپنی ملک کرلیجو، اور نہ مرتدوں اور بت پرستی کی ترغیب دلانے والے کے حق میں جاری ہوسکتا ہے، کیوں کہ وہ گناہ جس کی جہت سے وہ واجب القتل ٹھہرے فقط بت پرستی یا اس کی ترغیب تھی، نہ اور بے شمار گناہ۔

ثالثاً یہ کہ اول کے سات قوموں کے حق میں بھی پوچھا جاتا ہے کہ اگر وہ

اپنے اعمال قبیحہ سے توبہ کرلیتیں، یا کوئی اور کام جو توبہ کے قائم مقام ہو سکے ان سے سرزد ہوتا تو بھی مار ڈالنے کی مستحق ہوتیں، یا نہیں اگر نہ ہوتیں تو ہمارا بھی مطلب ثابت ہے کیوں کہ اس صورت میں ان کے ساتھ مقابلہ کرنا اور لڑنا تب ہی تک تھا، جب تک وہ اپنے اعمال قبیحہ سے باز نہ آئیں، یا کوئی اور ایسا کام جو ان کے حق میں توبہ کے قائم مقام گنا جائے نہ کریں، اور ہم بھی ایسی صورت میں کافروں پر جہاد مشروع جانتے ہیں، اور ان کے قتل کو ان کے حق میں غضب الٰہی گنتے ہیں، نہ رحمت الٰہی، اور اگر باوجود تائب ہونے کے یا ویسے کام کرنے کے جو ان کے حق میں توبہ کے قائم مقام گنا جا سکتا، قتل ہی کے مستحق تھے، تو اے حضرات اب جہاد اسلامی پر سنبھل کر طعن کیجئے، اور خدا سے ڈریے، کیوں کہ اس صورت میں شناعت عقلی اس مسئلہ پر عائد ہوتی ہے، اور عہد عتیق اور جدید کے بھی مخالف ہے، اور انبیاء بنی اسرائیل کے معاملات کے بھی خلاف۔

کتاب حزقیل کے باب تینتیسویں کے درس گیارہویں میں ہے (نسخہ ۱۸۴۳ء):

"خداوند خدا فرماتا ہے کہ میری حیات کی قسم ہے کہ میں شریر کی موت نہیں چاہتا بلکہ یہ کہ شریر اپنی راہ سے پھرے اور جئے"۔

اور کتاب اشعیا کے پچپنویں باب کے ساتویں درس میں ہے (نسخہ ۱۸۴۳ء):

"شریر اپنی راہ کو ترک کرے، اور فاسق اپنے محاسبوں کو، اور خداوند کی طرف پھرے کہ وہ اس پر رحمت کرے گا، اور ہمارے خدا کی طرف کہ اس کی بڑی آمرزش ہے"۔

اور پطرس کے دوسرے خط کے تیسرے باب کے نویں درس میں ہے (نسخہ

۱۸۴۴ء):

"نہیں چاہتا ہے (یعنی خداوند) کہ کوئی ہلاک ہوئے، بلکہ چاہتا ہے
کہ سب توبہ کریں"

اور تعجب ہے کہ جناب پولوس جو ایک یہودی اور دین عیسوی کے پرلے درجے کے دشمن تھے، اور جنہوں نے سالہا سال حواریوں اور حواریوں کے تابعین کو طرح طرح سے ستایا، اور مذہب عیسوی کے بیخ کنی میں اپنی مقدور بھر کسر نہ رکھی، اور استیفان شہید کے قتل میں شریک تھے، توبہ کرنے کے بعد حضرت مسیحؑ کے رسول اور حواری بن جائیں، اور ان قوموں کے لاکھوں لاکھ آدمیوں میں سے ایک بھی باوجود خالص توبہ کرنے کے جان بر ہو جانے کا مستحق نہ ہو، اور انہیں اول کے سات قوموں میں سے حضرت یوشعؑ نے راحاب فاحشہ کو اس کے تمام خاندان کے سمیت اس سلوک کا لحاظ کر کے کہ اس نے بنی اسرائیل کے دو جاسوسوں کو اپنے گھر میں چھپالیا تھا، جان بخشی کی تھی، اور اس کا سب مال اور اسباب اس کو دے دیا تھا۔

کتاب یوشعؑ چھٹے باب کے پچیسویں درس میں ہے (نسخہ ۱۸۴۴ء):

"اور یسوع نے راہب فاحشہ کے اور اس کے باپ کے گھرانے کی
اس سب سمیت جو اس کا تھا، جان بخشی کی، اس کی بود و باش آج کے دن تک بنی
اسرائیل میں ہے کہ اس نے ان جاسوسوں کو جنہیں یسوع کو یریحا کو بھیجا تھا پنہاں
کیا تھا، اور اسی طرح جیعون اور کفیرت اور بیرات اور قریہ بعیرم کے صدہا لوگوں
کو کہ جن سے دھوکے میں عہد ہو گیا تھا، قتل نہ کیا تھا"

کتاب یوشع کے نویں باب میں ہے (نسخہ ۱۸۴۲ء):

"۱۷۔ سو بنی اسرائیل نے کوچ کیا، اور تیسرے دن ان کے بستیوں میں
داخل ہوئے، جن کے نام جیعون اور کفیرت اور بیرات اور قریہ بعیرم ہیں۔

۱۸۔ اور بنی اسرائیل نے ان کو قتل نہ کیا، اس لئے کہ جماعت کے رئیسوں (نے) ان سے خداوند اسرائیل کے خدا کی قسم کی تھی''

اور اسی طرح حضرت سلیمان نے ان اول کے سات قوموں میں سے پانچ قوموں کے آدمی جو بچ گئے تھے قتل نہ کیا تھا، بلکہ غلام بنالیا تھا۔

کتاب دوم اخبار الایام کے آٹھویں باب میں ہے (نسخہ ۱۸۴۲ء):

۷۔ ''لیکن وہ سارے گروہ جو حیتوں اور اموریوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں سے باقی رہے، اور اسرائیلی نہ تھے۔

۸۔ ہاں ان کے اولاً جو بعد ان کے زمین میں باقی رہے جنہیں بنی اسرائیل نے نابود نہ کیا، سو سلیمان نے انہیں غلام بنایا، اور وہ آج کے دن تک خدمت کرتے ہیں''۔

اب دیکھو کہ اگر بے شمار گناہوں کے سبب عموماً وہ قوم واجب القتل تھیں، تو وہ فاحشہ تمام اپنے خاندان سمیت اور ان بستیوں کے صدہا آدمی اور ان پانچ قوموں کا بقیہ ہزار ہا آدمی کس طرح بچتے، اور یہ فاحشہ وہی ہے، جو حضرت داؤد اور سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام کے جدات میں داخل ہے، اور متی نے بھی اس کو حضرت عیسیٰ کے نسب نامہ میں پہلے باب کے پانچویں درس میں ذکر کیا ہے۔

رابعاً یہ کہ تمہارے قول کے موافق الزاماً کہا جاتا ہے کہ اگر بالفرض وہ قومیں اپنے بے شمار گناہوں کے سبب سے قتل کے قابل تھیں، اور وہ قتل ایک غضب الٰہی تھا، کہ گو توبہ کرے تو بھی نہ چھوڑو، لیکن کیا غضب الٰہی میں گناہ والے اور بے گناہ یکساں ہو جاتے ہیں کہ لاکھوں لاکھ بچے صغیر سال جو کسی طرح کے گناہ سے آلودہ نہ تھے، گناہ گاروں کے ساتھ برابر مقتول ہوئے، کیا غضب میں خدا تعالیٰ کی عدالت جاتی رہی؟

اگر کہو کہ ماں باپ کے گناہ کے سبب وہ بھی گنہگار واجب القتل

ٹھہرے، تو کہوں گا کہ ماں باپ کے گنہ سے ان کے گنہ گار اور واجب القتل ہونے کے کیا معنی؟

کتاب استثناء کے چوبیسویں باب کے سولہویں درس میں ہے (نسخہ ۱۸۴۲ء):

''اولاد کے بدلے باپ دادے مارے نہ جاویں، نہ باپ دادوں کے بدلے اولاد قتل کی جاوے، ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائے گا''۔

اور کتاب خرقیل کے اٹھارویں باب کے بیسویں درس میں ہے (نسخہ ۱۸۴۳ء):

''وہ جان جو گناہ کرتی ہے سو وہی مریگی، بیٹا باپ کے گناہ نہ سہے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ سہے گا، صادق کی صداقت اسی پر ہوگی، اور شریر کی شرارت اسی پر پڑے گی''۔

پس جب بیٹا باپ کے گناہ نہ سہے اور اولاد باپ دادے کے بدلے مارے نہ جاوے، اور ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جاوے، اور شریر کی شرارت اسی پر پڑے، تو اب بتلاؤ کہ وہ لاکھوں بے گناہ کیوں مارے گئے، جہاد اسلامی میں تو ہرگز ہرگز ایسی بات نہیں۔

خامساً یہ کہ قول ان کا:

داؤد کی لڑائیاں بھی دین کی راہ میں نہ تھیں، بلکہ بادشاہوں کی مانند اپنی سلطنت قائم کرنے کو دشمنوں سے لڑتا تھا''

مخدوش ہے، کیوں کہ یہ سلطنت کا ان کا بڑھانا نیکوکاری تھی یا بدکاری، اگر نیکوکاری تھی تو ہمارا مطلب ثابت ہے کہ پیغمبر لوگ یا ان کے نائب سلطنت بڑھانے کے لئے کافروں سے لڑا کرتے ہیں، اور ان کو قتل کیا کرتے ہیں، باوجود

اس کے ان کے یہ افعال نیک کاروں میں شمار کئے جاتے ہیں، اور ایسا ہی حال حضرت اوران کے خلفاء راشدین کے جہاد کا ہے، کہ گو اس میں سلطنت بڑھانا بھی ہو، وہ اپنی نیکوکاری سے نہیں نکلے گا، اور اگر بدکاری تھی، تو اس میں دو قباحتیں لازم آتی ہیں، ایک یہ کہ عیاذ اًباللہ کہ لاکھوں لاکھ آدمی کا خون ان کی گردن پر ہو، اور اس کے سبب سے جہنم کے مستحق ہوں۔

کتاب قوانین کے چوبیسویں باب کے سترہویں درس میں ہے (نسخہ ۱۸۴۲ء):

''اور وہ جو انسان کو مارڈالا سو مارڈالا جائے گا''۔

دوسری یہ کہ اس میں تکذیب جناب پولوس اور داوٗدؑ کے قول بلکہ خدا کے قول کی لازم آتی ہے، عبرانیوں کے خط کے گیارہویں باب میں ہے (نسخہ ۱۸۴۴ء):

''۳۲۔ اور اب میں اور کیا کہوں کہ گدعون اور بارق اور شمسون اور یفتح اور داوٗد اور شموئیل اور نبیوں کی حکایت بیان کرتے میں وقت تنگ ہے۔

۳۳۔ انہوں نے ایمان سے ملکوں کو فتح کیا اور نیکیاں کیں اور وعدوں کا پھل پایا اور شیروں کے منہ بند کئے۔

۳۴۔ اور آگ کی تیزی کو بجھا دیا، اور تلوار کے دھاروں کو کند کیا، اور سستی سے زورآور ہوئے، اور لڑائی میں پہلوان ہوئے، اور غیروں کے فوجوں کو ہٹادیا''

اور اٹھارویں زبور میں ہے (نسخہ ۱۸۴۱ء):

''۲۱۔ میں نے یہواہ کی راہیں یاد رکھیں اور شرارت کر کے اپنے خدا سے منہ نہ پھیرا''

۲۲۔ کیوں کہ سارے حکم میرے نظر کے نیچے رہے، اور اس کے حقوں کو میں نے اپنے نظر سے دور نہ کیا۔

۲۳۔ میں اس کے ساتھ پورا رہا، اور میں نے آپ کو اپنی بدکاری سے باز رکھا"۔

اور کتاب اول سلاطین کے چودہویں باب کے آٹھویں درس میں خدا تعالی کا قول حضرت داؤد کے حق میں یوں ہے، (نسخہ ۱۸۴۲ء:)

"تو بھی تو میرے بندہ داؤد کی مانند نہ ہوا، جس نے میرے حکموں کو حفظ کیا، اور اپنے سارے دل سے میری فرماں برداری کر کے فقط وہی کیا جو میری نگاہ میں اچھا تھا"۔

اب دیکھو کہ جناب پولوس اور داؤد اور خدا تعالی کے قول میں داؤدؑ کے حق میں کیا واقع ہے، خصوصاً یہ قول "اور اپنے سارے دل سے" الخ، اب جو عیسائی کہ جناب پولوس کو مان کر ان کے کلام کو جزء انجیل جانتا ہے، اور اٹھارویں زبور کو حضرت داؤد کا کلام الہام کے موافق مانتا ہے اور کتاب سلاطین کے باب چودہویں کے آٹھویں درس کو صحیح بتلاتا ہے اس کی مجال نہیں کہ اب غزوات داؤدی کو بدکاری کہے، ورنہ اس کے مذہب کے موافق اس پر کفر عائد ہوگا۔

سادساً

سادساً یہ کہ جب بنی اسرائیل کے لئے جہاد اور حضرت داؤد کے لئے غزوات کافروں کے ساتھ اہل کتب کی کتب مقدسہ کے موافق نیکوکاری ٹھہرے، اور ان کافروں کا قتل کرنے والا بلا شک خدا کے امر کا بجالانے والا ٹھہرا، کیوں کہ خدا ان کے قتل کے لئے حکم فرماتا تھا، تو اب ہم پادری صاحبوں سے پوچھتے ہیں، کہ

بنی اسرائیل میں سے اس حکم کا بجالانے والا اور نہ بجالانے والا آخرت کے ثواب کے اعتبار سے یکساں ہے، یا دونوں میں فرق ہے، ایک ہونا تو صریح البطلان ہے، کہیں عاصی اور مطیع بھی ایک سے ہو سکتے ہیں، اور خدا تعالی اس حکم نافرمانی پر کیوں شدت سے تہدید کرتا، اور ساول بادشاہ کے بادشاہ کرنے سے جس نے اس حکم کے خلاف عمالیقوں کے بادشاہ کو زندہ پکڑ کے قید کرلیا تھا، اور اس کو اور اسی طرح اچھے مواشی کو قتل نہیں کیا تھا، کیوں پچھتاتا اور پچھتا کے کیوں اس کو سلطنت سے موقوف کرتا، اور اس خطا کے سبب سموئیل پیغمبر کیوں اس قدر خفا ہوتے کہ جیتے جی ساول کی شکل نہ دیکھتے، اور کیوں نافرمانی اور سرکشی کو جادوگری اور کفر اور بت پرستی کے برابر بتلاتے۔

کتاب شمار کے تینتیسویں باب کے چھپیسویں درس میں اس حکم کے بجالانے والوں کے حق میں یوں ہے (نسخہ ۱۸۴۲ء):

''اور آخر کو یہ ہوگا کہ میں جو کچھ ان سے کیا چاہتا ہوں سو تم سے کروں گا''۔

اور سموئیل کی پہلی کتاب کے پندرہویں باب میں ہے (نسخہ ۱۸۴۲ء):

''۱۰۔ تب خداوند کا کلام سموئیل کو پہنچا کہ میں ساول کو بادشاہ کر کے ملول ہوا، کیوں کہ وہ میری فرماں برداری سے برگشتہ ہوا، اور اس نے میرے حکموں پر عمل نہ کیا، سو سموئیل غمگین ہوا۔

۲۲۔ سموئیل بولا کہ خداوند چڑھاؤں اور ذبیحوں سے خوش ہوتا ہے، یا اس سے کہ اس کا حکم مانا جاوے، دیکھ حکم ماننا قربانی چڑھانے سے اور شنوا ہونا مینڈھے کے چربی سے بہتر ہے۔

۲۳۔ کیوں کہ نافرمانی اور جادوگری برابر ہے، اور سرکشی اور کفر اور بت پرستی برابر، سو جیسا تو نے خداوند کے حکم کو رد کیا ہے ویسا ہی اس نے بھی تجھے

بادشاہت سے رد کیا۔

۳۵۔ اور جب تک جیتا رہا سموئیل اس کو دیکھنے نہ گیا بلکہ سموئیل ساول کی بابت غمگین رہا اور، (۱) خداوند بھی پچھتایا کہ اس نے ساول کو بنی اسرائیل کا بادشاہ کیا'' (۲)

اور اگر دونوں میں فرق ہے، تو بلاشک اس حکم کے بجالانے والے کو آخرت کا بھی ثواب ملے گا، کیوں کہ بنی اسرائیل میں سے ہزاروں آدمی اس حکم کے بجالانے میں اس طرح بھی مارے گئے کہ انہوں نے دنیا کا کچھ مال دولت اس لڑائی کے طفیل حاصل نہ کیا تھا، اگر ان کو آخرت میں بھی کچھ ثواب نہ ملے تو ان کو اس فرمان برداری کا کیا پھل ملا، تو یہ جہاد آخرت کے ثواب کا بھی وسیلہ تھا۔

پس اب جو پادری باوجود عہد عتیق کی کتابوں کو ماننے کے اس بات پر کہ محمد ﷺ نے جہاد کو آخرت کے ثواب کا وسیلہ فرمایا ہے، طعن کرتے ہیں، بالکل مردود ہے، اور گویا اپنے ہی مذہب پر طعن کرتے ہیں۔

(۱) اور یہ جملہ ''خداوند بھی پچھتایا'' اور ترجموں میں یوں ہے (ہندیہ ۱۸۲۹ء) ''اور یہواہ بھی پچھتایا'' اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ صاحب بھی ایک کام کر کے کبھی پچھتایا کرتے ہیں اور یہ بات تو کتب مقدسہ کے بہت جگہ سے نکلتی ہے، بلکہ یہ کیا یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پچھتاتے پچھتاتے کبھی تھک جاتے ہیں اور انشاء اللہ بعض شواہد اس بات کے دوسرے سوال کے جواب میں آتے ہیں۔ ۱۲ منہ

(۲) اور اگر کہیں کہ جب کتب مقدسہ سے خدا کا پچھتانا ثابت ہوا تو اس کے موافق ہمارے واسطے ایک عذر معقول نکل آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ گو اس نے بنی اسرائیل کو جہاد کے لئے فرمایا تھا اور اس کو آخرت کے ثواب کا وسیلہ بھی فرمایا تھا، مگر اس کے بعد اس کی برائی پر مطلع ہو کر اس سے پچھتایا اور شریعت عیسوی میں اس سے منع کیا اور اس کو آخرت کے عذاب کا وسیلہ ٹھہرایا، تو کہوں گا کہ اگرچہ بادی النظر میں یہ عذر معقول ہے، لیکن ادنی التفات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عذر بھی مفید نہیں، کیوں کہ جب خدا کا پچھتانا، اور پچھتاتے پچھتاتے تھک جانا ثابت ہوا تو اب کہا جائے گا کہ اللہ تعالی کو پہلا ہی امر اچھا معلوم ہوا اور عیاذاً باللہ اپنے پچھتانے سے پچھتا کر پھر اسی اگلے حکم کے موافق شریعت محمدی میں حکم دیا۔ ۱۲ منہ

سابعاً

سابعاً یہ کہ پادری صاحب کے اقرار کے موافق توریت میں کنعانیوں کے بے شمار گناہوں کے سبب حکم ہوا تھا کہ ان کو قتل کرو اور پادری صاحب کو ان چیزوں سے بھی انکار کرنا ممکن نہیں کہ کنعانیوں کی طرح اور چھ قوموں کے حق میں بھی یہی حکم تھا، اور اسی طرح مرتد اور بت پرستی کی ترغیب دلانے والے اور زانی اور زانیہ اور اور بہت آدمیوں کے واسطے حکم قطعی توریت میں تھا کہ انہیں مار ڈالو، اور اول کی سات قوموں کے سوا کفار کی اور قوموں کے حق میں بھی حکم تھا، کہ اگر وہ صلح کر کے ذمی جزیہ گزار بن کر رہیں تو فبہا، وگرنہ ان کے سب مردوں کو یک لخت قتل کرو، اور ان کی عورتوں اور بال بچوں اور سب اسباب کو لوٹ لو، اور ایسے حکموں کے موافق اول کی سات قوموں کے لاکھوں لاکھ آدمی مرد عورت بال بچے، اور لاکھوں لاکھ مرد دوسری قوموں کے اور ہزار ہا مرتد اور بت پرستی کی ترغیب دلانے والے، اور زانی اور زانیہ اور دوسرے لوگ قتل ہوئے، اور ان میں سے اکثر حکم جناب مسیح کے ظہور تک برابر رہے، اور حضرت موسیٰؑ کے منکر فرعون کو مع کئی لاکھ اس کے لشکر کے حضرت موسیٰؑ کی آنکھوں کے سامنے دریائے قلزم میں غرق کر کے برباد کیا۔

اور ان چیزوں کو ایسے لوگوں کے حق میں ایک نوع کا غضب الٰہی کہو یا کچھ اور، لیکن اتنا تو ثابت ہے کہ شریعت عیسوی میں ایک بھی ایسا حکم نہ ہوا، اور نہ حضرت مسیحؑ کے منکروں کو حضرت مسیحؑ کے دنیا میں تشریف رکھتے برباد کیا، بلکہ الٹا عیسائیوں کے زعم کے موافق ان کے ہاتھ سے حضرت مسیح مصلوب ہوئے، حالانکہ ان کے زمانہ اور اس کے بعد میں بھی بہت قومیں بت پرست گنہ گار ایسی تھیں جیسے حضرت موسیٰؑ کے عہد میں وہ قومیں جن کے حق میں ایسے سخت حکم ہوئے، جن کا ذکر گذرا۔

اور منکر حضرت عیسیٰؑ کے حضرت موسیٰؑ کے منکروں سے کسی طرح کم نہ تھے، اور ہزار ہا بلکہ لاکھوں لاکھ مرتد اور بت پرستی کی ترغیب دلانے والے اور زانی اور زانیہ اور اس قسم کے آدمی جن کے حق میں توریت کے اندر قتل کا حکم تھا گزرے ہیں، بلکہ اور ان کا کیا ذکر صرف مرتد لوگ عیسائی مذہب میں اتنے گزرے ہیں، اور اب تک موجود ہیں کہ اگر ان سب لوگوں کو جن کا قتل توریت میں منصوص ہے جمع کریں، اور حضرت موسیٰؑ کے عہد سے مسیح کے ظہور تک ان کے گزرے ہوؤں کو حساب کریں، تو ان عیسائی مذہب کے مرتدوں سے وہ سب کے سب مل کر لاکھواں حصہ بھی نہ ہوں گے، کیوں کہ چونکہ تین سو سولہ برس کے بعد سے پوپی سلطنت شروع ہو گئی تھی، اور سولہویں صدی کے وسط تک اس کا خوب ہی زور وشور رہا، تو چوتھی صدی سے عیسائی مذہب میں بت پرستی پھیل گئی تھی۔

اور آٹھ سو برس سے زیادہ تک تو یہ حال رہا کہ سب عیسائی کیا دنیادار اور کیا پادری، کیا فاضل اور کیا جاہل، کیا مرد، کیا عورت بڑی ہی بت پرستی میں ڈوبے رہے، اور پروٹسٹنٹ ان کو بت پرست سمجھتے ہیں، چنانچہ اس امر کی اسناد اس نویں وجہ کے شروع میں گذری، اور اب تک بھی کیتھولک مذہب والے پروٹسٹنٹوں سے کچھ کم نہ ہیں۔

اور اسی طرح حضرت نوحؑ کے عہد میں کفار طوفان کے عذاب سے مارے گئے، اور ان کے نحوست سے اور سب جاندار بھی مارے پڑے، اور توریت اور انجیل کی تصریح کے موافق آٹھ آدمیوں کے سوا اور ان جانداروں کے سوا جو کشتی میں تھے کوئی جاندار نہ بچا، حالانکہ ویسی ہی شرارت والے حضرت موسیٰؑ کے عہد سے پہلے اور ان کے عہد میں اور ان کے عہد کے بعد میں بھی زمین کے کل طبقات یا اکثر طبقوں پر پھیلے ہوئے تھے، اور باوجود اس کے اللہ تعالی نے ایسا نہ کیا کہ نوح کے عہد کی طرح صرف

گنے چنے ایمانداروں اور گنے چنے جانداروں کو بچالیتا، اوران کے سواسب کوایسے عذاب عام کے ساتھ برباد کردیتا۔

اوراسی طرح حضرت لوط کے عہد میں سدوم اور عمورا شہروں کو مع ان کے گردنواح کے میدانوں کے گندھک اور آگ برسا کے بالکل برباد کردیا، اور حضرت لوط اوران کے کنبے کے سوا جو بربادی سے پہلے نکل گئے تھے، کوئی جاندار نہ بچا، جیسا کہ کتاب پیدائش کے انیسویں باب میں ہے، حالانکہ سدوم اور عمورا جیسے کافر یا شریر لوگ اور عہد میں بھی ہوئے ہیں، گوان کا فعل اور تھا، اوران کا اور، بلکہ حضرت عیسیٰؑ نے بعض شہروں کے لوگوں کو جوان کے ہم عہد تھے سدوم اور عمورا کے لوگوں سے بدتر بتلایا ہے، چنانچہ ان کا قول اس شہر کے لوگوں کے حق میں جو حواریوں کی اطاعت نہ کریں متی کے دسویں باب کے پندرہویں درس میں یوں منقول ہے (نسخہ ۱۸۴۴ء):

''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ حساب کے دن اس شہر کے سزا سے سدوم اور عمورا کی سزا آسان ہوگی''

پھران کا قول کفرناحوم شہر کے حق میں متی کے گیارہویں باب کے چوبیسویں درس میں یوں منقول ہے (نسخہ ۱۸۴۴ء):

''پر میں تجھ سے کہتا ہوں کہ حساب کے دن تیری سزا سے سدوم کی سزا آسان ہوگی،''

باوجوداس کے اللہ تعالیٰ نے ان شہروں کو جن کو حضرت عیسیٰؑ سدوم اور عمورا سے بدتر بتلاتے ہیں، ایسے عذاب عام سے نہ مارا۔

پھر جب فلسطینیوں نے خدا کا صندوق شہر اشدود کے بتخانہ میں رکھ دیا، اس خطا پر اللہ تعالیٰ نے سب اشدود کے رہنے والوں اوراس کے نواح والوں کو بواسیر کی بیماری میں مبتلا کر کے مار ڈالا، جیسا کہ سموئیل کی پہلی کتاب کے پانچویں باب میں ہے۔

اور نیرو ظالم روما کے شہنشاہ بت پرست نے حضرت پطرس اور پولوس اور صدہا عیسائیوں کو جن کا مرتبہ عیسائیوں کے اعتقاد کے موافق خدا کے صندوق کے مرتبے سے بڑھ کر ہے، برے برے عذاب سے مار ڈالا، اس ظالم اور اس کے متعلقین اور روما کے لوگوں کا بواسیر سے مارے جانے کا تو کیا ذکر، ایک کے نکسیر بھی نہ چھوٹی۔

اور جب قورح نے بنی اسرائیل میں سے اڑھائی سو شخص نامی اپنے ساتھ متفق کر کے حضرت موسیٰ کی مخالفت کی، اور حضرت موسیٰؑ نے ان پر بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے قورح کے سارے گھر کو سارے مال اور اسباب سمیت زمین میں دھنسا دیا، اور ان اڑھائی سو آدمی کو دفعتہً ہلاک کیا، پھر اگلے دن جو بنی اسرائیل نے مقابلہ کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر وبا بھیجی کہ اس وبا سے چودہ ہزار سات سو آدمی مر گئے، جیسا کہ کتاب شمار کے سولہویں باب میں ہے، پھر جب بنی اسرائیل نے پھر مقابلہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سانپ بھیجے کہ ان کے کاٹنے سے بہت بنی اسرائیل مر مٹے جیسا کہ کتاب شمار کے اکیسویں باب میں ہے۔

پھر جب بنی اسرائیل نے موابیوں کی عورتوں سے زنا کیا، اور ان کے بتوں کو قربانیاں چڑھائیں، اس پر خدا کے حکم سے حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے سب سرداروں کو سولی دی، اور چوبیس ہزار آدمی اس خطا پر مارے گئے، جیسا کہ کتاب شمار کے پچیسویں باب میں ہے، اور یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کا بارہا مقابلہ کیا بلکہ مقابلہ کا کیا ذکر، عیسائیوں کے زعم کے موافق سولی دی، اور پروٹسٹنٹوں کے اعتقاد کے موافق کروڑہا عیسائیوں نے صدہا سال تک بت پرستی کی، اور کروڑھا آدمی اب بھی کرتے ہیں، حالانکہ کسی کو بھی فوراً ایسی سزا نہ ہوئی جیسے بنی اسرائیل کو ان خطا پر ہوئی۔

پھر جب بنی اسرائیل میں سے بیت الشمس کے لوگوں نے خدا کے صندوق کو

کھول کے دیکھا فقط اتنی ہی خطا پر اسی وقت اللہ تعالی نے پچاس ہزار ستر آدمی مار ڈالے، جیسا کہ سموئیل کے پہلی کتاب کے چھٹے باب میں ہے،:

اور یہودیوں نے حضرت عیسی کو جو عیسائیوں کے زعم کے موافق خدا تھے، سولی دے دیا، ان کے اس وقت پچاس آدمی بھی نہ مرے، چہ جائے پچاس ہزار ستر کے۔

اور حضرت داؤد نے اپنی سلطنت میں بنی اسرائیل کی گنتی کروائی تھی، فقط اتنی ہی خطا پر اللہ تعالی نے ایک دن میں بنی اسرائیل کے ستر ہزار آدمیوں کو وبا بھیج کر مار ڈالا تھا، جیسا کہ سموئیل کی دوسری کتاب کے چوبیسویں باب میں ہے اور حضرت عیسی کے سولی دینے پر اس وقت ستر آدمی کو بھی نہ مارا۔

خلاصۂ کلام

پس معلوم ہوا کہ خدا کا معاملہ کفار کے ساتھ ہر زمانے میں جدا جدا طور پر رہا ہے، اور یہ ضرور نہیں کہ جس طرح ایک نبی کے وقت میں ہو، دوسرے کے وقت میں بھی ویسا ہی رہے، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک نبی کے وقت میں بھی ایک طور پر رہے۔

دیکھو حضرت موسیؑ جب تک مصر سے نہ نکلے تھے، ان کو حکم تھا کہ کافروں کو قتل نہ کریں، اور ان پر جہاد نہ کریں، بلکہ انہوں نے اور دوسرے بنی اسرائیل نے مصر میں رہتے ہوئے ان کا ظلم اٹھایا، اور ہرگز تلوار نہ کھینچی، اور جب مصر سے نکلے تو کس تیزی سے لڑائی اور جہاد کا ان کو حکم ملا۔

اور حضرت عیسیؑ جب تک دنیا میں تشریف رکھتے تھے، تو فرماتے تھے کہ میں کسی کے جان مارنے کو نہیں آیا، اور جب آسمان سے نزول فرمائیں گے، تو بذات خود دجال کو ماریں گے۔

لوقا کے نویں باب کے چھپنویں درس میں ہے(نسخہ ۱۸۴۴ء):

''ابن آدم لوگوں کی جان مارنے نہیں آیا بلکہ بچانے آیا ہے''

اور تھسلنیکیوں کے دوسرے خط کے دوسرے باب کے آٹھویں درس میں ہے، (نسخہ ۱۸۴۴ء:)

''تب وہ بے شرع ظاہر ہوگا، جسے خداوند اپنے منہ کے دم سے برباد اور اپنے آنے کے جلال سے نیست کردے گا''

اور ہم بھی جہاد اسلامی کو کفار کے حق میں ایک نوع کا غضب الٰہی سمجھتے ہیں، اور ضروری نہیں کہ یہ نوع اس نوع کے ساتھ جو حضرت موسیٰ کی شریعت میں تھا بلا تفاوت ہو، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ حضرت کی نبوت کے شروع سے اس کا حکم ہو۔

پس پادریوں کے سارے مطاعن جہاد کی بابت مطاعن نالائقہ ہیں، اور یہ لوگ بھی ان کی نالیاقتی سے غالباً مطلع ہوں گے، لیکن تعصب کے سبب ان کو رنگا رنگ تقریروں میں بیان کرتے ہیں۔

اثبات رسالت کی دسویں وجہ

دسویں وجہ یہ ہے کہ بہت حالات حضرت کے بدن میں ایسی پائی جاتی تھیں، کہ ان سب کا ایک ذات میں اکٹھا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ذات کاملۃ الصفات بارگاہ الٰہی میں بڑی ہی مقرب ہے، مثلاً یہ کہ (۱)

(۱) حضرت کے جسم مبارک کا سایہ نہ تھا، اور دھوپ اور چاندنی میں نظر نہیں پڑا۔ (۲)

(۲) اور یہ کہ آپ کے بدن مبارک پر کبھی مکھی نہ بیٹھی تھی (۳)

---

(۱) شاید اس کا یہ سبب ہو کہ آپ کی ذات ایک نور تھی اور نور کا سایہ نہیں ہوتا یا یہ سبب ہو کہ ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہوتا ہے اور چونکہ آپ کا نظیر اللہ تعالی نے نہیں بنایا تو سایہ بھی آپ کے جسم کو نہ پیدا کیا، یا یہ سبب ہو کہ چونکہ اکثر زمین نجاست اور آلائش سے خالی نہیں تو غیرت الٰہی نے نہ چاہا کہ میرے محبوب کے سر اور سینہ وغیرہ کا سایہ بھی ناپاک چیز پر پڑے، یا یہ سبب ہو کہ کہیں منافق یا کافر کا قدم سایہ میں آپ کے سر پر نہ پڑے اور اس جگہ ایک زاہد کا قول نہایت ہی دلچسپ ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ کے کیوں سایہ نہ تھا؟ فرمایا کہ رسول اللہ تو ظل اللہ تھے اور کہیں ظل کا بھی ظل ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) رسول اکرم ﷺ کے جسم اطہر کا سایہ نہ ہونا بعض علماء کی رائے ہے مثلاً قاضی عیاض وغیرہ، لیکن تحقیق یہ ہے کہ آپ ﷺ کے جسم کا سایہ تھا، جیسا کہ متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، ملاحظہ ہو حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحب کا رسالہ ''سایۂ رسول''۔ عتیق احمد

(۳) اور اس کا سبب یہ ہے کہ مکھی اکثر نجاست اور گندگی پر بیٹھتی ہے تو اللہ کو پسند نہ آیا کہ وہی مکھی اس کے ایسے حبیب کے بدن پر بیٹھے۔ ۱۲ منہ

(۳) اور یہ کہ آپ کے کپڑے میں جوں نہیں پڑتی تھی۔

(۴) اور یہ کہ آپ کو مچھر نہیں کاٹتا تھا۔

(۵) اور یہ کہ آپ مختون اور بریدہ ناف پیدا ہوئے (۱)

(۶) اور یہ کہ آپ پیچھے سے ایسا دیکھتے تھے جیسا آگے سے (۲)

(۷) اور یہ کہ سوتے وقت آپ کا دل بہت ہی خبردار رہتا، اور اس وقت میں ایسا ادراک باقی رہتا تھا، جیسے بیداری کے وقت میں (۳)

(۸) اور یہ کہ آپ کو کبھی احتلام نہیں ہوا (۴)

(۹) اور یہ کہ آپ کا پیشاب اور پاخانہ جب زمین پر گرتا تو زمین اس کو فوراً نگل جاتی، اور کسی نے زمین پر پڑا نہیں دیکھا (۵) اور اس جگہ سے مشک کی بو آتی تھی۔

(۱۰) اور یہ کہ آپ کو ہرگز جمائی نہیں آئی۔

(۱۱) اور یہ کہ جب کسی کے ساتھ چلتے تو گو وہ کیسا ہی تیز رو ہوتا آپ آگے ہوتے، اور جس کے برابر کھڑے ہوتے گو وہ کیسا ہی لانبا (لمبا) ہوتا، آپ سے قد میں

---

(۱) اور اس کا یہ سبب تھا کہ خلقت کی نظر سے ستر عورت رہے اور ناف بریدہ پیدا ہونے کا یہ سبب تھا کہ چونکہ زمانۂ جاہلیت میں مردار اور مشرکوں کا ذبیحہ کھانے میں کچھ عیب نہ تھا تو آپ کی ماں بھی کھاتی تھیں تو اللہ تعالی نے ناف بریدہ کیا تاکہ ماں کی غذا سے آپ کا بدن پرورش نہ پائے۔ ۱۲ منہ۔

(۲) اور اس میں یہ حکمت تھی کہ کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے، کیوں نہ ہو کہ آپ تو کمال انسانی کے شمع تھے اور شمع کی پشت و رو ایک سی ہوتی ہے۔ ۱۲ منہ۔

(۳) اور اس کا سبب یہ تھا کہ سوتے ہوئے ظاہری حواس معطل ہو جاتے ہیں اور روح کو کچھ ہوشیاری رہتی ہے اور آپ کی ذات چونکہ نہایت مقدس تھی آپ کی روح کی ہوشیاری بھی نہایت درجہ پر تھی جو بیداری کے برابر پڑی۔ ۱۲ منہ۔

(۴) اور اس کا سبب یہ تھا کہ یہ امر نیند میں شیطان کی بازی سے ہوتا ہے اور شیطان کی مقدور نہ تھی کہ نیند میں بھی آپ سے ایسی گستاخی کرے ۱۲ منہ

(۵) اور اس میں یہ حکمت تھی کہ آپ کی کوئی چیز ایسی نہ ہو کہ جس کو دیکھ کر خلقت نفرت کرے۔ ۱۲ منہ

کم نظر آتا(۱)

(۱۲) اور یہ کہ جس سواری پر سوار ہوتے، وہ کبھی بوڑھی اور ضعیف نہ ہوتی، اور اسی طرح اور حالات ہیں، کہاں تک کوئی بیان کرے، سچ تو ہے:

کہاں اس کی صفت ہوئے کما ہی — وہ ہے لاریب محبوب الٰہی
بمثل ذات پاک حق تعالیٰ — جہاں میں اس کا بھی ثانی نہ پایا
یہ جو کچھ سامنے ارض وسما ہے — سب اس کی ذات سے پیدا ہوا ہے
ہیں تابع اس کے سب پیغمبر پاک — اسی کے سر پہ زیبا چتر لولاک
وہی بیشک شفیع المذنبین ہے — میرے دل پر یہی نقش نگین ہے
محمد سرور دنیا و دین ہے — محمد رحمۃ للعالمین ہے

صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وأصحابہ اجمعین

---

(۱) اور اس کا سبب یہ تھا کہ اور کا وجود آپ کے وجود مبارک کے سامنے کالعدم تھا۔ ۱۲ منہ رحمۃ اللہ علیہ۔

معہد الشریعہ لکھنؤ

اغراض ومقاصد

(۱) دور حاضر میں اسلام کی اطمینان بخش تعبیر وتشریح کرنا اور اسلامی شریعت کی ایسی ترجمانی کرنا جو موجودہ نسل کے دل ودماغ کو مطمئن کر سکے۔

(۲) اسلامی شریعت کے انسانی اور عادلانہ پہلوؤں کو خاص طور پر اجاگر کرنا اور اسلام کی ان تعلیمات کی ترویج اور اشاعت کرنا جن سے اسلام کی میانہ روی، وسطیت، رواداری اور عدل گستری واضح ہوتی ہے۔

(۳) مسلمانوں میں اسلامی شریعت کے تئیں بیداری پیدا کرنا، اس بات کی کوشش کرنا کہ مسلمان اپنی عام زندگی میں اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہوں، اور شرعی احکام سے واقف ہونے کی کوشش کریں۔

(۴) مسلمانوں کے مختلف طبقات (وکلاء، ڈاکٹرس، تجار وغیرہ) کو ان سے متعلق شرعی احکام کی واقفیت بہم پہنچانے کے لئے مختلف قسم کے پروگرام ترتیب دینا، مختصر مدتی کورس جاری کرنا، کیمپس منعقد کرنا وغیرہ۔

(۵) مسلمان نوجوانوں کو اسلامی شریعت سے واقف کرانے اور شریعت پر ان کا اعتماد قائم ومستحکم کرنے کے لئے جدوجہد کرنا۔

(۶) اسلامی شریعت کے بارے میں غیر مسلموں میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے سیمنار، سمپوزیم وغیرہ منعقد کرنا اور اس مقصد کے لئے جدید ذرائع ابلاغ کا بھرپور استعمال کرنا۔

(۷) اسلامی شریعت کے مصادر اور اسلامی شریعت سے وابستہ مختلف موضوعات پر ریسرچ وتحقیق کرانا، اسلامی شریعت کے ماہرین کی مدد سے اس کا منصوبہ بنانا۔

(۸) دینی مدارس کے باصلاحیت اور ہونہار فضلاء کو مختلف اسلامی علوم اور عصری علوم میں ماہر بنانے کے لئے تکمیل و تخصص کے کورس تیار کرنا اور جاری کرنا۔

(۹) اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیز کے مسلم طلبہ کو اسلامی شریعت سے واقف کرانے کے لئے منصوبہ سازی اور اقدامات کرنا۔

(۱۰) اسلامی شریعت پر کام کرنے والے تحقیقی اور تصنیفی اداروں سے رابطہ رکھنے کی کوشش کرنا اور ان کے اشتراک و تعاون سے اسلامی شریعت پر مختلف منصوبوں کو روبہ عمل لانا۔

(۱۱) مذکورہ بالا مقاصد کے لئے ادارے قائم کرنا، سیمینار، سمپوزیم منعقد کرنا، اسٹڈی گروپ تشکیل دینا اور ایسا ہر کام کرنا جو مقاصد بالا کو پورا کرنے والا ہو۔

Postal Address:

Shariah Institute

504/56, Makarim Nagar, Nadwa Road

Lucknow - 226 007, Uttar Pradesh, India

Mob: +91-9839776083 +91-9125883962

محقق ایک نظر میں

نام: عتیق احمد بن محمد رفیق مرحوم

سن پیدائش: ۱۹۵۴ء

ابتدائی تعلیم: مدرسہ نور العلوم بہرائچ

فضیلت وافتاء: دار العلوم دیوبند (۱۳۹۳ھ-۱۳۹۴/۱۹۷۳،۱۹۷۴)

موجودہ مشغولیت: استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (از ۱۹۸۰ء)

چند عہدے اور ذمہ داریاں:

(۱) صدر و بانی معہد الشریعۃ لکھنؤ

(۲) سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

(۳) رکن اساسی ورکن عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

(۴) رکن اساسی آل انڈیا ملی کونسل

(۵) رکن اساسی المعہد العالی الاسلامی پھلواری شریف پٹنہ

فون اور ای میل: 0091-9839776083

m.ateeque.bastavi@gmail.com

چند تصنیفات: (۱) ہندوستان میں نفاذ شریعت

(۲) زکوٰۃ کے مصارف (۳) زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک

(۴) ہندوستان اور نظام قضا (۵) ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کا مسئلہ

(۶) اصولی مباحث (اجتہاد، عرف وعادت، ضرورت وحاجت وغیرہ اصول مباحث پر تحقیقی مقالات)

(۷) اسلامی نکاح (۸) چند اصحاب عزیمت

(۹) دعوت اسلام-ایک اہم فریضہ

(۱۰) اسلامی سزائیں اور جرائم کی روک تھام

(۱۱) عیسائی مشنریز کی سرگرمیاں اور مسلمان

(۱۲) تحقیق وتسہیل ازالۃ الشکوک تصنیف حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ (چار جلدیں)

یاد داشت